بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و
خزینۂ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ مسمّٰی بہ

معارف القرآن (تکملہ)

تالیف

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ابن

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد ہشتم مشتمل بر تفسیر پارہ ۲۸ ۲۹ ۳۰

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مکتبہ رحمانیہ
MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب .... معارف القرآن (جلد ہشتم)

تصنیف .... حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر .... مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

مطبع .... خضر جاوید پرنٹرز

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فہرست مضامین جلد ہشتم تفسیر "معارف القرآن"

پارہ ㉘، ㉙، ㉚

ازسورۂ مجادلہ .... تا .... سورۃ الناس

پارہ ㉘ قَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ

تفسیر سورۃ المجادلہ

سُورۃ المجادلہ ۱۵
شکوہ والتجا خاتون پریشان حال در بارگاہ رب العزت
ذی الجلال ونزول حکم ظہار ۱۷
ظہار کا مفہوم اور اس کا حکم شرعی ۱۸
تنبیہ ووعید بر بغاوت و نافرمانی از حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم .. ۱۹
بیان عظمتِ خداوندی وآداب حاضری در بارگاہ رسالت ﷺ .. ۲۲
تنبیہ ووعید بر موالات و دوستی از قوم مغضوب علیہم وذلت
وناکامی حزب الشیطان وفلاح وکامیابی حزبُ اللہ ۲۶

تفسیر سورۃ الحشر

سُورۃ الحشر ۲۹
جلاوطنی یہود از ارض حجاز غلبۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر باغات
وقلعہائے بنی نضیر ۳۲
جزیرۂ عرب سے یہود کی جلاوطنی ۳۴
غنیمت اور فئے کے درمیان فرق ۳۴
مالک حقیقی کی عطا کردہ ولایت پیکر رسالت میں ۳۶
استحقاق مہاجرین وانصار ومحبین ومخلصین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
در مالِ فئے ۳۸
ذوی القربیٰ یتامیٰ اور ابن السبیل میں مستحقین فئے کی
قسم اوّل فقراء ومہاجرین ۴۰
مستحقین کی قسم دوئم انصار اور ان کی خصوصیات ۴۱
قسم سوم عام اہل اسلام ۴۱
مستحقین ومصارف مال فئے ۴۲
مال فئے اور مال غنیمت میں فرق ۴۳
استحقاق کی اقسام ۴۴
احوال منافقین وکاذبین بعد بیانِ اوصاف مخلصین وصادقین ۴۵
دعوت تقویٰ وفکر آخرت برائے اہل ایمان مع ذکر عظمت
رب ذوالجلال والاکرام ۴۹
اسمائے حسنیٰ وصفات خداوندی ۵۲
اللہ رب العزت کے ننانوے اسماء حسنیٰ ۵۳

تفسیر سورۃ الممتحنہ

سُورۃ ممتحنہ ۵۹
حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون ۶۲
حکم خداوندی برائے ترک محبت ودوستی از دشمنانِ اسلام

وتکمیل اقتضاء ایمان بصورت بغض ونفرت از کفار ۶۵
ترغیب اہل اسلام برائے اسوۂ حسنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام . ۶۷
تسلی اہل ایمان بذکر بشارت وکامیابی مسلمین براعدائے
اسلام واجازت حسن سلوک از کافران امن پسند ومصالحین ۶۹
حکم امتحان مہاجرات مؤمنات واحکام بیعت واطاعت .. ۷۲
حکم بیعت مہاجرات مؤمنات ۷۵
قصہ بیعت نساء مؤمنات ۷۵

تفسیر سورۃ الصف

سورۃ الصف ۷۷
تسبیح وتحمید خداوندی مع ترغیب اہل ایمان برائے جہاد
فی سبیل اللہ ۷۸
جہاد فی سبیل اللہ بارگاہِ خداوندی میں محبوب ترین عمل ۷۹
شکوۂ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام از ایذا رسانی قوم والتجاء بہ بارگاہ
خداوند ذوالجلال والاکرام ۸۰
بشارت حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام بہ بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم .. ۸۱
نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے
کے لیے عیسائیوں کو حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام اور انجیل مقدس
کا صریح حکم ۸۳
بشارتِ انجیل یوحنا........................ ۸۴
لفظ فارقلیط کی تحقیق ۸۵
جواب ۸۷
نصاریٰ کی طرف سے فارقلیط کی عجیب وغریب تفسیر...... ۹۳
انجیل برنابا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی تصریح
کے ساتھ بشارت ۹۴
دعوت اہل ایمان برائے تجارت رابحہ وترغیب برحصول
فلاح وسعادت دنیا وآخرت ۹۶
حواریین مسیح علیہ السلام کے بالمقابل حواریین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور انصار اللہ کی عظمت ومنقبت ۹۷
تاریخ عالم گواہ ہے کہ کفر کی تمام طاغوتی طاقتیں اللہ کا نور
نہ بجھا سکیں ۹۸

تفسیر سورۃ الجمعہ

سورۃ الجمعہ ۹۹
تکمیل بشارت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بہ بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
وتنبیہ برشقاوت اہل کتاب بوجہ انحراف از ایمان واتباع
نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۱
حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کی حکمت .. ۱۰۴
ترغیب اہل ایمان برائے اقامہ جمعہ وتاکید سعی الیٰ ذکر اللہ
وترک بیع وشراء براذان ۱۰۵
تخلیق کائنات یوم جمعہ کی عظمت وخصوصیت اور
اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ۱۰۷

تفسیر سورۃ المنافقون

سورۃ المنافقون ۱۱۰
مذمت نفاق ومنافقین وتحقیق بیہودہ خصال مُنافقین ۱۱۲
تنبیہ وتحذیر اہل ایمان از غفلت ذکر اللہ وتاکید انفاق
فی سبیل اللہ ۱۱۶
فتنۂ مال اور فتنۂ جاہ انسان کے لیے سعادت سے محرومی
کا باعث ہے ۱۱۷

تفسیر سورۃ التغابن

سورۃ التغابن........................ ۱۱۸
تقسیم اولاد آدم در قسم مؤمن وکافر وانکار وحدت قومیہ
بلحاظ وطن........................ ۱۲۰
تنبیہ بر فکر آخرت وترغیب ایمان وعمل صالح ونصیحت
برائے صبر واستقامت واطاعت خداوندی ۱۲۳

دُنیاوی زندگی میں مصائب کا راز اور ان پر صبر کی تلقین ۱۲۶

تفسیر سورۃ الطلاق

سُورۃ الطلاق ۱۲۸
احکام طلاق وعدت نفقہ وسکنٰی وتاکید تقویٰ وتنبیہ بر تجاوز از حدودِ خداوندی ۱۳۰
زمانہ جاہلیت میں عورت کی بے بسی اور اسلام وقرآن کا اس کے حقوق کا محافظ ہونا ۱۳۳
ذکر احکام بعض مطلقات مع بیان حق سکنٰی ونفقہ ومسئلہ رضاعت ۱۳۵
مطلقہ عورتوں کی عدت کے بعض احکام ۱۳۷
معتدہ عورت کے لیے نفقہ اور سکنٰی ۱۳۸
طلاق ثلث باجماع اُمت تین طلاق ہیں ۱۳۹
مسئلہ طلاق ثلث میں حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تحقیق ۱۴۰
تنبیہ وتحریر بر نافرمانی رب العالمین ودرس عبرت بہ بیان ہلاکت قریہائے مجرمین ۱۴۳
سات آسمانوں اور سات زمینوں کے متعلق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اور اس کی تحقیق ۱۴۵
جدید فلاسفہ کا نظریہ ۱۴۷

تفسیر سورۃ التحریم

تعلیم صبر واستقامت وعدل وانصاف در حقوق و اُمور معاشرت ۱۵۰
خطاب خاص برائے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ۱۵۲
حکم توبہ وانابت الی اللہ باخلاص قلب ووعدہ معافی خطایا وبشارت حصول نعمتہائے جنت ۱۵۴
تَوْبَةً نَّصُوحًا کی تفسیر ۱۵۵
میدانِ حشر میں اہل ایمان کا نور ۱۵۶
نمونۂ ایمان وکفر وہدایت وشقاوت برائے خواتین عالم ... ۱۵۷
آسیہ علیہا السلام امراءۃ فرعون کے ایمان کا واقعہ ۱۵۹

پارہ ㉙ تَبٰرَكَ الَّذِىْ

تفسیر سورۃ الملک

سُورۃ الملک ۱۶۱
شانِ عظمت وقدرتِ خداوندی مع بیان جزائے اہل سعادت وتنبیہ وتہدید بر اہل شقاوت ۱۶۳
توحید ذات وصفات خداوندی ایمان کی اساس ہے ۱۶۴
آسمانوں کے وجود پر قرآن کریم اور الہامی کتابوں کا فیصلہ اور حکماء یونان وفلاسفہ کے خیالات ۱۶۶
عقوبیت وتنبیہ بر انکار توحید رب العالمین ۱۷۰
بیان انعام بر اہل تقویٰ واحاطہ علم خداوندی باحوال فریقین ۱۷۳
دلائل قدرت رب العالمین وتنبیہ وتہدید بر مجرمین ومنکرین ۱۷۶

تفسیر سورۃ القلم

سُورۃ القلم ۱۷۸
بیان عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتلقین صبر واستقامت ۱۷۹
قلم اور تحریر قلم تاریخ عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحقانیت کا ثبوت اعظم ۱۸۱
عبرتناک انجام غرور وتکبر بر دولت دنیا ومحرومی از سعادت آخرت ۱۸۵
غرور وتکبر سے سرسبز وشاداب باغ کی تباہی ۱۸۶
بشارت اہل ایمان وتقویٰ بنعماء جنت وتذلیل وتوہین کفار ومشرکین در روز آخرت ۱۸۹
کشف ساق اور تجلی خداوندی کے ظہور کا مفہوم ۱۹۱

تفسیر سورۃ الحاقۃ

سُورۃ الحاقۃ ۱۹۴

ذکر احوال قیامت و بیان انجام مکذبین و منکرین ۱۹۷
فرشتوں کا عرش الٰہی اٹھانا ۱۹۹
بیان عظمت کلام الٰہی و حقانیت و صداقت قرآن کریم ۲۰۲

تفسیر سورۂ المعارج

سُورۃُ المعارج ۲۰۵
مجازات عناد و سرکشی کفار و شدت کرب و اضطراب در روز قیامت ۲۰۸
حیرت و استعجاب بر حال اہل عناد و تنبیہ و تہدید بر خود فریبی ایشاں ۲۱۲

تفسیر سورۂ نوح

سُورۂ نوح ۲۱۳
بعثت رسول ہادی حق و داعی توحید نوح علیہ السلام و تمرد و سرکشی قوم و نفرت و استکبار از صداء ایمان و توحید خالق ارض و سماء ۲۱۵
شکوۂ نوح علیہ السلام بارگاہ خداوندی بر نافرمانی سرکشی قوم ۲۱۹
دُنیا میں شرک کا آغاز کیونکر ہوا ۲۲۱

تفسیر سورۂ الجن

سُورۃُ الجن ۲۲۳
تاثیر حقانیت قرآن بر قوم جن و قبول ایمان ۲۲۵
وجود جن کے بارہ میں فلاسفہ کا خیال ۲۳۰
طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں جنات کا قرآن کریم سننا اور اس پر ایمان لانا ۲۳۱
حکم اعلان توحید و اعلان برأت از شرک و فیصلہ برائے عذاب مجرمین ۲۳۳
تمام اُمت کا اجماعی فیصلہ کہ عالم الغیب صرف اللہ رب العزت ہی ہے ۲۳۵

تفسیر سورۂ مزمل

سُورۂ مزمل ۲۳۶
حکم قیام اللیل و تاکید ترتیل و تحسین در تلاوت کلام اللہ تعالیٰ ۲۳۸
اتمام حجت خداوندی بر منکرین و کفار بہ بعثت سید الابرار خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ ۲۴۱
یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا سے متعلق فائدہ ۲۴۲
حکم تخفیف در قیام لیل و رخصت برائے ضعفاء و مجاہدین .. ۲۴۴
فرضیت تہجد اور ایک سال بعد تخفیف کا حکم ۲۴۵
نمازوں میں مطلق قراءۃ قرآن کی فرضیت ۲۴۶

تفسیر سورۃ المدثر

سُورۃُ المدثر ۲۴۷
حکم اعلان توحید و رسالت سید المرسلین ﷺ و تہدید و مذمت بر اعراض مجرمین ۲۵۰
رب سمٰوات و ارض کے لشکر بس وہی جانتا ہے ۲۵۴
تنبیہ بر انکار مجرمین و بیان قانون جزاء و سزا در روز قیامت ۲۵۶

تفسیر سورۃُ القیامۃ

سُورۃُ القیامۃ ۲۵۸
احوال روز قیامت مع ذکر مناظر محشر و شدت کرب بوقت مرگ انسانی و حسرت و ملال بر محرومی از ہدایت ۲۶۱
نفس کی حقیقت اور اس کی قسمیں ۲۶۴

تفسیر سورۃُ الدھر

سُورۃُ الدھر ۲۶۷
ابتداء ہستی انسان در عالم و عطاء صلاحیت برائے فرق درمیان حق و باطل مع ذکر انعامات ابرار و متقین و تعذیب مجرمین .. ۲۶۹
نسل انسانی کا عدم سے وجود میں آنا ۲۷۳
ڈارون کا عجیب و غریب نظریہ ۲۷۵
عظمت کلام رب العالمین و تاکید بر پابندی احکام و دوام ذکر و بندگی ۲۷۷

تفسیر سورۃ المرسلات

سُورۃُ المرسلات............۲۷۹
اعلان پراگندگی نظام عالم برائے تکمیل وعدۂ قیامت و
بربادی مجرمین وانعام والطاف بر مؤمنین ۲۸۲
آیت وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کے تکرار کی حکمت ۲۸۹

پارہ ۳۰ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ

تفسیر سورۃ النبا

سُورۃُ النبا............۲۹۰
گستاخی مجرمین بصورت سوال ومطالبہ روز قیامت و
ذکر قانون جزاء وسزا مع دلائل قدرت ۲۹۱
انعامات وراحت واکرام وعزت برائے اہل ایمان وتقویٰ
واصحاب ہدایت ۲۹۶

تفسیر سورۃ النازعات

سُورۃُ النازعات ۲۹۸
ہیبت واضطراب درروز محشر وفلاح وکامرانی اہل ایمان ...۳۰۰
راجفہ اوررادفہ کی تفسیر ۳۰۲
اعلان خداوندی بقدرت کاملہ وعاجزی وپستی کائنات
پیش عظمت الٰہی ۳۰۴
مسئلۂ آخرت اور بعث بعد الموت ۳۰۶
عالم جسمانی کی حقیقت اوراس کی موت وحیات ۳۱۱
مسئلۂ بعث اور معاد ابدان..........۳۱۲
معاد جسمانی اور حشر ابدان پر عقلی شواہد..........۳۱۴

تفسیر سورۂ عبس

سُورۂ عبس............۳۱۶
ترغیب ملاطفت باضعفاء مؤمنین واستغناء وبے نیازی از
اہل دُنیا ومتکبرین ۳۱۸
نظام قدرت وربوبیت کے کرشمے ۳۲۱
فقراوردرویش دراصل عنایت وتوجہ خداوندی کے مظہر
ہوتے ہیں ۳۲۲
اثبات قیامت کے لیے دلائل آفاق وانفس ۳۲۲
اموات کے لیے قبراور دفن قانونِ فطرت ہے ۳۲۳

تفسیر سورۃ التکویر

سُورۃُ التکویر............۳۲۴
ہولناک مناظر روزِ قیامت وپیشی اعمال وفیصلہ جزاوسزا ...۳۲۶
شمس وقمر کی قسموں سے مضمون کی مناسبت ۳۲۹
ابطال جبر وقدر............۳۳۰

تفسیر سورۃ الانفطار

حوادث ارض وسماوٗشمس وقمر بر قیام قیامت ۳۳۲
مغرور نافرمان انسان کو خلاق ورب العالمین کی ایک دھمکی ۳۳۳

تفسیر سورۃ المطففین

سُورۃ المطففین ۳۳۵
وعید بر اتلاف حقوق وخیانت دروزن وپیمائش..........۳۳۶
معاملات میں عدل وانصاف اور امانت ۳۳۸
کرامت وعزت برائے مؤمنین مطیعین ۳۴۰

تفسیر سورۃ الانشقاق

سُورۃُ الانشقاق ۳۴۲
قانون مجازات ومراتب جہد وعملیہ درحیات انسانی ۳۴۴
احکام الٰہیہ کی قسمیں..........۳۴۶

تفسیر سورۃ البروج

سُورۃُ البروج ۳۴۸
تنبیہ وتہدید بر سرتابی انسان از طاعتِ خداوندی وتاکید
استقامت برایمان ۳۴۹
یوم موعود اور شاہد ومشہود کی تفسیر ۳۵۱

اصحاب الاخدود یعنی آگ کی خندقیں کھودنے والوں کا قصہ ۳۵۱

تنبیہ خداوندی بدوام عذاب جہنم بر تعذیب مؤمنین ومؤمنات ۳۵۴

تفسیر سورۃ الطارق

سُورۃُ الطارق ۳۵۵

دعوت فکر در تخلیق انسان وشہادت ارض وسماء ونجوم بر مسئلہ بعث بعد الموت ۳۵۷

تفسیر سورۃ الاعلیٰ

سُورۃُ الاعلیٰ ۳۵۹

فلاح وسعادت از ذکرِ خداوندی وانہماک در صلوٰۃ وعبادت ۳۶۰

تفسیر سورۃ الغاشیہ

سُورۃُ الغاشیہ ۳۶۳

تنبیہ انسان غافل از وقوع قیامت ودعوت فکر برائے رجوع الی اللہ ۳۶۴

دلائل قدرت میں غور فکر تقاضائے فطرت اور باعث سعادت ہے ۳۶۷

تفسیر سورۃ الفجر

سُورۃُ الفجر ۳۶۷

تاریخ اقوام مکذبین وتقسیم فطرت انسانی بصورت شقاوت وسعادت ۳۷۰

قدیم اقوام میں ارم ذات العماد کی تاریخی عظمت اور قہر خداوندی سے ہلاکت ۳۷۳

عذابِ خداوندی کی عظمت وشدت ۳۷۴

تفسیر سورۃ البلد

سُورۃُ البلد ۳۷۶

انقسام عمل در خیر وشر مع بیان عظمت مہبط وحی وسرچشمہ ہدایت ۳۷۸

تواصی بالصّبر انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث ہے ۳۸۲

تفسیر سورۃ الشمس

سُورۃُ الشمس ۳۸۲

استعداد خیر وشر در طبیعت بشریہ ومعیار سعادت وشقاوت .. ۳۸۴

قوم ثمود کی اجمالی تاریخ ۳۸۸

تفسیر سورۃ اللیل

سُورۃُ اللیل ۳۹۰

تقسیم جہود عملیہ در حیات انسانی وترتب ثمرات سعادت وشقاوت ۳۹۲

ایمان وتقویٰ اور جود وسخا کا پیکر اعظم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۳۹۳

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستحق خلافت تھے ۳۹۴

تفسیر سورۃ الضحیٰ

سُورۃُ الضحیٰ ۳۹۷

انعامات خاصہ برذاتِ اقدس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وامر باداء شکر ۳۹۸

انعاماتِ خداوندی اور مکارم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰۰

تفسیر سورۃ الانشراح

سُورۃُ الانشراح ۴۰۱

بشارت بانشراح صدر ورفع گرانی قلب وازالہ شدائد ہمت شکن ۴۰۲

شانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وبلندی ۴۰۴

تفسیر سورۃ التین

سُورۃُ التین ۴۰۸

شہادت اشجار واماکن بر خالقیت ربّ العالمین ومبداء ومعاد انسان ۴۰۹

تین اور زیتون کی تفسیر ۴۱۱

تفسیر سورۃ العلق

سُورۃُ العلق ۴۱۲
آغازِ وحی بامر قراءۃ باسم رب العالمین و مذمت و تہدید
بر مخالفت رسول خدا ﷺ ۴۱۴

تفسیر سورۃ القدر

سُورۃُ القدر ۴۱۸
عظمت شب قدر و ماہ رمضان بنزول قرآن ۴۱۹
شب قدر اور نزول قرآن ۴۲۰
شبِ قدر اُمت محمدیہ کی خصوصیت ۴۲۲

تفسیر سورۃ البینہ

سُورۃُ البینہ ۴۲۳
ذاتِ رسول کریم ﷺ و آیات قرآن سرچشمۂ علوم
و برہان ہدایت ۴۲۵

تفسیر سورۃ الزلزال

سُورۃُ الزلزال ۴۲۷
حوادث و زلازل بوقت وقوع قیامت ۴۲۸

تفسیر سورۃ العادیات

سُورۃُ العادیات ۴۳۰
سرگرمی بہائم در اطاعت مالک و نافرمانی و ناشکری انسان
باآقاء رب العالمین ۴۳۱

تفسیر سورۃ القارعہ

سُورۃُ القارعہ ۴۳۳
حوادث زمان و قوارع دہر بروز محشر و تنبیہ برائے بیداری
از خواب غفلت ۴۳۴
مادی اجسام کا ثقل اور روحانیات کی لطافت ۴۳۵

تفسیر سورۃ التکاثر

سُورۃُ التکاثر ۴۳۶
تنبیہ و تہدید بر غفلت از آخرت و وعید بر حرص مال و دولت . ۴۳۷

تفسیر سورۃ العصر

سُورۃُ العصر ۴۴۰
کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کو ضیاع و خسران
سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے ۴۴۱

تفسیر سورۃ الہمزۃ

سُورۃُ الہمزۃ ۴۴۳
طعن و تشنیع و عیب جوئی و حب مال موجب ہلاکت و باعث
نار جہنم ہے ۴۴۴
هُمَزَة اور لُمَزَة کی تفسیر ۴۴۵

تفسیر سورۃ الفیل

سُورۃُ الفیل ۴۴۶
نزول غضبِ خداوندی بر ہتک حرماتِ الٰہیہ و تحقیر
مرکزِ ہدایت ۴۴۷
قصہ اصحاب فیل ۴۴۸

تفسیر سورۃ القریش

سُورۃُ القریش ۴۵۴
انعاماتِ خداوندی بر قریش بصورت عطاء و امن و تسہیل
وسائل سفر ۴۵۴

تفسیر سورۃ الماعون

سورۃ الماعون ۴۵۷

تفسیر سورۃ الکوثر

سُورۃُ الکوثر ۴۵۸
انعام رب ذوالجلال بعطاء کوثر و ہلاکت و بربادی دشمن
رسول مقبول ﷺ ۴۵۹
الکوثر کا مفہوم ۴۶۰

تفسیر سورۃ الکافرون

سُورۃُ الکافرون ۴۶۲
اعلان استقامت براسلام وشعائر اسلام وبیزاری ازمراعات اہلِ باطل ۴۶۳

تفسیر سورۃ النصر

سُورۃُ النصر ۴۶۵
ذکر بشارت فتح ونصرت وغلبۂ دین وظہورِ اسلام مع حکم تسبیح واستغفار ۴۶۶
سورۃ النصر کا نزول قبل از فتح مکہ یا بعد از فتح ۴۶۷

تفسیر سورۃ لہب

سُورۃُ اللّہب ۴۶۸
خسران وبربادی در دُنیا وعقبیٰ از دشمنیٔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۴۶۹

تفسیر سورۃ الاخلاص

سُورۃُ الاخلاص ۴۷۲
اعلان توحید خداوندی وتقدیس وتنزیہ ازمماثلت ومشابہت ۴۷۴

تفسیر معوذتین

سورۃ الفلق و سورۃ الناس

معوذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف ۴۷۹
تعلیم تعوذ وحصول پناہ ازمہالک حسیہ ۴۸۱
تعلیم وتلقین ازمہالک باطنیہ وآفات نفسانیہ ۴۸۲
معوذتین کی تفسیر میں حکماء وعارفین کی تحقیق وتشریح ۴۸۳
امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق منیف ۴۸۴
قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام معرفت التیام ۴۸۷
کلماتِ دُعاء ۴۹۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ المجادلہ

سورۃ المجادلہ مدنی سورت ہے جس کی بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے ابتداء سورت اس مجادلہ اور جھگڑے کے قصہ سے فرمائی گئی جو خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند سے پیش آیا تھا کہ ان کے خاوند اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ظہار کر کے ان کو اپنے اُوپر حرام کرلیا تھا تو خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا شکایت کرتی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس وقت تک کوئی حکم شرعی اس بارہ میں نازل نہیں ہوا تھا زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو اپنے پر حرام کرنے کا ارادہ کرتا تو اپنی بیوی کو کہہ دیتا "انتِ علیَّ کظھرِ اُمّی" کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ تو یہ آہ وزاری کرتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس تو اپنے خاوند پر حرام ہوگئی ہے خولہ رضی اللہ عنہا بار بار کہتی رہی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کرتی رہیں اور اس دوران یہ بھی کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے خاوند نے میرا مال بھی کھایا میری جوانی بھی گذر گئی عمر بڑی ہوچکی میری اولاد مجھ سے جدا ہوچکی اب میں کیا کروں پھر پروردگار کی طرف رُخ کر کے دُعا مانگی، اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنے رنج وغم کا شکوہ پیش کرتی ہوں تو ہی اس کو دُور فرمانے والا ہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ ... الخ﴾ کہ اے ہمارے پیغمبر! اللہ نے اس عورت کی بات سُن لی ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑ رہی [1] ہے اپنے خاوند کے معاملہ میں اور اللہ کی طرف وہ اپنی شکایت پیش کر رہی ہے تو ابتداء سورت میں ظہار کر لینے پر کفّارہ اور کفّارۂ ظہار کا حکم بیان فرمایا گیا۔ پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضری کے آداب و احکام بیان کیے گئے اور یہودیوں کی اس بے ہودگی کا بھی ذکر کیا گیا جو وہ آپؐ کی مجلس میں آکر کیا کرتے تھے جس سے ان کی غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا ہوتی تھی اسی کے ساتھ منافقین کے بھی احوال ذکر کیے اور اخیر سورت میں ایمان کی اصل بنیاد و اساس کا ذکر کیا گیا کہ وہ حُب فی اللہ اور بغض فی اللہ ہے اور جب تک کوئی شخص ایمان کے ان تقاضوں کی تکمیل نہیں کرسکتا وہ اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کا عملی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

فرمایا: کیسی بابرکت اور عظمت والی وہ ذات ہے جو تمام عالم کی آوازوں کو سنے۔

یہ عورت جھگڑا لے کر آئی اور میرے حجرہ کے گوشے میں بیٹھی وہ جھگڑ رہی تھی بات کر رہی تھی اور میں حجرہ کے گوشہ میں ہونے کے باوجود اس کی کچھ باتیں نہیں سُن سکی تھی مگر سبحان اللہ کہ ربُّ العزت سات آسمانوں کی بلندی سے اس کی باتیں سُن رہا تھا جب وہ یہ کہہ رہی تھی اللّٰھُمَّ انی اشکوا الیك. چنانچہ تھوڑی دیر گذری کہ جبریل امین علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ [2]

---

[1] تفسیر روح المعانی۔ ابن کثیر جلد رابع۔

[2] صحیح بخاری۔ ابن ماجہ۔

آیاتہا ۲۲ (۵۸) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۵) رکوعاتہا ۳

سورۃ مجادلہ مدنی ہے، اور اس کی بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

سُن لی اللہ نے بات اس عورت کی، جو جھگڑتی ہے تجھ سے اپنے خاوند پر اور جھینکتی ہے اللہ کے آگے،

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

اور اللہ سنتا ہے سوال جواب تم دونوں کا۔ بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا۔ جو لوگ ماں کہہ بیٹھیں

مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗىِٔيْ

تم میں اپنی عورتوں کو وہ نہیں ان کی مائیں۔ مائیں وہی جنہوں نے

وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

اُن کو جنا۔ اور وہ بولتے ہیں ایک ناپسند بات اور جھوٹ۔ اور اللہ

لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

معاف کرتا ہے بخشنے والا۔ اور جو ماں کہہ بیٹھیں اپنی عورتوں کو، پھر وہی کام چاہیں

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ

جس کو کہا ہے تو آزاد کرنا ایک بردہ، پہلے اس سے کہ آپس میں ہاتھ لگاویں۔ اس سے تم کو نصیحت

بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

ہوگی۔ اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ پھر جو کوئی نہ پاوے، تو روزہ دو مہینے کا

مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ

لگاتار، پہلے اس سے کہ آپس میں چھوئیں۔ پھر جو کوئی نہ کر سکے تو کھانا دینا ہے ساٹھ

مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ

محتاج کا۔ یہ اس واسطے کہ حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور یہ حدیں باندھی ہیں اللہ کی۔

وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④

اور منکروں کو دُکھ کی مار ہے۔

شکوہ والتجا خاتون پریشان حال در بارگاہ رب العزت ذی الجلال ونزول حکم ظہار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ . . . الٰی . . . عَذَابٌ اَلِيْمٌ ①﴾

ربط: گزشتہ سورت کا مضمون انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور ان کے ذریعہ عالم دُنیا کے لیے سامان ہدایت ورحمت کا ذکر تھا۔ اب اس سورت کی ابتداء اس مضمون سے کی جارہی ہے کہ اللہ رب العزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایسے ہدایات واحکام نازل فرماتا ہے جن سے لوگ اپنی پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں اگر وہ اپنی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی کسی وقت پریشان ومضطرب ہوں تو خدا تعالیٰ کس طرح اُن کی التجاء سُنتا ہے اور احکام شریعت کے ذریعہ کس طرح ان کی پریشانیاں دُور فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ نے سُن لی ہے اس عورت کی بات جو اے ہمارے پیغمبر آپ سے جھگڑ رہی تھی اپنے خاوند کے حق میں اور شکایت کر رہی تھی اپنی مصیبت وپریشانی کی اللہ کے سامنے اور اسی کی بارگاہ میں التجا کر رہی تھی اور اللہ سُن رہا تھا تم دونوں کے سوال وجواب کو اور آپس کی ردوقدح کو کہ خولہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی تھی یا رسول اللہ اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اب میں کس طرح زندگی گزاروں کہ اس کے یہ کہنے سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے میں حرام ہوگئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے کہ مجھ پر تو کوئی اور حکم اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا۔ بے شک اللہ خوب سُنتا دیکھتا ہے تو اس نے ایک دُکھی عورت کی آواز والتجاء کو سنا اور اس کی مصیبت وپریشانی سے نجات پانے کا راستہ پیدا کر دیا اور آئندہ کے لیے اس قسم کی بات کرنے والوں کے واسطے یہ حکم نازل کر دیا کہ جو لوگ ظِہار کر بیٹھیں تم میں سے اپنی عورتوں سے اور ان کو اپنی ماں کہہ بیٹھیں اور ماں کے بدن سے ان کو تشبیہ دے دیں تو وہ نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں اُن کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا اور یقیناً وہ بول رہے ہیں ایک بہت ہی ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہ جس عورت نے ان کو جنا نہیں وہ کیسے ان پر ماں کی طرح حرام ہو سکتی ہے یہ بیہودہ بات ایسی تو نہ تھی کہ اس پر درگذر کیا جاتا لیکن اللہ بہت ہی درگزر کرنے والا ہے جو اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے تو اب ایسی صورت حال میں قانونِ خداوندی اور حکم شرعی یہ ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کرلیں اور پھر وہ لوٹنا چاہیں اسی چیز کی طرف جس کے واسطے انہوں نے یہ کہا یعنی حرمتِ تعلق اور وہ پھر اس علاقۂ زوجیت کی طرف لوٹنا چاہیں تو ایک غلام آزاد

کرنا ہے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ *

اے مسلمانو! یہ ہے وہ بات جس کی نصیحت تم کو کی جا رہی ہے۔ اور اس حکم کا تم کو پابند کیا جا رہا ہے۔ اور اللہ تو خوب خبر رکھنے والا ہے ان تمام کاموں کی جو تم کرتے ہو پھر اگر کوئی شخص نہ پائے غلام اور اس کی قدرت نہ ہو کہ غلام آزاد کرے تو پھر وہ مہینہ کے روزے ہیں پے در پے قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں پھر اگر کوئی اس کی بھی کوئی استطاعت نہیں رکھتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم مذکورہ بالا کفارہ کی تین صورتوں میں ہے اس لیے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور تابع دار ہو اللہ کے ہر حکم اور اس کے رسول کے اور یہ اللہ کی حدود ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں پر مقرر کر دی ہیں ان پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے اور کافروں کے واسطے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ اللہ کے حکم سے روگردانی درحقیقت انسان کا خود اپنے اوپر ظلم ہے جس کی سزا سے وہ ہرگز نہیں بچ سکتا اسی وجہ سے اللہ نے حدود مقرر کر دیں تاکہ ان سے کوئی تجاوز نہ کرے۔

ظہار کا مفہوم اور اس کا حکم شرعی

جیسا کہ تفسیری کلمات سے معلوم ہو چکا ظہار کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی عورت کو یہ کہے انت علیّ کظھر امی کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح حرام ہے۔ اصلاحِ شریعت میں ظہار اپنی بیوی کو یا اس کے کسی ایسے جزء شائع کو جس سے سارے جسم کو اور ذات کو تعبیر کیا جا سکتا ہو۔ اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے حصہ سے تشبیہ دینا جس کا دیکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح دیگر محرماتِ ابدیہ سے تشبیہ دینا ظہار ہے لفظ ظہار ظَہر بمعنی پشت سے مشتق ہے یہ لفظ اگرچہ تلفظ اور ذکر کیا جاتا ہے مگر مراد مجازاً پیٹھ یا مقامِ مخصوص ہوتا ہے۔ حیاءً لفظ ظہار بولنا اختیار کیا گیا۔ کلام عرب میں اس طرح کا مجازاً استعمال شائع اور معروف ہے۔ ان آیات کے نزول سے پیشتر ظہار کو قطعی طلاق شمار کیا جاتا تھا اور اس وقت اسلام میں اس صورتِ خاص کا کوئی حکم بھی نازل نہ ہوا تھا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ابتداءً فرمادیا تھا کہ اَب تو اس پر حرام ہو چکی اور اب کوئی صورت تیرے واسطے نہیں یہاں تک کہ یہ کفارہ کا حکم قرآن کریم میں نازل ہو گیا اب ظہار کرنے پر شریعت کے نزدیک کفارہ کی یہ شکل نکل آئی اور اس طرح کفارہ ادا کر کے مرد اپنی بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

فقہاء کے نزدیک یہ بات تو بالاجماع ہے کہ ان الفاظ کے کہنے سے ظہار ہو جائے گا۔ لیکن ان الفاظ یعنی انتِ علیّ کظھرِ امی

---

* حنفیہ کے یہاں ظہار میں یہی حکم ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے قبل مرد و عورت آپس میں نہیں مل سکتے جماع اور دواعیِ جماع سب ممنوع ہیں۔ چنانچہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح ہے۔ زہریؒ نے تصریح کی ہے کہ لمس وتقبیل وغیرہ بھی جائز وحلال نہیں ہے جب تک کہ کفارہ نہ ادا کرے عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی عورت سے قربت کر لی قبل اس کے کہ میں کفارہ ادا کروں۔ آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی اور فرمایا اس بات پر آخر تجھے کس بات نے آمادہ کیا اس نے اپنا عذر بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لاتقربھا حتیٰ تفعل ما امرك الله عزوجل)) کہ تو اس کے قریب بھی نہ جا جب تک کہ تو اس بات کی تکمیل نہ کر لے جس کا اللہ عزوجل نے تجھے حکم دیا ہے یعنی کفارہ ادا کر لے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح فرمایا ہے اور امام ابوداؤد ونسائی رحمہما اللہ نے اس کو عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

ظہار کے تفصیلی احکام کے لیے کتب فقہ کی مراجعت فرمائی جاوے۔ ۱۲

کے علاوہ اور کوئی لفظ کہے اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ظہر تو کہے لیکن اُم نہ کہے تو اگر ام کے علاوہ کسی غیر محرم کا ذکر کیا یعنی محرم سے تشبیہ نہیں دی تو اس صورت میں بالاتفاق ظہار نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اپنی عورت سے قربت کو اگر ایسی عورت کی قربت سے تشبیہ دی جس سے نکاح ہو سکتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اگر ماں کے سوا ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں نسباً ہوں مثلاً بہن، پھوپھی، بیٹی، نواسی یا رضاعت کے رشتہ سے مثلاً جیسے کہ رضاعی بہن اور رضاعی بیٹی وغیرہ تو ان صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہوگا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں دو قول ہیں پہلا قول یہ تھا کہ ظہار نہ ہوگا۔ دوسرا یہ کہ ظہار ہے۔ دوسری شکل میں کہ ماں کی پشت سے تو تشبیہ نہیں دی بلکہ اس کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ان کا دیکھنا حرام نہیں مثلاً ہاتھ، پاؤں، چہرہ، آنکھ تو اس میں ظہار نہیں اور اگر ایسے اعضاء سے تشبیہ دی ہے کہ ان کا دیکھنا حرام ہو مثلاً ران، سرین اور پیٹ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہے۔

تیسری شکل یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو اور نہ پشت کا بلکہ یہ کہے کہ تو مجھ پر میری بہن یا بیٹی کی طرح ہے تو اس شکل میں فقہاء حنابلہ و شافعیہ ظہار نہیں کہتے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس شکل میں بھی ظہار ہے لفظ مِنۡکُمۡ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہار مسلمان کر سکتا ہے۔ کافر ذمی کو ظہار کا حق نہیں۔ (تفصیل کے لیے کتب فقہ کی مراجعت فرمائیں)

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ كُبِتُوۡا كَمَا كُبِتَ الَّذِيۡنَ مِنۡ
جو لوگ مخالف ہوئے اللہ سے، اور اس کے رسول سے، وہ رد ہوئے جیسے کہ رد ہوئے
قَبۡلِهِمۡ وَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۚ ⑤
ان سے پہلے، اور ہم نے اُتاریں ہیں آیتیں صاف۔ اور منکروں کو ذلت کی مار ہے۔
يَوۡمَ يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اَحۡصٰىهُ اللّٰهُ وَ
جس دن اٹھاوے گا اللہ ان سب کو، پھر جتا دے گا ان کو ان کے کیے۔ اللہ نے وہ گن رکھے ہیں اور
نَسُوۡهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ⑥ ع
وہ بھول گئے۔ اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

ع

تنبیہ و وعید بر بغاوت و نافرمانی از حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ... الٰی ... وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ⑥﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفارۂ ظہار کا حکم بیان فرما کر اخیر میں فرما دیا گیا تھا یہ احکام اللہ کی حدود ہیں۔ اور حدودِ خداوندی سے تجاوز کرنا

اللہ کو ہرگز گوارا نہیں ہوسکتا تو اب ان آیات میں احکام خداوندی سے بغاوت کرنے والوں اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والوں پر وعید وتنبیہ ہے فرمایا۔

بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ ذلیل وخوار ہوئے جیسا کہ ذلیل ہوئے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے اتاردی ہیں کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام جن کے بعد نہ کوئی تردد ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ابہام باقی رہ سکتا ہے اور کافروں کے واسطے بڑا ہی ذلیل کردینے والا عذاب ہے۔ جس دن کہ اٹھائے گا اللہ ان سب کو پھر کھول کر رکھ دے گا ان کے سامنے ان کے وہ کام جو انہوں نے کیے۔ اللہ نے تو اس کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہوں نے اس کو بھلا دیا ہے ہر انسان اور اس کا عمل اور اس کی ہر حالت خدا کے احاطہ میں ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں گو انسان اپنے اعمال اور احوال کو بھلا دیتا ہے اور نہ ہی اس کو قیامت یاد رہتی ہے۔ اور اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے کوئی ذرّہ آسمانوں اور زمین میں اس سے پوشیدہ نہیں۔ ہر ایک کے سامنے اس کے اعمال کا دفتر کھول کر رکھ دیا جائے گا زبان پر مہر لگادی جائے گی اور انسان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیتے ہوں گے۔ الغرض اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کسی بھی نافرمان اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے کو دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے کہ وہ اللہ کی گرفت اور عذاب سے بچ جائے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ

تو نے نہ دیکھا! کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ کہیں نہیں ہوتا

مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ

مشورہ تین کا، جہاں وہ نہیں ان میں چوتھا، اور نہ پانچ جہاں وہ نہیں ان میں چھٹا، اور

لَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ

نہ اس سے کم نہ زیادہ جہاں وہ نہیں ان کے ساتھ، جہاں کہیں ہوں۔ پھر

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑦

جتاوے گا ان کو جو انہوں نے کیا قیامت کے دن۔ بے شک اللہ کو معلوم ہے ہر چیز۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

تو نے نہ دیکھے؟ جن کو منع ہوئی کانا پھوسی، پھر وہی کرتے ہیں جو منع ہو چکا ہے۔

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ

اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی، اور زیادتی کی، اور رسول کی بے حکمی کی۔ اور جب آویں تیرے پاس

حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا

تجھ کو دعا دیں جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے، اور کہتے ہیں اپنے دل میں، کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو

اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧

اللہ؟ اس پر جو ہم کہتے ہیں۔ بس ہے ان کو دوزخ پیٹھیں گے اس میں، سو بری جگہ پہنچے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

اے ایمان والو! جب کان میں بات کرو، تو مت کرو بات گناہ کی اور زیادتی کی

وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

اور رسول کی بے حکمی کی، اور بات کرو احسان کی اور ادب کی اور ڈرتے رہو اللہ سے، جس کے

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑨ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ

پاس جمع ہو گے۔ یہ جو ہے کانا پھوسی، سو شیطان کا کام ہے کہ دلگیر کرے

اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَاۗرِّهِمْ شَيْـــًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

ایمان والوں کو، اور وہ ان کا کچھ نہ بگاڑے گا بن حکم اللہ کے۔ اور اللہ پر چاہیے بھروسا کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ⑩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي

ایمان والے۔ اے ایمان والو! جب تم کو کہیے کھل بیٹھو

الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

مجلسوں میں، تو کھل جاؤ، اللہ کشادگی دے تم کو۔ اور جب کہیے اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہو۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ

اللہ اُونچے کرے ان کے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں، اور علم، بڑے درجے۔ اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ

خبر رکھتا ہے جو کرتے ہو۔ اے ایمان والو! جب تم کان میں بات کہو رسول سے

فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ

تو آگے دھرلو، اپنی بات کہنے سے پہلے خیرات۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اور بہت ستھرا۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا

پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم ڈر گئے؟ کہ آگے رکھا کرو

بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

کان کی بات سے پہلے خیراتیں۔ سو جب تم نے نہ کیا، اور اللہ نے معاف کیا تم کو

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

تو اب کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور اللہ کو

خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع ۲

خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

بیان عظمتِ خداوندی وآداب حاضری در بارگاہ رسالت ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ... الٰی ... وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾

ربط: اس سے قبل ان غافلوں اور نافرمانوں پر وعید تھی جو اللہ کے رسول کے احکام سے بغاوت کریں روزِ قیامت اور اپنے اعمال کے نتیجہ کو فراموش کردیں ان کو آگاہ فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وجلال کا ذکر ہے اور یہ کہ اس کے رسول کی خدمت میں حاضری کے آداب کیا ہیں اور جو منافقین ویہود آپ ﷺ کے پاس محض آپ کا وقت ضائع کرنے یا آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے کی غرض سے آتے ہیں اس کے پیش نظر مسلمانوں پر کچھ احکام آداب وعظمت کے بیان فرمائے گئے تاکہ مخلص کا فرق ظاہر ہوسکے۔ ارشاد فرمایا۔

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے انسانوں کے اعمال تو کیا ہر ذرّہ کائنات اس کی نظروں کے سامنے ہے کوئی بھی سرگوشی اور مشورہ تین آدمیوں کا نہیں ہوتا ایسا کہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہ ہوتا ہو ان کا چھٹا اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زائد کا کوئی مشورہ وسرگوشی مگر یہ کہ وہ پروردگار ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی کہیں وہ ہوں غرض کوئی مکان وزمان اور کوئی حالت اور مجلس وسرگوشی اور کوئی مخفی سے مخفی عمل ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کا علم اسکو محیط نہ ہو چھپ کر مشورے کرنے والوں کو اس دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے کہ ہم خدا کی نظروں سے چھپے ہوئے ہیں اس کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ ہر چیز محفوظ رکھتا ہے۔ اس

لیے پھر ان کو آگاہ کردے گا اور جتلا دے گا قیامت کے روز ان اعمال کو جو انہوں نے کیے بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اس بناء پر نہ تو کسی کو حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی سے غفلت برتنی چاہیے جیسا کہ کچھ منافقین و یہود کرتے تھے تو کیا اے مخاطب تو نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو آپس میں سرگوشیوں سے منع کیے گئے لیکن پھر وہ لوگ وہی کام کرتے ہیں جس کی ان کو ممانعت کی گئی اور آپس میں سرگوشی کرتے ہیں گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی اور جب آئیں اے پیغمبر! یہ لوگ آپ کے پاس تو تحیہ وسلام کرتے ہیں اس طرح سے کہ اللہ نے آپ کو تحیہ نہیں کیا اور ان الفاظ سے آپ ﷺ کو دعاءِ سلامتی نہیں دی۔ اللہ نے تو اپنے رسولوں کو ﴿سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الصافات:۱۸۱) فرمایا اور ﴿سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ (النمل:۵۹) کہا اور اسی طرح ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ التحیات میں فرمایا مگر یہ منافق اور یہودی جب آپ ﷺ کو تحیہ کرتے تو السلام علیک کے بجائے السام علیک کہتے اور سم کی معنی موت کے ہیں تو اسی طرح نازیبا الفاظ کہہ کر آپ کو سلام کرتے ہیں۔ ✿ اور مومنین کو ایذاء بھی پہنچاتے ہیں اور خود اپنی باطنی گندگی وخبث کی وجہ سے اپنے دلوں میں کہتے ہیں کیوں نہیں ہم کو اللہ عذاب دیتا ہمارے اس کہنے پر اگر ہم اس کے پیغمبر کی توہین و دل آزاری کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ عالمِ دُنیا میں اس طرح کا نظام اللہ کی حکمت کے پیش نظر ممکن نہ تھا کہ جو گستاخ اور یہودی یا کافر کوئی بھی بیہودہ لفظ زبان سے نکالے تو فوراً ہی اس پر آسمان سے عذاب نازل ہوجائے ایسی صورت میں تو پھر ایمان بالغیب کا کوئی درجہ نہیں رہتا اس وجہ سے فرمایا بس کافی ہے ان کو دوزخ جس میں یہ داخل ہوں گے قیامت کے روز سو وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے جس کی طرف ان کو لوٹنا ہے۔

یہودیوں اور منافقوں کی یہ کس قدر خباثت تھی کہ باوجود اس طرح سرگوشیوں کی ممانعت کے پھر بھی سرگوشیاں کرتے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیٹھنے والے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور عجیب عجیب قسم کے آنکھوں سے اشارے کنائے کرتے تو اس کے بالمقابل مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے سے کوئی پوشیدہ بات کرو تو ہرگز کسی گناہ کی بات کی سرگوشی نہ کرو اور نہ زیادتی اور رسول کی نافرمانی کرنے کی اور سرگوشی و مشورہ کیا کرو نیک اور تقویٰ کے کاموں کی اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب اٹھائے جاؤ گے ہر عمل و اخلاص کا بدلہ روزِ محشر ہر ایک کو مل جائے گا اگر یہود اور منافقین مسلمانوں اور رسولِ خدا ﷺ کی دل آزاری کے واسطے ایسی حرکتیں کرتے ہیں تو اس پر مسلمانوں کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیے ان کو یہ بات ہر وقت پیش نظر ہی رکھنی چاہیے کہ یہ جو کچھ سرگوشی اور کانا پھوسی ہے وہ صرف شیطان ہی کی طرف سے ہے تاکہ غمگین کردے ✿ اہل ایمان کو اور حال یہ ہے کہ وہ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے بجز اللہ کے حکم کے کہ اگر کسی بات کے متعلق اسی کا حکم ہوا تو وہ بہرکیف ہوجائے گی اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر

✿ ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی نے ایسے لفظ سے آپ ﷺ کو مخاطب کیا۔ السام علیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سُن رہی تھیں ان کو غصہ آیا اور فرمانے لگیں بل علیك السام واللعنة۔ کہ بلکہ تجھ ہی پر موت اور لعنت ہو۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہؓ نرمی کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ کہ آپ نے کیا نہیں محسوس فرمایا کہ اُس نے کیا کہا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سُنا کہ میں نے کیا جواب دیا میں نے اس کو کہہ دیا وعلیک، یعنی اس کی بات اسی پر لوٹا دی اور میری بات تو اس کے حق میں قبول ہوگی۔ اور اس کی بات میرے حق میں قبول نہ ہوگی۔ ۱۲

✿ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں لکھتے ہیں مجلس میں دو شخص کان میں بات کریں تو دیکھنے والے کو غم ہو کہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی جو یہ چھپ کر کہتے ہیں۔ احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ مجلس میں ایک آدمی کو چھوڑ کر دو شخص آپس میں سرگوشی کرنے لگیں کیونکہ اس صورت میں لامحالہ تیسرا شخص غمگین ہوگا۔ ۱۲

بھروسہ کریں اور اللہ پر بھروسہ کرنے سے ان پر اس قسم کی دل آزار حرکتیں زیادہ اثر انداز نہ ہوں گی۔ اور ان کا یہ اعتقاد کہ کوئی چیز اور کوئی بھی سازش بغیر اذنِ الٰہی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ان کے دلوں کے ایمان وتقویٰ کو اور مضبوط کر دے گا اگر منافق و یہود برائی کی باتوں کی سرگوشیوں میں مصروف ہیں تو اہلِ ایمان کو نیکی اور تقویٰ کے مشوروں میں لگ جانا چاہیے۔ ان آداب وہدایات کے ساتھ اس ادب کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ:

اے ایمان والو جب تم کو کہا جائے گا کھل کر بیٹھو مجلس میں تو کھل جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے کشادگی فرمائے گا۔ اس لیے ایسا نہ کرنا چاہیے کہ منتشر بیٹھیں اور دوسرے آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ نہ رہے بلکہ قریب قریب حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں اور اگر کہا جائے اٹھ جاؤ تو اُٹھ کھڑے ہو جایا کرو حلقہ بنانے اور جگہ کشادہ کرنے کے لیے یا مجلس میں بعد میں آنے والوں کو جگہ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور علم والوں کے درجات حقیقت یہی ہے ایمان، اخلاص اور تہذیب وشائستگی جہاں انسان کو تواضع سکھانے کا ذریعہ ہے اسی کے ساتھ مراتب ودرجات کی بلندی کا بھی باعث ہے اور اللہ خوب جانتا ہے ان تمام کاموں کو جو اے لوگو تم کرتے ہو۔ اس وجہ سے ہر ایک کو اس کے اخلاص اور صلاحیت کے اعتبار سے اجر وثواب ملے گا ایمان اور علم یہی دو نعمتیں ہیں جن سے انسانوں کی صلاحیتوں اور استعداد میں جلا اور خوبی حاصل ہوتی ہے تو ان ہی درجات ومراتب کی بلندی مرتب فرمائی گئی۔

منافق چونکہ ہر طرح اسی کی کوشش کرتے تھے کہ مسلمانوں کو ایذاء پہنچے اور اسی طرح وہ آنحضرت ﷺ کے فیوض وبرکات سے مستفیض نہ ہوں تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں غیر ضروری باتیں کرنے لگتے اور وقت ضائع کرتے اور آپ ﷺ اپنی مروت واخلاص کے باعث کسی کو منع نہ فرماتے تو اس وجہ سے یہ حکم نازل فرمایا گیا کہ آنحضرت ﷺ سے جو بھی کوئی خصوصی مجلس کی طرح مشورہ کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے وہ ان غرباء کے واسطے صدقہ دے جو اصحابِ صفہ اور دیگر غرباء مسجد نبوی میں شب وروز رہتے ہوں تا کہ ان غرباء کی اعانت بھی ہو اور اس کے باعث جو درحقیقت ضرورت مند اور مخلص ہوگا وہی خصوصی مشورہ اور سرگوشی کے لیے حاضری چاہے گا تو فرمایا اے ایمان والو جب تم کوئی سرگوشی اور مشورہ کرو رسول ﷺ سے تو اپنی سرگوشی سے پہلے کوئی صدقہ بھیج دیا کرو۔ یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ کیونکہ صدقات سے انسان کی باطنی کدورتوں اور کثافتوں کا ازالہ ہوتا ہے تقویٰ وطہارت کے آثار رونما ہوتے ہیں۔ پھر اگر تم نہ پاؤ کوئی چیز صدقہ کی پہلے بھیج دینے کے لیے تو بس اللہ بڑا ہی بخش دینے والا مہربان ہے۔ اس طرح غیر مستطیع لوگوں کے حق میں پہلے ہی سہولت فرما دی گئی۔

یہ جو کچھ مقرر ہوا تھا محض نفس کے تزکیہ اور منافق ومخلص کے امتیاز کے لیے۔ منافقین نے تو بخل کی وجہ سے پہلے ہی مجلس میں خصوصی سرگوشی کا سلسلہ بند کر دیا اور جو مسلمان بلا وجہ ہی خصوصی ملاقات کا ارادہ کرتے تھے۔ انہوں نے بھی یہ سوچ کر کہ یہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں بالآخر اس طرح اس حکم کو تبدیل فرما دیا گیا۔ کیا تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقات بھیجا کرو۔ بہر حال جب تم نے ایسی بات نہیں کی اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو اب تم قائم رکھو نماز اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتے رہو اسی میں تمہارے واسطے نجات وکامیابی اور فلاح وسعادت ہے اور اللہ خوب جانتا ہے ان کاموں کو جو تم کرتے ہو۔ نہ کسی کا عمل خدا سے مخفی ہے اور نہ کسی کے اخلاص اور سعادت سے اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ہر ایک کو اس کے اخلاص وعمل کا ضرور پورا پورا اجر وثواب دے گا۔

مناجات وسرگوشی پر جوصدقہ کا حکم تھا وہ عارضی تھا اور اس کی غرض پوری ہوگئی تو اس کو تو اٹھا یا گیا ہاں جو احکام ابدی اور دائمی ہیں وہ ہمیشہ قائم و باقی رہیں گے سوان کو قائم رکھو نماز پڑھتے رہو۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور ہر حکم کی اطاعت وفرمانبرداری میں مستعد و تیار رہو۔

استاذی محترم شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے امت میں صرف میں ہی ایک شخص ہوں جس نے اس حکم پر عمل کیا (باقی اور کسی کو نوبت ہی نہیں آئی)۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ

تو نے نہ دیکھے؟ وہ جو رفیق ہوئے ہیں ایک لوگوں کے، جن پر غصے ہوا ہے اللہ، نہ وہ تم میں ہیں

وَ لَا مِنْهُمْ ۙ وَ یَحْلِفُوْنَ عَلَی الْكَذِبِ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ⑭ اَعَدَّ اللّٰهُ

نہ ان میں ہیں، اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر، اور خبر رکھتے ہیں۔ رکھی ہے اللہ نے

لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْۤا

ان کو سخت مار۔ بے شک وہ برے کام ہیں جو کرتے رہے ہیں۔ بنایا ہے اپنی

اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ⑯

قسموں کو ڈھال، پھر روکے ہیں اللہ کی راہ سے، تو ان کو ذلت کی مار ہے۔

لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ اُولٰٓىِٕكَ

کام نہ آویں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد، اللہ کے ہاتھ سے کچھ۔ وہ لوگ ہیں

اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ⑰ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا

دوزخ کے۔ اسی میں رہ پڑے۔ جس دن جمع کرے گا اللہ ان کو سارے،

فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ

پھر قسمیں کھاویں گے اس کے آگے جیسے کھاتے ہیں تمہارے آگے، اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑱ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ

سنتا ہے وہی ہیں اصل جھوٹے۔ قابو میں کر لیا ہے ان کو شیطان نے پھر بھلائی ان کو

ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ

اللہ کی یاد۔ وہ لوگ ہیں جتھا شیطان کا۔ سنتا ہے جو جتھا ہے شیطان کا۔ وہی

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

خراب ہوتے ہیں۔ جو لوگ مخالف ہوتے ہیں اللہ سے اور رسول اس کے سے، وہ لوگ ہیں سب سے بے قدر لوگوں میں۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِىْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا

اللہ لکھ چکا کہ میں زبر رہوں گا اور میرے رسول۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔ تو نہ دیکھے گا کوئی لوگ،

يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ

جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر، پھر دوستی کریں ایسوں سے، جو مخالف ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے،

لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ

پڑے وہ اپنے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی یا اپنے گھرانے کے۔ ان کے

كَتَبَ فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

دلوں میں لکھ دیا ہے ایمان، اور ان کی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے۔ اور داخل کرے گا ان کو باغوں میں،

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا

جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، سدا رہیں ان میں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۳

وہ ہیں جتھا اللہ کا۔ سنتا ہے جو جتھا ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے۔

تنبیہ ووعید بر موالات ودوستی از قوم مغضوب علیہم وذلت وناکامی حزب الشیطان وفلاح وکامیابی حزب اللہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا . . . اِلٰى . . . اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ان منافقین و یہود کا ذکر تھا جو آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ایذا پہنچانا چاہتے تھے اور مختلف طریقوں سے یہی چاہتے تھے کہ رسول خدا ﷺ کی توہین و بے حرمتی کی جائے تو اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس بات پر تنبیہ کی جارہی ہے کہ ایسے گستاخوں اور مغضوب علیہم لوگوں کے ساتھ کسی طرح موالات و دوستی نہ رکھی جائے مقصود یہ کہ جو اسلام اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کے دوست ہیں ان کے واسطے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ ایسے گستاخوں اور اسلام دشمن عناصر سے تعلقات و دوستی قائم کریں اسی کے ضمن میں ان کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان حربوں کو بیان کیا جارہا ہے جو وہ اختیار کیا کرتے تھے تو ارشاد مبارک ہے اے مخاطب کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو دوست رکھتے ہیں۔ اس قوم کو جس پر غصہ ہوا اللہ کا، اور ان کو خدا نے مغضوب علیہم قرار دیا اور یہ گروہ منافقین ہے جنہوں نے یہود سے دوستی اور موالات قائم کی جو نہ تو تم میں سے ہیں کیونکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں محض زبانی اسلام کا دعویٰ ہے اور نہ ان کافروں سے ہیں جو کھلم کھلا کفر و انکار کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ زبان سے کہنے والے ہیں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (البقرہ:۸) اور حقیقت یہ ہے کہ ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور قسم کھاتے ہیں جھوٹ بات پر اور حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان منافقوں کے واسطے ایک سخت عذاب جو درك الاسفل من النّار ہے بے شک بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ نفاق دھوکہ ایذاء رسانی اور لوگوں کو راہِ ہدایت سے روکنے کی پوری پوری کوشش۔ یقیناً یہ کام عقل اور فطرت کی رو سے بدترین کام ہیں جس کے باعث یقیناً ان کے واسطے دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی شدید عذاب ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اپنے بچاؤ اور اعتراض و گرفت سے بچنے کے لیے پھر اس ڈھال اور رکاوٹ کے ساتھ روک رہے ہیں لوگوں کو اللہ کی راہ سے تو یقیناً ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ان کو اس گمان میں نہ رہنا چاہیے کہ کوئی تدبیر اور ذریعہ ان کو عذاب خداوندی سے بچا دے گا۔ ان کو آگاہ ہونا چاہیے کہ ہرگز نہیں کام آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے حکم اور اس کے فیصلہ کے مطابق ذرہ برابر بھی اور یہ لوگ جہنم والے ہوں گے ہمیشہ عذاب جہنم میں ہی رہیں گے جس روز اللہ ان سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا تو دُنیا کی عادت کی طرح وہاں بھی یہی کریں گے کہ پھر اس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح دُنیا میں اے مسلمانو! تمہارے سامنے قسمیں کھایا کرتے تھے اور کہیں گے اے پروردگار ہم تو ایسے نہیں تھے ہم تو ایمان و یقین رکھتے تھے اور گمان کریں گے کہ وہ کسی راہ پر ہیں خبردار ہو جاؤ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہی ہیں۔ ان کی کسی بات میں صداقت کا امکان ہی نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ یہ کسی صحیح راستہ پر ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے شیطان ان پر مسلط ہو چکا پھر ان کو خدا کی یاد سے قطعاً غافل بنا دیا۔ ایسے ہی لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔ آگاہ ہو جانا چاہیے کہ شیطان کے گروہ والے ہی وہ ہیں جو خسارہ اُٹھانے والے ہیں اور ناکام و ذلیل ہوں گے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی شیطان اور شیطان کے گروہ کے منصوبے نہ دنیا میں کامیاب ہوں گے اور نہ ہی آخرت میں ان کو نجات نصیب ہوگی اور نہ عذاب شدید و مہین سے چھٹکارے کی کوئی سبیل ہوگی۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت و دشمنی کرتے ہیں یہ سب ذلیل ہونے والوں میں شامل ہیں۔ حق و صداقت کے خلاف جنگ اور مقابلہ ذلت و ناکامی ہی کا سبب ہوگا۔

فیصلہ لکھ دیا ہے اللہ نے اس بات کا کہ یقیناً میں غالب ہوں گا اور میرے رسول کامیاب و غالب ہوں گے۔ بے شک اللہ بڑا قوت و عزت والا ہے۔ خدا کی طاقت کو نہ کوئی زیر کرسکتا ہے اور نہ کوئی باطل کی طاقت خدا کے اِرادوں کو مغلوب کر سکتی ہے۔ حق تعالیٰ کے اس فیصلہ اور قانون کے پیش نظر اے ہمارے پیغمبر ہم آپ ﷺ پر یہ بات واضح کر رہے ہیں۔ آپ ہرگز کسی بھی ایسی قوم کو جو اللہ پر اور

روز قیامت پر ایمان لانے والی ہے نہیں پائیں گے کہ وہ دوستی کریں ایسی قوم سے جو اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتے ہوں اور ان کے احکام سے بغاوت کررہے ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کے بیٹے یا بھائی ہوں یا ان کے قبیلے و خاندان ہوں ایسے ہی لوگ ہیں وہ جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کے دلوں کی گہرائیوں میں ایمان راسخ ہے اور تائید کی ہے ان لوگوں کی اپنی طرف سے ایک غیبی فیض سے اور روحانی برکات سے ان کو ایسا مضبوط کردیا ہے کہ وہ ایسے احوال کا مقابلہ کرتے رہیں اور ہر مخالفت اور مانع کی دُور کرنے کی ہمت اپنے میں پاتے ہیں اس تائید غیبی یا جبریل امین علیہ السلام (جن کا لقب روح الامین ہے) کی مدد سے ان کو ایک خاص معنوی حیات وقوت نصیب ہوتی ہے۔ کفر اور کافروں کے مقابلہ میں اس تائید غیبی سے مؤمن کامیاب وغالب ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبر پر فرمایا کرتے تھے کہ کفر وشرک کا رد کرو اور کفار مکہ کی ہجو میں وہ اشعار پڑھتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: اللّٰھمّ ایّدہٗ بروح القدس " کہ اے اللہ تو ان کی مدد فرما روح القدس کے ذریعے۔" اور داخل کرے گا اللہ ان کو جنت کے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے کیونکہ جنت کی تمام نعمتیں دائمی ہیں ان انعامات وکرامتوں پر مزید انعام یہ ہوگا کہ راضی ہوگا اللہ ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے اس کے انعامات پر خوش ہوں گے یہ اللہ کی رضا و خوشنودی اور اہل ایمان کا اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا اس بات کا ثمرہ ہوگا کہ خدا ایسے ایمان والوں سے دنیا میں بھی راضی ہوا اور وہ مؤمنین بھی اس کی اطاعت وفرماں برداری پر راضی رہے تو اس کا نتیجہ آخرت میں رضا الٰہی کی صورت میں رونما ہوا اور اہل ایمان اس کے انعامات پر خوش ہوئے جب کہ ان کو اپنے اعمال کی نسبت سے بہت زیادہ گراں قدر نعمتیں ملیں جن کا یہ تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔ یہی لوگ ہیں حِزْبُ اللهِ (خدا کا گروہ) بے شک خدا کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے اور خدا کے گروہ والے ہی دنیا میں بھی غالب آتے ہیں اپنی مراد پاتے ہیں اور آخرت میں بھی ان ہی کو کامرانی وخوشی نصیب ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جن اللہ کے برگزیدہ بندوں نے خدا کی رضا وخوشنودی کے لیے اپنے خویش واقارب کو ناراض کیا ان کی دشمنی مول لی بلاشبہ اس کا بدلہ یہی ہونا چاہیے کہ وہ خداوندِ عالم کی خوشنودی ورضا سے سرفراز فرمائے جائیں اور ایسی نعمتیں اور راحتیں ملیں کہ وہ خود بھی خوش ہوجائیں۔ اللّٰھم اجعلنی منھم آمین یا ربَّ العٰلمین۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے روایت کیا کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے مشرک باپ کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب مجلس شوریٰ قائم فرمائی تو ان چھ حضرات کی خاص خصوصیت میں یہ فرمایا: اُولٰٓئِكَ السِّتَّةُ الَّذِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کہ وہ چھ حضرات ہیں جن سے اللہ راضی ہوا۔ تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ﴿وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ﴾ کا مصداق ہوئے اور ﴿اَبْنَآءَهُمْ﴾ کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوئے جب کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن جو اس وقت مشرکین مکہ کی فوج میں تھے کہ اگر سامنے آجائے قتل کردوں گا اور ﴿اِخْوَانَهُمْ﴾ کا مصداق حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو بدر میں قتل کیا اور ﴿عَشِیْرَتَهُمْ﴾ کا مصداق عمر فاروق رضی اللہ عنہ بنے جب کہ انہوں نے اپنے خاندان کے بعض افراد کو قتل کیا۔

اس آیت مبارکہ میں بیان کردہ اہل ایمان کی شان اس وقت بھی ظاہر ہوئی جب کہ بدر کے قیدیوں کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ فدیہ لینے میں کچھ مسلمانوں کے واسطے مدد اور تقویت کا سامان ہوجائے

گا مزید یہ لوگ جب کہ خود اپنے عشیرہ وقبیلہ ہی کے ہیں تو اس طرح کے انعام واحسان سے ممکن ہے اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ مگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری یہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میری تو رائے یہ ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ ائمۃ الکفر ہیں ان کو قتل کر دیا جائے تا کہ کفر کی طاقت وشوکت پامال ہو مجھے آپ اجازت دیں کہ اپنے فلاں رشتہ دار (بھائی) کو قتل کروں اور علی رضی اللہ عنہ کو فرمایئے کہ وہ عقیل اپنے بھائی کو قتل کرے اور فلاں کو فرمایئے کہ فلاں کو قتل کرے تا کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھ لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین اور خدا کے دشمنوں کی قطعاً کوئی محبت نہیں۔ (قصہ کی تفصیل کے لیے کتب سیرت کی مراجعت فرمائی جاوے)۔ (تفسیر ابن کثیر، روح المعانی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الحشر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس سورت کو سورۂ بنی النضیر بھی کہا کرتے تھے اس وجہ سے کہ اس سورۃ میں بنو نضیر کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

حشر کے معنی لغت میں جلاوطنی کے ہیں تو اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت وخواری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مدینہ اور مضافات مدینہ سے جلاوطن کیے گئے جو قدرتِ خداوندی کا عظیم کرشمہ تھا کہ اس نے اپنے رسول کو ان پر تسلط اور غلبہ فرمایا۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز حق تعالیٰ نے اپنی تسبیح وتقدیس سے فرمایا اور اختتام بھی تسبیح وتنزیہ پر فرمایا اور سورت کے اختتام پر اپنی صفات کمال وجلال کو بھی ذکر فرما دیا تا کہ اللہ رب العزت کی کمال قدرت اور کمال حکمت ظاہر ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد اور زہری رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ اور مضافاتِ مدینہ میں بسنے والے یہود سے صلح ومعاہدہ فرما لیا تھا۔ معاہدہ کی اصل بنیاد یہ تھی کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف کوئی اقدام فرمائیں گے نہ خود قتال کریں گے اور نہ کسی قتال کرنے والی قوم کی مدد کریں گے۔ اسی طرح یہودی نہ قتال کریں گے اور نہ قتال کرنے والی کسی قوم کی مدد کریں گے مگر یہودیوں نے فوراً نقضِ عہد کیا قریشِ مکہ سے ساز باز شروع کی اور ان کو جنگ پر آمادہ کیا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن الاشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچا اور بیت اللہ کے سامنے قریش مکہ سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا معاہدہ کیا۔

غزوۂ اُحد کے بعد ان یہودیوں کی خباثت ورعونت میں اور اضافہ ہو گیا جب یہ دیکھا کہ اُحد میں مسلمانوں کو پریشانی اٹھانی پڑی اور بظاہر شکست کی صورت پیش آئی تو اپنی سازشیں اور زائد کر دیں حتیٰ کہ ایک مرتبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی خون بہا کے ادا کرنے کے سلسلہ میں بنو نضیر کے یہود کے یہاں تشریف لے گئے تو ان خبیثوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ تشریف فرما ہیں وہاں اُوپر سے بڑے بڑے پتھر گرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے چند رفقاء کا خاتمہ کر دیا جائے جس پر اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو مطلع کر دیا اور آپ

وہاں سے اُٹھ کر واپس آ گئے۔

ان واقعات کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ اب ہمارا اور تمہارا کوئی عہد باقی نہ رہا اور تم یہاں سے نکل جاؤ ورنہ پھر جہاد وقتال ہے اِن مغروروں نے قریش سے خفیہ معاہدہ اور در پردہ منافقوں کے تعاون کے دھوکہ میں اپنے احاطوں اور قلعوں کے دروازے بند کر لیے اور سمجھے کہ ان محفوظ قلعوں سے کوئی نکال نہیں سکتا۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ جب یہودی اپنے مکانوں اور قلعوں میں محصور ہو گئے تو مرعوب وخوفزدہ ہو کر صلح کی التجا کی۔ آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنے یہ علاقے خالی کر دیں یہ زمین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہے کسی کی جان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو کچھ مال واسباب کوئی ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے مگر اب یہاں کسی طرح نہیں رہ سکتا۔

محاصرہ کے دوران ان کے باغات وکھیتوں کو کاٹا اور جلایا بھی گیا اس طرح اس قوم بنو نضیر کو پہلی مرتبہ جلاوطن کیا گیا اور اریحاء وتیما شام کے علاقوں میں جا کر بسے اور کچھ یہودی جیسے ابوالحقیق اور حُیَی بن اخطب خیبر چلے گئے اور یہ زمین وباغات مہاجرین وانصار کو تقسیم کیے گئے۔ تو اس سورۂ مبارکہ میں بنو نضیر کی جلاوطنی ان کی ذلت وشکست کا ذکر ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح ان کو ان کی زمینوں قلعوں اور باغات سے نکالا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں کا وارث بنایا۔ جب کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک اپنی زمینیں نہیں چھوڑیں گے خدا تعالیٰ نے انہی کو حشر اور جلاوطنی کا منظر ان کو دکھلا دیا اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ حشر مقرر ہوا۔ (صحیح بخاری۔ تفسیر ابن کثیر۔ رُوح المعانی۔ قرطبی)

*

آیاتُهَا ۲۴ | سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (۵۹) (۱۰۱) | رُكُوعَاتُهَا ۳

سورۂ حشر مدنی ہے اور اس کی چوبیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ

وہی ہے جس نے نکال دیئے، جو منکر ہیں کتاب والوں سے ان کے گھروں سے پہلے ہی

الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

بھیڑ ہوتے۔ تم نہ اٹکلتے تھے کہ وہ نکلیں گے اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا بچاؤ ہے ان کے قلعے

مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ

اللہ کے ہاتھ سے، پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو خیال نہ تھا، اور ڈالی ان کے دل میں

الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ

دھاک، اجاڑنے لگے اپنے گھر اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں،

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝٢ وَ لَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ

سو دہشت مانو اے آنکھ والو! اور اگر نہ ہوتا کہ لکھا تھا اللہ نے ان پر اُجڑنا

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذٰلِكَ

تو ان کو مار دیتا دنیا میں۔ اور آخرت میں ہے اُن کو آگ کی مار۔ اس پر کہ

بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

وہ مخالف ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور جو کوئی مخالف ہو اللہ سے تو اللہ کی مار سخت

الْعِقَابِ ۝٤ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا

ہے۔ جو کاٹ ڈالا تم نے کھجور کا پیڑ، یا رہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پر،

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٥ وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ

سو اللہ کے حکم سے اور تا رسوا کرے بے حکموں کو۔ اور جو ہاتھ لگایا اللہ نے اپنے رسول کو ان سے،

فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ

سو تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ جتا دیتا ہے اپنے رسولوں کو،

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى

جس پر چاہے۔ اور اللہ سب چیز کر سکتا ہے۔ جو ہاتھ لگا دے اللہ

رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ

اپنے رسول کو بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے اور ناتے والے کے اور

الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ

بن باپ کے لڑکوں کے اور محتاجوں کے اور مسافروں کے تاکہ نہ آوے لینے دینے میں

الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ

دولت مندوں کے تم میں سے۔ اور جو دے تم کو رسول، سو لے لو۔ اور جس سے منع کرے

عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

سو چھوڑ دو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے، بیشک اللہ کی مار سخت ہے۔

جلاوطنی یہود از ارض حجاز غلبۂ رسول خدا ﷺ بر باغات وقلعہائے بنی نضیر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ... الٰى ... اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

ربط: گزشتہ سورت کے اختتامی مضمون میں اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور مقابلہ کرنے والوں پر وعید تھی اور ان کی ذلت ورسوائی کا بیان تھا اور خداوندِ عالم کی عزت وقدرت اور کبریائی کا ذکر تھا تو اب اس سورۂ حشر میں اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ اور دشمنی کرنے والوں کا انجام بیان کیا جارہا ہے۔ اور یہودیوں کی ذلت ورسوائی ذکر کی جارہی ہے کہ ان کی طاقت وشوکت اور ان کے محفوظ قلعے ان کو عذاب خداوندی سے نہ بچاسکے ارشاد فرمایا۔

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کے لیے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وہی زبردست قوت وعزت وحکمت والا ہے اسی کی عزت وحکمت کا یہ نتیجہ ہے کہ اسی نے نکال دیا کافروں کو اہل کتاب میں سے ان کے گھروں سے پہلی مرتبہ جلاوطن کرنے کے لیے کہ ان سب کو اجتماعی طور پر اپنے گھروں اور آبادی سے نکلنے کا حکم دے دیا گیا اور وہ سرمایہ دار اور بڑے بڑے جتھوں والے یہودی جو بنو نضیر تھے اپنے گھروں سے جلاوطن کر کے اریحاء اور تیماء کے علاقوں میں آباد کیے گئے یہ پہلا حشر اور جلاوطنی تھی جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی دوسری جلاوطنی جس کا اشارہ لفظ ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ میں کر دیا گیا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئی جب کہ یہود کے ساتھ نصاریٰ بھی خیبر سے نکال کر شام کی طرف جلاوطن کیے گئے۔ اور اس طرح آنحضرت ﷺ کے فرمان ((اخرجوا الیھود والنصارٰی من جزیرۃ العرب)) کی تکمیل فرمائی گئی۔

اے لوگو! تم گمان نہ کرتے تھے کہ وہ لوگ نکلیں گے اور ظاہری اسباب میں اس کی توقع نہ تھی اور ان لوگوں کے یہ خیال کیا ہوا تھا کہ ان کے قلعے ان کو بچالیں گے اور ان کی حفاظت کرلیں گے خدا کے فیصلہ سے لیکن خدا کا فیصلہ ان پر آپہنچا ایسی صورت سے کہ وہ گمان بھی نہ کرتے تھے اور سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ اس طرح محصور ہو کر بے بس مجبور ہو جائیں گے اور ذلیل ومغلوب ہو کر نکلنا پڑے گا ان کے قلعے۔ ہتھیار اور ساز وسامان کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ خود ہی اپنے گھروں کو اجاڑنے

لگے اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے سردار کعب بن الاشرف کے قتل سے پہلے ہی خوفزدہ ہو چکے تھے مگر پھر نا گہانی مسلمانوں کے حملے سے بچے کھچے ہوش وحواس بھی جاتے رہے۔ خود ہی اپنے ہاتھوں اپنے مکانوں کے دروازے کڑی تختے اکھاڑنے لگے جب کہ مسلمانوں کا لشکر بھی ان کے قلعوں کو مسمار کر رہا تھا تو یہ ایسے حقائق وواقعات ہیں کہ عبرت حاصل کرواے آنکھ والو کہ خدا کی نافرمانی کا انجام کس طرح دُنیا میں ذلت ورسوائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اور اگر اللہ نے ان پر یہ جلاوطنی کا فیصلہ نہ لکھ دیا ہوتا تو پھر ان کو دنیا میں عذاب دیتا جیسا کہ پہلی امتوں قوم عاد وثمود پر دُنیا میں عذاب نازل کیا گیا اور ہوسکتا تھا کہ بنوقریظہ کی طرح مارے جاتے اور آخرت میں ان کے واسطے تو ہے ہی جہنم کا عذاب۔ جس سے ان کو کسی صورت میں بھی چھٹکارا نصیب نہیں ہوسکتا یہ سب کچھ اس لیے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو بھی کوئی مقابلہ کرے گا اللہ کا تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ بڑا سخت عذاب والا ہے جو مجرموں اور نافرمانوں پر واقع ہوتا ہے۔ تو بنونضیر کے یہودیوں کے محاصرہ کے دوران اے مسلمانو! جو بھی کچھ تم نے کاٹا کسی نرم کھیتی یا کھجور کے درخت کو یا تم نے رہنے دیا اس کو اپنی جڑوں پر کھڑا ہوا سو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہے اور اس لیے کہ اللہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔ اس وجہ سے کافروں کے یہ طعن واعتراض لغو ہیں جو انہوں نے کرنے شروع کیے کہ دیکھو مسلمانوں نے کیسا ظلم کیا کس طرح کھیتیاں اجاڑیں اور کس طرح کھجور کے درخت کاٹ ڈالے اور اس صورت سے کیسا فساد برپا کیا حالانکہ خود یہ مسلمان فساد سے منع کرتے ہیں تو سُن لینا چاہیے کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا اور اس کی غرض یہ تھی کہ کافروں کا غرور ونخوت پامال کر دیا جائے کہ جس دولت وجائیداد پر ان کو غرور تھا وہ ان کے سامنے جلائی جارہی ہوں تا کہ وہ دیکھ لیں یہ ہے ہماری عزت اور یہ ہے ہمارے غرور وسرکشی کا متاعِ باطل جو آگ کے شعلوں کی نذر ہو رہا ہے یہود کی اس شکست ومغلوبی اور مسلمانوں کی فتح وکامرانی کی صورت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور جو کچھ مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان لوگوں سے سو وہ ایسا مال ہے کہ نہیں دوڑائے ہیں تم نے اس پر گھوڑے اور نہ ہی اونٹ ولیکن اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ دیتا ہے جس پر چاہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے تو یہ ہے حقیقت مال فیئے کی اور اس کے مصارف واحکام یہ ہیں جو مال بھی لوٹایا اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان بستیوں والوں سے وہ اللہ کے واسطے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابت داروں کے لیے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کیلیے ان سب کے حصے مال فیئے میں مقرر کر دیئے ہیں تا کہ نہ رہے یہ چیز گردش کرنے والی ایک دولت تمہارے میں سے مال داروں کے درمیان بلکہ ان سب مصارف میں تقسیم ہو کر ان سب اقسام وانواع کے افراد کے لیے اعانت وامداد کا ذریعہ بنے اور اس لینے میں کسی شخص کو یہ نہ سوچنا چاہیے کہ یہ میرا حق ہے میں اس کو جس طرح سے چاہوں لُوں بلکہ تمہیں قناعت اختیار کرنی چاہیے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے اور جو کچھ تم کو رسول خدا دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں منع کر دیں اس سے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ کسی بھی مرحلہ پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی نافرمانی نہ ہو سکے بے شک اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی عطا ہو یا احکام ہوں اور اوامر ونواہی جو بھی کچھ دیا جائے اس کو لینا چاہیے اس پر عمل کرنا چاہیے اور جس سے روکا جائے اور منع کیا جائے سعادت یہی ہے کہ اس سے باز رہا جائے اس کی خلاف ورزی بدنصیبی اور شقاوت ہے۔

جزیرۂ عرب سے یہود کی جلاوطنی

اس سورت کی ابتداء ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ (الحشر:۲) ان کے گھروں سے جلاوطنی کا مضمون ادا کر رہی ہے اور لفظ ﴿اَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ سے ظاہر کر دیا گیا کہ اس پہلی مرتبہ کی جلاوطنی کے بعد پھر بھی کوئی اور وقت آئے گا کہ وہ اپنے گھروں سے نکالے جائیں گے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی سند سے نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے موقعہ پر باسناد عبدالرزاق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر پر حملہ کیا اور قریظہ پر بھی۔ تو بنونضیر کو جلاوطن کیا اور قریظہ پر احسان وکرم کرتے ہوئے ان کو رہنے دیا۔ لیکن جب قریظہ نے بھی بغاوت کی تو ان پر بھی حملہ کیا گیا ان کے مردوں کو قتل کیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا البتہ جن بعض اہل کتاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پناہ دے دی اور وہ لوگ اسلام لے آئے۔ [1]

پہلی مرتبہ کی جلاوطنی کا ذکر اس سورت میں وضاحت وتفصیل کے ساتھ کیا گیا اور دوسری مرتبہ کی جلاوطنی جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی صرف ﴿لِاَوَّلِ الْحَشْرِ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو اس طرح نکالا کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ چھوڑا گویا جس کام کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس کی تکمیل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی جو ان کی فضیلت کی عظیم ترین دلیل ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کا محاصرہ کیا۔ یہاں تک کہ یہود بنونضیر مجبور وبے بس ہو گئے تو ان لوگوں نے اپنی عاجزی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ ہمیں منظور ہے بشرطیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان بخشی کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہی فیصلہ فرمایا کہ وہ اپنی زمینوں، مکانوں اور وطن سے نکل جائیں اور شام کے علاقہ میں جا کر بس جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر تین کو ایک مشکیزہ اور ایک اُونٹ کی اجازت دی تا کہ وہ اس پر سفر کر سکیں اور پینے کے لیے پانی رکھ سکیں تو یہ پہلی مرتبہ کی جلاوطنی تھی۔

غنیمت اور فئے کے درمیان فرق

بنونضیر کے اموال شریعت کے نزدیک مال فیئ ہوئے اور اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں قرآن کریم نے فیئ کا مفہوم متعین کر دیا جیسا کہ ارشاد فرمایا ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾ (الحشر:۶) کہ فئے وہ مال ہے جس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے ہوں اور نہ اونٹوں سے حملہ کیا ہو بلکہ کافر مرعوب ومغلوب ہو گئے ہوں۔ اور مرعوب ومغلوب ہو کر کافروں نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں تو اس قوم سے حاصل شدہ اموال خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ مالِ فئے کہلاتے ہیں۔ غنیمت تو اس

---

[1] تفسیر ابن کثیر صحیح بخاری وصحیح مسلم۔ روح المعانی۔ ۱۲

مال کو کہا جائے گا جو قوت استعمال کرنے کے بعد بصورت فتح حاصل ہو۔ مال غنیمت کا حکم ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ (الانفال:۴۱) میں بیان کر دیا گیا تھا کہ خمس نکالنے کے بعد بقیہ چار خمس مجاہدین کے درمیان برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے لیکن فئے میں خمس بھی نہیں نکالا جائے گا اور یہ بھی لازم نہیں کہ ہر مجاہد کو برابر دیا جائے استعداد وصلاحیت کے پیش نظر حصوں میں کمی زیادتی کی جاسکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہی فرق رکھا ہے غنیمت اور فئے میں جو مال لڑائی سے ہاتھ لگا وہ غنیمت ہے اور اس میں پانچواں حصہ اللہ کی نیاز اور چار حصے لشکر کو تقسیم کیے جاتے ہیں اور جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہ سب کا سب مسلمانوں کے خزانے میں رہے۔ جو اُن ہی پر صرف کیا جائے۔

حضرات فقہاء نے بیان فرمایا ہے اگر ابتداء میں کچھ صورت جنگ کی ہوئی لیکن پھر کافروں نے مرعوب ہو کر قبل اس کے کہ جنگ کا کوئی فیصلہ ہو صلح کی طرف مسارعت کی اور مسلمانوں نے اس کو قبول کر لیا تو اس صورت میں بھی جو اموال حاصل ہوں گے وہ بھی فیئ کے حکم میں شمار کیے جائیں گے اور بنونضیر کے واقعہ میں صورت ایسی ہی پیش آئی۔

مال فئے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی حکم تھا کہ وہ خالصتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف میں آجاتے ہیں اور ان اموال پر آپ کا تصرف بعض فقہاء کی رائے کے مطابق مالکانہ تھا جیسا کہ الفاظ آیت سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ جو صرف آپ کے حق میں مخصوص تھا اور بعض فقہاء کی رائے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف متولیانہ تھا۔ یہ احتمال و بحث صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مخصوص و محدود تھی اس کے بعد اس امر پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی خلیفہ اور امام کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا بلکہ متولیانہ ہوتا ہے، جو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مناسب مواقع پر مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کر سکتا ہے اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ صرف ان ہی مجاہدین پر تقسیم کیا جائے جو اس مہم میں شریک تھے جس کے نتیجہ میں یہ فئے حاصل ہوا برخلاف مالِ غنیمت کے کہ وہ خمس نکالنے کے بعد صرف انہی مجاہدین میں تقسیم ہوتا ہے جو اس لشکر اور جہاد میں شامل تھے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی مجاہد خود ہی اپنا حق چھوڑ دے یا کسی اور کو ہبہ کر دے۔

قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں بیان فرماتے ہیں: "یہ حکم اموال منقولہ کا ہے غیر منقولہ میں امام کو یہ اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو بجائے تقسیم کرنے کے مصالح عامہ کے لیے رہنے دے جیسا کہ سوادِ عراق میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا اسی مسلک اور رائے کے پیش نظر قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ (الانفال:۴۱) کو اموال منقولہ پر اور سورۂ حشر کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا۔ اس طرح کہ یہاں پہلی آیت ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ﴾ کا حکم فئے سے متعلق ہے اور دوسری آیت ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی﴾ کا حکم غنیمت پر محمول ہے اور لغۃً غنیمت کو فئے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (از فوائد عثمانی)

علامہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے مال غنیمت اور فئے میں فرق کا یہی معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بغیر قتال و جہاد کافروں سے حاصل ہو وہ مال فئے ہے جیسا کہ سورۂ حشر کی آیات میں ہے لیکن قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو مال کافروں سے کفر کی بناء پر مسلمانوں کو حاصل ہو خواہ وہ جہاد وقتال سے ہو یا بغیر جہاد وقتال کے وہ ہمارے نزدیک مال فئے ہے۔ (احکام القرآن ص ۸۴ ج ۳)

اس لحاظ سے مال فئے عام ہوا اور مال غنیمت خاص۔ غزوۂ حنین میں جو مالِ غنیمت ملا تھا وہ بلاشبہ مقابلہ اور شدید مقاتلہ کے بعد حاصل ہوا تھا لیکن آپ ﷺ نے اس میں سے مؤلفۃ القلوب پر تقسیم فرمایا جیسا کہ مال فئے تقسیم کیا جاتا ہے اور پہلے معنی کے لحاظ سے حنین کی غنیمت تھی اس پر فئے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔

غزوۂ خیبر میں جو قلعہ اور زمین آپ ﷺ نے اپنے واسطے محفوظ رکھی اور اس کو غانمین پر تقسیم نہیں کیا۔ صحیح روایات میں اس پر بھی فیئ کا اطلاق آیا ہے اور فدک اور وادی القریٰ کی جو زمینیں آپ کو صلح سے ملی تھیں ان پر بھی فئے کا اطلاق آیا ہے تو ان نقول و روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو مال یا زمین کسی بھی صورت سے مسلمانوں کو کافروں سے ملے اس کو فئے کہیں گے نصوص کتاب اللہ اور سنت سے یہی عموم معلوم ہوتا ہے اور بعض فقہاء مثلاً صاحب ہدایہ کے کلام سے بھی ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے۔

مالک حقیقی کی عطا کردہ ولایت پیکر رسالت میں

آیت مذکورہ ﴿فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ میں لام للہ پر تملیک کے لیے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ اللہ رب العزت ان اموال کا حقیقی مالک ہے اور للرسول پر لام تولیت کا ہے کہ مالک حقیقی نے اپنی عطا اور ملک یا امانت بطور نیابت و تولیت آنحضرت ﷺ کے حوالہ فرمائی اور قانون مقرر ہوگیا کہ ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ تو ولایت و نیابت کا یہ مقام اور تولیت ایک برزخی مقام ہوا جو ملک حقیقی اور ملک مستعار کے درمیان ہے اور یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے مختص ہے اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر اخذ ہوتا ہے کہ جیسے مالک حقیقی خداوند مالک الملک کو یہ اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اسی طرح بوجہ خلافتِ خداوندی یہ مرتبہ متوسطہ یعنی مرتبہ تولیت رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے جس کے واسطے آیت مبارکہ ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ ناطق ہے۔

جو تولیت آنحضرت ﷺ کو خلافتِ الٰہیہ کے ضمن میں من جانب اللہ حاصل تھی اس کا ماحصل خلافت کی تقسیم ہے کہ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین وہ خدمت انجام دیتے رہیں جو ان کے سپرد کی جائے۔ حضور اکرم ﷺ کو خلافتِ خداوندی حاصل تھی تو خلفائے راشدین کو خلافتِ نبوت حاصل تھی اور اس کا اصل سبب تولیت ہے نہ کہ ملکیت۔ اس لیے نقل خلافت میں وراثت و قرابت کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ فرما کر ﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ﴾ یہ ظاہر فرمادیا کہ ہر عطا خواہ مال فئے و غنیمت ہو یا خلافت و نیابتِ رسالت ہو اس میں کسی کا استحقاق و دخل نہیں بلکہ رسول خدا کا فیصلہ اور ان کی عطا اور تعیین ہی بنیاد ہے جس کو چاہیں اپنی صوابدید سے عطا فرمادیں تو اسی معیار سے آپ ﷺ نے جس ہستی کو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں خلافت نبوت کا سب سے پہلا مستحق سمجھا اسی کو خود اپنی حیاتِ مبارکہ میں جانشین بنادیا اور حکم دے دیا ((مُرُوْا اَبَابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیصل بالناس)) کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ مگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما نے بہت کوشش کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور کو اس خدمت پر مامور کر دیا جائے لیکن آپ ﷺ نے پوری قوت اور سختی سے ان کی بات رد کرتے ہوئے یہی فیصلہ برقرار رکھا کہ ((مروا اَبابکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیصل بالنّاس)) تاکہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ آپ کا اپنے مصلے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کھڑے ہونے کے لیے فرمانا کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ یہ ایک طے شدہ خداوندی فیصلہ تھا کہ اب پیغمبر خدا ﷺ کی نیابت و جانشینی

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطے بارگاہِ خداوندی سے طے ہو چکی ہے۔ چنانچہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی حقیقت کو اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے اور فرماتے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے فرمایا یہ بات نہیں کہ ہم غائب تھے بلکہ موجود تھے ہماری موجودگی میں یہ حکم صادر ہو رہا تھا اور ہم تندرست تھے بیمار نہ تھے کہ کوئی یہ گمان کرنے لگے شاید علی رضی اللہ عنہ بیمار ہوں گے اس وجہ سے یہ بات ہوگئی ورنہ علی رضی اللہ عنہ ہی امام بنائے جاتے۔ (نہج البلاغہ)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ

واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور مالوں سے

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط

ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ ⑧ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ

وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور جو گھر پکڑ رہے ہیں اس گھر میں، اور ایمان میں

قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

اُن سے پہلے، محبت کرتے ہیں اُس سے جو وطن چھوڑ آوے اُن کے پاس، اور نہیں پاتے اپنے دل میں

حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ

غرض اس چیز سے جو ان کو ملا، اور اوّل رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہو اپنے اوپر

خَصَاصَةٌ ط قف وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ ⑨

بھوک۔ اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے، تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا

اور واسطے ان کے جو آئے ان سے پیچھے کہتے ہوئے، اے رب! بخش ہم کو، اور ہمارے بھائیوں کو

الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جو ہم سے آگے پہنچے ایمان میں، اور نہ رکھ ہمارے دل میں بیر ایمان والوں کا،

رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩ ع

اے رب! تو ہی ہے نرمی والا مہربان۔

استحقاق مہاجرین وانصار ومحبین ومخلصین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم در مالِ فئے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا... الٰى... اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑩﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بنونضیر کی جلاوطنی کا ذکر تھا اور یہ کہ ان کے اموال جو بطور فئے حاصل ہوئے ہیں ان کا متولی ومتصرف کلیۃً اللہ نے اپنے پیغمبر کو بنایا پیغمبر ہی کو ان پر تسلّط وغلبہ عطا کیا گیا۔ اب ان ہی کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں کسی کو اس میں ذرّہ برابر نکتہ چینی کا حق نہیں اور اللہ نے ان اموال کے مستحق۔ ذوی القربیٰ، یتامیٰ ومساکین اور ابن السبیل بنائے ہیں ان مصارف کے ذکر کے بعد خاص طور پر اب ان آیات میں مہاجرین وانصار اور حضرات مہاجرین وانصار سے محبت رکھنے والوں کا استحقاق بیان کیا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی مہاجرین وانصار کے ایسے عظیم فضائل اور وہ بلند پایہ قربانیاں ذکر فرمائیں جن کے سامنے ہر شخص گرویدہ ہو جائے جس کے دل میں ادنیٰ درجہ کا بھی ایمان ہو اسی ضمن میں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو بھی شخص یا گروہ مہاجرین وانصار سے العیاذ باللہ بغض رکھتا ہے درحقیقت وہ ایمانی جذبات اور تقاضوں سے قطعاً محروم ہے اور بے بہرہ ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہو اور اس کو اسلام کی خاطر ہجرت کرنے والوں اور اس کی وجہ سے اپنے وطن جائیدادوں اور خاندانوں کو چھوڑ دینے والے محبوب نہ ہوں اسی طرح وہ شخص بھی ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا جو ایمان اور پیغمبر خدا کا ٹھکانا دینے اور مدد کرنے والوں کو محبوب نہ رکھتا ہو تو ارشاد فرمایا۔

یہ مال فئے ان فقراء ومہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکالے گئے انہوں نے اپنی زندگی کی ہر محبوب چیز قربان کی صرف اللہ کا فضل اور رضامندی چاہتے ہوئے اور اس لیے کہ مدد کریں اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی بے شک یہی لوگ سچے ہیں جن کی صداقت پر ان کی بے مثال قربانیاں وجانثاریاں اور اپنے جان ومال سے اللہ اور اس کے رسول کی امداد واعانت کے سورج سے زیادہ روشن دلائل وشواہد ہیں اور اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے ٹھکانا بنایا اس گھر کا یعنی مدینہ منورہ کہ جس میں وہ بستے تھے اور اس سرزمین میں ایمان کو بھی بسایا ان مہاجرین کی مدینہ منورہ آمد سے قبل جن کی حالت یہ ہے کہ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئے ہیں نہ صرف محبت بلکہ کمال اخلاق اور بلندی حوصلہ کی نوبت یہاں تک ہے کہ اور اپنے دلوں میں کسی قسم کا حسد اور تنگی بھی محسوس نہیں کرتے اس شرف فضیلت سے کہ جو ان مہاجرین کو دی گئی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو فاقہ ہی ہو اور سب پاکیزہ خصلتیں اس بنیاد پر قائم ہیں کہ ان حضرات کے قلوب حرص اور حب مال سے پاک ہیں اور بے شک جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچایا گیا تو بس ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں اور یہ مال فئ ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد آئے۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے پروردگار مغفرت فرما ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کوئی کھوٹ اور کینہ ایمان والوں کے لیے اے پروردگار اے ہمارے رب بے شک تو بہت ہی نرمی کرنے والا

مہربان ہے۔

تو یہ ہیں مصارف اور مستحقین اموال فئے جن کے اوصاف ایمان واخلاص کے یہ ہونے چاہئیں۔ سب سے مقدم اور اعلیٰ مستحق مہاجرین وانصار ہیں کیونکہ وہ اصل اسلام کی عمارت ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کی اور ایمان کو اپنی بستی مدینہ پاک میں بسایا۔ پھر ان کے بعد جو لوگ ان کے ساتھ اخلاص ومحبت رکھنے والے ہوں ان کو دعائیں دیتے ہوں ان کے قلوب ان نفوس قدسیہ سے بغض وحسد سے پاک ہوں وہ مستحق ہوں گے۔

اسی آیت مبارکہ کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

((أُوصی الخلیفة بعدی بالمهاجرین الاوّلین الّذین اَنْ یَعْرِف لهم حقهم ویحفظ لهم کرامتهم واوصیته بالانصار خیرًا الّذین تبوّؤُ الدار والایمان من قبل ان یقبل من محسنهم وَاَن یعفوا عن مسیئهم)).

”کہ میں وصیت کرتا ہوں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اس بات کی کہ مہاجرین اوّلین کے ساتھ بہتر معاملہ کرے۔ ان کا حق پہچانے اور ان کی عظمت وکرامت کو محفوظ رکھے اور اسی طرح اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو انصار کے بارے میں بھی وصیت کرتا ہوں خیر اور بھلائی کے لیے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو مدینہ کو پہلے سے مرکز ایمان بنا چکے ہیں اور اس بستی میں پہلے ہی انہوں نے ایمان کو بسالیا تھا اس امر کی وصیت کرتا ہوں کہ ان کی بھلائیاں کرے۔ (اور ان کو سراہے) اور ان کی کوتاہیوں سے درگذر کرے۔“ (صحیح بخاری)

﴿وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا﴾ مکارمِ اخلاق کی بلند ترین تعلیم ہے اور انسان کا اصل شرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ کسی دوسرے کی فضیلت وبرتری پر حسد نہ کرے۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی کہ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! ابھی ایک شخص اہل جنت میں سے تمہارے سامنے رونما ہوگا۔ تو ناگہاں ایک انصاری صاحب نظر آئے۔ سامنے سے آرہے ہیں اور ان کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہیں اور بائیں ہاتھ میں انہوں نے اپنا جوتا لٹکایا ہوا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ جب آئندہ روز ہوا تو بھی آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی فرمایا۔ اور پھر وہی شخص اسی شان کے ساتھ رونما ہوئے۔ پھر تیسرا دن ہوا تو بھی آپ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا اور پھر وہی شخص اسی طرح سامنے سے آئے۔ آنحضرت ﷺ جب مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان صاحب کے پیچھے پیچھے چلے اور ان سے الحاح واصرار سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ تین روز رہنے کی اجازت دے دیں انہوں نے اس کو منظور کرلیا۔ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ان کے ساتھ تین راتیں گزاریں تو کوئی خاص قابلِ حیرت عمل نہ دیکھا بجز اس کے رات کو آرام کرکے کچھ حصہ عبادت میں گزارتے اور پھر صبح کے لیے اُٹھ جاتے۔ تین راتیں گزرانے پر میں نے ان سے دریافت کیا کہ اے بندۂ خدا میں نے تین روز تک رسول اللہ ﷺ سے اس طرح سُنا جس کے باعث تجسّس میں رہا کہ دیکھوں تمہارا خاص عمل کیا ہے۔ لیکن میں نے تمہارا کوئی حیرت ناک عمل نہیں دیکھا۔ اس پر ان صاحب نے جواب دیا بس میرے پاس یہی کچھ ہے جو تم نے دیکھا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب واپس ہونے لگا تو مجھ کو پکارا اور فرمایا۔ اے بندۂ خدا میرے پاس بیشک کوئی خاص عمل تو نہیں البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں کسی شخص سے کوئی حسد اور دل میں قطعاً کوئی بغض نہیں رکھتا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو سُن کر فرمانے

لگے بس یہی تو وہ خوبی ہے جس کی ہر شخص طاقت نہیں رکھتا [1] حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔

﴿یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ﴾ کا تو یہ مقام تھا کہ مہاجرین جب مدینہ منورہ آئے تو انصار نے کہا اے ہمارے مہاجر بھائیو! آجاؤ ہم اپنا مال زمینیں نصف نصف برابر اپنے اور تمہارے درمیان تقسیم کرلیں حتیٰ کہ کسی کے پاس دو بیویاں تھیں وہ کہنے لگا میں ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں تاکہ تم اس سے شادی کرلو جو تم کو مناسب معلوم ہو بتاؤ اس ایثار و اخوت کی دنیا میں ظاہر ہے کیا مثال مل سکتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ مہاجرین نے بھی عزت نفس اور استغناء کا وہ ثبوت پیش کیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ فرمایا خدا تعالیٰ تمہارے مال تمہیں مبارک فرمائے بس آپ لوگ ہمیں بازار بتادو یعنی تعارف کرادو ہم محنت و مشقت سے کمالیں گے۔

﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ کی تفسیر میں حضرات مفسرین رحمہم اللہ نے وہ معروف روایت بیان کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں فاقہ کی مشقت میں مبتلا ہوں میری مدد فرمایئے۔ آپ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجروں کی طرف کسی کو بھیجا شاید کچھ مل جائے لیکن کچھ نہ مل سکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی ایسا شخص جو آج رات اس کی مہمانی کرسکے تو ایک انصاری شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا میں حاضر ہوں اور اپنی اہلیہ کی طرف گئے اور بتایا کہ یہ صورت حال ہے۔ اہلیہ نے کہا آج تو بس بچوں ہی کے کھانے کے بقدر ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ انصاری نے کہا جب رات ہو تو بچوں کو کسی طرح بہلا کر سلا دینا اور پھر جب مہمان کھانے پر بیٹھے تو چراغ بجھا دینا تاکہ یہ بات مہمان کو نظر نہ آسکے کہ ہم نہیں کھا رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا صبح کو جب یہ صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو اس مرد اور عورت کی یہ بات بہت ہی پسند آئی اور ان ہی کے متعلق اس نے یہ فرمایا: ﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [2] یہ صحابی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایسا ہی وہ مشہور قصہ ہے جو جنگ یرموک میں پیش آیا تھا کہ چند زخمی لب دم تھے۔ ان میں سے جس کسی کے سامنے پانی لایا گیا اُس نے یہ چاہا کہ بجائے میرے یہ پانی میرا بھائی پی لے اور اس کی جان بچ جائے تو اچھا ہے۔ ہر ایک دوسرے کی طرف لوٹاتا رہا کسی نے بھی نہ پیا اور سب کے سب اسی طرح پیاس میں تڑپتے ہوئے جاں بحق ہوگئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاهم)

ذوی القربیٰ یتامیٰ اور ابن السبیل میں مستحقین فیٔ کی قسم اوّل فقراء و مہاجرین

آیت ﴿مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ میں عمومی طور پر ان اصناف و اقسام کا مال فیٔ میں استحقاق بیان فرمانے کے بعد ان مستحقین میں سب سے اعلیٰ اور مقدم جو گروہ ہے اس کو ذکر فرمایا جارہا ہے کہ وہ فقراء مہاجرین کا گروہ ہے ان کے اوصاف میں سب سے پہلے تو ان کی مظلومیت کو ﴿اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ﴾ سے ظاہر فرمایا گیا کہ ان کو ان کے مکانوں سے نکالا گیا اور ان کے اموال ضائع کیے گئے۔ پھر یہ مظلومیت ان کی محض اللہ کی رضا کے لیے واقع ہوئی تو جس طرح ہر مظلوم کے لیے خواہ وہ کسی طرح بھی مظلوم ہو ہمدردی اور اعانت کا جذبہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے چہ جائیکہ وہ مظلوم اللہ کی راہ اور اس کی رضا تلاش کرتے ہوئے مظلوم ہوا ہو تو اس فرد پر جس کو خدا

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ [2] صحیح بخاری، مسلم، نسائی۔ ۱۲

سے ذرّہ برابر بھی تعلق ہے۔ ضروری ہے کہ وہ ان مظلومین کے ساتھ ہمدردی اور مدد کے لیے پوری طرح مستعد ہو جائے۔ مزید برآں یہ مظلوم باوجود مظلوم و بے سہارا ہونے کے وہ ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسول کی مدد کی اور اسی جرم میں ان کو ان کے مالوں اور گھروں سے نکالا گیا۔ مظلومیت اخلاص اور اللہ و رسول کی نصرت کے علاوہ ان کے کردار اور مجموعہ عملی زندگی نے یہ ثابت کیا کہ وہ راست باز اور سچے ہیں اور جب وہ لوگ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ کا مصداق ہیں تو ہر ایمان و تقویٰ والے پر یہ حکم خداوندی عائد ہوتا ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (التوبہ:۱۱۹) اس کی تعمیل میں ہر صاحب ایمان کو ان صادقین کے ساتھ ہو جانا ضروری ہے جن کے صادق ہونے کا اعلان خداوند عالم نے فرما دیا۔

مستحقین کی قسم دوئم انصار اور ان کی خصوصیات

استحقاق مہاجرین کے بعد انصار کا استحقاق اور ان کے اوصاف میں سب سے پہلے ﴿تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کا وصف بیان فرمایا کہ انہوں نے ایمان واسلام کو اپنے شہر مدینہ میں ٹھکانہ دیا۔ دوسری صفت یہ کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں۔ تیسری صفت یہ کہ حسد سے ان کے قلوب پاک ہیں کہ مہاجرین کو جو شرف و فضل ملا اس پر ذرّہ برابر حسد یا ملال نہیں۔ چوتھی صفت ﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ﴾ کہ اپنے اوپر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں خواہ وہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں اور پانچویں صفت یہ کہ وہ مال کی حرص سے منزہ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہی اوصاف رشد و فلاح کے ضامن ہیں۔ لہٰذا یہ گروہ مفلحین اور کامرانوں کا ہے۔

قسم سوم عام اہل اسلام

﴿وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ میں گروہ مہاجرین و انصار کے بعد عامۃ المسلمین کو بیان فرمایا کہ وہ مال فئے کے مستحق ہیں اور اس تیسری جماعت کو مال فئے میں حصہ ملنے کے اوصاف و وجوہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ سابقین اوّلین اور مفلحین کی توقیر و تعظیم کریں ان کے واسطے دعائے مغفرت کریں اور ان کے دل میں ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے کسی قسم کی کدورت یا بغض نہ ہو۔ ان اوصاف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس کسی کے دل میں مہاجرین و انصار کی عظمت و محبت و خیر خواہی کا جذبہ نہ ہو بلکہ بغض و نفرت یا تکدر یا طعن و تشنیع اور تحقیر و توہین ہو۔ وہ کبھی ان حقوق میں شامل نہیں ہو سکتا جو حقوق اللہ رب العزت نے اہلِ اسلام کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان آیات کو تلاوت کر کے فرمایا کرتے خدا کی قسم جو شخص مہاجرین کی طرف سے کدورت رکھتا ہو وہ ہرگز ان لوگوں میں سے نہیں ہو سکتا [1] جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا اور حق تعالیٰ شانہٗ نے مدح فرمائی۔

چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ منہاج السنہ جلد اوّل میں اِن آیات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

وَ هٰذِهِ الاٰیَات تتضمنُ الثّناء علی المهاجرین والانصار وعلی الذین جاءُوا من بعدهم یستغفرون لهم

---

[1] ازالۃ الخفاء۔ ہدیۃ الشیعہ ۱۲۔

و یسئلون اللہ عزوجل ان لا یجعل فی قلوبھم غلاً لھم۔ وتتضمن ان ھؤلاء الاصناف ھم المستحقون للفئ۔ ولاریب ان ھؤلاء الرافضة خارجون عن الاصناف الثلثة فانھم لم یستغفروا للسابقین و فی قلوبھم غِل علیھم۔

ففی الآیات الثناء علی الصحابة وعلی اھل السنّة الذین یتولونھم و اخراج الرافضة من ذٰلك۔ وھذا یفتض مذھب الرافضة۔

ترجمہ: "اور یہ آیتیں مہاجرین وانصار کی مدح پر مشتمل ہیں اور ان لوگوں کی بھی تعریف پر مشتمل ہیں جو انصار ومہاجرین کے بعد آئیں گے اور یہ بعد میں آنے والے سابقین اوّلین کے لیے دعاءِ مغفرت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کریں گے کہ اے اللہ ہمارے دلوں کو مہاجرین وانصار کے کینہ سے بالکل پاک وصاف رکھ۔ نیز ان آیات میں یہ مضمون بھی ہے کہ مال فئے کی مستحق یہ تین جماعتیں ہیں (ان کے سوا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضی ان تینوں قسموں سے خارج ہیں اس لیے کہ وہ مہاجرین وانصار کے لیے دعاءِ مغفرت نہیں بلکہ ان کے دلوں میں تو مہاجرین وانصار کا کینہ بھرا ہوا ہے۔"

تو ان آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت ومدح ہے اور اسی طرح اہل سنت کی مدح ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور یہ آخری قید رافضیوں کے خارج کرنے کے لیے ہے اور یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو بالکل چاک کر دیتی ہے۔"

اور ان کے عیب وخبث کی پردہ دری کر رہی ہے جو ان کے سینوں میں بھرا ہوا ہے: اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا عَنْ کُلِّ رفضٍ وسوءٍ واملأ قلوبنا عن حبّ اصحٰب نبیك صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی اٰلِہٖ و اَصحابہٖ .... اجمعین۔

مستحقین ومصارف مالِ فئے

حق تعالیٰ شانہٗ نے مالِ فئے کے مصارف اور ان کا استحقاق بیان فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا: ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ... الخ﴾ یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جیسے مالِ غنیمت کے مصارف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ... الخ﴾ (الانفال: ۴۱) وہاں بھی تین لام ہیں۔ لام کلامِ عرب میں استحقاق کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ متعلق کے فرق سے استحقاق کی صورتوں میں بھی فرق ہوگا۔ اللہ کے لیے مالِ غنیمت اور مالِ فئے ہونا ملکیت کے معنی ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ اللہ ہی مالک الملک اور حقیقی مالک ہے اور ﴿لِلرَّسُوْلِ﴾ میں تولیت کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ان اموال کے اصل متولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مالک حقیقی کی امانت کو بطور امانت ونیابت صرف کرنے کا حق آپ کو حاصل ہے کہ آپ مالک حقیقی کے حکم کے مطابق خرچ فرمائیں گے اور ﴿لِذِی الْقُرْبٰى﴾ کا لام صرف محل صرف ہونا ظاہر کر رہا ہے کہ مالِ فئے کے یہ مستحق اور مصرف ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مالِ فئے اللہ اور اس کے رسول کے اور قرابت داروں۔ یتیموں اور مسافروں کے لیے ہے۔ ﴿فَلِلّٰهِ﴾ میں خدا کی ملکیت کا بیان ہوا اور ﴿لِلرَّسُوْلِ﴾ کا

مطلب یہ ہوا کہ آپ رسول خدا ہیں۔ خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کو اتنی فرصت نہیں کہ کمائیں اور اطمینان سے بیٹھ کر کھائیں تو جب وہ خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں تو بمقتضائے قدر شناسی رسول کا نان ونفقہ بھی خدا ہی کے ذمہ ہونا چاہیے اس سے بہتر اور کیا صورت ہوسکتی ہے کہ جو مال خاص خدا کا دیا ہوا ہے اور بغیر مِنّتِ غیر حاصل ہوا اس میں سے کچھ اس پروردگار کے رسول کے لیے تجویز کیا جائے اور یتیم و مسکین اور ابن السبیل اس وجہ سے کہ ان سے اسباب رزق منقطع ہوئے ہیں مورد رحم ہیں تو ان کی ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو دینے کا حکم دیا گیا خواہ وہ ذوی القربیٰ ہوں یا ان کے علاوہ۔

اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا: فقراء مہاجرین وانصار اور ان کے متبعین اور ان مہاجرین سے محبت رکھنے والوں کے لیے جن کی کوئی تحدید نہیں بلکہ ان کے بعد آنے والے ان مؤمنین کے لیے جو ان حضرات کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہوں اور ان کے دلوں میں مہاجرین وانصار کے لیے بے پناہ جذبات محبت وعظمت ہیں۔

مالک [1] بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آیت مبارکہ ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا .... عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ (التوبہ:۶۰) تک تلاوت کی اور فرمایا یہ آیت مصارف صدقات کو بیان کر رہی ہے اور وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو صدقات کے مستحق ہیں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ﴾ (الانفال:۴۱) اور فرمایا اس آیت نے ان لوگوں کو بیان کیا ہے جو مال غنیمت کے مستحق ہیں اس کے بعد سورہ حشر کی یہ آیت تلاوت کی ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی ... الی ... لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ﴾ اور فرمایا کہ یہ آیت مال فئے میں مہاجرین کا حق بیان کر رہی ہے۔ پھر آیت ﴿وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے مال فئے میں انصار کا حق بیان کیا ہے اور اخیر میں ﴿وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ﴾ پڑھ کر فرمانے لگے کہ اس آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ بیت المال اور مال فئے میں ہر مسلمان کا حق ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو تم دیکھ لینا کہ ایک چرواہے کا حق بھی اس کے گھر پہنچا کرے گا بغیر اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ بھی آئے ہر مسلمان کا حق اس تک پہنچ کر رہے گا خواہ وہ کسی بھی دور دراز مقام پر ہو۔

مال فئے اور مال غنیمت میں فرق

مال فئے شریعت کی اصطلاح میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو کافروں کے قبضہ سے مسلمانوں کو بغیر جہاد اور قتال کے حاصل ہو جائے کفار محض رعب سے یا صلح کر کے ان اموال اور علاقوں سے دست بردار ہو جائیں تو ان اموال کو فئے کہا جائے گا۔ مال غنیمت وہ ہے جو جہاد وقتال کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہو اور مسلمانوں کی جانفشانیوں سے ملے پہلا مال یعنی فئے مجاہدین کو ان کی سعی اور کوشش کے بغیر محض اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے اللہ نے اس میں تصرف کا حق کلیۃً اپنے پیغمبر کو عطا فرما دیا کہ جس طرح چاہیں وہ بیان کردہ مصارف میں اس کو خرچ کریں برخلاف مال غنیمت کے کہ وہ مجاہدین کی محنت اور مشقت سے حاصل ہوتا ہے تو اس میں مجاہدین کا

---

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر روح المعانی۔ تفسیر ابن کثیر۔

حصہ رکھا گیا اور خمس کے علاوہ وہی اس کے مستحق قرار دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ مال فئے کا کوئی مصرف متعین نہیں۔ جمیع مصالح مصلحین۔ مسلمین امیر و فقیر سب پر خرچ کیا جاسکتا ہے بخلاف زکوٰۃ۔ خمس اور مال غنیمت کے کہ مصارف متعین اور محدود کر دیئے گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے ان کی وضاحت اور تعیین کر دی۔

استحقاق کی اقسام

اُصولِ شریعت کی رو سے استحقاق دو قسم کا ہے۔ ایک استحقاق قوی جس کو استحقاق فعلی اور استحقاق شخصی بھی کہا جاتا ہے اور یہی استحقاق حقیقی ہے۔ دوسرا استحقاق ضعیف ہے جس کو استحقاق انفعالی اور استحقاقِ نوعی بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور یہ استحقاق مجازی ہے۔ استحقاق قوی وہ ہے جس کا منشاء امر وجودی ہو جیسے مال غنیمت میں مجاہدین اور غانمین کے استحقاق کا منشاء ان کا جہاد ہے جو کہ امر وجودی ہے اسی بناء پر ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ (الانفال:۴۱) میں غنیمت کو مجاہدین کی طرف منسوب کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ غنیمت کی تحصیل مجاہدین کی سعی اور جدو جہد کے باعث ہے۔

استحقاق ضعیف وہ ہے کہ جس کا منشاء امر عدمی ہو جیسے صدقات میں فقراء و مساکین کا استحقاق ان کی ناداری اور مفلسی کی وجہ سے ہے جو کہ امر عدمی ہے۔ اسی وجہ سے فقراء کو دعویٰ کا حق نہیں اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ کسی خاص شخصِ معین کو فقراء و مساکین میں سے دیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب (ہذا من افاضات حضرۃ الوالد مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

تو نہ دیکھے وہ جو دغاباز ہیں، کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو، جو منکر ہیں

اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ

کتاب والوں میں سے، اگر تم کو کوئی نکال دے گا تو ہم بھی نکلیں گے تمہارے ساتھ، اور کہا نہ مانیں گے کسی کا

اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

تمہارے حق میں کبھی، اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے وہ

لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا

جھوٹے ہیں۔ اگر وہ نکالے جاویں گے، یہ نہ نکلیں گے ان کے ساتھ، اور اگر ان سے لڑائی ہوگی

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا

یہ نہ مدد کریں گے ان کی۔ اور اگر مدد کریں گے تو بھاگیں گے پیٹھ دے کر، پھر کہیں

يُنْصَرُوْنَ ⑫ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ

مدد نہ پاویں گے۔ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دل میں اللہ سے۔ یہ اس سے کہ

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِىْ قُرًى

وہ لوگ بوجھ نہیں رکھتے۔ لڑ نہ سکیں گے تم سے سب مل کر، مگر بستیوں کے

مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ

کوٹ میں، یا دیواروں کی اوٹ میں۔ ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تو جانے وہ

جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭ ۚ كَمَثَلِ

اکٹھے ہیں اور ان کے دل پھوٹ رہے ہیں۔ یہ اس سے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ جیسے کہاوت

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

اُن کی، جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے پاس ہی چکھی سزا اپنے کام کی۔ اور ان کو دکھ کی

اَلِيْمٌ ⑮ ۚ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ

مار ہے۔ جیسے کہاوت شیطان کی، جب کہے انسان کو تو منکر ہو۔ پھر جب وہ منکر ہوا،

قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯ فَكَانَ

کہے میں الگ ہوں تجھ سے، میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا۔ پھر آخر میں

عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ⑰ ع

ان دونوں کا یہی کہ وہ دونوں ہیں آگ میں، سدا رہیں اس میں۔ اور یہی ہے سزا گنہگاروں کی۔

احوال منافقین وکاذبین بعد بیانِ اوصاف مخلصین وصادقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ... الٰى ... وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ⑰﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مال فئے اور اس کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے ان اہل ایمان واخلاص کا بیان فرمایا جو اپنے ایمانی اوصاف میں وہ عظمت وبلندی حاصل کرنے والے ہیں کہ ان کو قرآن کریم نے الصادقون اور المفلحون کے لقب سے یاد کیا۔ ان کے برعکس

اب ایک گروہ منافقین وکاذبین کا بیان ہے جن کے قبائح اور بدترین خصلتوں کو ذکر کر کے ان کی ذلت وناکامی کو بیان فرمایا جارہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر! کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے نفاق کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ منافق کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہ اگر تم کو اپنے گھروں سے نکالا گیا تو ہم بھی ضرور بالضرور تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم تمہارے معاملہ میں کسی کی بھی بات نہ مانیں گے کبھی بھی۔ اور اس طرح ہم تمہارے معاون و مددگار رہیں گے اور اگر تم سے قتال کیا گیا تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے یہود بنی نضیر کو یہ خفیہ پیغام بھیجا تھا اور تاکید سے کہلوایا کہ ہرگز نہ گھبرانا اور اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھنا۔ اگر مسلمانوں نے تم کو نکالنا چاہا تو ہم بھی احتجاجاً تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور اگر جہاد وقتال کی نوبت آئی تو ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے یہ ہمارا ایسا قطعی اور یقینی فیصلہ ہے کہ اس کے خلاف ہم کسی کی بات ماننے کے واسطے ہرگز تیار نہ ہوں گے۔ ان کے اس طرح کے باطل دعوؤں پر قرآن کریم نے رد کرتے ہوئے فرمایا اور خدا گواہی دے رہا ہے کہ بیشک یہ منافق جھوٹے ہیں۔ محض مسلمانوں کے خلاف اکسانے اور ورغلانے کے لیے یہ باتیں بنا رہے ہیں۔ آگاہ ہو جانا چاہیے اگر وہ اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے قتال کیا گیا تو یہ کبھی ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر کچھ تھوڑی بہت دکھاوے کے طور پر مدد بھی کی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر کہیں سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی' کسی اور کی کیا مدد کرتے اس طرح پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے بعد تو یہ خود بھی ایسے بے یار و مددگار ہو جائیں گے کہ ان کی بھی کوئی مدد نہ کر سکے گا۔ چہ جائیکہ یہ دوسروں کی مدد کریں۔ ان کی اس منافقانہ روش سے معلوم ہوتا ہے کہ البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کے یہ اس وجہ سے کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ سمجھ نہیں رکھتے۔ کیونکہ اللہ کی عظمت وہیبت اور قدرت و کبریائی کی کوئی حد نہیں اس سے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں ورنہ تو نفاق کیوں اختیار کرتے اس کے بالمقابل مسلمانوں کی قوت وشجاعت سے ڈر رہے ہیں اور ان سے مرعوب وخوفزدہ ہو کر نفاق اختیار کیا اور کھلم کھلا کفر کے اعلان کی جرأت نہیں۔ تو ان کے اس طرز عمل نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کا ڈر ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے ڈر سے زیادہ ہے۔ ان کے مرعوب اور خوفزدہ ہونے کی تو یہ حالت ہے کہ یہ لوگ نہیں لڑ سکیں گے تم سے ایک جگہ جمع ہو کر اس طرح جیسے میدان جنگ میں کوئی فوج کسی فوج کا مقابلہ کرتی ہو مگر ایسی بستیوں میں جو احاطہ بندی کے ساتھ محفوظ ہوں اور قلعے کی شکل میں کہ اندر چھپ جانے والوں کو پناہ دے سکیں یا دیواروں کے پیچھے سے تو جو قوم اس قدر بزدل ہو وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی اور نہ ہی مسلمانوں کو ایسی بُزدلی قوم سے خائف ہونا چاہیے۔ یہ لوگ اگرچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بظاہر متحد نظر آتے ہیں اور اے مخاطب! گمان کرتا ہے تو ان کو اکٹھا اور باہم متحد، لیکن ان کے دل جدا جدا ہیں یہ اس لیے کہ یہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی غرض اور خواہش جدا ہے اگرچہ مسلمانوں کی مخالفت میں سب متفق اور متحد ہیں مگر ہر ایک اپنی اغراض وخواہشات کے باعث مختلف اور متفرق ہے تو ایسے عناصر کے ظاہری اتحاد سے مسلمانوں کو فکر مند و پریشان نہ ہونا چاہیے اس صورت حال میں یہ دشمنانِ اسلام بلاشبہ کمزور ہیں اور اسلام کا مقابلہ ہرگز نہ کر سکیں گے اگر انسان میں عقل ہو تو سمجھ سکتا ہے اگر اندر سے دل پھٹے ہوئے ہوں تو ظاہری اجتماعیت کچھ کام نہیں آتی۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض وخواہشات سے کنارہ کش ہو کر سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور اپنا مرنا جینا سب اسی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے بنالیں۔

ان منافقین کی یہ حالت تو بالکل ایسی ہی ہوگئی جیسے کہ مثال ہے ان لوگوں کی جو ان سے پہلے قریب ہی وقت میں گذرے کہ مزہ چکھ لیا اپنے کام کا دنیا میں بھی ذلیل و ناکام ہو کر اور مختلف قسم کے عذاب میں ہلاک و تباہ ہو کر اور آخرت میں بھی ان کے واسطے ایک دردناک عذاب ہے۔ چنانچہ یہود بنی قینقاع نے اپنی غداری کا مزہ چکھ لیا۔ جب انہوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر سی لڑائی کے بعد ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا اور اس سے پیشتر ماضی قریب میں مکہ والے بدر میں سزا پا چکے ہیں ایسا ہی انجام بنو نضیر کا دیکھ لو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل چکی اور آخرت کا دردناک عذاب اپنی جگہ باقی ہے۔

یہ حالت بالکل شیطان کے قصہ کی طرح ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کفر کر پھر جب انسان کفر کرتا ہے اور عذابِ خداوندی اس کے سامنے ہوتا ہے اور شیطان پر وہ کافر ذمہ داری ڈالتا ہے کہ مجھ سے کفر تو اس نے کرایا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب ہے سارے جہانوں کا، پھر آخر کار انجام ان دونوں کا۔ کافر ہو یا کافر کو گمراہ کرنے والا شیطان کہ وہ دونوں جہنم میں ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کسی وقت یہ نہ ہوگا کہ وہ اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اور یہی سزا ہوتی ہے ظالموں کی اس لیے ان منافقوں کو اپنی ان حرکتوں سے باز آجانا چاہیے اور مسلمانوں کو ایسی باتوں سے رنجیدہ اور پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ ایسے گمراہوں کا انجام ذلت و ناکامی طے ہو چکا ہے جس سے وہ ہرگز نہیں بچ سکتے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی شیطان اوّل انسان کو معصیت پر ابھارتا ہے جب انسان دام اغواء میں پھنس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں اور تیرے کام سے بیزار ہوں۔ مجھے تو اللہ سے ڈر لگ رہا ہے (یہ کہنا بھی ریاء اور مکاری ہوگا) جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود دوزخ کا کندہ بنا اور اسے بھی بنایا

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شیطان آخرت میں یہ کہے گا اور بدر کے دن بھی ایک کافر کی صورت میں لڑواتا تھا جب فرشتے نظر آجاتے تو بھاگ جاتا (تفصیل سورۂ انفال میں گزر چکی) تو یہی مثال منافقوں کی ہے کہ وہ بنو نضیر کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دِلا دِلا کر بھرے پر چڑھاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے تو آپ الگ ہو بیٹھے۔ کیا وہ اس مکر و عیاری کے بعد عذاب سے بچ گئے؟ ہرگز نہیں دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (فوائد عثمانی)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَ

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیے دیکھ لے کوئی جی، کیا بھیجا ہے۔ کل کے واسطے اور

ٱتَّقُوا ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا كَٱلَّذِينَ

ڈرتے رہو اللہ سے۔ بیشک اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔ اور مت ہو ویسے جنہوں نے

نَسُوا ٱللَّهَ فَأَنسَىٰهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِىٓ

بھلا دیا اللہ کو، پھر اُس نے بھلا دیئے اُن کو اُن کے جی۔ وہ لوگ وہی ہیں بے حکم۔ برابر نہیں

اَصۡحٰبُ النَّارِ وَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾

لوگ دوزخ کے اور لوگ بہشت کے۔ بہشت کے لوگ وہی ہیں مراد کو پہنچے۔

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ

اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر، تو تو دیکھتا دب جاتا پھٹ جاتا

خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ

اللہ کے ڈر سے۔ اور یہ کہاوتیں ہم سناتے ہیں لوگوں کو، شاید وہ

يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَ

دھیان کریں۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، جانتا ہے چھپا اور

الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

کھلا، وہ ہے بڑا مہربان رحم والا۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، وہ

اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ

بادشاہ پاک ذات چنگا امان دیتا پناہ میں لیتا زبردست دباؤ والا صاحب

الۡمُتَكَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ

بڑائی کا۔ پاک ہے اللہ اس سے جو شریک بتاتے ہیں۔ وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا کرتا

الۡمُصَوِّرُ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ

صورت کھینچتا، اسی کے ہیں سب نام خاصے۔ اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں،

وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۲۴﴾ ع ۳ ع۷ ۶

اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

دعوت تقویٰ وفکر آخرت برائے اہل ایمان مع ذکر عظمت رب ذوالجلال والاکرام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا... الٰى... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منافقین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ سرگرمیوں کا ذکر تھا۔ تو اب ان آیات میں اہل ایمان کو تقویٰ اور فکر آخرت کی دعوت دی جا رہی ہے اس لیے کہ ایمان وتقویٰ اور فکر آخرت ہی مسلمانوں قوم کے لیے ہر عزت وغلبہ اور ترقی کا باعث ہے یہی وہ عظیم وصف ہے جس کے باعث مسلمان اپنے دشمن کی ہر سازش سے محفوظ رہتا ہے۔ تو ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو! ڈرتے رہو خدا سے اور ہر متنفس کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا بھیجا ہے کل آنے والے دن کے واسطے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ ہی روزِ آخرت کام آنے والا ہے اور روز آخرت بس کل آنے والا ہی دن ہے تو اس کے واسطے تیاری کرنی چاہیے۔ دیکھنا اور سوچنا چاہیے کہ اس کے واسطے اعمال صالحہ کا کیا ذخیرہ مہیا کیا ہے اور تقویٰ اختیار کرو اللہ کا۔ تقویٰ ہی اساس ہے ایمان وعمل کی۔ بے شک اللہ ان تمام کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اگر کسی متنفس کے قلب میں یہ اعتقاد راسخ ہے کہ خداوندِ عالم کے سامنے بندہ کا ہر کام اور اس کا ہر حال عیاں ہے تو بلاشبہ خوف وتقویٰ پیدا ہو جائے گا یہ اعتقاد ہی تقویٰ کی بنیاد ہے جس کا لازمی اثر انسانی زندگی میں احتیاط اور فکر کی صورت میں رونما ہو گا اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر ایمان اور اخلاص مرتب ہے اور نفاق کی گندگی سے پاک رہنے کا باعث ہے۔

اور نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں سے جنہوں نے خدا کو بھلا دیا اور شب وروز اپنی نفسانی شہوتوں اور دنیوی لذتوں میں منہمک رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا اور اس طرح اللہ کی توفیق اور خیر کے کاموں کی صلاحیت اور اس کا احساس بھی ان سے مفقود ہو گیا۔ اور آخرت کے فکر وتصور سے بھی غافل ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ کی فرماں برداری سے خارج ہیں کیونکہ ان کی اس غفلت ولا پرواہی اور انہماک فی الدنیا کی وجہ سے وہ صلاحیت اور جوہر ہی ختم ہو گیا جس کے ذریعے انسان سعادت اور انابت الی اللہ حاصل کر سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ برابر نہیں ہیں جہنم والے اور جنت والے جہنمی عذاب جہنم میں مبتلا ہوتے ہیں وہ عذاب جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اور اہل جنت اللہ تعالیٰ کے انعامات اور جنت کی راحتوں اور نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں تو یقیناً جنت والے ہی کامیاب ہیں اور اپنی مراد پانے والے ہیں۔ فلاح وسعادت کے اصول اور قوت نظریہ وعملیہ کی اصلاح کے ضابطے اللہ رب العزت نے قرآن کریم کی صورت میں دنیا کے انسانوں کے واسطے نازل کیے۔ اسی سے انسانی زندگی فلاح وسعادت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اس کلام الٰہی کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو اے مخاطب یقیناً تو دیکھتا اس پہاڑ کو ہیبت الٰہی سے پارہ پارہ ہو جانے والا۔ اگر اس پہاڑ میں انسان کی طرح عقل ہوتی شعور عطا کر کے اس پر قرآن نازل کیا جاتا تو وہ سمجھتا اور عظمت وہیبت خداوندی سے ایسا متاثر ہوتا کہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن افسوس کہ یہ انسان جس پر یہ کلام الٰہی اتارا گیا ایسا سخت دل واقع ہوا ہے کہ نہ اس کا دل کانپتا ہے اور نہ خشیت وتقویٰ کے آثار اس میں نظر آتے ہیں انسان کو چاہیے کہ اس امانت الٰہیہ کی عظمت کو پہچانے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے آخر اس

انسان کو یاد کرنا چاہیے کہ روز میثاق اس امانت کو جب اللہ نے آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش فرمایا تھا اور آسمان وزمین نے اس کی عظمت وہیبت سے گھبرا کر انکار کردیا تھا تو اس حضرت انسان نے اس بوجھ کو اٹھایا تھا اور اس امانت کی حفاظت اور اس کا حق ادا کرنے کا اقرار کیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾ (الاحزاب)

اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے شاید وہ نصیحت حاصل کرلیں اور جس سعادت ابدیہ کا حصول انسان کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے اس کو حاصل کرسکیں اور فلاح وکامیابی کی منزل تک پہنچنے کی جو صلاحیتیں اس کو عطا کی گئی ہیں ان کو بروئے کار لاسکے اور قوت نظریہ درست کرنے کے بعد قوائے عملیہ کو اس کے تابع کردے۔ جو صرف حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وصفات کی معرفت اور دل ودماغ میں اس عقیدہ کو راسخ کرلینے پر موقوف ہے تو جان لینا چاہیے کہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی پوشیدہ [1] اور ظاہر کا جاننے والا ہے جو چیز انسانی ادراک وشعور سے ماوراء ہو اس چیز کو نہ انسانی حواس ادراک کرسکتے ہیں اور نہ ہی وہاں تک عقل کی پرواز ہے۔ وہ صرف خدا ہی جانتا ہے اور ہر ظاہر چیز کو بھی خدا ہی جانتا ہے جب کہ انسان بہت سی چیزوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کے باوجود اس کے جاننے سے عاجز رہتے ہیں۔ وہی بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے جس کی عنایات ورحمتیں انسان کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ صرف اس رحمن ورحیم کی عبادت وبندگی کرے۔ اس کے خزائن رحمت بے پایاں ہیں دُنیا میں وہ اپنی رحمتوں سے مؤمن وکافر، انسان وحیوان، شجر وحجر سب ہی کو نوازتا ہے اس طرح کہ اس کی رحمت وعنایت رحمت ومہربانی کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی پیکر تکلیف وشدت میں اس کی یہ رحمت اس کے بندوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان ظاہری وباطنی رحمتوں کو اس پروردگار نے اپنے مؤمن بندوں کے لیے آخرت میں مخصوص کردیا۔ غرض وہ پروردگار ہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بادشاہ ہے تمام کائنات کا اسی کی سلطنت وحکمرانی کائنات پر جاری ہے بروبحر زمین وآسمان پر بسنے والی ہر مخلوق اس کے فرمان کے تابع ہے کسی کو مجال نہیں کہ اس کے حکم سے عدول کرسکے یا بغاوت کرسکے۔ وہی بادشاہ ہے جس کے قبضہ میں تمام خزانے ہیں جن کی کوئی حدوانتہاء نہیں اور اس کی بادشاہت دُنیا وآخرت میں ایسی کامل اور مضبوط بادشاہت ہے کہ اس کے حکم سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں۔ جس کو نہ کسی کی بغاوت کا خطرہ ہے اور نہ کسی کی خیانت کی فکر اور نہ کسی کی معاونت وامداد کا محتاج۔ وہ پاک ہے ہر عیب سے اور ایسی ہر بُری بات سے جو اس کے شایان شان نہ ہو۔ جو ہر نقصان وزوال سے محفوظ وسالم ہے اور اپنی مخلوق وبندوں کو سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ وہی امن وپناہ دینے والا ہے خواہ دُنیا کی کوئی مصیبت وپریشانی ہو یا آخرت کی وہی محافظ ونگہبان ہے اپنی مخلوق پر کہ ہر آفت ومصیبت سے بھی وہی محفوظ رکھتا ہے اور وہی بندوں کے ہر عمل کا نگران اور

---

[1] ﴿الْغَيْبِ﴾ بڑا ہی وسیع المعنی لفظ ہے۔ انسان کی حس بصر سے لے کر حواس خمسہ تک ہر حس سے جو چیز غائب ہے اس کو غیب کہا جائے گا۔ اضافہ کردہ الفاظ میں بھی اشارہ کردیا گیا کہ غیب کا اطلاق حواس ظاہرہ سے غائب ہی چیز پر نہیں بلکہ جو انسانی ادراک اور عقل وفکر کی پرواز سے بالا وبرتر ہے وہ بھی غیب ہے۔ چنانچہ آخرت اور احوال آخرت جیسی جملہ چیزیں غیب کا مصداق ہیں۔ انسان ہی کیا بلکہ ملائکہ اور جنوں کے ادراک وشعور سے بھی پوشیدہ چیزیں اس میں شامل ہیں۔

چنانچہ ملاءِ اعلیٰ اور ملکوت السماوات کی بہت سی چیزیں فرشتوں سے بھی پوشیدہ ہیں الغرض ہر وہ چیز جو مخلوق کے ادراک وشعور سے بالا ہو یا بُعد مکانی سے حواس بصر یہ وغیرہ سے مستور وپوشیدہ ہو اس کو غیب کہا جائے گا۔ جو ایک وسیع عالم ہے۔ اور اس کے بے شمار مراتب ودرجات ہیں جیسا کہ حضرات عارفین وصوفیاء بیان کرتے ہیں اسی طرح عالم شہادت کے بھی بے شمار مراتب ودرجات ہیں۔ ۱۲

ان کے احوال کا رقیب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ (النساء:۱)۔

وہ بڑی ہی عزت والا۔ غالب وقاہر اور زبردست دباؤ والا صاحب عظمت [1] ہے۔ پاکی ہے اللہ رب العالمین کی ان تمام چیزوں سے جو وہ شرک کی کرتے ہیں اس لیے کہ جو پروردگار ان صفات کا مالک اور صاحب عظمت ہوگا اس کا کون شریک ہوگا۔ لہٰذا وہ ہر شرک اور شریک سے پاک ہے وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا۔ ایجاد کرنے والا۔ صورت بنانے والا جیسا کہ ایک قطرۂ آب پر انسان کی شکل وصورت اور اس کے جسم کی ساخت اور اس کے اعمال واخلاق اور کردار کی ہیئت وتصویر وہی کھینچتا ہے اسی کے واسطے ہیں سب پاکیزہ نام جس کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ہر چیز شجر وحجر بہائم وطیور اور وحوش ہر ایک اس کی تسبیح وتہلیل میں مشغول ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴) وہی زبردست حکمت والا ہے۔ کیونکہ جو ذات ان جملہ اوصاف کی حامل ہوگی وہ بلاشبہ بڑی ہی قدرت وقوت والی بھی ہوگی اور بڑی ہی حکمت والی بھی ہوگی۔ اس لیے کہ اس میں سے ہر صفت اس کی کمال حکمت کی دلیل ہے اور ہر صفت کا ظہور اس کی مخلوقات میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح آفتاب کی روشنی وظہور عالم کے ایک ایک ذرّہ سے ہو رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ پڑھ کر یہ تین آخری آیات سورۂ حشر کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر کردے گا جو اس پر دعائے رحمت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ شام ہو جائے اور اسی طرح اگر شام کے وقت پڑھ لے تو صبح تک یہ تعداد فرشتوں کی اس پر رحمت کی دعا کرتی رہے گی اور اگر وہ اس دن مرے گا تو اس حالت میں انتقال کرے گا کہ وہ شہید ہوگا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں آیت ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلام الٰہی کی عظمت وہیبت کا جب یہ مقام ہے کہ پہاڑ اپنی سختی وغلظت اور قوت کے باوجود اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اگر ان میں وہ فہم وشعور ودیعت رکھ دیا جائے جو انسانوں کو عطا ہوا ہے تو وہ اپنی اس عظمت وسختی کے باوجود خداوندِ عالم کی خشیت وہیبت سے پارہ پارہ ہو جاتا تو انسان کی حالت قابلِ افسوس ہے کہ وہ انسانی شعور واحساس رکھتے ہوئے خدا کی خشیت سے متاثر نہ ہو حالانکہ وہ کتاب الٰہی کو سمجھتا ہے اس میں تدبر اور غور وفکر کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ [2]

---

[1] لفظ ﴿اَلْمُتَكَبِّرُ﴾ کا ترجمہ صاحب عظمت سے کیا۔ لفظ کبر بڑائی اور عظمت کے معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے تو باب تفعل میں استعمال ہونے سے مفہوم ہوگا علو بلندی اور عظمت کو اختیار کرنے والا یعنی اس سے متصف امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تکبر انسانوں کی صفات میں مذموم ہے۔ اور تکبر کو صفت ذم شمار کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ متکبر کے معنی جب یہ ہوئے کہ وہ اپنی ذات سے کبر وبڑائی ظاہر کرنے والا ہو تو مخلوق تو سراسر عاجز ہے۔ ہزاراں ہزار عیب ہر انسان میں ہوتے ہیں تو ایسے نقائص اور عیوب کے ہوتے ہوئے انسان کا کبر اور بڑائی کرنا یقیناً مذموم ہوگا اور وہ اس میں جھوٹا ہوگا۔ اس کو تذلل وتواضع اور اظہار پستی ہی زیب دیتا ہے لیکن اس کے برعکس اللہ رب العزت کی ذات تو ہر کمال وبلندی سے متصف ہے اس لیے جب وہ اپنی بڑائی اور علو کو ظاہر کرے گا تو حقیقت کے عین مطابق ہوگا۔ اور بندوں کو یہ بات رہنمائی کرنے والی ہوگی کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی جلالت شان اور اس کی عظمت وبرتری کو پہچانیں۔

[2] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

میرے شیخ محترم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فوائد قرآن کریم ❋ میں فرماتے ہیں کہ میرے والد مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل نظم کے ضمن میں یہ تین شعر کہے۔

سنتے سنتے نغمہائے محفل بدعات کو	کان بہرے ہو گئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمۂ مشروع بھی	پارہ جس کے لحن سے طور ہُدیٰ ہونے کو ہے
حیف گرتا ثیر اُس کی تیرے دِل پر کچھ نہ ہو	کوہ جس سے خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا ہونے کو ہے

حضرات عارفین اور علماء ربانیین کی تحقیق یہ ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جمادات و نباتات میں بھی اللہ رب العزت نے احساس و شعور کی صلاحیت رکھی ہے چنانچہ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کی شقاوت اور قساوت قلبیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ﴾ (البقرہ:۷۴)

چنانچہ جمادات کے احساس و شعور کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جب منبر تیار کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ اس پر خطبہ دینا شروع فرمایا وہ کھجور کے درخت کا تنا جو ستون کی طرح مسجد میں گڑا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر ٹیک وسہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو وہ ستون بیقرار ہو کر اس طرح رونے لگا کہ جیسے کوئی بچہ روتا ہو یہ آواز سب نے سنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اُترے اس ستون کو تھپکا تسلی دی۔ جیسے بچے کو تھپک کر تسلی دی جاتی ہو اور اس کو خاموش کیا جاتا ہو۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ وہ ستون اپنی آواز ضبط کرنے لگا۔ راوئ حدیث اس قصہ کو ذکر کرتے ہوئے ((لما کان یسمع من الذکر والوحی)) کہ وہ ستون اس وجہ سے رویا کہ وہ جو ذکر اور وحی الٰہی سُنا کرتا تھا اب اس سے بعد ہو گیا ❋ اسی وجہ سے اس ستون کا نام ستونِ حنانہ رکھا گیا۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں اے مسلمانو! دیکھو جب ایک لکڑی کا تنا اور ستون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق و محبت میں بے قرار ہو کر آہ و زاری کرنے لگا تو تم انسان ذی عقل ہو تمہیں چاہیے کہ تم بھی اپنے قلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق اور محبت اس لکڑی کے ستون سے زائد پیدا کرو یہی وہ چیز ہے جس کو حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ❋

فلسفی کو منکر حنانہ است	از حواس انبیاء بیگانہ است

اسمائے حسنیٰ وصفاتِ خداوندی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾

ارشادِ مبارک ہے اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حُسنیٰ اور صفات علیا انہی کے ذریعے خدا تعالیٰ سے دعا مانگا کرو مثلاً یا اللہ اور یا رحمٰن اور یا غفار کہہ کر دعا مانگو! اور یا ذات یا موجودُ یا شئی کہہ کر دعا مت مانگو اللہ تعالیٰ کے اسماء حُسنیٰ کو سوال اور دعا کا ذریعہ بناؤ خود تراشیدہ ناموں

❋ فوائد قرآن کریم۔ ۱۲۔ ❋ صحیح بخاری جلد ۱۔ ابواب الخطبہ۔ ۱۲ ❋ صحیح بخاری جلد ۱۔ ابواب الخطبہ۔ ۱۲

سے اللہ کو مت پکارو۔

اسماءِ حسنیٰ سے اللہ کے نام اور اوصاف مراد ہیں جو اس کی ذات پاک پر یا اس کی کسی صفت پر دلالت کریں لفظ اللہ ذات خداوندی کا اسم علَم ہے اسم ذات ہے جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور باقی اوصاف سب اس کے تابع ہیں اور بعثت نبوی سے پہلے عرب میں اللہ ذاتِ خداوندی کے لیے بولا جاتا تھا۔ شریعت نے اسی نام کو بحال رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور اس کے کمالات کی کوئی حد نہیں مگر اللہ پر صرف ان اسماء کا اطلاق درست ہے جو شرع شریف سے ثابت ہیں اپنی رائے سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی چاہیے۔

علماء متکلمین کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحب شرع کے واقف کرانے اور بتلانے پر موقوف ہیں شرع میں جس اسم کا اطلاق حق تعالیٰ کی ذات پر آیا ہے اس اسم کا اطلاق کرنا تو جائز ہے۔

اور جس اسم کا اطلاق نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے اگرچہ اس میں معنی کمال کے پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر جواد اور کریم کا اطلاق جائز ہے اس لیے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو سخی کہنا جائز نہیں اس لیے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں نہیں آیا لہٰذا ہم کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کو ان ناموں سے پکاریں جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اپنی رائے اور قیاس سے خدا کے نام تجویز نہ کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتسعین اسماء من احصاھا دخل الْجَنَّةَ)) یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو محفوظ اور یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہوا۔ سو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات بے شمار ہیں لیکن یہ ننانوے نام تمام اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ علیٰ کی اصل ہیں کہ دُنیا میں اہل عقل کے نزدیک جس قدر صفاتِ کمال متصور ہو سکتی ہیں وہ سب انہی ننانوے اسماءِ حسنیٰ کے تحت درج ہیں اور یہ ننانوے اسماءِ حُسنیٰ بے شمار صفاتِ کمالیہ کے لیے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفاتِ کمال کا خلاصہ اور اجمال ہیں اور حدیث میں احصاء سے محض زبانی یاد کر لینا مراد نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ کے ساتھ موصوف ہے تو جس نے حق تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف جانا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اللہ رب العزت کے ننانوے اسماء حسنیٰ

① ﴿ اَللّٰهُ ﴾ معبود برحق اور موجود مطلق۔ یہ نام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا نہ حقیقتاً نہ مجازاً۔

② ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ﴾ نہایت رحم والا۔

③ ﴿ اَلرَّحِيْمُ ﴾ بڑا مہربان۔

④ ﴿ اَلْمَلِكُ ﴾ بادشاہ حقیقی۔ اپنی تدبیر اور تصرف میں مختار مطلق۔

⑤ ﴿ اَلْقُدُّوْسُ ﴾ تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک اور منزہ، فضائل اور محاسن کا جامع اور معائب اور مخلوقات کی صفات سے معرا اور مبرا۔

⑥ ﴿ اَلسَّلَامُ ﴾ آفتوں اور عیبوں سے سالم اور سلامتی کا عطا کرنے والا بے عیب۔

⑦ ﴿ اَلْمُؤْمِنُ ﴾ مخلوق کو آفتوں سے امن دینے والا اور امن کے سامان پیدا کرنے والا۔

⑧ ﴿الْمُهَيْمِنُ﴾ ہر چیز کا نگہبان اور پاسبان۔

⑨ ﴿الْعَزِيْزُ﴾ عزت والا اور غلبہ والا، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس پر غلبہ پا سکتا ہے۔

⑩ ﴿الْجَبَّارُ﴾ جبر اور قہر والا ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا اور بگڑے ہوئے کا درست کرنے والا کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔

⑪ ﴿الْمُتَكَبِّرُ﴾ انتہائی بلند اور برتر، یعنی بزرگ اور بے نیاز جس کے سامنے سب حقیر ہیں ؎

مرادرا رسد کبریاء و منی کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

⑫ ﴿الْخَالِقُ﴾ مشیت اور حکمت کے مطابق ٹھیک اندازہ کرنے والا اور اس کے مطابق پیدا کرنے والا اس نے ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا، اور کسی کو انسان اور کسی کو حیوان۔ کسی کو پہاڑ اور کسی کو پتھر اور کسی کو مکھی اور کسی کو مچھر، ہر ایک کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی۔

⑬ ﴿الْبَارِئُ﴾ بلا کسی اصل کے اور بلا کسی خلل کے پیدا کرنے والا۔

⑭ ﴿الْمُصَوِّرُ﴾ طرح طرح کی صورتیں بنانے والا کہ ہر صورت کو دوسری سے جدا اور ممتاز بناتا ہے۔

⑮ ﴿الْغَفَّارُ﴾ بڑا بخشنے والا اور عیبوں کا چھپانے والا اور پردہ پوشی کرنے والا۔

⑯ ﴿الْقَهَّارُ﴾ بڑا قہر اور غلبہ والا کہ جس کے سامنے سب عاجز ہوں ہر موجود اس کے قدرت کے سامنے مقہور و عاجز ہے

⑰ ﴿الْوَهَّابُ﴾ بغیر غرض اور بغیر عوض کے بخشنے والا۔ بندہ بھی کچھ بخش دیتا ہے مگر اس کی بخشش ناقص اور ناتمام ہوتی ہے بندہ کسی کو کچھ روپیہ پیسہ دے سکتا ہے مگر صحت اور عافیت نہیں دے سکتا۔

⑱ ﴿الرَّزَّاقُ﴾ روزی دینے والا اور روزی کا پیدا کرنے والا رزق اور مرزوق سب اسی کی مخلوق ہے۔

⑲ ﴿الْفَتَّاحُ﴾ رزق اور صحت کا دروازہ کھولنے والا اور مشکلات کی گرہ کھولنے والا۔

⑳ ﴿الْعَلِيْمُ﴾ بہت جاننے والا جس سے کوئی چیز مخفی نہ ہو۔ اس کا علم تمام کائنات کے ظاہر و باطن کو محیط ہے۔

㉑ ﴿الْقَابِضُ﴾ تنگی کرنے والا۔

㉒ ﴿الْبَاسِطُ﴾ فراخی کرنے والا۔ یعنی رزق حسی اور معنوی کی تنگی اور فراخی سب اس کے ہاتھ میں ہے کس پر رزق کو فراخ کیا اور کسی پر تنگ کیا۔

㉓ ﴿الْخَافِضُ﴾ پست کرنے والا۔

㉔ ﴿الرَّافِعُ﴾ بلند کرنے والا۔ جس کو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے۔

㉕ ﴿الْمُعِزُّ﴾ عزت دینے والا۔

㉖ ﴿الْمُذِلُّ﴾ ذلت دینے والا جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے۔

㉗ ﴿السَّمِيْعُ﴾ بہت سننے والا۔

㉘ ﴿الْبَصِيْرُ﴾ بہت دیکھنے والا۔

㉙ ﴿اَلْحَکَمُ﴾ حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا کوئی اس کے فیصلہ کو رد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلہ پر تبصرہ کر سکتا ہے

㉚ ﴿اَلْعَدْلُ﴾ انصاف کرنے والا۔ اس کی بارگاہ میں ظلم اور جور وستم عقلاً محال ہے۔

㉛ ﴿اَللَّطِیْفُ﴾ باریک بین اور نیکی اور نرمی کرنے والا ایسی خفی اور باریک چیزوں کا ادراک کرنے والا جہاں نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔

㉜ ﴿اَلْخَبِیْرُ﴾ بڑا ہی آگاہ اور باخبر ہے۔ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے ہر چیز کی اس کو خبر ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور خدا کو اس کی خبر نہ ہو۔

㉝ ﴿اَلْحَلِیْمُ﴾ بڑا ہی بُردبار۔ علانیہ نافرمانی بھی اس کو مجرمین کی فوری سزا پر آمادہ نہیں کرتی گناہوں کی وجہ سے وہ رزق نہیں روکتا۔

㉞ ﴿اَلْعَظِیْمُ﴾ بڑا ہی عظمت والا جس کے سامنے سب ہیچ ہیں اور کسی کی اس تک رسائی نہیں۔

㉟ ﴿اَلْغَفُوْرُ﴾ بہت بخشنے والا۔

㊱ ﴿اَلشَّکُوْرُ﴾ بڑا قدردان۔ تھوڑے عمل پر بڑا ثواب دینے والا۔

㊲ ﴿اَلْعَلِیُّ﴾ بلند مرتبہ کہ اس سے اوپر کسی کا مرتبہ نہیں۔

㊳ ﴿اَلْکَبِیْرُ﴾ بہت بڑا کہ اس سے بڑا کوئی متصور نہیں۔

㊴ ﴿اَلْحَفِیْظُ﴾ نگہبان مخلوق کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے والا۔

㊵ ﴿اَلْمُقِیْتُ﴾ مخلوق کو قوت یعنی روزی اور غذا دینے والا۔ روح اور جسم دونوں کو روزی دینے والا۔ اور بعض نسخوں میں "اَلْمُغِیْثُ" ہے یعنی فریاد کو پہنچنے والا۔

㊶ ﴿اَلْحَسِیْبُ﴾ ہر حال میں کفایت کرنے والا یا قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے والا۔

㊷ ﴿اَلْجَلِیْلُ﴾ بزرگ تر۔ یعنی کمال استغناء اور کمال تقدس اور کمال تنزیہ کے ساتھ موصوف ہے۔

㊸ ﴿اَلْکَرِیْمُ﴾ کرم اور بخشش والا بغیر سوال کے اور بغیر وسیلہ کے عطا کرنے والا۔

㊹ ﴿اَلرَّقِیْبُ﴾ نگہبان اور نگران کسی شے سے وہ غافل نہیں اور کوئی شے اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

㊺ ﴿اَلْمُجِیْبُ﴾ دعاؤں کا قبول کرنے والا اور بندوں کی پکار کا جواب دینے والا۔

㊻ ﴿اَلْوَاسِعُ﴾ فراخ علم والا۔ جس کا علم اور جس کی نعمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔

㊼ ﴿اَلْحَکِیْمُ﴾ حقائق اور اسرار کا جاننے والا جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور حکمت کے معنی کمال علم کے ساتھ۔ فعل اور عمل کا عمدہ ہونا اور پختہ ہونا یعنی اس کی کار اور گفتار سب درست اور استوار ہے۔

㊽ ﴿اَلْوَدُوْدُ﴾ نیک بندوں کو دوست رکھنے والا خیر اور احسان کو پسند کرنے والا۔

㊾ ﴿اَلْمَجِیْدُ﴾ ذات اور صفات اور افعال میں بزرگ اور شریف۔

㊿ ﴿اَلْبَاعِثُ﴾ مُردوں کو زندہ کرنے والا اور قبروں سے اُٹھانے والا اور سوتے ہوؤں کو بستروں سے جگانے والا۔

(51) ﴿اَلشَّھِیْدُ﴾ حاضر و ناظر و باطن پر مطلع اور بعض کہتے ہیں کہ امور ظاہرہ کے جاننے والے کو شہید کہتے ہیں اور امور باطنہ کے جاننے والے کو خبیر کہتے ہیں اور مطلق جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔

(52) ﴿اَلْحَقُّ﴾ ثابت اور برحق یعنی جس کی خدائی اور شہنشاہی حق ہے اور اس کے سوا سب باطل اور ہیچ۔

(53) ﴿اَلْوَکِیْلُ﴾ کارساز جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کر دیا ہو وہ اس کا کام بنانے والا ہے۔

(54) ﴿اَلْقَوِیُّ﴾ غیر متناہی قوت والا یعنی توانا اور زور والا جس کو کبھی ضعف لاحق نہیں ہوتا۔

(55) ﴿اَلْمَتِیْنُ﴾ استوار اور شدید القوت جس میں ضعف اور اضمحلال کا امکان نہیں اور اس کی قوت میں کوئی اس کا مقابل اور شریک نہیں۔

(56) ﴿اَلْوَلِیُّ﴾ مددگار اور دوست رکھنے والا یعنی اہل ایمان کا محب اور ناصر۔

(57) ﴿اَلْحَمِیْدُ﴾ سزاوار حمد و ثناء ذات و صفات اور افعال کے اعتبار سے ستودہ۔

(58) ﴿اَلْمُحْصِیُ﴾ کائنات عالم کی مقدار اور شمار کو جاننے والا زمین کے ذرّے اور بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے اور انسانوں اور حیوانوں کے سانس سب اُس کو معلوم ہیں۔

(59) ﴿اَلْمُبْدِئُ﴾ پہلی بار پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا۔

(60) ﴿اَلْمُعِیْدُ﴾ دوبارہ پیدا کرنے والا۔ پہلی بار بھی اس نے پیدا کیا اور قیامت کے دن بھی وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور معدومات کو دوبارہ ہستی کا لباس پہنائے گا۔

(61) ﴿اَلْمُحْیِیُ﴾ زندہ کرنے والا۔

(62) ﴿اَلْمُمِیْتُ﴾ مارنے والا۔ جسمانی اور روحانی ظاہری اور باطنی موت اور حیات کا مالک جس نے ہر ایک کی موت اور حیات کا وقت اور اس کی مدت مقرر اور مقدر کر دی۔

(63) ﴿اَلْحَیُّ﴾ بذاتِ خود زندہ اور قائم بالذات جس کی حیات کو کبھی زوال نہیں۔

(64) ﴿اَلْقَیُّوْمُ﴾ کائنات عالم کی ذات و صفات کا قائم رکھنے والا اور تھامنے والا یعنی تمام کائنات کا وجود اور ہستی اس کے سہارے سے قائم ہے۔

(65) ﴿اَلْوَاجِدُ﴾ غنی اور بے پروا کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں۔ یا یہ معنی کہ اپنی مراد کو پانے والا جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کوئی اس سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔

(66) ﴿اَلْمَاجِدُ﴾ بڑی بزرگی والا مطلق بزرگ۔

(67) ﴿اَلْوَاحِدُ﴾ ایک، کوئی اس کا شریک نہیں۔

(68) ﴿اَلْاَحَدُ﴾ ذات و صفات میں یکتا اور یگانہ یعنی بے مثال اور بے نظیر۔ [1]

(69) ﴿اَلصَّمَدُ﴾ سردار کامل۔ سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج۔ یعنی ذات و صفات کے اعتبار سے ایسا کاملِ مطلق کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔

(70) ﴿اَلْقَادِرُ﴾ قدرت والا اسے اپنے کام میں کسی آلہ کی ضرورت نہیں عجز اور بے چارگی سے پاک اور منزہ۔

---

[1] احد کا لفظ ترمذی کی روایت اور بیہقی کی دعوات کبیر میں نہیں آیا۔ البتہ ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ آیا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار ص ۲۱۵ ج ۳۔

⑦① ﴿اَلْمُقْتَدِرُ﴾ بذاتِ خود کامل القدرت کسی چیز کے کرنے میں اسے دشواری نہیں اور کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اسکی قدرت میں مزاحمت کر سکے۔

⑦② ﴿اَلْمُقَدِّمُ﴾ دوستوں کو آگے کرنے والا۔

⑦③ ﴿اَلْمُؤَخِّرُ﴾ دشمنوں کو پیچھے کرنے والا۔

⑦④ ﴿اَلْاَوَّلُ﴾ سب سے پہلا۔

⑦⑤ ﴿اَلْاٰخِرُ﴾ سب سے پچھلا یعنی اس سے پہلے کوئی موجود نہ تھا اور اس کے سوا جو موجود ہوا اُس کو اسی کی بارگاہ سے وجود ملا۔

⑦⑥ ﴿اَلظَّاهِرُ﴾ آشکارا۔

⑦⑦ ﴿اَلْبَاطِنُ﴾ پوشیدہ: یعنی بلحاظ دلائل قدرت کے آشکارا ہے کہ ہر ذرّہ اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے اور باعتبار کُنہ اور حقیقت کے پوشیدہ ہے۔

⑦⑧ ﴿اَلْوَالِیُ﴾ کارساز اور مالک اور تمام کاموں کا متولی اور منتظم۔

⑦⑨ ﴿اَلْمُتَعَالِیُ﴾ عالیشان اور بہت بلند اور برتر، کہ جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے۔

⑧⓪ ﴿اَلْبَرُّ﴾ نیکی اور احسان کرنے والا نیکوکار۔

⑧① ﴿اَلتَّوَّابُ﴾ توبہ قبول کرنے والا، اور توجہ کرنے والا۔

⑧② ﴿اَلْمُنْتَقِمُ﴾ سرکشوں سے بدلہ لینے والا۔

⑧③ ﴿اَلْعَفُوُّ﴾ گناہوں اور تقصیروں سے بڑا درگذر کرنے والا اور گناہوں کو مٹا دینے والا۔

⑧④ ﴿اَلرَّءُوْفُ﴾ بڑا ہی مہربان جس کی رحمت کی غایت اور نہایت نہیں۔

⑧⑤ ﴿مَالِكُ الْمُلْكِ﴾ خداوند جہان وملک کا جس طرح چاہے تصرف کرے کوئی اس کے حکم اور تصرّف کو نہ روک سکے۔

⑧⑥ ﴿ذُوالْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ﴾ صاحب عظمت وجلال جس کا حکم جاری اور نافذ ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے۔ اور اپنے فرمانبردار بندوں کی تعظیم وتکریم کرنے والا اور ان کو عزت دینے والا اور ان پر کرم کرنے والا جس کے پاس جو عزت اور کرامت ہے وہ اسی کا عطیہ ہے۔

⑧⑦ ﴿اَلْمُقْسِطُ﴾ عادل اور منصف مظلوم کا ظالم سے بدلہ لیتا ہے۔

⑧⑧ ﴿اَلْجَامِعُ﴾ تمام متفرق چیزوں کو جمع کرنے والا جس نے اپنی قدرت وحکمت سے جسم انسانی اور حیوانی میں عناصر متضادہ کو جمع کیا۔

⑧⑨ ﴿اَلْغَنِیُّ﴾ بے پروا اسے کسی کی حاجت نہیں اور کوئی اس سے مستغنی نہیں۔

⑨⓪ ﴿اَلْمُغْنِیُ﴾ مخلوق کو بے پروا کرنے والا۔ یعنی وہ خود بے نیاز ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے حسب حکمت ومصلحت اس کو بے پروا کر دیتا ہے اور بقدر ضرورت اس کو دے دیتا ہے۔

⑨① ﴿اَلْمَانِعُ﴾ روکنے والا اور باز رکھنے والا جس چیز کو وہ روک لے کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔

⑨② ﴿اَلضَّآرُّ﴾ ضرر پہنچانے والا۔

92 ﴿اَلنَّافِعُ﴾ نفع پہنچانے والا۔ یعنی نفع اور ضرر سب اس کے ہاتھ میں ہے خیر و شر نفع و ضرر سب اسی کی طرف سے ہے۔

93 ﴿اَلنُّوْرُ﴾ وہ بذات خود ظاہر اور روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے نُور اس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہر بنفسہٖ ہو اور دوسرے کے لیے مظہر ہو۔ آسمان وزمین سب ظلمتِ عدم میں مستور تھے اللہ نے ان کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نورِ وجود عطا کیا جس سے سب ظاہر ہو گئے اس لیے وہ ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ہے۔

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بے خبر ۔ نور وجود سر شہود از تو یافتیم

94 ﴿اَلْهَادِیُ﴾ راہ دکھانے والا اور بتلانے والا اور چلانے والا کہ یہ راہِ سعادت ہے اور یہ راہ شقاوت ہے۔

95 ﴿اَلْبَدِیْعُ﴾ بے مثال اور بے نمونہ عالم کو پیدا کرنے والا۔

96 ﴿اَلْبَاقِیُ﴾ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا یعنی دائم الوجود جس کو کبھی فناء نہیں اور اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ماضی کے اعتبار سے وہ قدیم ہے اور مستقبل کے لحاظ سے وہ باقی ہے ورنہ اس کی ذات کے لحاظ سے وہاں نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل ہے اور وہ بذات خود باقی ہے اور جنت وجہنم کو جو دوام اور بقاء ہے وہ اس کے باقی رکھنے سے ہے اور بقاء اور اِبقاء میں فرق ہے۔

97 ﴿اَلْوَارِثُ﴾ تمام موجودات کے فناء ہو جانے کے بعد سب کا وارث اور مالک جب سارا عالم فناء کے گھاٹ اتار دیا جائے گا تو وہ خود ہی فرمائے گا ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ﴾ اور خود ہی جواب دے گا ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾۔

98 ﴿اَلرَّشِیْدُ﴾ رہنمائے عالم یعنی دین اور دنیوی مصلحتوں میں عالم کا رہنما اور اس کا ہر تصرف عین رشد اور عین صواب اور اس کی ہر تدبیر نہایت درست ہے۔

99 ﴿اَلصَّبُوْرُ﴾ بڑا صبر کرنے والا۔ کہ نافرمانوں کے پکڑنے اور سزا دینے میں اور دشمنوں سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جن کے ساتھ اسم اللہ مل کر سو ۱۰۰ کا عدد پورا ہو جاتا ہے۔ [1] اور جنت کے سو درجے ہیں۔ سو جو اِن اسمائے حسنیٰ کو یاد کرے اور ان کے معنی کو سمجھ کر دل میں یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفاتِ کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور ان ناموں کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کرے اور ان کے ذریعے اپنی حاجتیں مانگے۔ یعنی جو نام اس کی حاجت اور ضرورت کے مناسب ہو اس نام کے ذریعہ اللہ سے دُعا کرے مثلاً جو روزی کا حاجت مند ہو وہ ﴿یَا رَزَّاقُ﴾ کو کہہ کر دعا مانگے اور طالبِ علم دین ﴿یَا عَلِیْمُ﴾ کہہ کر دُعا مانگے۔ اور گم گشتۂ راہ ﴿یَا هَادِیُ﴾ کہہ کر دعا مانگے وغیرہ وغیرہ جو ایسا کرے گا وہ بہشت میں داخل ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے یہ ننانوے نام ترمذی وغیرہ کی روایت میں آئے ہیں جن میں اکثر قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اللہ کے اسماء وصفات بے شمار ہیں مگرِ مشہور حدیثوں میں ان ننانوے ناموں کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ یہ نام تمام صفات کمالیہ کی اصل اور جڑ ہیں باقی ان کے علاوہ اور بھی اللہ کے کچھ نام ہیں جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً قاهر اور شاکر اور دائم اور قدیم اور وتر اور فاطر اور علّام اور ملیك اور اکرم اور مدبّر اور رفیع اور ذی الطول اور ذی المعارج ور ذی الفضل اور خلّاق اور سیّد اور حنّان اور منّان اور دیّان وغیرہ وغیرہ۔ [2]

---

[1] الاسماء الحسنٰی مائۃ علی عدد درجۃ الجنۃ والذی یکمل المائۃ "اللہ"۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار ص ۲۰۲ ج ۳۔

[2] المقصد الاسنیٰ شرح اسماء الحسنیٰ للامام الغزالیؒ۔ اسم اعظم کی تفصیل کے لیے شرح حصن حصین اور شرح کتاب الاذکار کی مراجعت فرمائیں۔

اس لیے ہم نے اُن ننانوے (۹۹) ناموں کی شرح پر اکتفا کیا جو سلف صالحین میں بطور وِرد معروف و مشہور ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان اسماء الحسنیٰ کو یاد کرے اور ان کو ورد اور وظیفہ بنائے اور ان تمام اسمائے حسنیٰ میں اسم ﴿اللّٰہ﴾ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جس کے ذریعے دُعا قبول ہوتی ہے اور اسم اللہ ذات واجب الوجود اور معبود برحق کا نام ہے۔ اور یہ نام سوائے حق تعالیٰ کے کسی اور پر اطلاق نہیں کیا جاتا نہ حقیقتاً اور نہ مجازاً۔

حضرات اہل علم اگر اسمائے حسنیٰ کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہئیں تو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاسماءُ والصفات از ص۶ تا ص۹۴ دیکھیں اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المقصدُ الاسنیٰ شرح اسماءُ اللہ الحسنیٰ اور شرح کتاب الاذکار از ص۱۹۹ تا ص۲۲۶ دیکھیں۔

غرض ان آیات مبارکہ میں ابتداء میں حکم تقویٰ فرمایا گیا اور آخرت کی فکر اور تیاری کے لیے متوجہ کیا گیا۔ اس مقصد کا حصول چونکہ عظمت وحی اور خداوندِ عالم کی ذات وصفات کی معرفت پر موقوف تھا تو قرآن کریم کی شان عظمت بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنی صفاتِ عظیمہ کے بیان پر اس مضمون کو ختم فرمایا۔

تم تفسیر سورة الحشر وللهِ الحمد والمنة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سُورۂ ممتحنہ

اس سورت کا شان نزول حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے لیے فوج لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادہ کی اطلاع قریش مکہ کو کر دی تھی اور ایک عورت کے ذریعے ایک خط روانہ کیا تھا جس پر بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے مکہ مکرمہ میں ان کے خاندان کے کچھ افراد اور بچے تھے قریش سے کوئی نسبی قرابت نہ تھی۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا قریش مکہ نے جب اس کو توڑ ڈالا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف مجاہدین کی فوج لے کر روانہ ہوئے تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ کر کہ ایسے ہنگامے میں اگر میرے اہل وعیال کی وہاں کوئی حفاظت کی صورت ہو جائے تو اچھا ہے قریش مکہ کو قافلہ کی روانگی کی اطلاع کر دی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اور زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا تم لوگ روانہ ہو جاؤ اور چلتے رہو تا آنکہ تم روضۂ خاخ نامی مقام تک پہنچ جاؤ تو اس جگہ تم کو ایک سوار عورت ملے گی اس کے پاس خط ہوگا اس سے وہ خط لے لینا۔ بیان کرتے ہیں ہم گھوڑوں پر سوار تیزی سے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ روضۂ خاخ پر جب پہنچے تو ایک عورت ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال کر ہمیں دے دے۔ اس نے کہا میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس پر سختی کی

اور کہا یا تو خط دیدے ورنہ تجھ کو کپڑے اتار کر برہنہ کر دیں گے اور وہ خط کسی نہ کسی طرح ہم تجھ سے لے ہی لیں گے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور اس کو لینے کے ہم مامور ہیں! تو اس نے ایک خط اپنے بالوں کے جُوڑے سے نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم خط لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے وہ خط حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی مکہ کی طرف روانگی کی اطلاع تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اے حاطب رضی اللہ عنہ یہ کیا ہے؟ حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اظہار حقیقت کی مہلت عنایت فرمایئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میں قریش کے خاندانوں کے ساتھ وابستہ تھا اور میری ان کے ساتھ کوئی نسبی قرابت نہ تھی جیسا کہ دوسرے مہاجرین کی ان کے ساتھ قرابتیں ہیں میں نے خیال کیا یہ ایک ظاہری سلوک ان کے ساتھ کردوں تا کہ وہ میرے بچوں کی (ایسے زمانہ میں) کچھ دیکھ بھال کرلیں (خدا گواہ ہے) میں نے یہ بات کفر اور اپنے دین سے ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے اور نہ میں اسلام کے بعد کفر سے کوئی وابستگی رکھ سکتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاطب رضی اللہ عنہ نے سچ کہا۔ اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس ظاہری عمل پر برافروختہ ہونے کے باعث کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ہیں (اور بدریین کا مقام یہ ہے کہ اللہ نے ان کو نفاق سے پاک فرمایا ہے تو حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اے عمر رضی اللہ عنہ یہ بات نفاق کی وجہ سے نہیں ہے البتہ رائے اور فہم کی غلطی ہے کہ یہ صورت کی) اور فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تمہیں خبر بھی ہے؟ اللہ نے تو اہل بدر کو اپنی خاص شان عنایت سے جھانک کر یہ فرمایا ہے:

((اعملوا ما شئتُمْ فقد غفرت لكم)). "اے بدریو! اب تم جو کچھ چاہے کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔"

یہ سُن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ [1] اور ایک روایت میں ہے کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جاننے والے ہیں اور انہی کے فرمان پر میرا ایمان ہے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو بدر میں شریک ہوا وہ کبھی منافق نہیں ہو سکتا ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں وہ جانبازی اور سرفروشی دکھلائی کہ حاملین عرش اور ملائکہ عش عش کرنے لگے اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ پر آیا۔ خواہ وہ باپ ہو یا بیٹا بھائی ہو یا دوست بے دریغ اس سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے نشہ میں ایسے مخمور اور چور ہوئے کہ اپنے بھی بیگانے بن گئے اور اللہ کا بول بالا کیا اور کفر وشرک کے سر پر وہ کاری ضرب لگائی کہ پھر وہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔

اس عظیم الشان کارنامہ کے صلہ بارگاہِ خداوندی سے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اور ﴿أُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ (المجادلہ: ٢٢) کا زرّیں تمغہ ان کو عطا ہوا اور آئندہ جن گناہوں کے صدور کا امکان ہے ان کی معافی کو صیغۂ ماضی سے بیان فرمایا یعنی ((فَقَدْ غفرتُ لكم)) بصیغۂ ماضی فرمایا اور ((فاغفر لكم)) بصیغۂ مستقبل نہیں فرمایا تا کہ اہل بدر کا مغفور الذنوب ہونا قطعی طور پر محقق ہو جائے کہ ان کی مغفرت مثل امر ماضی کے محقق اور یقینی ہے اور ((اعملوا ما شئتم)) کا خطاب۔ خطابِ تشریف اور خطابِ اکرام ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ خواہ کچھ ہی کریں مگر کسی حال میں بھی دائرۂ عفو اور دائرۂ مغفرت سے باہر نہ جائیں گے۔ ((اعلموا ما شئتُم)) کا خطاب گناہوں کی اباحت اور اجازت کے لیے نہ تھا۔ ایسا خطاب الٰہی محبین اور مخلصین کو ہو سکتا ہے کہ جن سے اپنے محبوب کی معصیت ناممکن ہو جائے۔

---

[1] صحیح بخاری ومسلم۔ جامع ترمذی۔

بدر کی شرکت بظاہر ایک حسنہ ہے لیکن حقیقت میں ہزاروں اور لاکھوں حسنات کا اجمال اور عنوان ہے اور ایمان واحسان صدق اور اخلاص کی ایک سند ہے لہٰذا اگر بدر میں شرکت کرنے والے صحابی سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی یا فروگذاشت ہو جائے تو وہ ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور ﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ﴾ سے باہر نہیں ہوسکتا اس لیے کہ یہ علیم وخبیر کی خبر ہے کہ جس میں کذب کا امکان نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ ان سے یہ فروگذاشت ہوگی مگر باوجود اس ازلی اور ابدی علم کے پھر ان کو ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ کے تمغہ سے سرفراز فرمایا معلوم ہوا کہ اس عظیم الشان حسنہ کے بعد ان سے کوئی ایسی غلطی نہ ہوگی کہ جو ان کی اس نیکی کو محو کر سکے بلکہ یہ عظیم الشان حسنہ ہی آئندہ کی غلطی کا کفارہ بن جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ یعنی تحقیق نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

و اذا الحبیب اتٰی بذنبٍ واحدٍ جاءت محاسنہ بالف شفیع

اگر دوست سے کسی وقت کوئی غلطی اور چوک ہو جائے تو اس کے محاسن اور گزشتہ کارنامے ہزار سفارشی لا کر سامنے کھڑے کر دیتے ہیں۔

قلب میں اگر کوئی فاسد اور زہریلا مادہ نہ ہو تو پھر معصیت چنداں نقصان نہیں پہنچاتی۔ بلکہ قلب کی قوتِ ایمانی اس کو توبہ اور استغفار پر آمادہ کرتی ہے جس سے فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوتا بلکہ مبدل بہ نیکی ہو جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (الفرقان)

"مگر جن لوگوں نے کفر وشرک سے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور ہے اللہ بخشنے والا اور مہربان۔"

بندہ نے جب توبہ استغفار کر کے اپنے گناہ کو ندامت اور پشیمانی سے بدلا تو خداوند ذوالجلال نے اس کی سیئات کو حسنات سے اور اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا۔

مرکبِ تو بہ عجائب مرکبست بر فلک تازد بہ یک لحظہ زپست
چون برآرنداز پشیمانی انین عرش لرز دازانین المذنبین

یہ آیت عامہ مؤمنین کے حق میں ہے اہل بدر سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں اور جس کے قلب میں کوئی زہریلا اور فاسد مادہ موجود ہو تو ہزار اطاعت وعبادت بھی اس کے لیے مفید نہیں جیسے ابلیس لعین اور بلعم باعوراء۔ خوارج وروافض ہزار نماز اور روزہ اور لاکھ عبادت کریں مگر جب تک قلب کا تنقیہ نہ ہو جائے اور فاسد مادہ نہ نکل جائے اس وقت تک کوئی طاعت اور کوئی عبادت مفید اور کارآمد نہیں۔

صفراوی مزاج والے کو کتنی ہی لطیف غذا کیوں نہ دی جائے کوئی فائدہ نہیں۔ سوء مزاج کی وجہ سے وہ لطیف غذا بھی مستحیل الی الصفراء ہو جائے گی۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرہ:۱۰)

ترجمہ: "ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔"

صحیح المزاج اور صحیح القویٰ اگر غلطی سے کوئی بد پرہیزی کر بیٹھے تو اس کے لیے کسی خاص علاج کی حاجت نہیں اس کی طبیعت ہی خود اس عارضی مرض کو دفع کر دے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی اس غلطی کو فسادِ مزاج پر محمول کر کے نفاق کا حکم لگایا اور قتل کی اجازت چاہی۔ سرخیل اطبائے روحانی فداہُ روحی وجُسمانی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! حاطب رضی اللہ عنہ کا قلب نفاق کے مرض سے بالکل پاک ہے یہ نفاق نہیں بلکہ غفلت سے غلطی ہوگئی ہے روحانی مزاج اس کا صحیح ہے بدر کی شرکت نے اس کو کندن بنا دیا ہے اتفاق سے بد پرہیزی ہوگئی ہے صحیح المزاج کو کبھی کبھی نزلہ اور زکام کی شکایت پیش آجاتی ہے جس کے لیے ایک معمولی سا جوشاندہ یا خیساندہ کافی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر فقط یہ دریافت فرمانا ((مَاهٰذا یا حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)) "اے حاطب رضی اللہ عنہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ ان کی عارضی شکایت کے لیے یہی جوشاندہ کافی تھا پیتے ہی بد پرہیزی کا اثر ایسا کافور ہوا کہ مرتے دم تک پھر کبھی کوئی شکایت ہی نہ پیش آئی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہُ۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ اسکندریہ کے نام دعوت اسلام کا خط لکھوایا تو انہی حاطب رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ سبحان اللہ! کیا بارگاہ تھی۔ ایک جانب حاطب رضی اللہ عنہ کو جوشاندہ پلایا جا رہا ہے اور دوسری جانب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو امراض روحانی کی تشخیص اور معالجہ کا طریقہ تلقین ہو رہا ہے تاکہ جب وقت آئے تو عمر رضی اللہ عنہ تشخیص اور علاج میں غلطی نہ کریں۔ [1]

حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خط کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا منشاء عیاذًا باللہ نفاق نہ تھا وہ خط یہ تھا۔

أما بعد یا معشر قریش فان رسول اللہ ﷺ جاءَ کم بجیشٍ کاللیل یسیر کالسیل فواللہ لوجاءَ کم وحدہٗ لنصرہ اللہ وَانجزلہٗ وَعدَہٗ ..... فانظروا لانفسکم..... والسلام

ترجمہ: "اے گروہ قریش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہوگا خدا کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا لشکر کے خود تن تنہا ہی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائے گا اور فتح ونصرت کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ((لَا تَقُوْلُوْا لَهٗ اِلَّا خَیْرًا)) کہ ان کے حق میں خیر کے سوا اور کچھ مت کہو۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ اور بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ اس خط کا خود مضمون ایسا تھا جس کو دیکھ کر حاطب کا ایمان وتقویٰ ثابت ہوتا ہے اس میں یہ کلمات تھے:

---

[1] من افاداتِ حضرت الوالد المحترم مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز۔

((یَا معشر قریش اِنّ محمّدًا یجیئ الیکم بجیشٍ کاللیل ویسیرا الیکم کالسیل واللّٰہ لوجاء وحدہٗ لانجزاللّٰہ وعدہٗ وَنصرَ نبیّہٗ وانظروالاِ نفسِکُمْ [1] ..... والسلام۔

یعنی محمد ﷺ تمہاری جانب ایک ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جو رات کی تاریکی کی طرح پھیل جانے والا ہے اور اس طرح تمہاری طرف بڑھ رہے ہیں جیسے کوئی طوفانی سیلاب ہو (میں تو یہ کہتا ہوں) خدا کی قسم اگر وہ تن تنہاء بھی تمہاری طرف آئیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اور اپنے پیغمبر ﷺ کو فاتح و کامیاب فرمائے گا۔ الغرض معاف تو فرما دیا گیا لیکن غلطی بہرکیف تھی اس وجہ سے اس واقعہ پر سورت نازل ہوئی۔

اس سورۂ مبارکہ کے مضامین خاص طور پر ((الحب فی اللہ والبغض فی اللہ)) کی بنیاد پر دائر اور مبنی ہیں۔ ابتداء سورت میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی بات پر عتاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ کسی بھی مسلمان کے واسطے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست بنانے کی اجازت نہیں ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ایمانی غیرت کے منافی ہے پھر یہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قیامت کے روز یہ قرابتیں اور اس قسم کی دوستیاں ہرگز کام نہ آئیں گی وہاں تو صرف ایمان و عمل صالح ہی کام آسکتا ہے اس کے بعد اس معیار ایمان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے واضح اور مؤکد کیا گیا کہ مسلمان کو چاہیے کہ ان کا طرز زندگی اختیار کرے کہ انہوں نے کس طرح اپنی مشرک قوم سے براءت و بیزاری کا اعلان کر دیا تھا پھر اہل شرک میں سے ان لوگوں کے متعلق حکم بیان فرمایا جنہوں نے مسلمانوں سے نہ تو دشمنی کی اور نہ قتال کیا اسی کے ساتھ اِن اسلام لانے والی عورتوں کا ذکر کیا جو ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں تو ان کی تحقیق حال اور امتحان کس طرح ہو اور پھر ان کے متعلقہ احکام کیا ہیں۔ ان احکام کے بعد سورت کے آخر میں پھر کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات و ہمدردی پر تنبیہ کر دی گئی جس سے مضمونِ سورت کا آغاز کیا گیا تھا۔ نیز یہ کہ سورۂ حشر میں منافقین کے خصائلِ ذمیمہ کا ذکر تھا تو اس مناسبت سے اس کے بعد سورۂ ممتحنہ میں ان باتوں سے آگاہ کیا جارہا ہے جس سے اسلام کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور ان چیزوں کی مذمت کی جارہی ہے جو نفاق کی خصلتوں میں شمار ہوتی ہیں۔

---

[1] یہ خط یحییٰ بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جس کو علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری۔ کتاب الجہاد باب حکم الجاسوس میں نقل کیا ہے اسی طرح البدایہ والنہایہ ص ۳۸۴ میں اور فتح الباری جلد ۷ میں اس خط کے مضمون کو نقل کیا ہے...... واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ خط سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہم کے نام تھا اور بظاہر اس خط سے مقصد ہی یہ تھا کہ جن کو اطلاع ہو وہ اسلام قبول کرلیں۔ چنانچہ یہ تینوں فتح مکہ کے وقت مشرف باسلام ہوئے۔

اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اس خط کے یہ الفاظ معلوم ہوئے ہیں۔ ان محمّدًا قد نفر فامّا الیکم اوالٰی غیرکم فعلیکم الحذر۔ کہ محمد ﷺ روانہ ہو رہے ہیں یا تو تمہاری طرف یا تمہارے علاوہ کسی اور طرف بہرحال تم احتیاط کرو اور اپنی فکر کرو تو اس کا مطلب گویا ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اس کے لیے آمادہ کرنا تھا۔

آیاتہا ۱۳ (۶۰) سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۹۱) رکوعاتہا ۲

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے، اور اس میں تیرہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ

اے ایمان والو! نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست، ان کو پیغام بھیجتے

اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ

ہو دوستی سے، اور وہ منکر ہوئے ہیں اس سے جو تم کو آیا سچا دین۔ نکالتے ہیں

الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ

رسول کو اور تم کو اس پر کہ تم مانو اللہ اپنے رب کو۔ اگر تم نکلے ہو

جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ

لڑائی کو میری راہ میں اور چاہ کر میری رضا مندی۔ تم اُن کو چھپے پیغام بھیجتے ہو دوستی کے۔

وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ

اور مجھ کو خوب معلوم ہے جو چھپایا تم نے اور جو کھولا تم نے۔ اور جو کوئی تم میں یہ کام کرے،

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا

وہ بھولا سیدھی راہ۔ اگر تم کو وہ پاویں دشمن ہوں تمہارے اور چلادیں

اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② ط

تم پر اپنے ہاتھ، اور زبانیں برائی کو۔ اور چاہیں کسی طرح تم منکر ہو جاؤ۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ

ہر گز کام نہ آویں گے تم کو تمہارے ناتے اور نہ تمہاری اولاد، قیامت کے دن۔ وہ فیصلہ کرے گا

بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③

تم میں۔ اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے۔

حکم خداوندی برائے ترک محبت ودوستی از دشمنانِ اسلام وتکمیل اقتضاء ایمان بصورت بغض ونفرت از کفار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ... الٰى ... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ ﴾

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ایک مخلص صحابی تھے جن کو غزوۂ بدر کی شرکت نصیب ہوئی تھی اور جملہ اہل بدر خدا کی نظر میں وہ مقدس ہستیاں تھے جن کے لیے بارگاہِ خداوندی سے پروانۂ مغفرت جاری ہو چکا تھا مگر بہرکیف غلطی خواہ کسی سے بھی ہو اچھی بات نہیں ہے اس سے بچنا ہر ایک کے لیے لازم ہے تو حکم خداوندی نازل ہوا کہ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ خدا کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن کے قلب میں کفر اور کافروں کی نفرت اور بغض ہو اور یہ بات تو انسانی حمیت بھی چاہتی ہے کہ جب کافر مسلمان دشمنی پر تلے ہوئے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسے دشمن سے محبت کرے۔ اسی حکم اور ہدایت کی اس طرح ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اے ایمان والو! ہرگز نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست کہ بھیجتے ہو تم ان کو پیغام دوستی کے ساتھ اور ایسی باتیں ان کی طرف بھیجتے ہو جن سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ تم ان سے محبت و دوستی کرتے ہو۔ اور دوستی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھا رہے ہو۔ حالانکہ وہ انکار کر چکے ہیں اس حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے نہ انہوں نے اس حق کو مانا اور نہ ایمان لائے بلکہ دشمنی ہی پر کمربستہ رہے ایسی صورت میں تو عقلاً وطبعاً یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جائے۔ ان کی دشمنی کی یہ انتہاء ہے وہ نکال رہے ہیں رسول کو اور تم کو تمہارے گھروں سے۔ اور ہجرت پر مجبور کیا اور اب تک بھی وہ اسی روش پر قائم ہیں محض اس وجہ سے کہ تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر جو تمہارا رب ہے، حالانکہ یہ کوئی قصور نہیں بلکہ حق وہدایت کو قبول کرنا تو عقلاً مستحسن بات ہے پھر بھی وہ تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ اے مسلمانو! اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے تو پھر دشمنوں کو دشمن سمجھو۔ اور جن کے ساتھ مقابلہ اور جہاد کے لیے نکلے ہو ان کے ساتھ دشمنوں کا سا معاملہ کرو۔ یہ بات قابل تعجب ہے کہ پوشیدہ طور پر تم ان کو بھیجتے ہو دوستی کا پیغام کوئی تصور کرنے والا یہ نہ سوچے کہ کسی خفیہ بات کا مجھے علم نہ ہوگا۔ حالانکہ میں تو خوب جاننے والا ہوں ان باتوں کا جو تم چھپاتے ہو اور ان باتوں کا بھی جو تم ظاہر کرتے ہو چنانچہ حاطب رضی اللہ عنہ کی بات کا پتہ چل ہی گیا حالانکہ اس کو مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ الغرض یہ بات انتہائی خطرناک اور ناپسندیدہ ہے اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے راستہ سے بھٹک جائے گا۔ انسان کی یہ فطرت ہے اور حمیت کا تقاضا ہے کہ اپنے دشمن سے نفرت کرے۔ پھر جب کہ یہ دشمن تو ایسے ہیں اگر یہ تم پر قابو پالیں اور ان کا کسی طرح تم پر بس چل جائے تو یہ تمہارے کھلم کھلا دشمن بن جائیں اور دراز کریں تمہاری طرف اپنی ہاتھ ظلم وتعدی کے اور زبانیں بھی برائی کے ساتھ اور یہی

چاہیں کہ کسی طرح تم کافر ہو جاؤ۔اس لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ ایسے دشمنوں سے بھلائی کی اُمید رکھی جائے تو آخر پھر یہ مسلمان ایسے دشمنوں سے کیوں رواداری برت رہے ہیں یہ تو سخت غلطی اور بہت بڑی بھول ہے۔ بلاشبہ ایسے خبیث اور بد باطن دشمن اس لائق نہیں ہیں کہ ان کو پیغام دوستی بھیجا جائے اور کافر تو غایت دشمنی میں یہی چاہتا ہے اور اس کی کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ تم کو کافر بنا دے جو کافر تمہاری عزت وعظمت اور دین وایمان کا دشمن ہے ان سے ہمدردی یا دوستی کا معاملہ کیسے عقل وفطرت کے لحاظ سے درست ہو سکتا ہے۔

اہل وعیال کی محبت میں ایسی غلطی کر بیٹھنا جس طرح کہ حاطب رضی اللہ عنہ سے ہوئی اے مسلمانو! ہرگز تم سے ایسی غلطی کا ارتکاب نہ ہونا چاہیے۔ سمجھ لینا چاہیے کہ جس اولاد وخاندان کی محبت میں تم اس قسم کی غلطی کرو گے ہرگز کام نہ آئیں گی تمہاری قربتیں اور نہ تمہاری اولاد قیامت کے دن اللہ رب العزت تو ہر ایک کا عمل دیکھتا ہے۔ وہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان اسی کے مطابق۔ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتا ہے ہر وہ کام جو تم کرتے ہو پھر سوچو اور فیصلہ کرو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک مسلمان اہل وعیال یا خاندان کی محبت میں ایسا کام کر بیٹھے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کر دینے والا ہو حالانکہ مؤمن کی زندگی میں تو ہر چیز سے مقدم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی ہے اس کی رضا سے وہ سب پریشانیاں بھی دور ہو جاتی ہیں۔ جن کے باعث بسا اوقات انسان ایسا کر گزرتا ہے۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا
تم کو چال چلنی ہے اچھی، ابراہیم کی اور جو اس کے ساتھ تھے، جب کہا
لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا
اپنی قوم کو، ہم الگ ہیں تم سے، اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، ان سے۔ ہم منکر ہوئے
بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا
تم سے، اور کھل پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کو، جب تک تم یقین نہ لاؤ
بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ
اللہ اکیلے پر، مگر ایک کہنا ابراہیم کا اپنے باپ کو، میں مانگوں گا معافی تیری اور مالک نہیں
لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۗ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ
میں تیرے بھلے کو اللہ کے ہاتھ سے کسی چیز کا۔ اے رب ہمارے! ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف

الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ

طرف پھر آنا۔ اے رب ہمارے نہ جانچ ہم پر کافروں کا اور ہم کو معاف کر، اے رب ہمارے!

إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ البتہ تم کو بھلی چال چلنی ہے اُن کی،

لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ

جو کوئی امید رکھتا ہو اللہ کی، اور پچھلے دن کی۔ اور جو کوئی منہ پھیرے، تو اللہ وہی ہے

الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦﴾ ع

بے پروا خوبیوں سراہا۔

ع ۷

ترغیب اہلِ اسلام برائے اسوۂ حسنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ... الٰی ... هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦﴾﴾

ربط: سورۂ ممتحنہ کی گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی پر وعید و مذمت تھی اور اس طرح کا ایک واقعہ حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آ گیا تھا اس پر تنبیہ کر کے فرما دیا گیا تھا کہ مسلمان کو اپنے اور خدا کے دشمن کے ساتھ دوستانہ روابط و مراسم قائم کرنے کی قطعی اجازت نہیں۔

تو اب ان آیات میں دشمنانِ اسلام اور دشمنان خدا کے ساتھ جو بغض و نفرت کے جذبات مسلمان کے قلب میں ہونے چاہئیں ان کی ہدایت و تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ فرمایا اے مسلمانو! بے شک تمہارے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کی زندگی میں اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں جب کہ انہوں نے کہہ دیا اپنی قوم سے کہ اے لوگو ہم تم سے بیزار اور الگ ہیں اور ان سے بھی کہ جب جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ ہم نے بلا شبہ تمہارا انکار کیا اور ہم ہر چیز میں تمہارے سے نفرت و قطع تعلق کر چکے ہیں۔ اور کھل گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض و نفرت ہمیشہ کے لیے۔ یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ اور شرک چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان نہ لے آؤ اس وقت تک ہمارے اور تمہارے درمیان یہ بغض و نفرت اور عداوت قائم رہے گی۔ اسوۂ ابراہیمی یہی ہے اور مسلمانوں کو اسی کا اتباع کرنا چاہیے۔ لیکن ابراہیم کا یہ کہنا اپنے باپ کے لیے کہ اے باپ میں تیرے واسطے ضرور بالضرور استغفار کروں گا اور میں تیرے واسطے کسی نفع کا مالک نہیں ہوں خدا کے سوا۔ وہی جو چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے میں تو صرف دعا ہی کر سکتا ہوں اصل عطا کرنے والا تو وہی رب ہے تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اس اسوۂ ابراہیمی کے خلاف نہ تھی جس کا اے مسلمانو! تم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ کافروں سے اعلان دشمنی اور نفرت کر دیا جائے۔ اس لیے کہ اوّل تو ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا استغفار اس وقت تھی کہ جب ان کو اس بات کا علم نہ تھا کہ کافر کے لیے بخشش کی دُعا کرنا درست نہیں لیکن جب معلوم ہو گیا تو ہر قسم کے

جذبۂ محبت اور اس کے تصور یا طلب سے براءت و بیزاری ظاہر کی جیسا کہ ارشاد فرمادیا گیا:

﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝۱۱۴﴾ (التوبة)

ثانیاً یہ بھی امکان ہے کہ یہ دعاءِ استغفار بمعنی طلب ایمان اور دعاءِ ہدایت ہو۔ اور کسی کافر کے واسطے ہدایت کی دعا مانگنا کفر اور کافر سے عداوت ونفرت کے منافی نہیں ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو دعا مانگی یہ اعلان بغض و براءت کے خلاف نہ تھی اس وجہ سے کسی کو ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے یہ مغالطہ نہ ہو کہ کافر سے ہمدردی اور دوستی درست ہوسکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تو اسوۂ حسنہ میں یہ جذبات اور دعائیں بھی ہیں کہ اے ہمارے رب ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا کہ ہر چیز میں تو ہی کارساز ہے اگر ہم کافروں سے دشمنی و براءت اختیار کریں گے تو ان کی دشمنی کا اور ان سے علیحدگی کا ہمیں کوئی خوف واندیشہ نہیں اس لیے کہ ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کرلیا اور ہر پریشانی اور ضرورت کے لیے ہم نے دنیا سے اپنا رُخ موڑ کر تیری ہی طرف اپنا رخ کرلیا اور کیوں نہ کریں جبکہ تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے اللہ! ہم کمزور ہیں مصائب وشدائد برداشت کرنے کی طاقت نہیں تو اے پروردگار! تو ہم کو کافروں کی آزمائش کا محل اور تختۂ مشق نہ بنانا اور ہم کو معاف کردینا اگر کسی وقت صبر واستقامت کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ اے ہمارے رب بے شک تُو بڑی ہی عزت وحکمت والا ہے کہ تیری ہی عزت وقوت سے ہم کافروں کے مقابلہ میں زور آور ہو سکتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اگر کسی وقت کافروں کے ہم تختۂ مشق بنیں اور وہ اپنی ظاہری اور عارضی کامیابی پر ہمارا مذاق اڑائیں تو یہ بھی تیری حکمت سے ہماری اصلاح وتنبیہ کے لیے ہوگا۔

یقیناً اس بیان کردہ ضابطہ میں اے مسلمانو! ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے اس میں ایک عظیم سامان ہدایت واستقامت ہے جو اُمید رکھتا ہے اللہ کی اور قیامت کے روز کی تو بے شک ایسے لوگ ابراہیم علیہ السلام کی روش اختیار کریں گے اور ان کو اس بات کی ذرّہ برابر پروانہ ہوگی کہ دنیا ایسے لوگوں کو متعصب اور تنگ نظر کہے وہ دنیا کے موحدِ اعظم ہی کے نقش قدم پر چلیں گے اور اپنے ایمان واعتقاد سے اسی بات پر یقین واعتماد رکھیں گے کہ مستقبل کی کامیابی اور عزت وعظمت کفر اور کافروں سے اعلان براءت و بیزاری ہی میں ہے وقتی مفاد اور عارضی منفعت کی خاطر کافروں سے دوستی گانٹھنا کوئی اچھی بات نہیں بلکہ مسلمان قوم کے لیے مہلک اور خطرناک ہے۔ یہ ہے وہ ضابطہ جس پر مسلمان کی فلاح وکامیابی اور عظمت وترقی موقوف ہے جو اس نعمت کو اختیار کرے گا وہ اس نعمت سے سرفراز ہوگا اور جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ خود ہی کو ذلیل ونا کام بنائے گا بس اللہ تو ہر حال میں بے نیاز قابل تعریف ہے۔ اس کو نہ کسی کی اطاعت کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی روگردانی سے اس کو کچھ نقصان ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ

اُمید ہے کہ کر دے اللہ تم میں اور جو دشمن ہیں تمہارے ان میں

مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ

دوستی۔ اور اللہ سب کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔ اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان سے،

الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

جو لڑے نہیں تم سے دین پر، اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے،

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨

کہ اُن سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک۔ اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ

اللہ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر، اور نکالا تم کو تمہارے

دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ

گھروں سے، اور میل باندھا تمہارے نکالنے پر، کہ ان سے کرو دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے،

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩

سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار۔

تسلی اہل ایمان بذکر بشارت وکامیابی مسلمین براعدائے اسلام واجازت حسن سلوک از کافران امن پسند ومصالحین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ ... الٰی ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفّار و مشرکین کے ساتھ بغض و نفرت اور براءت و بیزاری کا ذکر تھا کہ یہی اسوۂ ابراہیمی ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ اسی کو اختیار کریں۔ اب ان آیات میں مستقبل قریب میں پیش آنے والے غلبہ اور کامیابی کا ذکر ہے ضمناً اشارہ ہے کہ کچھ قومیں کافروں میں سے ایمان لے آئیں گی اور یہ اجازت دی جا رہی ہے کہ جس کسی کافر قوم نے اب تک مسلمانوں کے ساتھ کوئی قتال نہیں کیا اور نہ دشمنی

کا کوئی معاملہ کیا اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا ان کے ساتھ مسلمانوں کو رواداری اور حسنِ سلوک کی اجازت دی جاتی ہے فرمایا۔

اُمید ہے کہ اللہ (تعالیٰ) دوستی قائم کردے تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے دوستانہ اور برادارنہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ اور اس طرح سے تمہارے اور ان کے درمیان رشتۂ محبت ومودت قائم ہو جائے کہ وہ اسلام لے آئیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت ایسا ہی ہوا کہ ساری عمر دشمنی کرنے والے اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور وہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو بدر واُحد میں کافروں کی فوجوں کی کمان کر رہے تھے۔ اب وہ مجاہدینِ اسلام کے سپہ سالار ہو گئے اور کل گزشتہ ایک دوسرے کے خون کے دشمن اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے تو ان الفاظ میں ذہنی وطبعی طور پر تسلی دی گئی کہ قوم سے علیحدگی اور بیزاری کا ہمیشہ کے لیے تصور کر کے نہ گھبرانا چاہیے۔ بیزاری اور باہمی بغض کی یہ فضا بہت جلد ختم ہو کر باہمی مودّت اور اخوت کی فضا قائم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی مغفرت ومہربانی فرمانے والا ہے۔ اور ایک عرصہ، کفر کے بعد جو لوگ اسلام لے آئیں۔ خُدا کی رحمت ومغفرت سے ان کو بھی نواز دیا جاتا ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ماضی میں اس نے کیا کیا بلکہ اس کی بارگاہ سے تو یہی اعلان ہے۔

﴿ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ (الزمر: ۵۳)

دوستی اور ہمدردی کے رشتے اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے قائم کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کی۔ اس کے برعکس اللہ (تعالیٰ) تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے جنہوں نے تمہارے سے نہ تو قتال کیا دین کے معاملے میں اور نہ یہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور اس پر مجبور کیا تو اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ہے اس چیز سے کہ تم ان کے ساتھ کوئی بھلائی کرو اور ان سے انصاف کا سلوک کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اللہ تو صرف ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی اور اچھا سلوک کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے قتال کیا دین کے معاملہ میں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور دوسروں کی بھی مدد کی تمہارے نکالنے پر اور گھروں سے تم کو اجاڑنے پر کہ ایسے لوگوں سے تم دوستی کرو ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں اور دشمنوں سے دوستانہ برتاؤ بہت ہی بدترین چیز اور خود اپنے اوپر سخت ظلم ہے اس بناء پر یہ اصول فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اور جو بھی ایسے ظالموں سے دوستی کریں وہ ظالم ہیں اور گناہگار ہیں اس لیے کہ ظالموں کے ساتھ دوستی کا انجام خود ہی اپنے اوپر ظلم اور اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ ہر برائی کا انجام صاحب عمل ہی کی طرف لوٹا کرتا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابنِ شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن صخر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے کسی علاقہ پر عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو یہ واپس لوٹے راستہ میں ذوالخمار سے مقابلہ ہوا جو مرتد ہو چکا تھا اور اس سے قتال کی نوبت آئی تو یہ مثال ہوئی ان لوگوں کی جن سے قتال ہوا۔

صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ (جب فتح مکہ کی رات ایمان لے آئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین چیزیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہتا ہوں مجھے عطا کر دیجیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اچھا مانگو وہ کیا ہیں) ان میں سے ایک یہ بھی درخواست تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اب اجازت دیجیے کہ میں کافروں سے اسی طرح قتال کروں جیسا کہ میں

(پہلے) مسلمانوں سے قتال کرتا تھا تو یہ ہے وہ بات جس کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا اُمید ہے کہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے تم سے قتال کیا اللہ تعالیٰ محبت پیدا فرمادے۔

ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ فاطمہ بنت المنذر رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک دفعہ میری ماں مشرکہ میرے پاس آگئی اس زمانہ میں جب کہ قریش مکہ سے معاہدہ ہوا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے اور وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے ساتھ کچھ سلوک کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو تو یہ بات وہی ہے جس کی قرآن کریم کی یہ آیت اجازت دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے ساتھ سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو نہ تم سے لڑے اور نہ انہوں نے کوئی دشمنی کی یہ ممانعت صرف دشمنی اور قتال کرنے والوں سے ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ

اے ایمان والو! جب آویں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر، تو ان کو جانچ لو۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

اللہ بہتر جانے ان کے ایمان۔ پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں، تو نہ پھیرو ان کو

اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ

کافروں کی طرف۔ نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان مردوں کو، اور نہ وہ مرد حلال ان عورتوں کو اور دے دو ان مردوں کو

مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

جو ان کا خرچ ہوا اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو اُن عورتوں سے، جب ان کو دو

اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ

اُن کے مہر۔ اور نہ رکھو قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کے، اور مانگ لو جو تم نے خرچ کیا، اور

لْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

وہ کافر مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ تم میں فیصلہ کرتا ہے۔ اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ

سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کوئی تمہاری عورتیں کافروں کی طرف،

فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا

پھر تم کہا مارو، تو دو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہیں جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا۔ اور ڈرتے رہو

اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ⑪ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ

اللہ سے، جس پر تم کو یقین ہے۔ اے نبی جب آویں تیرے پاس مسلمان عورتیں،

يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَـيْـــًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ

اقرار کرنے کو اس پر، کہ شریک نہ ٹھہرادیں اللہ کا کسی کو اور چوری نہ کریں، اور بدکاری نہ کریں،

وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ

اور اپنی اولاد نہ ماریں، اور طوفان نہ لاویں باندھ کر اپنے ہاتھوں

وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ

اور پاؤں میں اور تیری بے حکمی نہ کریں کسی بھلے کام میں، تو اُن سے اقرار کر، اور معافی مانگ

لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا

ان کے واسطے اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! مت دوستی کرو

قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ

ان لوگوں سے کہ غصے ہوا اللہ اُن پر، وہ آس توڑ چکے ہیں پچھلے گھر سے، جیسے آس توڑی منکروں نے

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ⑬ ع

قبر والوں سے۔

ع ٢/٨

حکم امتحان مہاجرات مؤمنات واحکام بیعت واطاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ... الٰی ... مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ع ⑬﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں کے ساتھ دوستی اور موالات کے کچھ احکام بیان کیے گئے تھے اور یہ تلقین کی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اس معاملہ میں اسوۂ ابراہیمی اختیار کرنا چاہیے اور نہایت واضح طور پر منع کر دیا گیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح

موالات و دوستی جائز نہیں اسی کے ساتھ ان کافروں سے بہتر سلوک کرنے کی اجازت دے دی گئی جو نہ تو کبھی مسلمانوں سے لڑے اور نہ کسی قسم کی دشمنی کی۔ اب ان آیات میں بعض خاص احکام ایسی عورتوں کے متعلق بیان کیے جا رہے ہیں جو ہجرت کر کے دارالاسلام آجائیں۔ صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا اور جو شرائط طے ہوئیں تھیں ان میں یہ تھا:

((علیٰ ان لا یاتیک منّا رجلٌ وان کان علی دینك الّا رددتهٗ الینا)).

"ہم قریش مکہ اس پر معاہدہ کرتے ہیں کہ جو بھی مرد ہمارے پاس سے تمہارے پاس پہنچ جائے تو مسلمان اس کو واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ اگرچہ وہ تمہارے دین پر ہو۔"

تو آنحضرت ﷺ نے اس معاہدہ کی رو سے جو مرد مسلمان مکہ سے مدینہ نکل کر آئے ان کو واپس فرمایا جیسے ابوجندل بن سہیل کو قریش مکہ کے حوالے فرمادیا جب کہ وہ کفار کی قید سے نکل کر آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے تھے لیکن معاہدہ میں لفظ مرد تھا اس وجہ سے عورتوں کا واپس کرنا اس میں شامل نہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسی مہاجر خواتین کی واپسی کا انکار فرمادیا جو کفار کی قید سے چھوٹ کر آپ ﷺ کے پاس پہنچیں۔ جیسے قبیلہ اسلم کی سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا ان کا خاوند مسافر مخزمی دوڑا ہوا مقام حدیبیہ پہنچا۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ اس معاہدہ کے بعد جب ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے آپ ﷺ کے پاس پہنچیں تو ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید مکہ سے فوراً آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور واپسی کے لیے گفتگو کی تو آپ ﷺ نے واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمادی ﴿فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ اور اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہ حکم عورتوں کے متعلق نہیں اور یہ حکم بھی اتارا گیا کہ ان کا امتحان لے لیا کرو تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمنات ہیں اور احکام بیعت بھی نازل فرمائے تو ارشاد فرمایا۔

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس آجائیں ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئی تو ان کا امتحان کر لو خوب جانچ لو کہ وہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں اللہ تو خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو لیکن مسلمانوں کو اپنے درمیان احکام اسلام کسی پر جاری کرنے کے لیے یہ قانون نازل کیا جا رہا ہے بہر حال اگر امتحان و تحقیق کے بعد جان لو کہ یہ ایمان والی ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت واپس کرو اب جب کہ یہ ایمان لا کر اور ہجرت کر کے دارالاسلام آگئیں تو نہ یہ عورتیں ان کافروں یعنی اپنے کافر خاوندوں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ مردان مہاجر عورتوں کے لیے حلال ہیں اور دیدو اِن مردوں کو جو کچھ انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا اور اس وجہ سے کہ اب وہ عورتیں اسلام لا کر ہجرت کرتی ہوئی دارالاسلام آگئی ہیں ان کا نکاح پہلے کافر شوہروں سے ختم ہو گیا تو عدتِ فسخ گزرنے پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو جو بھی مہر اس نکاح کے وقت مقرر کیا جائے وہ بہر حال مرد کے ذمے ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

اور نہ رکھو تم اپنے قبضہ میں ناموس کافر عورتوں کی اور طلب کر و جو کچھ تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ بھی طلب کر لیں جو انہوں نے خرچ کیا یہی ہے تمہارے واسطے اے لوگو! اللہ کا حکم جس حکم سے وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی علم والا صاحب حکمت ہے۔ اس وجہ سے اس کا ہر حکم صحیح اور حکمت و مصلحت پر مبنی ہے تو جب اللہ نے یہ حکم مقرر فرمادیا کہ کافر عورتوں کی ناموس و عصمت نہ روکے رکھو اور اپنے قبضہ میں تھامے نہ رکھو تو اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ کسی مسلمان کو اپنی ان بیویوں کو جو اسلام نہیں لائیں اور کفر پر قائم رہیں ان کو اپنی منکوحہ کی طرح روکے رکھنا درست نہیں بلکہ ان کو چھوڑ دیں کہ وہ پھر جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔

زہری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو بیویاں جو مکہ میں مشرک رہ گئی تھیں چھوڑ دیں ایک کا نام قریبہ تھا جو امیۃ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے بعد میں مکہ مکرمہ میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا تھا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے دوسری کا نام اُم کلثوم رضی اللہ عنہا تھا جو عمرو بن جرول کی بیٹی اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ماں تھی اس نے ابو جہم بن حذافہ سے نکاح کر لیا اور وہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔ ❶

اور اگر جاتی رہیں تمہارے ہاتھ سے کچھ عورتیں تمہاری ازواج میں سے کافروں کی طرف پھر تمہاری نوبت آئے تو تم اے مسلمانو! دے دو ان کو جن کی عورتیں جاتی رہی ہیں جتنا کہ انہوں نے خرچ کیا اور اب وہ عورتیں ان کے پاس نہیں رہیں اس وجہ سے کہ وہ دارالکفر سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس نہ آ سکیں اور سابق نازل کردہ حکم کی رُو سے یہ درست تھا کہ مسلمان اپنی بیویوں پر خرچ کیے ہوئے خرچ کا مطالبہ کریں جیسا کہ مسلمانوں نے ان کافر خاوندوں کو ان کا کیا ہوا خرچ واپس کیا جن کی عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آ گئی تھیں ❷ اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

---

❶ تفسیر ابن کثیر جلد رابع۔

❷ اصل حکم یہ نازل ہوا تھا کہ زوجین میں سے اگر کوئی ایک مسلمان ہو کر ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ جائے اور دوسرا شرک و کفر پر قائم رہتے ہوئے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرے تو اختلاف دارین کے بعد نکاح قائم نہ رہے گا ایسی صورت میں اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ جائے تو جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ یہ کیا گیا تھا کہ اس مسلمان عورت کے پہلے خاوند کافر نے جو مہر دیا ہے یہ مسلمان نکاح کر کے پہلے کافر شوہر کا دیا ہوا مہر واپس کر دے اور اس کے بعد جو اس نکاح میں مہر طے پائے وہ اپنی جگہ ادا کرے اس کے بالمقابل۔صورت میں کہ اگر کسی مسلمان مرد کی عورت کافر رہ گئی اور وہ ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہیں آئی اور یہی معنی ہیں ﴿وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ﴾ کے کہ اگر تم سے تمہاری بیویوں میں سے جاتی رہیں کافروں کی طرف یعنی تم سے ضائع ہو گئیں اور کافروں کے پاس رہ گئیں نہ یہ کہ دارالاسلام سے العیاذ باللہ کسی مسلمان کی بیوی کافروں کی طرف چلی گئی کیونکہ نہ ایسا ممکن تھا اور نہ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا۔جس پر تاریخی شواہد موجود ہیں۔اگرچہ بعض مفسرین نے محض لفظی وسعت کے باعث اس معنی کو بیان کیا کہ کوئی مسلمان عورت العیاذ باللہ مرتد ہو کر چلی جائے۔لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک اس کی یہی تفسیر ہے کہ وہ عورتیں بحالت کفر وہیں رہ جائیں اور یہی مفہوم جاتی رہنے کا بلاشبہ ہے تو اس صورت میں یہ حکم تھا کہ وہ کافر جو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے اس کے پہلے خاوند کو اس کا ادا کردہ مہر واپس کر دے۔اس حکم کے نازل ہونے پر مسلمان تو تیار ہو گئے کہ اسلام لانے والی مہاجر عورتوں کا ہم مہر ادا کر دیں۔مگر کافر تیار نہ ہوئے اور اس صورت میں کہ دارالکفر میں رہ جانے والے اس عورت سے نکاح کریں جس کا خاوند اسلام لا کر دارالاسلام میں آ چکا ہے اس مسلمان کو اس کا دیا ہوا مہر دینے سے انکار کر دیا اس پر آیت نازل ہوئی ﴿وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ﴾ ان الفاظ میں ایسی ہی صورت کا ذکر کرتے ہوئے گویا سابق حکم منسوخ کر دیا گیا۔اب وہ مسلمان جن کی بیویاں دارالکفر میں رہ گئی ہیں ان کا اپنا ادا کردہ مہر کافروں سے وصول نہیں ہو رہا ہے۔ تو اب مسلمانوں کو چاہیے کہ دارالکفر سے ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورتوں کے ان خاوندوں کو کچھ نہ دیں جو دارالکفر میں رہ گئے ہیں (بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافر کا دیا ہوا خرچ واپس نہیں کر سکتا تو بیت المال سے ادا کر دیا جائے سبحان اللہ کیسا عدل و انصاف ہے) الغرض ﴿فَعَاقَبْتُمْ﴾ کا مفہوم یہی راجح ہے کہ پھر تمہاری نوبت آئے یعنی مہر لینے کی۔دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ کفار سے جہاد کرو اور مال غنیمت حاصل ہو تو اس مال غنیمت سے ان مسلمان مردوں کو وہ خرچ اور مہر ادا کر دو جو انہوں نے اپنی بیویوں پر کیا تھا جو اسلام نہیں لائیں اور دارالکفر میں رہ گئیں کیونکہ کافر تو یہ خرچ واپس نہیں کر رہے ہیں تو اب یہی صورت ہو سکے گی کہ مال غنیمت سے یا بیت المال اس کی تلافی کر دے۔

یہ آیت یعنی ﴿وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا﴾ منسوخ ہے یا اپنے حکم پر باقی ہے؟ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم چونکہ دو طرفہ ==

حکم بیعت مہاجرات مؤمنات

اے ہمارے نبی! جب آئیں آپ ﷺ کے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرتی ہوئیں تو وہ بیعت کریں آپ سے اس بات پر کہ نہ تو وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ چوری کریں اور نہ زنا کریں اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں اور نہ کسی پر وہ ایسا بہتان لگائیں جس کا افتراء والزام وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان باندھتی ہوں اور نہ وہ کسی بھی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی کریں تو آپ ان کو بیعت کرلیجیے اور طلب مغفرت کیجیے ان کے لیے اللہ سے۔ ان کی ہر قسم کی اس کوتاہی اور غلطی پر جو ان سے سرزد ہوچکی یا بیعت کے بعد کوئی خطا و غلطی نادانستہ طور پر ہوجائے۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اللہ رب العزت آپ ﷺ کے استغفار و دُعا کی برکت سے ان کی مغفرت فرمائے گا اور اپنی عنایات و رحمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ جملہ احکام جن میں مردوں اور عورتوں کے احکام تفصیل و تحقیق سے ذکر کیے گئے ان ہی میں سعادت و فلاح مضمر ہے ایمان والوں کو چاہیے کہ وہ ان احکام پر عمل کریں اگر وہ روگردانی کریں گے تو ان کو اپنے انجام کی تباہی و بربادی سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

اللہ کے احکام کی فرماں برداری اور اس کے دین پر استقامت اور ایمان کے تقاضوں کی تکمیل اسی میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے اجتناب و پرہیز کیا جائے ان سے دوستی اور روابط قائم کرنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے اس لیے سن لینا چاہیے کہ اے ایمان والو! ہرگز دوست نہ بناؤ ایسی قوم کو جن پر خدا کا غضب ہے جو مایوس ہوچکے ہیں آخرت سے اور آخرت کا تصور ہی دل سے نکال دیا۔ جیسا کہ کافر قبروالوں سے ناامید ہوچکے ہیں۔ اور ان کو کوئی توقع نہیں کہ قبروالے اپنی قبروں سے پھر اُٹھیں گے بلکہ وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بعث بعد الموت کا بھی ان کو کوئی تصور نہیں۔

قصہ بیعت نساء مؤمنات

عروۃ بن الزبیر ؓ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ آنحضرت ﷺ کا نساء مؤمنات سے بیعت لینے کا ذکر اس طرح فرمایا کرتی تھیں کہ جب یہ آیت مبارکہ ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ ... الخ﴾ نازل ہوگئی تو آنحضرت ﷺ ایسی عورتوں کا امتحان لیتے اور پھر ان باتوں پر ان سے عہد لیتے جن کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے کہ نہ شرک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ

= ذمہ داریوں پر مشتمل تھا جو صلح حدیبیہ میں طے کردہ معاہدہ کی رُو سے تسلیم کیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے تو بلا کسی تردّد اور تامل اس پر عمل کیا لیکن کفار مکہ میں سے کسی ایک فرد نے بھی اس پر عمل نہ کیا اس وجہ سے یہ حکم خود بخود منسوخ ہوگیا اور برقرار نہ رہا یا یہ کہہ لیجیے کہ یہ حکم ابتداء ہی سے محدود مؤقت تھا کہ کفار مکہ کے لیے بموجب عہد نامۂ حدیبیہ۔ کفار عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا اور وہ عورت کو پہلے ہی دیا جاتا تھا۔ اولاً تو کفار کی طرف سے اس حکم کی پابندی نہیں ہوئی پھر فتح مکہ کے بعد اس حکم کی ضرورت ہی نہ رہی۔ قبائل عرب کی عورتیں مسلمان ہوکر آئیں اور دار الاسلام میں بسنے والے مسلمانوں سے ان کے نکاح ہوئے۔ ۱۲ واللہ اعلم بالصواب۔

ملخص من احکام القرآن للجصاص ؒ۔ وتفسیر حقانی۔ تفسیر ابن کثیر وَمَا افادنی شیخی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ وحضرت الوالد المحترم محمد ادریس الکاندھلوی ؒ۔ ۱۲۔

زنا وبدکاری اور نہ افتراء وبہتان اور کسی بھی حکم شرعی میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو جو عورت اس بات کا عہد واقرار کر لیتی آپ ﷺ اس کو بیعت فرما لیتے اور صرف زبان مبارک سے فرما دیتے اچھا میں نے تمہیں بیعت کر لیا فرمایا کرتی تھیں آپ ﷺ کے دستِ مبارک نے خدا کی قسم کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں عید الفطر کی نماز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا زمانہ بھی دیکھا ہے یہ سب حضرات خطبہ سے قبل نماز عید پڑھا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ پہلے نماز پڑھتے پھر خطبہ دیتے اور اس کے بعد منبر سے اُترتے ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ گویا یہ منظر آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجمع میں سے جو لوگ اُٹھ کر منتشر ہو رہے تھے آپ ﷺ ان کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے پھر آپ مردوں کے مجمع کو چیرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنے لگے اور اس جگہ تک پہنچے جہاں عورتوں نے نماز پڑھی تھی آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے آپ وہاں تشریف لائے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور تلاوت کے بعد ان سے دریافت فرمایا کیا تم اس پر قائم ہو اور اس کا عہد کرتی ہو مجمع میں سے ایک عورت نے جواب دیا جی ہاں یارسول اللہ ﷺ جو گویا سب کی طرف سے یہ کہہ رہی تھیں اور بظاہر اسی وجہ سے کسی اور نے جواب نہ دیا سب خاموش رہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کے سوا کسی اور نے جواب نہ دیا۔

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو فرمایا یہ اعلان کر دیں اے مسلمان عورتو! رسول اللہ ﷺ تم سے بیعت لینا چاہتے ہیں اس بات پر کہ تم نہ شرک کرو گی نہ چوری نہ زنا وبدکاری اور نہ بہتان طرازی اور نہ رسولِ خدا کی نافرمانی کرو گی۔ تو ان عورتوں میں ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بھی تھی جس نے غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد ان کے شکم مبارک کو چاک کر کے جگر کا ٹکڑا چبانا چاہا تھا اگرچہ اب اسلام لا چکی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ سے ڈرتے ہوئے چھپی ہوئی تھیں اور کسی کونہ میں بیٹھی تھیں۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ عہد کرو چوری بھی نہ کرو گی۔ تو کہنے لگی میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال سے کچھ لے لیتی ہوں کیونکہ وہ مال کے حریص اور بخیل انسان ہیں (تو گھر کے مصارف وغیرہ کے لیے ان سے چھپا کر کچھ لینا پڑتا ہے) ابوسفیان رضی اللہ عنہ ان کے خاوند بھی وہاں موجود تھے فوراً بولے اے ہندہ تُو نے آج تک جو کچھ لیا یا آئندہ لے گی وہ سب تیرے واسطے حلال ہے۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی تو کہنے لگی ہم نے ان کو پالا تھا مگر تم نے انہیں بدر میں قتل کر دیا۔ اس جملہ پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بہت ہنسی آئی۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ کچھ عورتوں نے کہا کہ ہم تو اپنی اولاد کو قتل نہیں کرتے ان کے باپ قتل کرتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ﴿وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ﴾ میں یہ چیز بھی داخل ہے۔ کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف ایسے بچہ کی نسبت کرے جو درحقیقت اس شوہر سے نہیں جیسا کہ یہ فعل جاہلیت کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ منیٰ کی گھاٹی میں قبل از ہجرت آپ ﷺ نے انصارِ مدینہ سے بیعت لی تو یہی وہ اُمور تھے جن پر ان سے عہد لیا اور فرمایا: ((بایعونی علٰی ان لا تشرکوا باللّٰہ ولا تسرقوا ولا تزنوا و لا تقتلوا النفس التی حرّم اللّٰہ اِلاّ بالحق.... الخ)) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ((انْ وَفَّيْتُمْ فلکم الجنۃ)) اگر تم ان باتوں کو پورا کرو گے تو تمہارے واسطے جنت ہے۔ [1] (باسناد ابن ابی حاتم)

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الممتحنہ

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ الصف

اس سورۂ مبارکہ کے فضائل میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت باسناد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نقل کی ہے۔ بیان کیا میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں موجود تھا کہ ہم باہم یہ گفتگو کرنے لگے کاش اگر ہماری حاضری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتو ہم یہ دریافت کریں کہ کون سے عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور ہمیں ہمت نہ ہوئی کہ خود حاضر ہو کر یہ پوچھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجمع کے ایک ایک شخص کو بلایا اور جب سب جمع ہو گئے تو ہمارے سامنے یہ سورۂ صف تلاوت فرمائی اور گویا یہ ظاہر فرمایا کہ اس سورت کی تلاوت اللہ کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے۔

سورت کا آغاز اللہ رب العزت نے اپنی تسبیح و پاکی و حمد و ثناء سے کیا۔ پھر اس بات پر وعید فرمائی گئی کہ انسان کے لیے یہ بات نہایت ہی نازیبا ہے کہ وہ جس بات کا عہد کرے اس کو پورا نہ کرے اور اس کے قول و فعل میں تضاد ہو اس کے بعد مسلمانوں کو دشمنانِ اسلام سے جہاد و قتال کی ترغیب دی گئی اور ان کو اس کے لیے ہمت دلائی گئی کہ پوری طاقت اور بہادری کے ساتھ کافروں کے مقابلہ کے لیے متحد و متفق ہو کر ڈٹ جائیں اور اتحاد و اخوت میں ان کو چاہیے کہ وہ سیسہ پلائی دیوار کے مانند ہو جائیں۔ ساتھ ہی حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا دعوۃ الی اللہ میں اسوہ و نمونہ بھی بیان کیا گیا اور یہ کہ انہوں نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں اٹھائیں اور اہل ایمان کو اس امر کے متعلق اطمینان دلایا گیا کہ خدا کا قانون یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد کرتا ہے اور دین کے مددگاروں کو غالب و کامیاب فرماتا ہے اور اس سلسلہ میں دشمنوں کی ہر سازش اور کوشش ناکام ہوتی ہے۔ ان مضامین کو ذکر کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں اہل ایمان کو ایک کامیاب اور نفع بخش تجارت کی دعوت دی گئی اور اس کی وضاحت کی گئی کہ وہ نفع بخش تجارت کون سی ہے جس سے انسان دنیا میں بھی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت کی سعادت و فلاح بھی اس کو نصیب ہوتی ہے۔

آیاتہا ١٤ — (٦١) سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ (١٠٩) — رکوعاتہا ٢

سورۂ صف مدینہ میں اُتری، اور اس میں چودہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا
اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے؟ بُری بیزاری ہے
عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ
اللہ کے ہاں، کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ اللہ چاہتا ہے ان کو جو لڑتے ہیں
فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴
اس کی راہ میں قطار باندھ کر، جیسے وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی۔

تسبیح وتحمید خداوندی مع ترغیب اہل ایمان برائے جہاد فی سبیل اللہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ . . . الٰی . . . كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾

ربط: گزشتہ سورت میں کافروں سے موالات ودوستی پر تنبیہ ووعید تھی اور واضح طور پر یہ فرمادیا گیا تھا ﴿لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ (الممتحنۃ:۱۳) "کہ اے مسلمانو! ہرگز ایسی قوم کو اپنا دوست نہ بناؤ جن پر خدا کا غضب ہے۔" اب اس سورت میں حق تعالیٰ شانہٗ اپنی پاکی اور بے نیازی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد ہوکر کافروں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہونا چاہیے اور یہ وصف اس وقت پیدا ہوگا جب مسلمان اپنے قول وفعل میں مطابقت اور یکسانیت پیدا کر لے۔ اس زمانہ میں عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا ہر طرف سے مسلمانوں پر حملہ ہورہا تھا اور مسلمان باوجود اپنی قلت اور ضُعف کے ہمت وجوان مردی سے کافروں کا مقابلہ کررہے تھے تو اس سورت میں بالخصوص جہاد کی ترغیب دی جارہی ہے۔ ارشاد فرمایا:

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کائناتِ آسمان وزمین کی ہر چیز کا اس کی پاکی اور تسبیح میں مشغول ہونا اس کی عظمت وکبریائی کی واضح دلیل ہے بے شک وہی زبردست عزت وحکمت والا ہے ایسی ذات سراپا عزت وعظمت کے حامی یقیناً نہ دُنیا کی طاقت سے مغلوب ومرعوب ہوسکتے ہیں اور نہ ناکام۔ لیکن انسانوں کی عزت اور کامیابی ایمانی اوصاف وکمالات پر ہی موقوف ہے جس کے لیے قول وفعل کی مطابقت ویکسانیت چاہیے قول وفعل میں تضاد نفاق کی علامت ہے۔ اس لیے اے مسلمانو! اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو اپنے منہ سے وہ بات جو تم نہیں کرتے ہو بڑی ہی ناراضگی کی بات ہے اللہ کے نزدیک کہ تم وہ چیز کہو جو نہیں کرتے ہو اس طرح کے دعوے اور لاف زنی جھوٹوں اور منافقوں کا کام ہوتا ہے اور نفاق انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے تو ظاہر ہے کہ ایسی کمزوری کے بعد دشمن کا کیا خاک مقابلہ کرے گا اور فتح وکامرانی کی کیوں کر توقع ہوسکتی ہے ایمان والوں کو تو چاہیے کہ صداقت اور عزم وہمت کے حامل بن کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور بڑی قوت وہمت سے ایک آہنی دیوار بن کر دشمن کے مقابلہ کے لیے میدانِ جہاد میں نکل آئیں ان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے اپنے بندوں کو جو قتال وجہاد کرتے ہیں اس کی راہ

میں صف بستہ ہو کر اس طرح کہ گویا وہ ایک دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔ یہی صفت اور حالت ان کے اخلاص وسعادت کی دلیل ہوگی۔ محض دعوؤں کے بعد میدانِ جہاد کا مطالبہ کرتے رہے لیکن جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو کہنے لگے ﴿رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ﴾ (النساء:۷۷) یہی حال قوم موسیٰ علیہ السلام کا تھا جب جہاد کا حکم ہوا نہایت ہی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے کہہ دیا کہ اے موسیٰ اس بستی میں بڑی طاقت والی قوم ہے اور ہم اس بستی میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں موجود ہیں۔ البتہ اگر وہ لوگ اس بستی کو خالی کر کے وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور اس میں داخل ہو جائیں گے اور ٹکا سا جواب دے دیا ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدہ:۲۴) کہ اے موسیٰ علیہ السلام بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ اور تم دونوں جا کر کافروں سے لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں تو حق تعالیٰ نے جہاد کے لیے اہلِ ایمان کو ترغیب دی اور یہی وہ اخلاص باطن کا رنگ ہے جو اس طرح حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نمودار ہوا جب سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان کیا تو آپ کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ جواب تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جہاد کا حکم دیجیے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی دائیں اور بائیں بھی اور ہم اس قوم کی طرح نہ ہوں گے جنہوں نے اپنے پیغمبر کو یہ جواب دے دیا تھا کہ ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾۔

جہاد فی سبیل اللہ بارگاہِ خداوندی میں محبوب ترین عمل

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ﴾ آیت مبارکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا محبوب ترین عمل بیان کر رہی ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ عمل اللہ کو محبوب ہے تو مجاہدین بھی یقیناً اس کی نظروں میں محبوب ترین بندے ہوں گے اسی کو یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو بڑی ہی محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے ایک وہ جو رات کو بیدار ہو کر نماز میں مشغول ہو جائے۔ دوسری وہ قوم جو جماعت میں نماز کے لیے صف بستہ ہیں۔ تیسری وہ جماعتِ مجاہدین جو میدانِ جہاد میں کافروں سے قتال کے لیے صف بستہ ہے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت خود اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس طرح بیان فرماتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندہ متوکل ہیں۔ پسندیدہ و برگزیدہ جو نہ سخت دل ہیں نہ بدمزاج۔ اور نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ درگذر اور معاف کرتے ہیں جن کا مولد (جائے پیدائش) مکہ ہے اور ان کی ہجرت کی جگہ طیبہ (مدینہ) ہے۔ ان کا ملک سلطنت شام ہوگا۔ ان کی اُمت حماد ہوگی جو ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ کی حمد وثنا کرتی ہوگی۔ ان کی سحر کے وقت خشیتِ خداوندی سے فضا میں ایک آواز ہوگی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہو جو اپنے اطراف اعضاء دھوتے ہوں گے (یعنی وضو) اور نصف پنڈلیوں پر اپنی ازار باندھتے ہوں گے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا ... الخ﴾ [1] اس عمل کی محبوبیت کا تو یہ مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے:

((وددت انی اُقتل فی سبیل اللہ ثُمَّ اُحیٰی ثُمَّ اُقتل ثم اُحیٰی ثم اُقتل)). [2]

---

[1] تفسیر ابن کثیر۔ [2] رواہ البخاری ومسلم واصحاب سنن۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، اے قوم میری! کیوں ستاتے ہو مجھ کو؟ اور جانتے ہو کہ میں

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ

اللہ کا بھیجا آیا ہوں تمہارے پاس پھر جب وہ پھر گئے، پھیر دیئے اللہ نے اُن کے دل۔ اور اللہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵

راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔

شکوۂ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام از ایذا رسانی قوم والتجاء بہ بارگاہ خداوند ذو الجلال والاکرام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ... الی... لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۵﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی تسبیح وپاکی کے بیان کے ساتھ اس مجرمانہ کردار کی مذمت کی گئی تھی کہ انسان کے قول وعمل میں تضاد ہو اور یہ کہ ایمان کا تقاضا اللہ کی راہ میں جہاد ہے جو اللہ کے بندے ہیں وہ پورے اتحاد اور یک جہتی سے دشمنوں کے مقابلہ میں صف آراء رہتے ہیں۔ اب بنی اسرائیل کی اُس موذیانہ روش کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جو انہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اختیار کی فرمایا اور جب کہ کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! آخر تم لوگ مجھے کیوں ستا رہے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور ظاہر ہے اللہ کے رسول کو ستانا نہایت ہی عظیم جرم ہے اور پھر جب کہ یہ علم ویقین بھی ہو کہ یہ اللہ کا رسول ہے اس علم ویقین کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ باز آجاتے مگر شقاوت وبدبختی کی انتہاء تھی کہ نہ باز آئے بلکہ اور کج روی ہی پر تلے رہے تو جب وہ اس درجہ پھر گئے اور راہِ حق سے بھٹک گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا اور اللہ راہ نہیں دیتا ہے نافرمان قوم کو اور وہ اپنی نافرمانی اور بدبختی کے باعث ہمیشہ کے لیے راہِ حق سے بھٹکتے ہی رہتے ہیں۔ یقیناً اس طرح کی نافرمانی کہ دلائل وبینات آگئے۔ حق کو پہچان لیا ہو اللہ کے پیغمبر نے معجزات ظاہر کردیئے ہوں۔ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آنا اللہ کے پیغمبر کے لیے انتہائی ایذا رسانی کا فعل ہے۔ ناصح وخیر خواہ کب تک ایسی روش پر صبر کرے۔ کسی نے بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کردی۔ کبھی عمالقہ قوم سے جہاد کرنے کا حکم ہوا تو نہایت ہی بے باکی سے موسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگے ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدہ: ۲۴)۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنگ آکر بارگاہِ خداوندی میں التجاء کرنے لگے ﴿رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾ (المائدہ: ۲۵)۔ اس واقعہ کو ذکر کر کے حق تعالیٰ شانہٗ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور کفارِ مکہ کے گستاخانہ رویہ پر صبر کی تلقین فرمائی۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اور جب کہا عیسیٰ مریم علیہما السلام کے بیٹے نے، اے بنی اسرائیل! میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا

اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ

تمہاری طرف، سچا کرتا اس کو جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی

يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا

جو آئے گا مجھ سے پیچھے، اس کا نام ہے احمد۔ پھر جب آیا اُن کے پاس کھلے نشان لے کر، بولے

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

یہ جادو ہے صریح۔ اور اس سے بے انصاف کون ہے؟ جو باندھے اللہ پر جھوٹ

وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اس کو بلاتے ہیں مسلمان ہونے کو۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ

چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کی روشنی اپنے منہ سے۔ اور اللہ کو پوری کرنی اپنی روشنی اور پڑے بُرا مانیں

الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

منکر۔ وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ لے کر، اور سچا دین،

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ع

ع ٩

کہ اُس کو اُوپر کرے دینوں سے سب سے، اور پڑے بُرا مانیں شریک والے۔

بشارت حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام بہ بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ... اِلٰى... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شکوہ کا ذکر تھا جو انہوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنی قوم کی ایذاءرسانیوں پر کیا اس ضمن میں قوم بنی اسرائیل کی بدبختی ومحرومی کا ذکر تھا تو اس مناسبت سے اب یہ مضمون بیان کیا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل کی اس محرومی اور بدنصیبی

کے بعد اللہ رب العزت نے اس قوم کے لیے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور وہ اس لیے مبعوث فرمائے گئے کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت سنائیں اور بنی اسرائیل کو تاکید کریں کہ اس آنے والی ہدایت اور حق کی پوری طرح اتباع و پیروی کریں کیونکہ اب اس کے بعد اللہ نے قیامت تک کے لیے حق وہدایت کا داعی خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کو بنایا ہے اور وہ عنقریب مبعوث ہوں گے ان کی بشارت کے ساتھ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے نبی خاتم الانبیاء ﷺ کی علامات اور نشانیاں بھی بتائیں اور ان پر ایمان لانے کا بھی حکم دیا۔ فرمایا اور جب کہا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے اے بنی اسرائیل! میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اللہ کی کتاب تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور خوشخبری سنانے والا ہو ایک ایسے رسول کی جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہے۔ اس طرح ان یہودیوں کو مجھ پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے۔ جو تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ میں ان کی تصدیق کرنے والا ہوں جب میں انہی اصول وہدایت کی دعوت دے رہا ہوں تو پھر یہودیوں کو مجھ پر ایمان لانے سے کیوں انکار ہے ساتھ ہی میں ایک آنے والے پیغمبر کی بشارت سنا رہا ہوں جن کا نام احمد ہوگا ان پر اے عیسائیو! تم ایمان لانا اگر تم ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو بس تمہارا حال ان یہودیوں جیسا ہوگا جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ اس ہدایت وتاکید اور علامات ونشانیوں سے نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت ورسالت متعین کر دینے کا تقاضا تو یہ تھا کہ عیسائی قوم اپنے ہادی وپیغمبر رُوح اللہ مسیح بن مریم علیہما السلام کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر ایمان لاتے۔ لیکن جب وہ رسول مبشر ان کے پاس آ گئے کھلی نشانیاں لے کر اور واضح معجزات ودلائل کے ساتھ تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔ کس قدر بے حیائی اور گستاخی کی کہ اللہ کی ہدایت اور اس کے دلائل و معجزات کو جادو کہا اور اس کے رسول کا انکار کیا۔ یہ بات اسی حد تک نہیں کہ نافرمانی اور گستاخی ہو بلکہ خود اپنے اوپر بڑا ہی ظلم ہے اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور حال یہ کہ وہ اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو۔ مگر وہ بجائے اس کے کہ حق وہدایت قبول کرے خدا ہی پر بہتان باندھنے لگتا ہے اور اس کی تکذیب وتردید کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ نے کیا کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات کو جادو کہا۔ اور جب ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو حق اور ان بشارتوں کا انکار کیا جو مسیح بن مریم علیہما السلام نے سنائیں۔ اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ہے ظالم لوگوں کو۔ کس قدر ظلم کیا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت ورسالت میں شرک کے عقیدہ کو جزو ایمان بنا لیا بشر کو خدا اور خدا کو بشر قرار دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ﴾ (المائدہ:۱۷) پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کیا جس پر ایمان لانے کا حضرت مسیح علیہ السلام نے حکم دیا تھا اسی پر بس نہ کی بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور بجھا دیں اپنے مونھوں سے اور اللہ پورا کرنے والا ہے اپنے نور کو اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ مشیتِ الٰہی سے بس یہی طے ہو چکا ہے اس کے خلاف کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی آفتاب کی شعاعوں کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرے اللہ کا یہ نور جس سے تمام عالم جہالت وگمراہی کی تاریکی سے نکل کر روشن ہوا وہ نور ہدایت ہے جو حضور اکرم خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ذریعے عطا کیا گیا تو اسی غرض سے۔ وہی پروردگار ہے جس نے اپنا رسول بھیجا ہدایت کے ساتھ اور دین حق دے کر تاکہ اس کو غالب کرے دُنیا کے ہر ہر دین پر اگرچہ بُرا مانیں شرک کرنے والے۔ لیکن اللہ کو کافروں کی ناگواری اور مشرکین کے بُرا ماننے کی کوئی پروا نہیں۔ اس نے جو ارادہ کر لیا وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ((لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّآ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِيْلٍ)) کہ روئے زمین پر کوئی گھر بھی باقی نہ رہے گا خواہ وہ آبادی میں ہو یا جنگل وبیابان

میں کوئی خیمہ ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ پہنچا کر رہے گا۔ عزت والے کی عزت کے ساتھ (بایں طور کہ وہ مشرف ہو جائے) یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ (بایں صورت کہ وہ اگر اسلام نہ لائیں تو ذلت کے ساتھ سرنگوں ہوتے ہوئے جزیہ ادا کرنا قبول کریں)۔

راوی حدیث بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شاید یہ بات وہی ہے جس کو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: "بے شک یہی بات ہے"۔ چنانچہ دُنیا نے دیکھ لیا کہ عرب فتح ہوا۔ قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں اسلام کے زیرنگیں ہوئیں۔ مراکش وجزائر، افریقہ، چین، بخارا، سمرقند غرض مشرق ومغرب پر اسلام کی حکمرانی اور غلبہ وظہور کا منظر دنیا نے دیکھ لیا اور ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ میں جو وعدۂ الٰہی کا بیان تھا وہ مکمل ہو کر رہا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی اسی کا ذکر بائبل کی کتاب یسعیاہ کے باب ۴۱، ۴۲، ۴۳ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اگرچہ عیسائیوں اور اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں بے شمار تحریفات کیں لیکن آج تک بھی وہ اس پر قادر نہ ہو سکے کہ آنحضرت ﷺ اور غلبۂ دینِ اسلام کی بشارتوں کو نکال سکیں یا ان میں ایسی کوئی تاویل کرلیں کہ ان کا انطباق خاتم الانبیاء محمد ﷺ اور دینِ اسلام پر نہ ہو سکے۔

نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے عیسائیوں کو حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام اور انجیل مقدس کا صریح حکم

خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور بعثت ونبوت کا مژدہ تو تمام انبیاء سابقین سناتے رہے اور آپ ﷺ کی علامات ونشانیاں بھی بیان کرتے رہے لیکن جس صراحت اور اہتمام ووضاحت کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ ﷺ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی بھی پیغمبر سے منقول نہیں چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اور کوئی پیغمبر سوائے نبی آخر الزمان ﷺ کے مبعوث ہونے والا نہ تھا اور زمانہ بھی آپ ﷺ کی نبوت کا مسیح علیہ السلام سے قریب تھا تو اس خصوصیت اور قرب زمانہ کے باعث زائد سے زائد وضاحت واہتمام انجیل مقدس نے فرمایا اور بڑی تاکید اور اصرار کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آنے والے فارقلیط (پیغمبر) پر ایمان لانے اور ان کے احکام کی پیروی کرنے کے لیے فرمایا اور اس نبی مبشر بہ کے دین کی جامعیت وکاملیت اور غلبہ وظہور کو بخوبی بیان کردیا۔

اگرچہ یہود ونصاریٰ کے غفلتوں کی بدولت تورات وانجیل میں تحریفات اور تغیر وتبدل کی کوئی حد باقی نہ رہی اور ان بے شمار تحریفات کے باعث یہ دعویٰ ناممکن ہے کہ آج روئے زمین پر تورات وانجیل کا کوئی صحیح نسخہ باقی ہے اس وجہ سے اگر موجودہ نسخوں میں صریح نام لکھا ہوا نظر نہ آئے تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ قرآن کے اس صریح اعلان میں جو سورۂ صف کی اس آیت میں مذکور ہے کسی قسم کا تردّد کرے۔

﴿وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ (الصف:٦)

ترجمہ: "اور جب کہا عیسیٰ علیہ السلام مریم علیہا السلام کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بھیجا ہوا۔

درآں حالیکہ میں تصدیق کرنے والا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جن کا نام احمد (ﷺ)۔"

قرآن کریم کے اس صاف اور صریح اعلان کو تحریف شدہ بائبل میں جھٹلانا قیاس اور عقل کے خلاف ہے لیکن یہ بات خاتم الانبیاء ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ اہل کتاب کے معاندانہ طریق اور اس جذبہ کے ماتحت ہر طرح کی تحریف وتبدیلی کے بعد بھی بہت سی بشارتیں ایسی باقی رہ گئی ہیں جن میں تقریباً صاف اور صریح طور پر آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس کا ہی ذکر ہے اور ان الفاظ کا انطباق آنحضرت ﷺ کی ذات کے سوا کسی اور پر ممکن نہیں جس میں کوئی صاحب فہم ذرہ برابر بھی تامل نہیں کر سکتا۔ منجملہ ان بشارات کے انجیل یوحنا میں فارقلیط والی بشارت اس قدر صاف ہے کہ بلا تکلف اس کا مصداق بجز احمد مجتبیٰ ﷺ کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

بشارتِ انجیل یوحنا

حضرت مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے انجیل یوحنا باب ۱۴ کی یہ مشہور بشارت انجیل یوحنا کے اس عربی نسخہ سے نقل کی ہے جو لندن میں ۱۸۳۱ء میں طبع ہوا۔

باب نمبر ۱۴ از آیت نمبر ۱۵:- اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ (۱۶) اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا (یعنی رُوح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی) (۲۶) لیکن وہ فارقلیط جو روحِ حق ہے جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں وہ یاد دلائے گا۔ (۲۹) اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پہلے کہا تا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ۔ (۳۰) بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔

اور باب نمبر ۱۵۔ آیت ۲۷ میں ہے۔ جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی سچائی کی روح) تو وہ میری گواہی دے گا۔

اور باب نمبر ۱۶۔ آیت نمبر ۷ میں ہے:- لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لیے میرا جانا ہی فائدہ مند ہوگا کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط (مددگار) تمہارے پاس نہ آوے لیکن اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (۸) وہ آ کر دُنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا۔ (۹) گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ (۱۰) راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم پھر مجھے نہ دیکھو گے۔ (۱۱) اور عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے (۱۲) میری اور بہت سی باتیں ہیں جن کو تم سے (اب) کہوں پر تم ان کو اب برداشت نہ کر سکو گے۔ (۱۳) لیکن جب وہ روحِ حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں اور میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے جو آپ علیہ السلام کا حواری یوحنا نقل کر رہا ہے جو آپ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے حواریوں کو تسلی دینے کے لیے فرمایا جب کہ یہود انتہائی بدسلوکی پر اُترے ہوئے تھے اور قتل کی تدبیروں میں لگے ہوئے تھے کہ اے میرے

حواریو! تم یہود کی اس سازشوں اور تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ و غمگین نہ ہو۔ عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں کسی کی رسائی نہ ہوگی۔ یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا اور ایک آنے والے فارقلیط سے تسلی دی کہ وہ میرے جانے کے بعد آ کر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھ کو نہیں مانا ان کو سزا دے گا (یعنی یہودیوں کا) اور وہ دین و دُنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔ تو حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ صف کی آیت مذکورہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے ﴿ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾۔

اس بشارت میں لفظ احمد موجود تھا جیسا کہ انجیل برناباس میں اب بھی موجود ہے لیکن جس وقت انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کے مطابق (کہ ترجمہ کرتے وقت ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے تھے)۔ آنحضرت ﷺ کے نام مبارک احمد کا ترجمہ بھی پیرکلوطوس سے کر دیا جس کے معنی ہیں بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا جو لفظ احمد کا عربیت کے اعتبار سے مفہوم ہے پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان سے کیا گیا تو پیرکلوطوس کا مُعرب فارقلیط کر لیا گیا ایک عرصہ تک عربی فارسی اور اُردو نسخوں میں بھی فارقلیط کا لفظ لکھا جاتا رہا۔ لیکن محض اس بناء پر کہ یہ بات یقینی طور سے واضح اور متعین ہو چکی تھی کہ فارقلیط احمد کا ترجمہ ہے اور اس طرح یہ عبارت ﴿ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ کی قطعی مراد اور یقینی ترجمہ تھی فارقلیط کے بعد بین القوسین بطور ترجمہ روح القدس لکھا جانے لگا اور مسیحی حضرات لفظ روح القدس کو خطوطِ وحدانی میں لکھتے رہے رفتہ رفتہ ان حضرات نے انجیل کے نسخوں میں سے فارقلیط کو حذف کر کے اس جگہ صرف روح القدس یا کسی نے روحِ حق یا کسی نے مددگار اور تسلی دینے والا کا لفظ لکھنا شروع کر دیا اور فارقلیط کے لفظ کو اس طرح سے انجیل کے نسخوں سے بالکل نکال ڈالا تا کہ علمائے اسلام کسی طرح اس بشارت کو آنحضرت ﷺ پر منطبق نہ کر سکیں۔ لیکن اہل کتاب اور مسیحی حضرات کی کوشش کسی درجہ میں بھی سود مند ثابت نہ ہوئی خواہ کچھ بھی تغیر و تبدل کر لیا لیکن انجیل کی اس بشارت اور اس تعبیر کو مدلول اور مصداق اس طرح متعین کر رکھا ہے کہ مجموعی کلام سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور پر منطبق نہیں ہو سکتا۔

اس موقعہ پر مناسب ہے کہ ناظرین کی خدمت میں لفظ فارقلیط کی کچھ تحقیق پیش کر دی جائے اسکے بعد باقی تمام آیات اور عبارت کے الفاظ سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس کا مصداق ہونا ظاہر کیا جائے گا۔

لفظ فارقلیط کی تحقیق *

لفظ فارقلیط اصل میں یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی معنوں میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق آتے ہیں علمائے نصاریٰ نے فارقلیط کے مختلف معنی بیان کیے ہیں۔

① کسی نے کہا فارقلیط کے معنی تسلی دینے والے کے ہیں جس کا عربی میں ترجمہ مُعَزّی ہے۔

---

* آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر انجیل یوحنا کی اس بشارت کے انطباق و تفصیل میں والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کا یہ کلام ایک مثالی تحقیق ہے جس کو ہم حضرت موصوف رحمہ اللہ کی کتاب بشائر النبیین سے بعینہٖ نقل کر کے قارئین کے سامنے معارف و حقائق کا ایک خزانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ)

② کسی نے کہا اس کے معنی معین و مددگار کے ہیں۔
③ کسی نے کہا اس کے معنی شافع یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں۔
④ کسی نے کہا اس کے معنی وکیل کے ہیں۔
⑤ کسی نے کہا اس کے معنی بڑا سراہنے والا جس کا فارسی ترجمہ ستائندہ اور عربی ترجمہ حماد اور احمد بصیغۂ اسم تفضیل بمعنی فاعل ہے۔
⑥ اور کسی نے کہا اس کے معنی بڑا سراہا گیا۔ یعنی بڑا استودہ کے ہیں جس کا عربی ترجمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ لفظ احمد صیغہ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے کبھی مفعول کے پس اگر احمد اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑی حمد و ثنا کرنے والا یعنی خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا اور اگر احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑا استودہ یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ہی ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے۔
⑦ اور بعضوں نے فارقلیط کا ترجمہ اُمید گاہِ عوام سے کیا ہے۔
⑧ اور بعض نسخوں میں رسول کا لفظ ہے۔
⑨ اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی روحِ حق کے ہیں۔
⑩ اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی ثقہ اور معتبر کے ہیں۔

بہرکیف اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں پاراکلی طوس قرار دی جائے تو اس کے معنی معین و مددگار اور وکیل کے ہیں اور یہ کہا جائے کہ اس کی اصل پیر کلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد یا حماد کے قریب قریب ہیں اوّل تو یہ کوئی خاص تفاوت نہیں تلفظ اور رسم الخط کے فرق سے اس قدر فرق واقع ہو جانا ممکن ہے اور اگر اس کو نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں آپ کا لقب معین اور وکیل بھی ہے تو اس معنی کی صورت میں بھی یہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر صادق آتا ہے۔

انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اُردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کی بجائے زیادہ تر مددگار اور روحِ حق کا لفظ پایا جاتا ہے مگر باوجود ان تحریفات و تغیرات اور تبدیلات کے پھر مدعا حاصل ہے اس لیے کہ اس بشارت میں فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر علیٰ وجہ الکمال والتمام صادق اور منطبق ہیں۔ فارقلیط کے جو معنی بھی لیے جائیں وہ سب آپ پر صادق ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور روحِ حق اور روحِ صدق اور روح راستی بھی ہیں اور امت کے شافع بھی ہیں اور بشیر اور نذیر بھی ہیں اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد و ثناء کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین و مددگار اور روح الحق اور کوئی اسم علَم ہے جیسے احمد اور محمد اور محمود اور حماد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں ایک نام آپ کا حمد بھی ہے حمد اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن ① مگر مبالغۃً آپ پر اطلاق کر دیا گیا گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی مجسم حمد و ثناء ہیں۔

فارقلیط کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ احمد ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ احمد آیا ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ﴾

---

① یعنی تعریف کرنا۔

یہ آیت قرآن مجید کی ہے۔ اور قرآن مجید جس ملک میں نازل ہوا اس وقت اس ملک میں بے شمار علماء یہود ونصاریٰ موجود تھے۔ اگر یہ بشارت اور یہ خبر غلط ہوتی تو ہزار علماء یہود ونصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے اور جو علماء یہود ونصاریٰ اسلام میں داخل ہو گئے تھے وہ اس غلط بیانی کو دیکھ کر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور وغل مچائے خاموش نہ بیٹھتے۔ آنحضرت ﷺ کا اس پیشین گوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا اور علماء نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف اور تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اس وقت کے تمام علماء یہود ونصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے۔

جواب

یہ ہے کہ علمائے نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشین گوئیاں توریت میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشین گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مشاہدہ کر لینے کے پھر بھی علماء یہود حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور بوجہ دُنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علماء یہود یہ کہتے کہ تورات میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے تو اسی طرح بہت سے علماء نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپ ﷺ کا پیرو ہونا قبول نہ کیا۔ حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی مسیح بن مریم علیہما السلام نے بشارت دی ہے جیسے ہرقل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپ ﷺ وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سلطنت کی خاطر اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور علماء نصاریٰ میں جو منصف اور حق پرست تھے جیسے نجاشی شاہِ حبشہ اور ضغاطر رومی اور ابن الناطور وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم۔ یہ لوگ ایمان لائے اور بہت سے علماء نصاریٰ نے دیدہ دانستہ علماء یہود کی طرح صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تورات وانجیل میں کوئی بشارت نہیں۔ غرض علماء نصاریٰ کی یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علماء یہود اور دیگر یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتوں سے منکر اور مکذب ہیں علماء نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حوارئین پر نازل ہونا مراد ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد جب حوارئین ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس روح کے نزول سے حوارئین تھوڑی دیر کے لیے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال سراسر خیال خام ہے۔ یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القاء ہوگا وہی ہوگا اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرائیل علیہ السلام سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتے سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں بلاشبہ فارقلیط کی آمد سے ایک رسولِ عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا۔ اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کر لیں کہ فارقلیط کے کیا معنی ہیں تو تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس بشارت میں آنے والے فارقلیط کے بہت سے اوصاف بیان کیے گئے جو بہ تمام وکمال سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ ﷺ پر صادق اور منطبق ہیں۔

اوّل: یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں وہ نہ آئے گا۔

دوم: یہ کہ میری گواہی دے گا۔

سوم: یہ کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائے گا۔

چہارم: یہ کہ مجھ پر ایمان نہ لانے والوں کو سزا دے گا۔

پنجم: یہ کہ وہ سچائی کی راہ دکھلائے گا۔

ششم: یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔

ہفتم: یہ کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ جو اللہ سے سُنے گا وہی کہے گا۔

ہشتم: یہ کہ وہ جہان کا سردار ہوگا۔

نہم: یہ کہ وہ میری تمام باتوں کو یاد دلائے گا۔

دہم: یہ کہ جو اُمور تم اس وقت برداشت نہیں کر سکتے وہ نبی اس وقت تم کو آ کر بتلائے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان کی تکمیل کرے گا اور یہ تمام باتیں آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں جس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

① آپ ﷺ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر اس لیے موقوف تھا کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لیے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہوسکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیا ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا، شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لیے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی مبعوث ہوسکتا ہے۔

پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کے لیے جب ہی شرط ہوسکتا ہے کہ جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہوگا۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (احزاب:۴۰)

ترجمہ: "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخر النبیین ہیں۔"

اور حضرت مسیح علیہ السلام خاتم النّبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ و یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ایک نبی کے کس لیے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا روح کا نزول تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔

② اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی بھی دی۔

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾﴾ (النساء)

ترجمہ: "اور انہوں نے نہ ان کو (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ سُولی دی۔ لیکن اشتباہ میں ڈال دیئے گئے اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ وہی غالب اور حکیم ہے۔"

③ اور راستی اور عدالت سے ملزم بھی کیا۔

④ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی کس سے قتال اور جہاد کیا اور کسی کو جلا وطن کیا۔ جیسا کہ یہود خیبر اور یہود بنو نضیر اور یہود بنو قینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے نہ کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی۔ اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کی توبیخ اور سرزنش کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا

ظاہر ہو کر عام لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حواریین کا منصب یہ تھا۔ حواریین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے رہے جس میں حکومت کا زور نہ تھا۔ غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اور آیت دہم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمانا اس لیے کہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے وہ گا بخلاف روح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حواریین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے اور نہ حواریین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین و عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے۔

⑤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق اور راستی کی وہ راہیں دکھائیں کہ جو نہ کسی نے دیکھیں اور نہ سنیں آپ کی شریعت غراء اور ملت بیضاء اس کی شاہد ہیں۔

⑥ اور واقعات کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دی کہ جو ہو بہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تا قیامت اسی طرح ظاہر ہوتی رہیں گی۔

⑦ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا۔

كما قال الله تعالى: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم)

⑧ اور باایں ہمہ جہان کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہان اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام عالم کے لیے ہوگی کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔

⑨ اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات کو محو کر دیا تھا ان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے۔ اس کو خوب یاد دلایا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران: ٦٤)

ترجمہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسے امر کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مسلم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔"

﴿وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝﴾ (المائدہ: ٧٢)

ترجمہ: "اور فرمایا حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام نے اے بنی اسرائیل! بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے تحقیق جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔"

⑩ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں جو حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات و صفات، شریعت و طریقت، حشر و نشر، جنت و جہنم کے متعلق وہ علوم و معارف کے دریا بہائے کہ جن سے تمام عالم دنگ ہے اور

کسی کتاب میں ان علوم کا نام ونشان نہیں اور جو علوم غیر تکمیل شدہ تھے آپ کی شریعت کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کر دی۔

کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل : ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ ﴾ (المائدہ : ۳)

ترجمہ: "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر۔"

اور قیامت تک کے لیے دُنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو ان کے دین اور دُنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق اور دقائق اور اسرار و حکم کو دیکھ کر دُنیا حیران ہے قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعتِ محمد ﷺ یہ سے معلوم ہو سکتا ہے علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علماء اُمت اور فقہائے ملّت کی طرح فتویٰ دے سکیں اور وقت کے نصاریٰ کے پاس صنعت و حرفت اور کاریگری کے علوم و فنون ہیں مگر حکمرانی اور جہانبانی اور عدلِ عمرانی کے متعلق ان کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں ہے کہ جس کی رُو سے وہ دنیا میں عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہلِ فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون ان کے پاس نہیں۔

علمائے مسیحین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع الی السماء کے ۷ ۴ یوم بعد حواریین پر ہوا لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔

① اس لیے کہ روح کا نازل ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہتی تھی۔

② اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی البتہ آنحضرت ﷺ نے مشرکین اور کفار سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی اور ان کو ملزم ٹھہرایا اس لیے کہ اہل دُنیا کو الزام دینا اور ان کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مددگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے بھی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومتی اور توبیخ اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔

③ نیز حضرت مسیح علیہ السلام کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے اس لیے کہ حواریین پیشتر ہی سے رُوح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔

اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کے لیے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لیے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔

روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح کہ روح القدس کے نزول سے بالبداہت پیغمبر کو اپنی نبوت کا یقین

آجاتا ہے پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل آجاتا ہے کہ قوتِ خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کرسکتی۔ انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔

④ نیز اس عبارت کا مصداق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مغایر ہے جیسا کہ سولھویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مددگار بخشے گا صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔

پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی طرح مغایر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حواریین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جن مسلط ہوجاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔

⑤ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں کہا یاد دلائے گا حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں کہ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات فراموش کرچکے تھے اور روح القدس نے ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یاد دلائے ہیں۔

⑥ نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ میرے لیے گواہی دے گا سو یہ وصف صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے آکر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیح علیہ السلام کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے منکر یا بے خبر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیح علیہ السلام کو رسول جانتے تھے ان کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے ہوتی ہے نہ کہ مؤمنین کے سامنے بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور دشمن تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور اُن کے دعوائے قتل و صلب کی تردید کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا۔

⑦ نیز حضرت مسیح علیہ السلام اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں سو یہ جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی صادق آسکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

⑧ نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ اس رُوح نے کون سی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔

⑨ نیز اس بشارت کا تمام سیاق و سباق دلالت کرتا ہے آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مددگار لباس بشری اور پیکر انسانی میں ظہور کرے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بشری لباس میں دعوتِ حق اور لوگوں کی تسلی کے لیے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہوا اور ان میں حلول کرے بالکل غلط ہے۔

⑩ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد سے عامۂ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہوگا۔ چنانچہ منتش عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۹۴۸ء میں طبع ہوئی معلوم ہوا کہ علماء یہود و نصاریٰ یہی سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور لب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یہود و نصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ

سے نجاشی رحمۃ اللہ علیہ شاہ حبشہ، جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سن کر ایمان لایا اور کہا بلاشک یہی وہ نبی ہیں جن کی حضرت مسیح علیہ السلام نے انجیل میں خبر دی حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا کسی قسم کا اس کو خوف و خطر بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کے جواب میں لکھا:

سلام علیکم. امّا بعد فَقَدْ قرأت کتابك وَفهمت مَا ذکرت فِیه وماتدعوا الیْهِ وَقَدْ علمت ان نَبِیًّا قد بقیَ وقَدْ کنت اظُن انهٗ یخرج بالشام وقد اکرمت رسولك.

"سلام ہو آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا اور جس کی طرف دعوت دی اس کو سمجھا۔ مجھ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔"

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا ضرور اقرار کیا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے اور جارود بن علاء رضی اللہ عنہ جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تو یہ کہا:

واللہ لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق لقد وجدت وصفك فی الانجیل وبشّر بك ابن البتول فطول التحیة لك الشکر لمن اکرمك لااثر بعد عین وَ لَا شك بعد یقین مُدّیدك اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه.

"خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق لے کر آئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح بن مریم علیہما السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے آپ کے لیے طویل و عریض تحیہ تکریم پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کے لیے جو آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں اپنا دست مبارک بڑھائیے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد رسول اللہ ہیں۔

اور علیٰ ہذا ہرقل شاہ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء تورات وانجیل نے آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام انجیل میں لکھا ہوا تھا۔ جس کو دیکھ کر لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی آمد سے پہلے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے توفیق بخشی اور کسی دنیوی طمع نے ان کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۱﴾ (الحدید:۲۱)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِھٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾ (الاعراف:۴۳)

⑪ اور سولہویں آیت کا یہ جملہ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے نصاریٰ قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ ان کے ساتھ نہ رہا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئے گا جو اس کے لیے ناسخ ہو۔

⑫ اور باب چہارم کی سترھویں آیت کا یہ جملہ یعنی سچائی کی روح جسے دُنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اُسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔ آھ اس کا یہ مطلب ہے کہ دُنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی وہ تمام کائنات میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔

غرض انجیل یوحنا کی یہ آیات اپنے مجموعی مضمون اور تمام الفاظ وکلمات سے نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ونبوت کی بشارت سنا رہی ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حوارین کو نہایت وضاحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تا کہ جب وہ واقع ہو تو ایمان لاؤ۔

اس بنا پر اس شخص پر جو انجیل مقدس کو مانتا ہو اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہو۔ لازم ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس فرمان کی تعمیل کرے۔

کیا کسی کا یہ دعویٰ قابلِ قبول ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے اور حال یہ کہ وہ ان کے صریح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہی مبشر محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دے۔ ایسی صورت میں عقلاً یہ کہا جائے گا یہ شخص خود حضرت مسیح علیہ السلام کا منکر اور کافر ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی نصاریٰ میں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ حضرت مسیح پر ایمان قائم رکھے اس کے واسطے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے ورنہ اس یہودی کو جو عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھتا ہو ایسے عیسائی سے کوئی امتیاز نہ ہوگا۔ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دے۔

انجیل برنابا میں [1] تو یہ بشارت اس سے بھی زائد وضاحت واہتمام سے آپ ﷺ کے اسم مبارک محمدؐ اور احمدؐ کی تصریح کے ساتھ مذکور ہے۔

نصاریٰ کی طرف سے فارقلیط کی عجیب وغریب تفسیر

عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جن آنے والے فارقلیط کی خبر دی ہے اس سے روح القدس (جبرئیل امین علیہ السلام) کا نازل ہونا مراد ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے چند حواریوں پر نازل ہوئے جبکہ وہ ایک مکان میں جمع تھے جس کی وجہ سے وہ حواری مختلف قسم کی زبانیں بولنے لگے اور یہ کہتے ہیں کہ روح القدس کسی خاص شکل وصورت میں نہیں آئے بلکہ ان کا یہ باطنی طور پر تصرف تھا جس کی وجہ سے یہ تغیر ہوا اور ان مختلف اقسام زبانوں میں وہ لوگ بولنے لگے۔

سابق تفصیل سے یہ بات بدیہی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ ان تمام الفاظ کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا اور کوئی دُنیا میں ممکن نہیں ہے وہ تمام اوصاف اور احوال جو بشارت انجیل میں پوری پوری وضاحت سے ذکر کیے گئے ہیں ان کے پیش نظر جبرئیل علیہ السلام کو اس کا مصداق ٹھہرانا ایک بالکل ہی بے معنی بات ہے جو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کیا یہ بات کہ وہ حواری محض کچھ قسم کی زبانوں میں بولنے لگے جو سمجھی بھی نہ جاتی تھیں عقلاً اس عظیم الشان بشارت کا مصداق بن سکتی ہے اور کیا عقل سلیم اس امر کو باور کر سکتی ہے۔ محض

---

[1] برنابا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری ہیں جس طرح ان کے حواری یوحنا۔ متی لوقا اور مرقس اپنی اپنی انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام اور ان کے احوال نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح برنابا نے بھی اپنی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کو جمع کیا ہے عیسائیوں کا اس انجیل کے الہامی ہونے سے انکار کرنا ایک بے معنی چیز ہے اس لیے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ۱۲

اتنی سے بات کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کے روبرو یہ نصیحت وتسلی آمیز مثردہ سنا رہے ہیں کہ مختلف نا قابل فہم زبانوں میں کچھ بولنے لگیں تو بس یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کے سر پر شیخ سدّو یا کوئی جن سوار ہو جائے اور وہ بولتا ہو اور عجیب تر بات یہ کہ خود عیسائیوں کو یہ تسلیم ہے کہ یہ حالت ان حواریوں کی صرف تھوڑی دیر تک رہی تو کیا جو حالت چند لمحوں کے لیے رہی ہے وہ ایسا فارقلیط ہو سکتا ہے جو ابد تک ساتھ رہے۔

انجیل برنابا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ بشارت

پادری سیل نے اپنے ترجمہ قرآن عظیم کے مقدمہ میں انجیل برنابا سے نقل کیا ہے اور یہ انجیل ۱۸۵۴ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی لیکن دوسری طباعت میں اس بشارت کو حذف کر دیا گیا اور وہ بشارت جس کو پادری سیل نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ اے برنابا گناہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی جزاء دیتے ہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ گناہ سے راضی نہیں میری اُمت اور میرے شاگردوں نے جب دُنیا کے لیے گناہ کی تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اور باقتضاء عدل وانصاف یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو اسی دنیا میں اسی غیر مناسب عقیدے کی بناء پر سزا دے تا کہ عذابِ جہنم سے نجات پائیں اور وہاں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو اور میں اگرچہ اس عقیدۂ فاسدہ سے بالکل بری ہوں لیکن چونکہ بعض لوگوں نے مجھ کو اللہ اور ابن اللہ کہا تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ناگوار ہوا اور اس کی مشیت اس کی مقتضی ہوئی کہ قیامت کے دن شیاطین مجھ پر نہ ہنسیں اور نہ میرا مذاق اُڑائیں پس اللہ نے اپنی مہربانی اور رحمت سے یہ پسند کیا کہ یہودا کی وجہ سے یہ ہنسی دنیا ہی میں ہو اور ہر شخص یہ گمان کرتا رہا ہے کہ میں سولی دے دیا گیا لیکن یہ اہانت واستہزاء فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک رہے گا پس جب آپ دُنیا میں تشریف لائیں گے تو ہر مؤمن کو اس غلطی پر متنبہ فرمائیں گے اور یہ شبہ لوگوں کے دلوں سے مرتفع ہو جائے گا۔

اظہار الحق میں ہے کہ اگر لوگ یہ اعتراض کریں کہ اس انجیل کو علماء نصاریٰ نے رَدّ کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس رد کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ انجیل قدیم انجیلوں میں سے ہے اس کا تذکرہ دوسری اور تیسری صدی عیسوی کی کتابوں میں ہے پس اس بناء پر کہ یہ انجیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے دو سو سال قبل لکھی گئی ہے اور اس جیسے عظیم الشان امر کی بدون الہام کے خبر دینا اہل فہم کے نزدیک ناممکن ہے۔ (دوسری بشارت) فاضل حیدر علی قریشی نے اپنی کتاب خلاصہ سیف المسلمین میں جو اُردو زبان میں لکھا ہے کہ پادری اوسکان ارمنی نے صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کا ارمنی زبان میں ۱۶۶۶ء میں ترجمہ کیا جو ۱۷۳۳ء میں طبع ہوا اس میں صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے بیالیسویں باب میں یہ فقرہ موجود ہے اللہ کی تسبیح پڑھو اس آنے والے پیغمبر کی سلطنت کا نشان اس کی پشت پر ہوگا (یعنی مہر نبوت) اور اس کا نام احمد ہوگا۔ انتہیٰ۔ اور یہ ترجمہ آرمینیوں کے پاس موجود ہے اس میں دیکھ لیا جائے۔

ان کے علاوہ انجیل مقدس کی اور بھی بشارتیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کا مثردہ وخوشخبری ہیں۔ ❶

---

❶ ملاحظہ فرمائیں بشائر النبیین مصنفہ حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز۔ ۱۲۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

اے ایمان والو! میں بتاؤں تم کو ایک سوداگری کہ بچا دے تم کو ایک دکھ کی

اَلِيْمٍ ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

مار سے۔ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور لڑو اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾ۙ

اپنے مال سے اور جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

بخشے وہ تمہارے گناہ، اور داخل کرے تم کو باغوں میں، جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں،

وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ۙ وَ

اور ستھرے گھروں میں، بسنے کے باغوں میں، یہ ہے بڑی مراد ملنی۔ اور

اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣﴾

ایک اور چیز دے جس کو تم چاہتے ہو مدد اللہ کی طرف سے، اور فتح شتاب۔ اور خوشی سنا ایمان والوں کو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اے ایمان والو! تم ہو مددگار اللہ کے، جیسے کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے

لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ

یاروں کو، کون ہے کہ مدد کرے میری اللہ کی راہ میں؟ بولے یار، ہم ہیں مددگار

اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ

اللہ کے، پھر ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل میں، اور منکر ہوا ایک فرقہ۔

فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿١٤﴾ ع

پھر زور دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے ان کے دشمنوں پر، پھر ہو رہے غالب۔

دعوت اہل ایمان برائے تجارت رابحہ وترغیب برحصول فلاح وسعادت دنیا وآخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الی ... فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ﴾

ربط: گزشتہ آیات کا حاصلِ مضمون یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے دُنیا کی ہدایت کا ارادہ فرمایا تا کہ انسان حق وہدایت کے ذریعہ دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکیں۔ اور اسی بشارت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ لیکن ان کی بدنصیب قوم نے ان کی بات کو ٹھکرایا حق سے منہ موڑا اور جو کچھ نبی آخر الزمان ﷺ کی نشانیاں تھیں ان میں تحریف کی اب ان آیات میں اہلِ ایمان کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ جس تجارت رابحہ کو اہل کتاب نے چھوڑا اور اس سے محروم ہوئے اے ایمان والو! اب تم اس کامیاب تجارت کی طرف رُخ کر لو جس سے دُنیا کی عافیت اور آخرت کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ فرمایا:

اے ایمان والو! کیا میں رہنمائی کروں تم کو ایک ایسی تجارت کی طرف جو تم کو ایک دردناک عذاب سے بچا دے وہ تجارت یہ ہے کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بس یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم جان لو اس حقیقت کو اور اس تجارت کی عظمت و اہمیت اور نافعیت کو، اس تجارت سے حاصل ہونے والے عظیم تر فوائد یہ ہیں کہ بخش دے گا تمہارا پروردگار تمہارے گناہ اور داخل کرے گا تم کو ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور نہایت ہی صاف ستھرے پاکیزہ مکانات ہوں گے آباد ہونے کے باغوں میں جن میں اہل ایمان ٹھہریں اور ان ہی میں بسیں گے یہی ہے سب سے بڑی کامیابی اور ایک دوسری چیز بھی وہ پروردگار تمہیں دے گا جس کو تم چاہتے ہو وہ اللہ کی طرف سے مدد اور جلد ہی حاصل ہونے والی فتح۔ اگرچہ اصل کامیابی اور عظیم انعام تو آخرت ہی کی کامیابی ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی کوئی حقیقت نہیں لیکن ایک اور نعمت بھی اللہ تم کو جلد عطا کرنے والا ہے جس کو اے اہل ایمان! تم طبعاً چاہتے ہو اور وہ تمہیں محبوب ہے وہ ہے ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ اور اے ہمارے پیغمبر اس کی خوشخبری سُنا دو ایمان والوں کو تا کہ وہ موجودہ تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہیں اور اللہ کی راہ میں پورے ایمانی جذبات سے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کریں یہی جہاد ان کی کامیاب اور نفع بخش تجارت ہے جو دنیا و آخرت میں کام آئے گی اس کے واسطے مسلمانوں کو متحد ہو جانے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اے ایمان والو ہو جاؤ تم اللہ کے مددگار اس کے دین اور پیغمبر کی نصرت و حمایت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو تم سمجھو کہ یہ ایک مطالبہ ہے اور تمہارے پیغمبر کی دعوت ہے جس کی طرف تم کو بلایا جا رہا ہے اس پر تمہیں ﴿لَبَّيْكَ﴾ کہتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے جیسا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو دوستوں اور مددگاروں کو پکارتے ہوئے کہا کون میرا مددگار اللہ کی راہ میں تو ان کے مخلص دوستوں نے کہا ہم ہیں مددگار اللہ کے اس کے دین کی حمایت و نصرت اور اس کے پیغمبر کی اعانت کے لیے۔ اس وعدۂ حمایت و نصرت پر چاہیے تو یہ تھا سب حواری قائم رہتے لیکن پھر ایسا ہوا ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا اس پر قائم رہا اور ایمان و اخلاص سے اس وعدہ کو پورا کرنے لگا اور دوسرے ایک گروہ نے کفر کیا۔ تو ہم نے قوت دی ایمان لانے

والوں کو اور عہد پر قائم رہنے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں چنانچہ وہ ایمان لانے والے غالب آئے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اور اللہ کا یہی قانون اور دستور ہے کہ وہ اپنے پیغمبر اور اس کے اعوان و انصار اور دین کے مددگاروں کو دین کے دشمنوں میں غالب و کامیاب کرے۔

اُستاذِ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں:

حواریین (یارانِ مسیح علیہ السلام) تھوڑے سے تو گنے چنے آدمی تھے جو اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول کیا اور ان کی دعوت پر بڑی قربانیاں دے کر دیار و امصار میں پھیلا دیا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کیں تب ان کا دین نشر ہوا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ان کے خلفاء نے اس سے زیادہ کی۔ و الحمد للہ علی ذٰلک اور اتنا کیا کہ تاریخ عالم اس پر حیران ہے۔ ان کی مدد۔ ان کا اخلاص اور اللہ کی راہ میں قربانیاں تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتیں۔"

جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے صرف چند نام ہی ملتے ہیں اور ان کی قربانیوں یا اخلاص و ہمدردی کا کوئی خاص کارنامہ بھی دُنیا نے نہیں دیکھا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بعد ان کے متبعین دو فرقوں میں بٹ گئے ایک ایمان پر قائم رہا اور دوسرے نے انکار کر دیا اور جو ایمان پر قائم رہے وہ بھی آپس میں دست و گریباں ہوتے رہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مخلص نام لیوا نصاریٰ یہود پر غالب رہے اور نصاریٰ کی عام گمراہی کے بعد بچے کچھے افراد صحیح عقیدہ پر قائم رہ گئے تھے ان کو حق تعالیٰ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دوسروں پر غلبہ عنایت فرمایا۔ حجت و برہان کے اعتبار سے بھی اور قوت و سلطنت کی حیثیت سے بھی۔ فَلِلّٰهِ الحمد و المنة۔ (تفسیر فوائد عثمانی)

حواریین مسیح علیہ السلام کے بالمقابل حواریین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار اللہ کی عظمت و منقبت

حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کے حواریوں کا ذکر آیت ﴿ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ میں فرمایا گیا لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے جو عظمت و برتری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین یعنی انصار اسلام کو عطا فرمائی اس کے سامنے مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی کوئی حقیقت نہیں جس طرح کہ ذرّہ کو آفتاب سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی اور اس تفاوت کو تاریخ نے خود ثابت کر دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۴۷ میں فرماتے ہیں اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمائے گا سو یہ بات علیٰ وجہ الاکمل والاتم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائی گئی اس کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ مسعود میں ہوئی کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے جہاد کیے اور فتوحات حاصل کیں یہی صورت عیسیٰ علیہ السلام کے حورین کے ساتھ ہوئی کہ انہیں بھی غلبہ بعد میں ہی حاصل ہوا۔

قتادہ رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی یہ واقعہ بھی ہوا۔ مدینہ کے ستر ۷۰ اشخاص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے اور جمرۂ عقبہ کے نزدیک آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور آپ کی نصرت واعانت کا عہد کیا۔ چنانچہ انہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور اللہ کے پیغمبر کی جان ومال سے مدد کی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا کیا اور یہ گروہ انصار کے نام سے پکارا گیا۔ دُنیا میں ان کے سوا کسی قبیلہ اور گروہ کا نام آسمان سے انصار تجویز ہو کر نہیں اترا سوائے ان حضرات انصار کے۔

سیرت کی روایات میں ہے کہ اس بیعت عقبہ کے موقعہ پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر ہم اللہ کی عبادت کریں اور آپ ﷺ کی اطاعت ونصرت کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟ فرمایا دنیا میں فتح وظفر اور آخرت میں جنت۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایسا ہی کر دکھایا اور بے شک اللہ نے ان کو اس کی یہی جزاء دی۔

الغرض خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ کے حواری یہ لوگ تھے اور کل قریش تھے بالخصوص عشرہ مبشرہ۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حوارین رسول انصار ومہاجرین کے سرخیل مقتدیٰ وپیشوا تھے۔ جن کی مساعی نے ایک تاریخ بن کر اللہ رب العزت کے اس وعدہ غلبہ اسلام کو پیش کر کے دُنیا کو دکھا دیا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ کفر کی تمام طاغوتی طاقتیں اللہ کا نور نہ بجھا سکیں

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ (التوبة: ۳۲)

یہ مضمون سورۂ توبہ میں گزر چکا ہے جو یہاں بھی قدرے تغیر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی بعثت ورسالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ مسیحیت کا ابطال کرتے ہوئے یہاں یہ ظاہر کیا گیا کہ نصاریٰ نے خصوصاً اور دیگر مذاہب نے عموماً حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات وصفات میں جو لغو اور خلافِ عقل عقائد اختیار کیے ہیں اور دین حق کی عداوت پر کمربستہ ہیں ان کی ایسی بیہودہ باتوں سے قہر وغضب خداوندی جوش میں آ گیا ہے۔ اور بارگاہِ رب العزت سے یہ طے ہو چکا کہ ان فرقوں کو سرنگوں اور درہم برہم کر دیا جائے گا اور اس کی صورت بارگاہِ خداوندی اور ملاءِ غیب سے اس طرح تجویز ہوئی ہے کہ ایک رسول کو جو خاتم الانبیاء ہو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا جائے تا کہ وہ دین حق تمام ادیان پر غالب آنے کا ذریعہ بنے اور غلبہ کے معنی یہ ہیں کہ تمام ادیان کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکے اُن کے عقائد باطلہ اور اوہام کی جڑیں کھد جائیں اوران کے حمایتی درہم برہم ہو جائیں اور کوئی شخص اس دین کی طرف۔ (دلائل کی روشنی میں) دعوت دینے والا باقی نہ رہے اور ان ادیان کو جو دنیاوی اور مادی شوکت وعزت حاصل ہے اس کا خاتمہ ہو جائے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت دُنیا دو عظیم طاقتوں میں منقسم تھی ایک کسریٰ اور دوسری قیصر اور یہ دونوں بادشاہ دوسرے مذاہب پر غالب تھے اور یہ اپنے اپنے مذہب کے حامی اور عظیم داعی تھے ان کی حکومت وبادشاہت اپنے مذاہب کی ترویج واشاعت کا باعث بنی ہوئی تھی۔

روم، فارس، جرمن، افریقہ، شام، مصر اور بعض بلادِ مغرب وحبش قیصر کی موافقت میں نصرانیت پر تھے فارس، خراسان، توران

اور ترکستان وغیرہ کسریٰ کی تبعیت میں مجوسیت کو اختیار کیے ہوئے تھے ان کے علاوہ باقی مذاہب جیسے مذہب یہود، ہنود، مشرکین اور صابئین کی ان دو مذہبوں کے مقابلہ میں کوئی قوت وشوکت نہ تھی بلکہ ان کے معتقد درہم برہم ہو چکے تھے۔

بارگاہِ خداوندی سے جب مذاہب باطلہ کو مغلوب کرنے اور دین کو غالب کرنے کا ارادہ ہوا تو سرزمین حجاز میں ایک نبی پیدا فرمایا۔ کیونکہ سرزمین حجاز نہ تو کسریٰ کے تصرف میں تھی اور نہ ہی قیصر کے تصرف میں۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس سرزمین کو دین حق کی بادشاہت کے لیے منتخب فرمایا تا کہ اس علاقہ سے ظاہر ہونے والا دین کسی سابق بادشاہت اور مادی طاقت سے مغلوب ومرعوب نہ ہو اور اسی سرزمین سے حق کی بادشاہت ہو کر دنیا کی دو عظیم طاقتوں قیصر وکسریٰ کو نشانہ بنایا جائے اور جب یہ دو سلطنتیں پامال ہو جائیں گی دوسرے باطل مذاہب خود بخود پامال ہو جائیں گے۔

بعثت نبوی کا یہی مقصد تھا۔ اللہ رب العزت نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے دین حق کی بنیادیں مضبوط کیں اور جزیرۂ عرب میں سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب نہ رہا قصر ہدایت کی بنیادیں مضبوط اور مکمل ہو گئیں اور کچھ عمارت بھی بن گئی کہ اسی حالت میں حضور پرنور ﷺ کو ملاء اعلیٰ اور رفیق اعلیٰ سے لحوق واتصال کی دعوت آ پہنچی اور ((اللّٰھم الرفیق الاعلی)) فرماتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے تو پھر اس دین حق کے غلبہ کی تکمیل آپ کے جانشینوں کے ہاتھوں پر ہوئی تا کہ جو ارادۂ الٰہیہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ضمن میں لپٹا ہوا تھا وہ آپ کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہو۔ سو الحمد اللہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں درہم برہم ہوئیں۔ اور عیسائیت ومجوسیت مغلوب ہو کر مقہور ہوئی اور اس طرح دین حق ظاہر وغالب اور روشن ہوا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا۔

تم بحمد للہ تفسیر سورۃ الصف

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الجمعہ

آیاتُہا ۱۱	(۶۲) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۰)	رُکُوعَاتُہا ۲

سورۂ جمعہ مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں، بادشاہ پاک ذات زبردست

الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا
حکمت والا۔ وہی ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول اُن ہی میں کا، پڑھتا

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا
ان کے پاس اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا، اور سکھاتا کتاب اور عقلمندی۔ اور ان سے

مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ
پہلے تھے وہ صریح بھلاوے میں۔ اور ایک اوروں کے واسطے انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے ان میں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ
اور وہی زبردست حکمت والا۔ یہ بڑائی اللہ کی ہے، دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ کا

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا
فضل بڑا ہے۔ کہاوت ان کی جن پر لادی تورات، پھر نہ اٹھائی انہوں نے

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
جیسے کہاوت گدھے کی، پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں۔ بری کہاوت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلائیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑤ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اللہ کی باتیں۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔ تو کہہ اے

هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا
یہود ہونے والو! اگر تم دعوے کرتے ہو کہ تم دوست ہو اللہ کے سب لوگوں کے سوا، تو مناؤ

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑥ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ
مرنے کو، اگر تم سچے ہو۔ اور کبھی نہ مناویں گے مرنا جس واسطے آگے بھیج چکے ہیں

اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ⑦ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ
ان کے ہاتھ۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہیں گنہگار۔ تو کہہ موت وہ ہے جس سے

تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تم بھاگتے ہو، سو وہ تم سے ملنی ہے پھر پھیرے جاؤ گے اُس چھپا اور کھلا جاننے والے کے پاس،

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨ ع

پھر جتا دے گا تم کو جو کرتے تھے۔

ع ۱۸

تکمیل بشارت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بہ بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتنبیہ بر شقاوت اہل کتاب بوجہ انحراف از ایمان واتباع نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ... الٰى ... بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٨﴾

ربط: گزشتہ سورت میں خاص طور پر حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کی بعثت کا اہم مقصد یہ بیان کیا گیا تھا آنے والے پیغمبر آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ونبوت کی بشارت سُنانا تھا اور بنی اسرائیل کو اس بات پر مامور کرنا تھا کہ جب وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو ان پر وہ لوگ ایمان لائیں تو اب اس سورت میں اللہ کی پاکی اور حمد وثناء بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے:

پاکی بیان کرتی ہے اللہ کی ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے کہ وہی ہے بادشاہ پاک ذات زبردست حکمتوں والا جس کی پاکی وعظمت اور بادشاہت پر کائنات کی ہر چیز گواہ ہے وہی پروردگار ہے جس نے بھیجا ہے اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا جو سُناتا ہے ان کو اپنے پروردگار کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے ہر عیب وگندگی سے اور سکھاتا ہے ان کو کتاب وحکمت اگرچہ یہ اہلِ عرب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

وہ قوم جس میں نہ کوئی علم وہنر تھا اور نہ ان میں کوئی آسمانی کتاب تھی معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت ہی کم لوگ جانتے تھے جن کی وحشت وجہالت تاریخ میں ضرب المثل تھی۔ بت پرستی عام تھی۔ مخلوق کا اپنے خالق سے کوئی رشتہ اور رابطہ باقی نہ رہا تھا۔ ایسی حالت میں اللہ رب العزت کا ایسی قوم میں اپنا ایک رسول مبعوث فرمادینا جو ان کو اللہ کی آیات سُنائے۔ کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ ایسی دانائی کی باتیں بتائے۔ جن پر دنیا کے حکماء حیران ہوں وہ علوم ومعارف سکھائے کہ دنیا کے ارباب حکمت اور اصحاب معرفت کی اس کے سامنے کوئی حقیقت باقی نہ رہے بلاشبہ پروردگار عالم کا بڑا ہی عظیم انعام ہے اور اس پروردگار نے اس رسول کو بھیجا ہے۔ کچھ اور دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی تک ان کے ساتھ ملے نہیں کہ وہ بھی اہل عرب کی طرح اُمّی (اَن پڑھ) ہیں اس لحاظ سے کہ وہ بھی ان کی طرح مبداء ومعاد سے بے خبر ہیں نہ ان کو آسمانی شریعت کا کوئی علم ہے۔ یہ فارس وروم چین اور ہندوستان کی قومیں جو بعد میں اُمیین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہو کر انہی میں سے ہو گئے اور اس وقت جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا اہلِ عرب کے ساتھ یہ ملے

نہیں تھے اور نہ فتوحات اسلام کا دائرہ ان تک وسیع ہوا تھا۔

حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ﴾ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شانہ پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ اگر علم دین ثریا پر بھی پہنچے تو اس کی قوم فارس کا ایک مرد وہاں سے بھی دین لے آئے گا۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور ائمہ حدیث وتفسیر نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس پیشین گوئی کے اعلیٰ اور اکمل مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح بخاری میں تخریج کی ہے فرمایا ہم نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ پر سورۂ جمعہ نازل ہوئی (آپ ﷺ نے جب یہ سورت تلاوت کی اور اس میں یہ پڑھا ﴿وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ﴾ تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ جب تین مرتبہ سوال کیا جا چکا اور اس وقت ہمارے درمیان سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے تو آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رکھا اور پھر یہ فرمایا: ((لوکان الایمان عِند الثریا لنالہٗ رجالٌ اَو رَجل من هٰؤلاءِ)) کہ اگر ایمان ثریا تک بھی پہنچ جائے تو ان کی نسل کے لوگ یا یہ فرمایا ان کی نسل کا کوئی شخص ایمان لا کر وہاں سے بھی لے آئے گا۔ بے شک یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہے عطا کردے اور اللہ بڑا ہی عظیم فضل والا ہے۔ اسی نے اپنے رسول آخر الزمان ﷺ کو یہ بڑائی عطا فرمائی کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ بنایا اور ان کو ایسی حکمت سے نوازا کہ دُنیا کے حکماء ان اسرار وحکم کے سامنے حیران ہیں اور علم وہدایت کا وہ نور روشن ہوا کہ دُنیا سے شرک وگمراہی کی تاریکی دُور کردی اس لیے دنیا کو چاہیے کہ اس انعام واکرام کو پہچانے اور حضور اکرم ﷺ کے علوم وہدایات سے مستفید ہو علوم وہدایات سے مستفیض ہونا انسانی کمال ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی قوم کے پاس سامان اور ذخیرۂ علم وہدایت تو موجود ہو لیکن وہ اس سے استفادہ نہ کرے جیسے یہود تو ان کو بس اس طرح سمجھ لینا چاہیے۔ مثال ان لوگوں کی جن پر تورات لادی گئی لیکن پھر انہوں نے اس کو نہ اٹھایا تو ایک گدھے کی طرح ہے جو پیٹھ پر کتابوں کو بوجھ لادے ہوئے چل رہا ہو۔ جس کو ظاہر ہے کہ کوئی احساس نہیں کہ اس پر بوجھ کس چیز کا ہے یہ علوم وحکمت کے گرانقدر ذخائر ہیں اور اسفار ہیں یا اینٹ پتھر ہیں۔ بالکل یہود نے یہی صورت کی ان پر تورات کا بوجھ رکھا گیا۔ اس کے ذمے دار بنائے گئے مگر انہوں نے ان علوم وہدایات کی کوئی پروانہ کی نہ اس کو دل میں کوئی جگہ دی نہ اس کو پڑھا نہ اس پر عمل کیا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان علوم وہدایات کے ذخیروں اور آسمانی صحیفوں کا ان پر بوجھ یقیناً ایسا ہی ہے کہ یہ کتابوں کا انبار کسی گدھے پر لدا ہوا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانش مند

چار پائے برو کتابے چند

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں:

”ایک گدھے پر پچاس کتابیں علم وحکمت کی لاددو۔ اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل وجواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف وسنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بہت بڑا عالم اور معزز ہوں تو اور زیادہ گدھا پن ہے۔“

بہت ہی بُری ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور جو بشارتیں ونشانیاں نبی آخر الزمان ﷺ کی کتب سماویہ میں تھیں ان کا انکار کیا اور تحریفات سے ان تمام حقائق کو مسخ کیا جو اللہ نے ان کو عطا کیے تھے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ہے ایسے ناانصاف ظالم لوگوں کو اس لیے اب یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایسے بدبخت راہ حق پر آسکیں گے۔ شقاوت و بدبختی کی یہ انتہا ہے کہ یہودی ایک طرف اللہ اور اسکے احکام کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کررہے ہیں۔ انکار آیات۔ تحریف کتاب۔ اپنے رسول کی نافرمانی ان کا طرز زندگی بنا ہوا ہو۔ اسی کے ساتھ دوسری طرف دعویٰ ہو خدا کی محبت کا اور اس کے محبوب بندے ہونے کا تو اس پر حق تعالیٰ اپنے پیغمبر کو خطاب فرمارہے ہیں۔ کہہ دیجیے اے پیغمبر! اے لوگو! جو یہودی ہو گئے ہو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے محبوب اور اس کے دوست ہو دوسرے تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو تمنا کرو تم موت کی اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ اس لیے کہ اللہ کی ملاقات کا ذریعہ تو بس یہی ہے کہ انسان دُنیا میں گذر جائے تو ایسی صورت میں کہ کسی کو خدا سے محبت ہو وہ یقیناً خدا سے ملاقات کا مشتاق ہوگا اور جب اس شوق کی تکمیل حیات دنیوی کا رشتہ منقطع ہونے کی صورت میں ہے تو لامحالہ یہ بھی محبوب ہوگی لیکن یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں اور ہرگز کبھی بھی یہ موت کی تمنا نہیں کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو پہلے کر چکے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو اور وہ ظالم اپنے ظلم کے سزا سے کبھی نہ بچ سکتے۔

بلاشبہ جن لوگوں کو اللہ سے محبت تھی انہوں نے موت کی تمنا کر کے دکھائی بلکہ موت کی طرف بڑھے اور جس طرح کسی مرغوب ومحبوب شئے کی طرف انسان دوڑتا ہو وہ دوڑے۔ کسی کی زبان سے غیر اختیاری طور پر یہ الفاظ جاری ہوئے ((واھا انی لاجد ریح الجنة دون اُحُد))۔ سبحان اللہ! مجھے تو احد پہاڑ کے اس طرف جنت کی خوشبو آرہی ہے۔

یہ ہستیاں نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ورفقاء تھے کسی کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے: ((غدًا نلقی الاحبة محمدًا وحزبه. یاحبذا الجنة واقترابها. طيبةٌ وبار دشرابها))۔ ان اولیاء اللہ کے یہ کلمات کسی دنیوی سختی اور تکلیف سے گھبرا کر نہیں بلکہ خالص اللہ کی ملاقات اور جنت کے اشتیاق میں تھے اور اسی کے لیے موت کی تمنا تھی۔ ان کی زندگی اور زندگی کے جملہ احوال اس بات کے گواہ تھے کہ موت سے زیادہ ان کو دُنیا کی کوئی چیز لذیذ اور مرغوب نہیں خود حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ((انی لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم اُحیٰی ثم اقتل)) اسی جذبہ کا پیکر تھا اسکے بالمقابل ان جھوٹے مدعیوں کے افعال وحرکات پر نظر ڈالنے سے ہر ایک شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ ان سے زیادہ کوئی شخص دُنیا کی زندگی کا حریص اور موت سے ڈرنے والا نہیں ہے مگر زندگی کی حرص اور موت کے ڈر سے کیا انسان موت سے بچ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو کہہ دیجیے اے یہودیو! بے شک وہ موت جس سے تم بھاگ رہے ہو وہ ضرور تم سے ملاقات کرے گی اور پھر لوٹائے جاؤ گے ایسے رب کی طرف جو ہر چھپے ہوئے اور ظاہر کا جاننے والا ہے پھر وہ تم کو خوب جتلا دے گا وہ کام جو تم کیا کرتے تھے اور اس کا امکان نہ رہے گا کہ تم اس سے انکار یا اس میں حجت بازی کرسکو۔

آئمہ مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ان یہودیوں کے کاذب ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس اعلان کے بعد اگر ان میں ذرہ برابر بھی صداقت ہوتی تو ضرور وہ موت کی تمنا کر کے دکھاتے لیکن ایسا نہ ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت بیان کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ (مکی زندگی کے زمانہ میں) ابوجہل نے (ایک دفعہ) کہا تھا اگر اب محمد ﷺ کو دیکھوں کہ وہ کعبہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تو (العیاذ باللہ) میں ان کی

گردن روند ڈالوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ بدبخت ایسا کرتا تو (خدا کی قسم) فرشتے اس کو اچک لیتے اور ٹکڑے کر ڈالتے۔ اور اگر یہود (اس اعلانِ خداوندی کو سن کر) موت کی تمنا کر بیٹھتے تو اس وقت سب کے سب لقمۂ اجل بن جاتے اور جہنم میں ان کے جو ٹھکانے ہیں وہ دیکھ لیتے اور فرمایا اگر وہ نصاریٰ جن کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اگر مباہلہ کے لیے نکل آتے تو ان کے اہل وعیال اور مال ومتاع کا نام ونشان بھی باقی نہ رہتا۔ (رواہ البخاری والترمذی والنسائی۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴)

حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کی حکمت

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ ''جمعہ کی فضیلت کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے ((فیه ولد اٰدم و فیه ادخل الجنة وفیه ھبط الی الارض)) اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہبوط الی الارض میں کون سی نعمت ہے جو اس کو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا یہ تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے تو اس شبہ کا جواب عارفین سے پوچھیے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بھائی اگر آدم علیہ السلام جنت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد میں سے کوئی نکلتا کیونکہ جو ممانعت ان کو ہوئی تھی وہ ان کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس ممانعت کے خلاف بہت لوگ کرتے نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خود آباد ہوتی وہاں اس کے ماں باپ۔ بھائی بیٹے بیوی بچے سبھی ہوتے ان سب سے علیحدہ کر کے اس کو دنیا میں بھیجا جاتا تو جنت میں ایک کہرام مچ جاتا تو وہ جنت مثل دوزخ ہو جاتی۔ اس لیے اللہ میاں نے حضرت آدم علیہ السلام کو وہاں سے زمین پر اتارا تاکہ یہ اولاد زمین پر پیدا ہو۔ یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے بچا لیا۔ باقی حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لیے بہت بڑی نعمت معرفت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اس کے آثار کا علم ہو جائے اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کے اثر کا مشاہدہ ہو جائے تو اس وقت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ منعم کہ اس صفت کا اس وقت مشاہدہ ہو رہا تھا لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اس وقت نہ تھا مثلاً ﴿تَوَّاب﴾ کہ اس صفت کی معرفت علمی تو حاصل تھی باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی۔ اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے تو جنت سے علیحدہ کر کے خدا تعالیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تکمیل عرفان مقصود تھی۔ پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی بلکہ تکمیل تھی اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی۔ ارشاد ہوا کہو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہو ﴿یَرْحَمُكَ اللّٰهُ﴾ تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کوئی لغزش ضرور ہوگی اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی اور اس کمال معرفت کی صحت سے حضور ﷺ کو جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے چونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کی معرفت حضور ﷺ کو علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائی تھی۔ (النورص ۲۳)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی دن جمعہ کے، تو دوڑو

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨

اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو بیچنا۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ

پھر جب تمام ہو چکے نماز، تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل

اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً

اللہ کا، اور یاد کرو اللہ کو بہت سا، شاید تمہارا بھلا ہو۔ اور جب دیکھیں سودا بکتا

اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

یا کچھ تماشا، کھنڈ جاویں اس کی طرف اور تجھ کو چھوڑ جاویں کھڑا۔ تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر

مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪ ع

تماشے سے اور سودے سے۔ اور اللہ بہتر ہے روزی دینے والا۔

ع ۲ — ۱۲

ترغیب اہل ایمان برائے اقامہ جمعہ وتاکید سعی الیٰ ذکر اللہ وترک بیع وشراء براذان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا . . . اِلٰى . . . وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪﴾

ربط: ماقبل آیات میں یہود پر تین طرح زجر وتوبیخ کی گئی تھی۔ **اوّل**: جب انہوں نے اپنے علم وفضل پر فخر کیا عرب اور آنحضرت ﷺ کو قوم جاہل کہا تو اس کے بالمقابل یہ ثابت کیا گیا کہ خود یہ لوگ گدھے ہیں اور جس علم وفضل پر یہ اترا رہے ہیں اس کا بوجھ ان پر صرف بالکل ایسا ہی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا انبار لدا ہوا ہو۔ **دوم**: جب انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس وجہ سے ہم خدا تعالیٰ سے زیادہ قریب ہیں بلکہ اس کے دوست اور محبوب ہیں اور یہ کہ دار آخرت کی ساری نعمتیں بس ہمارے واسطے مخصوص ہیں۔ تو ان کے اس لغو اور خلاف حقیقت دعوے کا رداس طرح کیا گیا کہ اچھا اگر تم اللہ کے دوست ہو اور آخرت کی نعمتیں بس تمہارے ہی

واسطے مخصوص ہیں تو موت کی تمنا کر کے دکھاؤ اگر سچے ہو گے تو بلا جھجک موت کی تمنا کرو گے، مگر ایسا نہ ہوا۔ **سوم:** تیسری بات یہ تھی کہ وہ فخر کرتے تھے کہ ہمارے دین میں یوم السبت (ہفتہ کا دن) ہے۔ جس کی تعظیم وحرمت ہم پر واجب ہے اور اس میں بڑی برکات ہیں مسلمانوں کے پاس یہ نعمت نہیں تو اس تفاخر کے مقابلہ میں یوم جمعہ کی فضیلت اور اس کی عظمت واہمیت کے لیے یہ آیات واحکام نازل فرمائے گئے اور یہ بتایا کہ جمعہ کا دن اہل کتاب کے سنیچر اور اتوار کے دن سے زیادہ عظمت وبرکت والا ہے۔ تو ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! جب اذان دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے روز تو دوڑو اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید وفروخت یہی بہتر ہے تمہارے واسطے اگر تم اس بات کو سمجھو! کیونکہ دنیوی منافع کی آخرت کے اجر وثواب کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں تو اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور پھر اس کے بعد عملاً اس امر کی ضرورت ہے کہ ادنیٰ کے مقابلہ میں اعلیٰ کو اختیار کرے۔ پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو پھیل پڑو زمین میں اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے ہوئے اور اس کے واسطے چلو پھرو۔ اور تلاش کرو اللہ کا فضل اور اس کا رزق اور یاد کرو اللہ کو کثرت سے اُمید ہے تم کامیاب ہو گے۔ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس کے برعکس اگر دُنیا کی محبت اور کاروبار کی منفعت کی امید میں تم اللہ کے ذکر اور جمعہ کے خطبہ وحاضری کو چھوڑو گے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں دُنیا وآخرت کا خسارا ہے۔ ابتداء جن افراد سے اس طرح کی چوک اور غلطی ہوئی کہ۔ اور جب انہوں نے دیکھا تجارت کو کہ ایک تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا ہے یا کچھ تماشا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو چھوڑ دیا کھڑا ہوا خطبہ کی حالت میں اس وقت میں غلہ کی کمی تھی اور یہ حکم معلوم نہ تھا یا نازل نہیں ہوا تھا کہ خطبہ سننا لازم ہے لوگ نقارہ کی آواز سن کر دوڑ پڑے اور آپ کو خطبہ کی حالت میں کھڑا چھوڑ گئے۔ تو یہ ایک قسم کی چوک اور غلطی تھی تو آپ کہہ دیجیے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تماشے سے اور تجارت سے اور اللہ تو بہت ہی بہتر ہے روزی دینے والا۔ جب رزق اسی کے ہاتھ میں ہے تو تلاشی رزق کے ظاہری اسباب میں اس طرح مشغول ہو جانا کہ خدا سے اور اس کی یاد سے اور اس کی عبادت وبندگی سے انسان غافل ہو جائے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

روایات میں ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی وقت باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آ پہنچا اس زمانہ کے دستور کے مطابق بازار کے لوگوں نے نقارہ بجا دیا اس زمانہ میں اتفاق یہ کہ شہر میں غلہ کی کمی تھی اور خطبہ کے احکام بھی معلوم نہ تھے یہ خیال کیا کہ جیسے کسی وعظ ونصیحت کے دوران کسی ضرورت سے اُٹھ کر چلے جانے کی گنجائش ہے اس طرح اس وقت بھی ہم کو اس کی گنجائش ہوگی بعض اقوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء میں خطبہ بعد نماز کے ہوتا تھا جیسا کہ عیدین کا خطبہ تو اکثر لوگ مسجد سے باہر نکل گئے اور صرف چند لوگ رہ گئے اور آنحضرت ﷺ کھڑے خطبہ دیتے رہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ آدمی رہ گئے جن میں خلفائے راشدین تھے اس پر آیت نازل ہوئی جس میں اس امر کی طرف راہنمائی فرمائی گئی کہ انسان اسباب رزق میں یا کھیل تماشا میں ایسا منہمک نہ ہو کہ خدا کو بھلا دے اس کو سمجھنا چاہیے کہ اصل رزق کے خزانے تو اللہ کے قبضے میں ہیں اسی کی رضاء سے سب کچھ ملتا ہے اس لیے قحط یا عارضی مشقت کے خیال سے ایسی غفلت اور غلطی نہ اختیار کرنی چاہیے اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ بالفرض اگر اس وقت دکانیں بند کرنے اور تجارتی لین دین روک دینے سے کچھ نقصان ہو رہا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس کے بالمقابل اللہ کے یہاں کی جو نعمتیں حاصل ہوں گی وہ اس عارضی اور قلیل وحقیر منفعت سے بہت زائد اور بڑھ کر ہے۔

اسی چیز کے باعث اللہ رب العزت نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کی تعریف فرمائی جن کو تجارتی کاروبار اللہ کی یاد سے کسی بھی

مرحلہ پر غافل نہیں بناتے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ﴾

روایات میں ہے کہ ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ بازار میں گشت لگا رہے تھے کہ مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ جوں ہی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی دیکھا کہ دکاندار اور تاجر اپنی دکانوں اور تجارتی دھندوں کو چھوڑ کر مسجد کی طرف جلدی جلدی جانے لگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک نظر سے دیکھا اور فرمایا سچ ہے اللہ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ﴾

تخلیق کائنات یوم جمعہ کی عظمت وخصوصیت اور اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

یوم جمعہ قدیم تاریخ قبل از اسلام میں یوم العروبہ کہلاتا تھا۔ اسلام نے اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا۔ یہ لفظ جمع سے مُشتق ہے اس دن میں متعدد وجوہ سے جمعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل کیا گیا فرمایا کہ ((ان فیه جمعت طینَة ابیکم آدم)) یعنی اس روز تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی روئے زمین کے مختلف طبقوں کی جمع کی گئی یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ کائنات کی تخلیق جو چھ روز میں ہوئی اسی پر مکمل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا ((یا سلمان مایوم الجمعة)) کہ اے سلمان یوم جمعہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ((اللہ و رسولہٗ اعلم)) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں اللہ نے تمہارے ماں باپ (آدم وحوا) کو جمع فرمایا۔ (جبکہ ان کو زمین پر اتار دیا گیا تھا)۔

ایک حدیث میں ہے: ((وَفیه خلق اٰدم وفیه ادخل الجنّة وفیه اخرج منهاو فیه تقوم الساعة. وفیه ساعة لا یوافقها عبد مؤمن یسال اللہ خیراً الّا اعطاهُ ایاهُ)) کہ اسی دن ان کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تا کہ خلافۃ اللہ فی الارض کا عظیم منصب عطا ہو اور اس ارادہ الٰہیہ کی تکمیل ہو جس کا اظہار ملائکہ کے سامنے فرمایا گیا تھا ﴿ اِنِّيۡ جَاعِلٌ فِي الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً ﴾ اور اسی منصب کی عظمت ومنزلت کے ظاہر کرنے کے لیے ملائکہ کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم دیا گیا الغرض اس طرح جنت سے زمین پر اترنا بھی ایک بڑی عظمت ومنقبت کی تکمیل تھی جو جمع کے روز ہوئی اور فرمایا اسی روز قیامت قائم ہوگی اور اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں مؤمن بندہ جو کچھ بھی اللہ سے مانگے اللہ اس کو ضرور عطا کرتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نحن الآخرون السابقون یوم القیٰمة بیدانهم اوتوا الکتٰب من قبلنا ثم هذا یومهم الّذی فرض اللہ علیهم فاختلَفُوْا فیه فهدانا اللہ لهٗ فالناس لنافیه تبعٌ الیهود غدا و النصارٰی بعد غد۔ [1]

”کہ ہم لوگ دُنیا میں آنے والوں میں آخر ہیں لیکن قیامت کے روز ہم ہی سابقین ہیں۔ بس فرق یہی ہے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی تو اس سبقت کی وجہ سے یہ نہیں ہوگا وہ قیامت کے روز بھی ہم سے سابق ہوں قیامت میں سبقت حاصل کرنے والے ہم ہی ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جمعہ کا دن وہ تھا کہ اللہ نے ان پر بھی فرض کیا تھا (کہ اس کو خاص

---

[1] صحیح بخاری۔ وفی روایته المسلم فاضل اللّٰہ عن الجمعةِ من کان قبلنا ... الخ۔ ۱۲

عظمت اور عبادت کے لیے مخصوص کرلو) لیکن وہ اس بارے میں مختلف رہے (اور بھٹکتے رہے) تو اب اور لوگ (اہل کتاب میں سے) ہمارے پیچھے ہیں۔ یہودیوں کا دن کل ہے یعنی سنیچر اور نصاریٰ کا دن آئندہ کل کے بعد یعنی اتوار کہ ان دونوں کو یہود ونصاریٰ نے تعظیم اور خاص عبادت کے لیے مقرر کیا۔"

یہود ونصاریٰ کے اختلاف کی مراد یا تو یہ ہے کہ اللہ نے ان کے واسطے بھی یہ دن مقرر کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کے حکم سے اختلاف کرتے ہوئے کسی نے یوم السبت متعین کیا۔ کسی نے یوم الاحد یعنی اتوار۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس نے ہمیں یہ توفیق بخشی کہ ہم نے اس کے حکم کے مطابق جمعہ مقرر کیا۔

یا بقول بعض شارحین مراد یہ ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں میں ایک دن خاص عبادت و تعظیم کے لیے اللہ نے اپنے علم میں رکھا تھا جب اہل کتاب کو حکم ہوا کہ ایک دن متعین کرو تو یہود ونصاریٰ بھٹکتے ہی رہے اور مبارک دن نہ طے کر سکے لیکن اللہ نے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو یہ توفیق دی کہ انہوں نے خود اپنے باطنی تقاضوں اور قلبی داعیہ سے جو دن خاص اجتماع اور عبادت کا تجویز کیا وہ جمعہ کا دن تھا تو ان کا انتخاب اللہ کے ارادہ اور مشیت کے مطابق ہوگیا اور یہ سب کچھ حضور اکرم ﷺ کی ذات سراپا برکت کی بدولت ہوا۔

مصنف عبدالرزاق میں اسناد صحیح کے ساتھ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا۔ فرمایا (بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد جب مدینہ میں اسلام پھیل چکا تو) انصار نے آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے قبل اور جمعہ کے نازل ہونے سے پہلے ایک دفعہ جمع ہوکر مشورہ کیا اس مشورہ میں یہ بات رکھی گئی۔ یہودیوں نے ایک دن خاص اجتماع کا مقرر کیا ہوا ہے وہ اس میں جمع ہوکر اپنی عبادت کرتے ہیں۔ نصاریٰ نے بھی اسی طرح ہفتہ میں ایک دن اپنی عبادت و تعظیم کا مقرر کیا ہوا ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ ایک دن ہم بھی متعین کر لیں جس میں جمع ہوا کریں۔ اللہ کا ذکر کریں۔ اس کی حمد وثناء کریں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں اور نماز پڑھیں تو اس کے واسطے سب نے یوم العروبہ یعنی جمعہ مقرر کیا اور سب انصار جمع ہوکر اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے انہوں نے جمعہ کے روز سب انصار کو نماز پڑھائی اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ ... الخ﴾

ابن خزیمہ و دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل سب سے پہلے جس نے ہمیں جمعہ پڑھایا وہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

یوم جمعہ کی خصوصیات میں حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اس دن آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی اور ان کو پیدا کیا گیا پھر یہ فرمانا کہ اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ اسی بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ یوم جمعہ درحقیقت انسان کو اس کا مبداء و معاد یاد دلانے والا دن ہے اس دن اس کو چاہیے کہ اپنے مبداء پر غور کرے اور پھر یہ کہ قیامت میں پھر مبعوث ہونا ہے اور اس طرح اس کی فکر اور تیاری کا قلب میں تقاضا پیدا کرے اور یہ سمجھے کہ جس طرح اللہ رب العزت نے روئے زمین کے اجزاء کو ملا کر آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اسی طرح نفخ صور پر قیامت کے روز تمام انسانوں کو جمع کرے گا ان کے اجزاء بدنیہ خواہ کسی بھی جگہ اور کسی بھی حالت میں ہوں ہر حالت سے ان کو یکجا جمع کرے گا اور جملہ ارواح اپنے ابدان کے ساتھ جمع ہو جائیں گی۔ پھر ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال و افعال جمع ہوں گے غرض اجتماعیت کی یہ تکوینی نوعیت یوم جمعہ کے ساتھ وابستہ کردی گئی پھر یہ کہ اس دن ایک شہر کے سب مسلمان بھی یک جا جمع ہوکر نماز ادا کررہے ہیں تو ان جملہ وجوہ سے اجتماعیت اس دن کے ساتھ ظاہر ہورہی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ [1] بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر سات روز میں ایک دن (یوم جمعہ) غسل کرے اپنے بدن اور سر کو خوب دھوئے، جمعہ کی عظمت وفضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جمعہ کی نماز ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

اوس بن اوس الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس شخص نے جمعہ کے روز غسل خوب نظافت وصفائی سے کیا اور صبح جلدی ہی مسجد کے لیے روانہ ہوا اور اول وقت ہی پہنچ گیا اور پیدل چلا کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلا اور امام کے قریب بیٹھا اور اس کا خطبہ توجہ سے سنا کوئی لغو کام نہیں کیا تو اس شخص کے لیے ہر قدم پر جو اس نے اٹھایا ہے ایک سال کے روزوں اور قیام اللیل کا اجر [2] ہے۔ اسی طرح دیگر احادیث میں فضائل جمع متعدد وجوہ سے ذکر فرمائے گئے۔

(کتب احادیث کی مراجعت فرمالی جائے)

﴿اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ﴾ کی تفسیر میں زہری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے بیان کرتے ہیں کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نے فرمایا جمعہ کے روز پہلی اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس وقت ہوتی تھی۔ جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا یہی دستور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رہا جب عثمان رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بہت زائد ہوگئی تھی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر ایک اذان کا اضافہ فرمایا (جو خطبہ کی اذان سے پہلے ہوتی ہے) تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ حرمت بیع کا جو حکم اذان جمعہ پر نازل ہوا تھا اب وہ اسی اذان پر ہوگا جو قبل از خطبہ ہوتی ہے اور اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اضافہ فرمایا۔ کیونکہ ﴿اِذَا نُوۡدِیَ﴾ کا عموم اور اطلاق چاہتا ہے کہ نفس نداء جمعہ پر حرمت بیع کا حکم مرتب ہو۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ابتداء میں خود ہی اس قدر جلد مسجد میں آجاتے تھے کہ اذان خطبہ ان کی موجودگی میں ہوتی۔ لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور تجارتی کاروبار کی وسعت ہوگئی تو اندیشہ تھا کہ اذان خطبہ سن کر لوگ گھروں سے نکلیں گے یا دکانیں بند کریں گے تو خطبہ فوت ہو جائے گا جس کا سننا ضروری ہے اس وجہ سے ایک اذان کا اضافہ کیا گیا تاکہ خطبہ شروع ہونے سے قبل لوگ مسجد میں پہنچ جائیں اور ﴿فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ﴾ میں لفظ ﴿اِلٰی﴾ (جو غایت کے معنی پر دلالت کرتا ہے) خود اس مفہوم کی تعیین کر رہا ہے کہ سعی اور جمعہ کی تیاری ذکر اللہ تک پوری ہونی چاہیے اور وہ ظاہر ہے اس صورت میں ممکن ہے کہ خطبہ سے قبل ایک اذان کے ذریعے لوگوں کو بلایا جائے۔ گویا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اس اذان کا اضافہ کرنا قرآن کریم کے الفاظ سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے پھر یہ کہ وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حکم اور سنت شریعت کا قانون ہے علاوہ ازیں جملہ صحابہ نے اس عمل کو درست قرار دیا تو صحابہ کا اجماع بھی قانون شریعت ہے۔ نص قرآنی سے جس اذان جمعہ پر بیع وشراء ترک کرنے کا حکم ہے یہی اذان ہوگی جو شروع میں اضافہ کی گئی۔ اس بناء پر تمام ائمہ اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی اذان جمعہ کے بعد ہر قسم کے کاروبار بیع وشراء حرام ہے اور جس اہمیت وتاکید اور نصیحت کے انداز میں قرآن کریم نے دکانیں بند کر دینے کو اور خرید وفروخت روک دینے کو فرمایا ہے اس کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ اذان جمعہ کے بعد کسب معاش میں مشغولی کو حلال رزق شمار کیا جائے اس وجہ سے اس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱

[2] ائمہ محدثین نے سنن میں اس روایت کو بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

حافظ ابن کثیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جب وہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوتے اور یہ کہتے اے اللہ میں نے تیری نداء پر حاضری دے دی اور تیرا فرض ادا کر چکا اور اب میں رزق کی تلاش کے لیے زمین میں چلنا پھرنا چاہتا ہوں جیسے کہ تو نے حکم دیا پس اپنے فضل سے رزق عطا فرما، تو خیر الرازقین ہے۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو شخص جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے گا (یعنی جبکہ جمعہ کے لیے اس نے اپنا کاروبار بند کر دیا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس کو ستر گنا نفع عطا فرمائے گا۔

تم بحمد للہ تفسیر سورۃ الجمعۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ المنافقون

یہ سورت بھی دیگر مدنی سورتوں کی طرح اسلام کی بنیادی احکام اور شریعت کے اہم فیصلوں پر مشتمل ہے۔ سورت کے مضامین نفاق کی گندگی اور منافقین کی بدترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل ہیں ابتداء میں منافقین کی اخلاقی برائیاں ذکر فرمائی گئیں اور کہ دھوکہ فریب اور جھوٹ ان کی زندگی کا حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے ذلیل کردار کی مثال دُنیا میں نہیں مل سکتی ان کے بیہودہ اقوال اور لغو عقائد و خیالات کا بھی ذکر کیا گیا اور یہ کہ آخرت میں ان منافقوں کے واسطے نہایت شدید عذاب اور دُنیا میں ذلت و رسوائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

سورت کے آخر میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ دُنیا کی زیب و زینت میں مشغول ہو کر خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے غافل نہ بنیں اگر ایسا ہوا تو یہ بہت بری بدنصیبی ہوگی اس پر سورت ختم فرمائی گئی۔

آیاتھا ۱۱ ﴿۶۳﴾ سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ﴿۱۰۴﴾ رکوعاتھا ۲

سورۂ منافقون مدنی ہے، اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

جب آویں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں، تُو رسول ہے اللہ کا۔ اور اللہ جانتا ہے

إِنَّكَ لَرَسُولُهُ ۗ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ لَكٰذِبُونَ ① اِتَّخَذُوٓا

کہ تو اس کا رسول ہے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ رکھی ہیں

أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوا

اپنی قسمیں ڈھال بنا کر، پھر روکے ہیں اللہ کی راہ سے۔ یہ لوگ بُرے کام ہیں جو

يَعْمَلُونَ ② ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ

کر رہے ہیں یہ اس پر، کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے، پھر مہر ہو گئی ان کے دل پر، اب وہ

لَا يَفْقَهُونَ ③ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۗ وَإِنْ يَّقُولُوا

نہیں بوجھتے۔ اور جب تو دیکھے ان کو، خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں،

تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۗ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۗ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ

سُنے تو ان کی بات۔ ایسے ہیں جیسے لکڑی لگا دی دیوار سے۔ جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا

عَلَيْهِمْ ۗ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۗ قٰتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ④

آئی۔ وہی ہیں دشمن، ان سے بچتا رہ۔ گردن مارے ان کی اللہ۔ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ

اور جب کہیے ان کو آؤ! معاف کروادے تم کو رسول اللہ کا، مٹکاتے ہیں اپنے سر،

وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ⑤ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ

اور تو دیکھے کہ وہ رُکتے ہیں اور غرور کرتے ہیں۔ برابر ہے ان پر، تو معافی چاہے

لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۗ لَنْ يَّغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

ان کی یا نہ چاہے۔ ہرگز نہ معاف کرے گا ان کو اللہ مقرر بے شک اللہ

لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ⑥ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا

راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔ وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو

عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ

ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے۔ جب تک کہ کھنڈ جاویں اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے

وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ

اور زمین کے، اور لیکن منافق نہیں بوجھتے۔ کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے

اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ

مدینہ کو، تو نکال دے گا جس کا زور ہے بے قدر لوگوں کو۔ اور زور اللہ کا ہے، اور اس کے رسول کا،

وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧ ع ۱۴

اور ایمان والوں کا، لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

مذمت نفاق ومنافقین وتحقیق بیہودہ خصال مُنافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ... الٰى ... وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧﴾

ربط: سورۃ الصف اور سورۃ الجمعہ میں اسلام کی عظمت وغلبہ اور اہل ایمان کے خصوصی احوال کا بیان تھا اور یہ کہ دین کے دشمن خواہ کتنی بھی سازشیں اسلام کے خلاف کریں لیکن اسلام کے غلبہ اور ظہور کو کافروں کی طاقتیں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ اب اس سورت میں منافقین کی مذموم خصلتیں ذکر کی جارہی ہیں کہ وہ اسلام کے لبادہ میں کس طرح اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں مقصد بیان یہ ہے کہ ان کی یہ کوششیں اسلام کو ان شاء اللہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گی۔ ساتھ ہی منافقین کے ذلیل اور گندے کردار کو واضح کردیا گیا تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ نفاق کی علامات اور خصلتیں کیا ہوتی ہیں اور منافقین کا کردار کیسا ہوتا ہے اور اس طرح یہ حقیقت سمجھی جاسکے کہ ایسی خصلتوں کا حامل شخص منافق ہی ہوسکتا ہے خواہ اپنی زبان سے مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہو۔ فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر! جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں گواہی تو نام ہے اس اقرار واعلان کا جو دل کے اعتقاد کے مطابق ہو اور منافق جب دل سے رسول خدا کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کا یہ کہنا کہ ہم گواہی دیتے ہیں جھوٹ اور دھوکہ ہوا۔ اس لیے ارشاد ہوا اور اللہ جانتا ہے کہ آپ اس کے سچے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ جب وہ واقع میں آپ ﷺ کی رسالت کے قائل ہی نہیں تو پھر اس طرح کا اظہار محض دھوکہ اور فریب ہے اور اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے اس زبانی اقرار کو بہانہ بنایا ہوا ہے۔ حالانکہ خود بھی ان کو اس امر کا احساس ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان منافقین نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ جب بھی کوئی گرفت ہو تو قسمیں کھا کر اپنی جان بچالیں۔ مسلمانوں کے حملوں سے تحفظ حاصل ہوجائے کہ جس طرح دوسرے کافروں اور مشرکوں کے خلاف غزوات وجہاد کی صورت ہوتی ہے یہ ایسے حملوں سے بچے

رہیں۔ اسی کے ساتھ پھر یہ بھی مذموم حرکت کہ روکتے ہیں۔ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے یقیناً بہت ہی برا ہے یہ کام جو منافقین کر رہے ہیں کیونکہ ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر صرف انہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں کو دھوکہ لگتا ہے اور اس کے علاوہ بھی دوسرے حربے اور طریقے استعمال کرتے ہیں تاکہ کوئی اسلام کے قریب نہ آئے تو ظاہر ہے اس سے زیادہ بُرا کردار کیا ہوسکتا ہے یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ انہوں نے پہلے ایمان کا دعوے کیا پھر کفر کیا تو مہر لگادی گئی ان کے دلوں پر اس کا نتیجہ ہے کہ وہ اب کچھ نہیں سمجھتے جب دلوں پر مہر لگ گئی تو اندر کے کفر اور گندگی کے نکلنے اور دور ہونے کی توقع نہیں ہوسکتی اور نہ ہی باہر سے اب کوئی ہدایت و نصیحت ان کے دلوں تک سرایت کرسکتی ہے۔ دل مسخ ہیں کفر و نفاق جھوٹ اور دھوکہ کی گندگیاں اندر بھری ہیں مگر ظاہری حال انہوں نے ایسا بنا رکھا ہے کہ اے مخاطب جب تو ان کو دیکھے تو تجھ کو اچھے لگیں گے ان کے اجسام ڈیل ڈول میں بہت اچھے لگتے ہوں گے، چکنے چپڑے۔ اپنی وضع اور ہیئت ایسی بنائیں گے کہ ظاہری نظر سے دیکھنے والا ان کو بڑا ہی شریف اور بھلا مانس سمجھے اور اگر وہ بات کریں تو ایسی لچھے دار میٹھی باتیں کریں کہ فصاحت و بلاغت اور ان کی چرب لسانی کی بناء پر توجہ کے ساتھ تو ان کی بات سننے لگے۔ اس ظاہری بناؤ سنوار۔ چکنی چپڑی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ لکڑیاں ہیں۔ جن کو سہارا دے کر کھڑا کر دیا گیا ہے جو دیکھنے میں موٹے تازے سے شہتیر نظر آتے ہیں لیکن وہ صرف دیکھنے ہی کی حد تک ہیں دیوار کے ساتھ کھڑے ہیں ان کے اندر کچھ نہیں ایسے کھوکھلے ہیں کہ ایک لمحہ بھی وہ سہارا نہ رہے تو گر پڑیں اسی طرح منافقین اپنے نفاق کی گندگیوں اور ایمان و صداقت کے جوہر سے عاری ہونے کے باعث محض سہارے پر کھڑے ہیں۔ نہ ان کی کوئی بنیاد ہے اور نہ ان میں کوئی قوت [1] ہے مضبوطی اور قوت تو ایمان و صداقت سے ہوتی ہے تو یہ اپنی کمزوری اور بزدلی میں ایسے ہیں کہ ہر چیخ کو اپنے اوپر ایک بلا سمجھتے ہیں۔ بُزدلی اور نامردی کا یہ عالم ہے کہ ذرا بھی کہیں شور و غل سُن لیں تو دل دہل جائیں اور سمجھنے لگیں کہ اب ہم پر کوئی آفت آئی اور ہمہ وقت اس ڈر سے ان کے دل لرزتے رہتے ہیں کہ ہماری منافقانہ حرکتوں اور دغابازیوں کا پردہ چاک نہ ہو اور ایسا تو نہیں ہماری ان حرکتوں کی پاداش میں ہم پر کوئی افتاد پڑ جائے خواہ وہ کتنے ہی کمزور ہوں بہرکیف اے مخاطب اے ہمارے پیغمبر ان سے بچتے رہو۔ دغابازوں سے احتیاط عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹک رہے ہیں۔

منافقین اگرچہ اپنی بیہودہ خصلتوں اور دلوں کے روگ سے ایمان کی دولت اور اس کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے مگر پھر بھی بعض مرتبہ جب ان کی منافقانہ سازشیں کھل جاتیں اور کذب و خیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو کچھ لوگ ان کو سمجھانے کا ارادہ کرتے تو ایسی صورت میں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آجاؤ انسان جب تک دنیا میں زندہ ہے قبول حق اور توبہ کا دروازہ اس کے واسطے کھلا ہے تم اگر تائب ہو کر ایمان لاتے ہوئے رسول خدا ﷺ کے پاس پہنچ جاؤ گے تو استغفار کریں گے اور معافی طلب کریں گے تمہارے واسطے اللہ کے رسول تو اپنے سر ہلاتے ہیں تمسخر اور استہزاء کی شکل اختیار کرتے ہوئے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے ہیں۔ اور حال یہ کہ وہ غرور تکبر کرتے ہوتے ہیں اور انتہائی بیہودگی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کے استغفار کی ضرورت نہیں تو ظاہر ہے کہ جو قوم خدا کی رحمت اور معافی سے اس قدر بے رخی برتتے اس کے واسطے یہی ہے کہ اے ہمارے پیغمبر ان پر برابر ہے کہ آپ ان کے واسطے

---

[1] شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں یہاں ایک لطیف بات فرما گئے۔ فرمایا: ”خشک اور بیکار لکڑی جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے محض بے جان اور لا یعقل دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی بدون سہارے کے کھڑی نہیں رہ سکتی ہاں ضرورت پڑے تو جلانے کے کام آسکتی ہے یہی حال ان لوگوں کا ہے ان کے موٹے فربہ جسم اور تن و توش سب ظاہری خول ہیں اندر سے خالی بے جان محض جہنم کا ایندھن بننے کے لائق“۔ ۱۲

استغفار کریں یا نہ کریں۔ اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے نافرمان لوگوں کو ایسے نافرمان جن کا حق کی طرف کوئی رخ اور ادنیٰ توجہ ہی نہ ہو بلکہ ہر مرحلہ پر وہ دین کا مذاق ہی اڑاتے ہوں۔

ان باطنی گندگیوں کے علاوہ اخلاقی معیار سے اس قدر ذلیل ہیں کہ دُنیا میں اس طبقہ سے زیادہ بداخلاق اور ذلیل کوئی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ منافقین جو یہ کہتے ہیں مت خرچ کرو ان لوگوں پر جو رسول اللہ ﷺ کے قریب ہیں یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ سے دُور اور متفرق ہو جائیں اور آپ ﷺ کا تعلق اور مجلس میں آمد و رفت ترک کر دیں۔ اس وقت تک کسی کی کوئی امداد و اعانت نہ کرو۔ ایسے ذلیل اور بداخلاق منافقوں سے کہہ دینا چاہیے اور اللہ ہی کے لیے ہیں خزانے زمینوں اور آسمانوں کے ولیکن منافقین سمجھتے نہیں کہ جس مالک کے قبضہ میں ساری کائنات اور آسمان و زمین کے خزائن ہیں کیا وہ مالک اپنے رسول کے پاس رہنے والوں کی مدد نہیں کرے گا۔ اور کیا ان کو رزق نہیں دے گا؟ رزق تو اصل میں اللہ ہی دیتا ہے اگر کوئی صاحب مال و استطاعت شخص کسی کی دو چار مرتبہ کچھ مدد کرے گا تو یہ اس کی بے وقوفی ہوگی کہ وہ اپنے کو رازق سمجھنے لگے اور یہ سوچنے لگے کہ میں فلاں کی مدد نہ کروں گا تو وہ بھوکا مر جائے گا تو یہ ہے وہ بدعقلی اور حماقت جس میں اس قسم کے لوگ مبتلا ہوتے ہیں اس پر بس نہیں بلکہ کہتے ہیں البتہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچ گئے تو ضرور بالضرور ہم میں سے عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا یہ بھی ایک احمقانہ تخیل اور آرزو ہے اور اس شعور و فہم سے بعید ہونے کی دلیل ہے کہ انہیں نہ عزت و ذلت کی حقیقت معلوم ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ عزت و ذلت کس کے قبضہ میں ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت و قوت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اور ایمان والوں کے واسطے لیکن منافقین جانتے نہیں ہیں۔ اصل عزت کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کے تعلق سے یہ عزت پہنچتی ہے اس کے رسول کے پاس اور چونکہ رسول پر ایمان لانے والوں اور اطاعت کرنے والوں کے لیے عزت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبریٰ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں بیان کیا ہم لوگ ایک سفر جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ دوران سفر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری کے لات ماری (اور اس کی وجہ سے اس کو چوٹ آئی تو انصاری نے باآواز بلند پکارا یاللانصار (اے انصار! آ جاؤ میری مدد کرو) اس پر مہاجر نے آواز دی یاللمهاجرین (اے مہاجرو! آؤ میری مدد کرو) آنحضرت ﷺ نے جب یہ آوازیں سنیں تو فرمایا۔ یہ کیسے جاہلیت کے نعرے ہیں ایک روایت میں ہے۔ مَا هٰذا الدعوی المنتنة کہ یہ کیسا بدبودار نعرہ ہے۔

عبداللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگا اچھا یہ بات ہوگئی ہے یعنی اس پر خوش ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسی فضا باہمی منافرت اور عصبیت کی پیدا ہوئی اور کہنے لگا ہم مدینہ پہنچ گئے تو ہم میں سے عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا۔ اور اس سے ارادہ یہ تھا کہ مدینہ کے انصار اب مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے عبداللہ بن ابی کو زیادہ ترغیظ و غضب اس پر بھی تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل مدینہ کے لوگ اسی کو اپنا سردار بنانے والے تھے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے یہ سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں انصار کی تعداد زیادہ تھی (اگرچہ بعد میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن ابی منافق کی بات سن کر بہت غصہ آیا اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا چھوڑ دو اس کو (اگر تم نے

ایسا کیا تو) لوگ کہیں گے محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔ اسی نے یہ بھی کہا: ﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جب یہ بات سن کر حضور اکرم ﷺ کو بتائی تو یہ منافق فوراً آ کر قسمیں کھانے لگے کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ بیان کرتے ہیں تو جب ابن ابی قسمیں کھانے لگا اور میرے پاس کوئی ثبوت اس بات کا نہ تھا تو آنحضرت ﷺ نے میری بات رد فرمائی اور فرمادیا کہ بس ٹھیک ہے جب یہ شخص قسمیں کھا رہا ہے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے اس پر انتہائی غم اور صدمہ ہوا آنحضرت ﷺ کے خیال مبارک میں یہ تصور پیدا ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی ہے میرے چچا نے بھی مجھے ملامت کی تجھے کیا ضرورت تھی تو نے یہ بات جا کر رسول اللہ ﷺ کو بتائی۔ بیان کرتے ہیں کہ میں اسی غم اور بے چینی میں تھا کہ حق تعالیٰ نے یہ سورۂ منافقون نازل فرمائی۔ فوراً ہی رسول خدا ﷺ نے میری طرف ایک آدمی بلانے کے لیے بھیجا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے مجھے یہ سورت پڑھ کر سنائی اور فرمایا اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ امام المغازی نے اس سلسلہ میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ اس منافق عبداللہ بن ابی کے بیٹے ''عبداللہ رضی اللہ عنہ'' جو سچے مسلمان اور صحابی رسول ﷺ تھے نے اپنے باپ کی یہ بیہودہ بات سنی تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ کی اس بیہودہ بات پر آپ ان کو قتل کر دینا چاہتے ہیں تو مجھے اجازت دیجیے میں اس خبیث کا سر قلم کر کے آپ ﷺ کے سامنے لا کر پیش کرتا ہوں اور خدا کی قسم قوم خزرج یہ بھی جانتی ہے کہ اس قوم میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے اچھا سلوک کرنے والا کوئی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اب میں آپؐ سے یہ اجازت چاہتا ہوں کہ اس کا سر اپنے ہاتھ سے قلم کر کے آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کام کے واسطے میرے علاوہ کسی اور کو مامور فرما دیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں! ہم تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے۔

عکرمہ اور ابن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اس منزل سے روانہ ہوئے مدینہ منورہ کی طرف لوٹتے ہوئے تو عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی مدینہ منورہ کے دروازے (شہر پناہ) پر تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے جب ان کا باپ عبداللہ بن ابی منافق آیا تو (باآواز بلند) فرمایا پیچھے ہٹ۔ خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے اور رسول اللہ ﷺ عزیز ہیں جب تک وہ اجازت نہ دیں گے تو ہرگز مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کو اس بیہودہ بات پر اس قدر غصہ تھا کہ جب قافلہ سفر کے لیے روانہ ہونے لگا تو تلوار نکال کر باپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا جب تک تو اقرار نہ کرے گا کہ میں ذلیل ہوں اور رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں ہرگز تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے منافق باپ کی گردن زمین پر رگڑنے لگے اور کہا اقرار کر کہ تو ذلیل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ عزیز ہیں۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ

اے ایمان والو! نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی

اللّٰهِ ۚ وَ مَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝٩ وَ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ

یاد سے۔ اور جو کوئی یہ کام کرے، تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں آئے۔ اور خرچ کرو

مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ فَيَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡ

کچھ ہمارا دیا، اس سے پہلے، کہ پہنچے کسی کو تم میں موت، تب کہے اے رب! کیوں

لَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝١٠

نہ ڈھیل دی مجھ کو ایک تھوڑی مدت، کہ میں خیرات کرتا، اور ہوتا نیک لوگوں میں۔

وَ لَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝١١ ع ٢ ١٤

اور ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی جی کو، جب پہنچا اس کا وعدہ۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔

تنبیہ وتحذیر اہل ایمان از غفلت ذکر اللہ وتاکید انفاق فی سبیل اللہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ... الٰی ... وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝١١﴾

ربط: ابتداء سورت سے جملہ آیات منافقین کے کردار اوران کی مذموم ترین خصلتوں کے بیان پر مشتمل تھیں۔ اب ان آیات میں ایسے اسباب غفلت سے مسلمانوں کو چوکنا فرمایا گیا جوانسان کو ایمان وتقویٰ کی حقیقت سے دُور کردیں اور غفلت ہی دراصل نفاق کا پیش خیمہ ہے نفاق کی اصل حقیقت جب یہ معلوم ہوگئی کہ دل میں ایمان نہ ہو اور زبان سے ایمان کا دعویٰ اور اعلان ہو تو مال واولاد کے فتنوں میں بھی مبتلا ہونے سے یہی نوعیت قلب کی ہوجاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الایمان میں ایک باب باندھا ہے جس میں ایمان کے مہلکات اور مضرات میں غفلت۔ نفاق اور اصرار الی المعاصی کو شمار فرمایا۔ اس لیے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اے ایمان والو! غافل نہ بنادیں تم کو تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے اور جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے تو یقیناً ایسے لوگ ناکام وذلیل ہوں گے دنیا کی ہر نعمت اور زیب وزینت محض نظر کا فریب ہے اگر اس فریب دنیا میں پھنس کر خدا کو بھلادیا تو اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت وخسارہ ہوسکتا ہے آخرت کا توشہ تو ذکر الٰہی اور اس کی یاد ہے اس کی تیاری میں لگ جانا چاہیے لہٰذا اے ایمان والو سوچو اور فکر آخرت کرتے ہوئے خرچ کرو اللہ کی راہ میں اس مال سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے۔ اس سے قبل کہ آجائے تم میں سے کسی کے سامنے موت۔ پھر وہ یہ کہے اے میرے پروردگار کیوں نہ مہلت دے دی تو نے مجھ کو ایک قریب مدت تک کے لیے کہ میں صدقہ کرلوں اور صالحین ونیکوکاروں میں سے ہوجاؤں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کہ موت سامنے آچکی ہو کیونکہ خدا کا قانون ہے کہ جس انسان کے لیے موت کا جو وقت طے کردیا نہ اس کی موت اس وقت سے مقدم ہوسکتی ہے اور نہ مؤخر ہوسکتی ہے۔ اور اے انسانو! خوب جان لو اللہ تو بہت ہی خبر رکھنے والا ہے ان اعمال کو جو تم کرتے ہو۔ ہر ایک پر آخرت میں اس کے اعمال کے مطابق

جزاء وسزا ہوگی۔ اس وجہ سے انسان کو جو بھی موقعہ میسر آئے اس کو ضائع نہ کرے بلکہ اپنی زندگی اور زندگی کے لمحات کو آخرت کی سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے یہ فرمایا جس کسی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکتا ہے یا اتنا مال ہے کہ اس پر زکوٰۃ لازم ہے مگر پھر بھی نہ اس نے حج کیا اور نہ زکوٰۃ ادا کی تو موت کے وقت اس کی یہ حالت ہوگی کہ ﴿ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴾ اے پروردگار! کیوں نہیں مجھ کو تو اتنی مہلت دے دیتا کہ میں صدقہ کرلوں اور صالحین میں سے ہو جاؤں۔ ایک شخص حاضرین مجلس میں سے کہنے لگا اے ابن عباس رضی اللہ عنہ موت کے وقت مہلت کا فرمانگتا ہے تم خدا سے ڈرو کہ اس کو اہل اسلام میں سے ان لوگوں پر محمول کر رہے ہیں جو مالی حقوق اور فرائض ادا نہ کریں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے ابھی میں تم کو آیت قرآن پڑھ کر سناتا ہوں اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ ... الخ ﴾ مطلب یہ تھا کہ یہ آیت اہل ایمان کو خطاب ہے اور اسی میں سے اس فرد کا یہ حال ذکر کیا جا رہا ہے ﴿ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ ... الخ ﴾ کہ وہ اس طرح تمنا کرے گا کہ کاش مجھے کچھ وقت مل جائے یا دوبارہ مجھ کو دنیا میں لوٹا دیا جائے۔ غرض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس جواب سے مخاطب کو بتا دیا سکرات موت آنے پر موت کے ٹلنے کی تمنا یا مرنے کے بعد دنیا کی طرف واپسی کی درخواست کافروں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں یہ تمنا وہ بدعمل لوگ بھی کریں گے جنہوں نے فرائض دین ادا کرنے میں کوتاہی کی اور اللہ کی نافرمانی کی روش اختیار کی۔

فتنۂ مال اور فتنۂ جاہ انسان کے لیے سعادت سے محرومی کا باعث ہے

سورۂ منافقوں کی ان آیات ﴿ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﴾ اور ﴿ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ﴾ دو عظیم فتنوں کی نشاندہی فرمائی گئی۔ ایک مال و دولت کا اور دوسرا عزت و جاہ کا تو حق تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کی خزانے ہیں تو یہ دونوں چیزیں اگرچہ فی ذاتہ بری نہیں لیکن ان کا غلط استعمال مذموم ہے۔ ان کو اگر غلط استعمال کیا گیا تو ہلاکت و بدنصیبی ہے اور اگر صحیح استعمال کیا گیا تو اللہ کا تقرب اور کامیابی ہے۔ چنانچہ اس مال کو دین اور مرکز ہدایت سے لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے خرچ کروگے اور عزت و جاہ کو اس کام کے لیے صرف کروگے کہ مسلمانوں کو ان کی جگہ سے نکالو تو اس مال اور عزت و وجاہت سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔

لہٰذا ﴿ لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ ﴾ میں اس سے بچنے کی تعلیم دی گئی اور اس کے بالمقابل صحیح مصرف بتایا گیا ﴿ وَ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ ﴾ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے شریعت نے حصول مال کے طریقے بیع وشراء کے احکام نازل کر کے متعین کردیے۔ عزت و جاہ کو اگر تخریب دین کے بجائے اس غرض سے حاصل کیا جائے کہ اس سے دین کی تعمیر اور مخلوق خدا کی راحت رسانی کی سعادت حاصل کی جاسکے تو پھر مذموم نہیں۔

جاہ و منصب اور طلب عہدہ اور اس کے واسطے کوشش و درخواست وغیرہ شریعت نے اسی لیے ناجائز قرار دی کہ انسان نفس کی گمراہیوں میں پڑ کر اس کو کبر اور خلق خدا پر جور و استبداد کا ذریعہ بنالے ہاں اگر اخلاص نیت اور صدق قلب سے کسی عہدہ و منصب سے

دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ چاہتا ہے تو جائز ہے۔

جیسے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عزیز مصر سے فرمایا ﴿ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴾ لیکن ایسی طلب پر اقدام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس شخص کا حضرت یوسف علیہ السلام جیسا تقویٰ اور دیانت اور اخلاص ہو کر حاصل شدہ منصب کو صرف اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر استعمال کرے۔

تم بحمد اللہ تفسیر سورۃ الْمُنَافِقُون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ التغابن

سورۃ التغابن بھی مدنی سورت ہے جس کی اٹھارہ آیات اور دو رکوع ہیں۔

اگرچہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اس کا موضوع بیان مکی سورتوں کی طرح توحید والوہیت کا اثبات اور عقائد اسلام کی تحقیق وتثبیت ہے اکثر صحابہ اور ائمہ سے یہی منقول ہے۔

سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وجلال اور اس کی تقدیس وتسبیح کا بیان ہے ساتھ ہی انسان کو دو قسموں میں منقسم کر کے بتادیا گیا کہ تمام دنیا کے انسان ان دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں ﴿ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ کہ اللہ کی نظر میں یہ دو قومیں اس طرح تقسیم کر دی گئی ہیں ایک قوم اہل ایمان کی ہے خواہ وہ دُنیا کے کسی خطہ میں بھی بستے ہوں وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں دوسری قوم کافروں کی ہے جو اہل ایمان سے بالکل جدا ہیں کسی ایک خطہ یا وطن میں بسنے والے مؤمن وکافر ہرگز ایک قوم نہیں ہو سکتے اور نہ ہی برادری کی تقسیم اور امتیاز وطن اور نسل کے لحاظ سے ہے بلکہ عقیدہ اور ایمان کی بنیاد پر دائر ہے اسی وجہ سے شریعت نے مسلم وکافر کے درمیان وراثت کا رشتہ بھی کالعدم کر دیا اور فیصلہ کر دیا گیا: ((لَا يَرِثُ الكافر المسلم)) کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ وہ باپ بیٹے ہوں۔

پھر ان گزشتہ اقوام واُمم کی مثالیں پیش کی گئیں جو اپنے رسولوں کی تکذیب کرتی تھیں کہ ان پر خدا کا کیسا عذاب نازل ہوا۔ اسی کے ساتھ اس سورۃ بعث بعد الموت کو ثابت کیا۔ اللہ کی عبادت وبندگی کا حکم دیا گیا اور اس پر بھی آگاہ کیا گیا کہ انسان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے برگشتہ کرنے والی کیا کیا چیزیں ہیں اور اختتام سورت پر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ایثار وقربانی پر آمادہ کیا گیا۔

آیاتُھا ۱۸ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ (۶۴) (۱۰۸) رُکُوْعَاتُھَا ۲

سورۃ تغابن مدنی ہے، اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫

پاکی بولتا ہے اللہ کی جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اسی کا راج ہے، اور اسی کی تعریف

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ

اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر کوئی تم میں منکر ہے اور

مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کوئی تم میں ایماندار، اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے۔ بنائے آسمان اور زمین

بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ يَعْلَمُ مَا

تدبیر سے، اور صورت کھینچی تمہاری، پھر اچھی بنائی تمہاری صورت اور اسی کی طرف پھر جانا ہے۔ جانتا ہے جو کچھ ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ

آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔ اور اللہ کو

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

معلوم ہے جیوں کی بات۔ کیا پہنچا نہیں تم کو احوال ان لوگوں کا؟ جو منکر ہو چکے ہیں

قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ

پہلے۔ پھر چکھی سزا اپنے کام کی اور ان کو دکھ کی مار ہے یہ اس پر کہ

كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا

لاتے تھے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں پھر کہتے کیا آدمی ہم کو راہ سجھاویں گے؟ پھر منکر ہوئے

وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۶ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور منہ موڑا اور اللہ نے بے پروائی کی۔ اور اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا۔ دعویٰ کرتے ہیں منکر،

اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ

کہ ہر گز ان کو اٹھانا نہیں۔ تو کہہ کیوں نہیں! قسم ہے میرے رب کی، تم کو بیشک اٹھانا ہے، پھر تم کو جتانا ہے جو تم نے کیا۔

وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ

اور یہ اللہ پر آسان ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر، اور اس نور پر جو

اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸

ہم نے اُتارا۔ اور اللہ کو تمہارے کام کی خبر ہے۔

تقسیم اولادِ آدم در قسم مؤمن و کافر و انکار وحدتِ قومیہ بلحاظ وطن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ . . . الٰى . . . وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸﴾

ربط: گزشتہ سورۂ منافقون میں منافقین کے احوال اور ان کی مذموم خصلتوں کا بیان تھا۔ اسی کے ضمن میں ابن ابی منافق کی وہ بات بھی ذکر کردی گئی تھی کہ ﴿لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ﴾ (المنافقون:۸) جس کے ذریعے اس منافق نے وطنی عصبیت کو ہوا دینی چاہی تھی اور ایمانی اُخوت و وحدت جو انصار و مہاجرین میں قائم ہو چکی تھی اس کو پارہ پارہ کرنا چاہا تھا تو اس سورت میں نہایت واضح طور سے یہ ہدایت کی جارہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولادِ آدم اور تمام انسانوں کو صرف دو قسم میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ تقسیم وطن اور جغرافیہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ عقیدہ کے لحاظ سے ہے ایک قسم برادری اہل ایمان کی ہے وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں خواہ کہیں رہتے ہوں اور کسی بھی خطہ میں بستے ہوں دوسری قسم اور برادری کافروں کی ہے۔ اسی طرح اس لیے اب یہ امتیاز و فرق مسلمانوں کو اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیے کہ کون عرب ہے کون عجم کون ایرانی اور کون رومی و ترکستانی۔ تو فرمایا:

پاکی بیان کرتی ہیں اللہ ہی کی وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں۔ اسی کی بادشاہی ہے ہر عالم میں اور اسی کے لیے تعریف ہے اور ہر قسم کی حمد و ثناء اور وہی ہر چیز پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے تو جو پروردگار آسمانوں اور زمین کا خالق اور کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے اور اسی کی ہر عالم میں بادشاہت ہے بلاشبہ اسی لائق ہے کہ ہر چیز اس کی پاکی بیان کرے اور اسی کی حمد و ثنا میں مشغول رہے۔ وہی ہے پروردگار اے انسانو! جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی تم میں سے مؤمن ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے۔ لہٰذا ایمان لانے والوں کو ان کے ایمان کی جزاء دے گا اور منکر و کافروں کو اس کے کفر و نافرمانی پر عذاب دے گا۔ اصل میں تو ہر انسان کو اپنی عقل سے خالق کائنات کو پہچان کر ایمان لانا چاہیے تھا جب کہ رب العزت نے اس میں یہ جو ہر بھی

رکھ دیا ہے جس کو اس کی زبان میں "فطرت" کہا جاتا ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((کل مولودٍ یولدُ علی الفِطرۃ ... الخ)) اس فطرت اور قبول حق کی صلاحیت کو چاہیے تھا کہ قائم رکھتا۔ حالات گردوپیش سے متاثر نہ ہوتا۔ یا اغراض ونفس کی خواہشات سے حق تعالیٰ کی حقانیت پہچان کر اپنے کسب و اختیار سے گمراہی کا راستہ اختیار نہ کرتا لیکن جب اس گمراہ انسان نے اپنے ارادہ اور اختیار سے حق کو ٹھکرایا تو سزا کا مستحق بنا جو آخرت میں ضرور اس پر واقع ہو کر رہے گی اور مؤمن نے حالات کا مقابلہ کیا نفس وشیطان کے گمراہ کن اسباب کو پامال کر کے حق پر استقامت اختیار کی تو بلاشبہ اس کا مستحق ہوا کہ آخرت کی نعمتوں اور راحتوں سے نوازا جائے۔ پیدا کیا ہے اس پروردگار نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک کہ ہر ایک مخلوق اپنی حالت سے اس کی صناعی اور کاریگری کی گواہی دے رہی ہے پھر اس کی تدبیر بھی ایسی صحیح کہ آج تک کسی چیز میں کوئی خلل نہیں اور اے انسانو! تمہاری صورت بنائی پھر اچھا بنایا تمہاری صورتوں کو حتیٰ کہ احسن تقویم میں انسان کو پیدا کیا کہ تمام جانوروں سے اس کی خلقت اچھی ہے دیکھنے میں بھی خوبصورت اور عقلی اور فکری صلاحیتوں سے نوازا اور اس امتیاز وشرف سے اس کو تمام کائنات پر برتری اور فضیلت عطا کر دی جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰) اور اسی کی طرف لوٹنا ہے اس لیے انسان کو اسی کی فکر کرنی چاہئے جو ایمان اور عمل صالح ہے۔ وہ پروردگار جانتا ہے۔ اے انسانو! وہ تمام جو تم چھپاتے ہو اور وہ بھی جو تم ظاہر کرتے ہو اور ظاہر و پوشیدہ کیا؟ اللہ تو جاننے والا ہے دل والی چیزوں کا کہ انسان کے دل میں کس قسم کے عقائد ہیں۔ کیا خیالات ہیں کیا سوچتا ہے اور کن چیزوں کی طرف میلان ورغبت ہے اور کن چیزوں سے نفرت تو جو ذات دل کی کیفیات اور احوال سے باخبر ہو وہ انسانوں کے اعمال و افعال سے کیسے بے خبر رہ سکتی ہے اور یہی اعتقاد اصلاح زندگی اور آخرت کی طرف اس کا رخ کرنے کا معیار ہے۔

اور یہ بات محض عقیدی اور ذہنی ہی نہیں ہے بلکہ تاریخی حقائق وشواہد اس کے گواہ ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے اور ہر عمل کا بدلہ انسان کے سامنے آ کر رہتا ہے۔ خیر وشر اور ہدایت وگمراہی کے ثمرات تاریخ عالم سے ثابت ہیں کہ ضرور انسان سے مرتب ہوتے ہیں جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور ہر عمل پر اس کا ثمرہ ضرور مرتب ہوتا ہے تو اے لوگو! کیا تم کو نہیں پہنچیں خبریں ان لوگوں کی جنہوں نے پہلے کفر کیا۔ جیسے قوم عاد وثمود وغیرہ۔ چنانچہ انہوں نے چکھی سزا اپنے عمل کی اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ جس سے کوئی منکر اور کافر نہیں بچ سکتا۔ یہ سب کچھ اس بناء پر ہے کہ ان پہلی امتوں کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں اور معجزات لے کر آئے جس پر انہوں نے کہا کیا ایک بشر ہم کو ہدایت دے رہا ہے اور اللہ کا راستہ دکھانے اور سمجھانے کے لیے ہمارے پاس آتا ہے تو اللہ کے رسول کے بشر ہونے کی وجہ سے انکار کیا اور منہ موڑ لیا ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بشر کی جنس سے کوئی فرد بشر رسول خدا نہیں ہو سکتا اور رسالت وبشریت میں انہوں نے تضاد سمجھا جس سے وہ گمراہی کا شکار بنے اور اللہ ان سے بے نیاز ہوا جب کہ وہ اللہ سے اپنا رخ موڑ چکے تھے اور اللہ تو ہر حال میں بڑا ہی بے نیاز قابل تعریف ہے۔ [1] جس کی کائنات میں مخلوق حمد وثناء کرتی ہے تو اس کو کیا پرواہ اگر کچھ انسان اپنے اس لغو تخیل کے باعث خدا کے رسول پر ایمان نہ لائیں۔

---

[1] حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں (کسی کا) اس آیت سے یہ ثابت کرنا کہ رسول کو بشر کہنے والا کافر ہے انتہائی جہل اور الحاد ہے اس کے برعکس اگر کوئی یہ کہہ دے کہ یہ آیت ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسل بنی آدم علیہ السلام کے بشر ہونے کا انکار کریں تو یہ دعویٰ پہلے دعوے سے زیادہ قوی ہوگا، سبحان اللہ تعبیر میں کیسی لطافت اور کس قدر نرمی ہے۔ انّ ھٰذا لَعلمٌ ۱۲۔

کافروں نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے اور رسالت کی طرح بعث بعد الموت کے بھی منکر ہیں اے ہمارے پیغمبر کہہ دو کیوں نہیں ضرور بالضرور تم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا پھر تم کو بتایا جائے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اللہ پر نہایت ہی آسان ہے تو اے لوگو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ہے وہ قرآن کریم ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ (النساء: ۱۷۴) اور اللہ خوب جانتا ہے وہ تمام کام جو تم کرتے ہو۔ تو تمہارے ایمان لانے کے بعد جیسے بھی اعمال ہوں گے اسی کے مطابق قیامت کے روز جزا و سزا کا معاملہ ہوگا۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ
جس دن تم کو اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو کوئی یقین لاوے
بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اللہ پر اور کرے کام بھلا، اُتارے اس سے اس کی برائیاں، اور داخل کرے اس کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ
ندیاں، رہا کریں ان میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی مراد ملنی۔ اور
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ
جو منکر ہوئے، اور جھٹلائیں ہماری آیتیں وہ ہیں دوزخ والے رہا کریں اس میں۔
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ع مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ ع ۱/۱۵
اور بری جگہ پہنچے۔ نہیں پڑتی کوئی تکلیف بن حکم اللہ کے۔ اور جو کوئی
يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
یقین لاوے اللہ پر، راہ بتاوے اس کے دل کو۔ اور اللہ کو ہر چیز معلوم ہے اور حکم مانو اللہ کا،
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
اور حکم مانو رسول کا۔ پھر اگر تم منہ موڑو، تو ہمارے رسول کا کام یہی ہے پہنچا دینا کھول کر۔
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اللہ! اس بن کسی کی بندگی نہیں۔ اور اللہ پر چاہیے بھروسا کریں ایمان والے۔ اے

اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ
ایمان والو! بعضی تمہاری جوروئیں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے، سو ان سے بچتے رہو اور
اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ
اگر معاف کرو اور درگذر کرو، اور بخشو، تو اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ سوائے اس کے نہیں
اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮
کہ تمہارے مال اور اولاد یہی ہیں جانچنے کو۔ اور اللہ جو ہے اس کے پاس ہے نیگ بڑا
فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا
سو ڈرو اللہ سے جہاں تک سکو، اور سنو اور مانو، اور خرچ کرو اپنے بھلے
لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اِنْ
کو۔ اور جس کو بچا دیا اپنے جی کے لالچ سے، سو وہ لوگ وہی مراد کو پہنچے۔ اگر
تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
قرض دو اللہ کو اچھی طرح قرض دینا، وہ دونا کرکر دے تم کو، اور تم کو بخشے۔ اور اللہ
شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ⑰ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱ ع
قدر دان ہے تحمل والا۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا، زبردست حکمت والا۔

ع ۲ ۸ ۱۶

تنبیہ برفکر آخرت وترغیب ایمان وعمل صالح ونصیحت برائے صبر واستقامت واطاعت خداوندی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ... اِلٰی ... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑱﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ان نافرمانوں پر وعید تھی جو اللہ کے پیغمبر پر ایمان لانے کی بجائے نافرمانی وبغاوت کرتے رہے اور اللہ نے اپنے رسول کے ذریعے قیامت اور جزاء وسزا کے امور سے جب آگاہ کیا تو ایسے نافرمان اور گستاخ ان باتوں کا انکار وتمسخر کرنے لگے ان مضامین کے بعد اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے قیامت کے احوال بیان فرمائے اور یہ کہ منکرین کا روز قیامت کیا حشر ہوگا اور اہل

ایمان کیسی کیسی نعمتوں اور اللہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوں گے۔ تو ارشاد فرمایا:

جس روز کہ وہ پروردگار تم کو جمع کرے گا۔ سب انسانوں کے جمع ہونے کا دن میدان حشر میں تو وہ دن ہوگا ہار جیت [1] کا۔ کوئی ذلیل و ناکام اور کوئی کامیاب و سربلند پوری زندگی کی ہار جیت کا منظر انسان بس اسی روز دیکھے گا۔ اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور نیکی کے کام کریں تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کو ایسے باغوں اور محلات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں جو ہمیشہ ان باغوں میں رہنے والے ہوں گے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیں تو یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

تو ان حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسانوں کو چاہیے کہ ہار جیت کے اس دن کی فکر کریں اور وہ کام کریں جس پر کامیابی اور جیت ہو۔ اور ان کاموں سے بچیں جس سے ذلت و ناکامی اور ہار ہو۔

فیا رب وفقنا لما تحب و ترضیٰ من القول و العمل و النیّۃِ وثبتنا علیٰ ملۃ الاسلام توفنا مسلمین و الحقنا بالصالحین غیر خزایا ولا ندامیٰ ولا مفتونینَ. اٰمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

ایمان کی حقیقت اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ مؤمن اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر یہ بھی یقین رکھے کہ نہیں پہنچتی ہے کوئی مصیبت مگر اللہ ہی کے حکم سے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے قلب کو سیدھا [2] راستہ بتاتا ہے اور اللہ ہر چیز خوب جاننے والا ہے۔ تو جو لوگ تکلیف و راحت اور نرمی و سختی غرض ہر حالت کو اللہ کی ہی طرف سے جانتے ہوئے اسی کے حکم سے فرماں بردار و مطیع رہیں گے۔ خدا تعالیٰ ان کے اعتقاد و عمل ہر حالت کا خوب علم رکھنے والا ہے اور اس پر بدلہ بھی دینے والا ہے۔ اے ایمان والو اسی پر قائم رہو اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو ہمیں کوئی نقصان نہ ہوگا اس کا نقصان تو ہر اس شخص پر ہو

---

[1] یہ ترجمہ لفظ تغابن کا کیا گیا۔ تغابن جو غبن سے مشتق ہے۔ باب تفاعل کی خاصیت سے اسی معنی کو ادا کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کو قیامت میں یہی تمنا ہوگی کہ میں دوسرے سے بازی لے جاؤں اور اس کے مقابلہ میں میرے جیت ہو جائے۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا اس سے بڑھ کر اور کیا ہار جیت ہوگی کہ ایک گروہ جنت کی طرف چلا جائے اور دوسرے گروہ کو جہنم میں جھونک دیا جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یوم التغابن قیامت کا نام ہے اور قیامت کا دن یوم الجمعہ بھی ہے کہ اس روز اوّلین و آخرین ایک ہی میدان میں جمع ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴) ۱۲۔

[2] ﴿ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾ کی تفسیر میں اعمش رحمۃ اللہ علیہ ابوظبیان رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کرتے ہیں کہ ہم علقمہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے جب یہ آیت پڑھی۔ تو ان سے اس کے معنی دریافت کیے گئے۔ فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو یقین کرے کہ یہ تقدیر خداوندی سے ہے۔ اور اس پر راضی ہو صبر و سکون اختیار کرے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ یقین کرے کہ قضاء الٰہی کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہدایت قلب کے معنی یہ ہیں کہ اس پر ثواب کی امید رکھے اور بعض ائمہ فرماتے کہ ﴿ یَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾ ہر نقصان اور مصیبت پر ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھنا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عجیب حال ہے مؤمن کا جو بھی قضاء و قدر سے اس پر پیش آتا ہے اس کو اس چیز میں اجر و ثواب ہی ملتا ہے اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو اس پر بھی اجر و ثواب ہے اور اگر کوئی راحت و نعمت حاصل ہوتی ہے اور اس پر شکر کرتا ہے تو اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے غرض مؤمن ہر طرح سے خیر ہی خیر کماتا ہے۔ ۱۲۔ (تفسیر ابن کثیر۔ صحیحین)

گا جو روگردانی کرنے والا ہے بس ہمارے رسول پر تو واضح طور سے اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے جب اللہ کے رسول نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تو اس کے بعد عملی ذمہ داری مخاطبین پر عائد رہے گی سو جیسا کچھ بھی عمل کریں گے اس کا ثمرہ سامنے آ جائے گا عمل خیر اور سعادت کی راہ سے بھٹکانے والی باتوں سے انسان کو بے خبر اور بے فکر نہ ہونا چاہیے اس لیے اے ایمان والو! سن لو یقیناً تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن بھی ہوتے ہیں۔ سو ان سے احتیاط رکھو اگر وہ تم کو راہِ راست خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بھٹکانا چاہیں یا ان کی محبت و دلجوئی میں اللہ کے احکام فراموش کر دو بے شک اس طرح کا طرز اولاد اور بیویوں کا اہل ایمان کے واسطے باعث اذیت و تکلیف ہے لیکن بجائے اس کے کہ تم ان سے قطع تعلق کر لو یا ان کو کوئی تکلیف پہنچاؤ مناسب یہ ہے کہ درگذر کرو اور اگر تم ان ایذاؤں کو دل سے مٹا دو اور درگذر کرو اور معاف کر دو تو بہتر ہے کیونکہ اللہ ہی بخشنے والا مہربان ہے اس بناء پر اگر اولاد و بیویوں میں سے ایسی کوئی بات پیش آئے جس میں تمہاری حق تلفی ہے تو اس پر بجائے برافروختہ ہونے کے درگذر اور عفو ہی بہتر ہے مگر پھر بھی یہ بات نہ بھلانا بے شک تمہارے مال اور اولاد تمہارے واسطے ایک آزمائش ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے تو جو لوگ اس آزمائش میں کامیاب ہوں تو بس اللہ تو ایسا رحیم و کریم ہے کہ اس کے یہاں بڑا ہی عظیم ثواب ہے۔ خدا کی آزمائش میں کامیابی اور اجر عظیم کا استحقاق اسی میں مضمر ہے کہ بس اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے اور اس کے احکام سنتے رہو اور اطاعت و فرماں برداری کرتے رہو اور بدنی عبادات و حقوق کی تکمیل کے ساتھ کچھ خرچ بھی کرو اللہ کی راہ میں اپنے ہی فائدہ کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ سے روکنے والی خصلت مال کی محبت و لالچ ہے جو انسان کو ایسی سعادت سے محروم کر دینے والی بدترین خصلت ہے اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ اس مذموم خصلت سے اپنے آپ کو پاک رکھے اور حقیقت یہی ہے جو لوگ اپنے آپ کو نفس کی خواہش اور مال کی محبت سے بچا لیں تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے ہرگز کسی کو یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ اس کے مال میں کمی آ جائے گی بلکہ یہ تو اللہ کو قرضہ حسنہ دینا ہے اگر تم اللہ کو دو گے اچھی قرض دینا خوش دلی اور اجر و ثواب کی اُمید رکھتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھائے گا تمہارے واسطے اور مغفرت کرے گا۔ تمہارے لیے تمہاری ان کوتاہیوں کو جو عبادات اور فرائض کی ادائیگی میں تم سے ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ تو بڑا ہی قدردان ہے حلم و درگذر کرنے والا کہ معمولی چیز کو بھی نظر کرم سے قبول فرما لے اور اس قلیل مقدار پر اجر عظیم عطا فرما دے کہ ایک نیکی کو دس گنا سے سات سو تک پہنچا دے اور کبھی صدقہ کی ایک کھجور پہاڑ کے برابر بنا دے جیسے کہ حدیث میں ارشاد ہے اگر بندہ حلال اور پاک کمائی سے صدق دل سے ایک کھجور بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے تو اللہ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر اس کو نشو و نما فرماتا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے بچھڑے کو پالے یہاں تک کہ وہ ایک کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے کسی کی کھجور پہاڑ کے برابر ہو سکتی ہے اور کسی کی اس مقام سے کم رہتی ہے یہ سب کچھ اللہ رب العزت کے حوالے ہے وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکمت والا ظاہری اعمال اور باطنی احوال کی اس کو خبر ہے۔ اس کے مطابق ثمرات اعمال اور جزائیں بندوں کو عطا کی جاتی ہیں اور ہر ایک کو جو کچھ دُنیوی اور اُخروی جزا دی جاتی ہے اور اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتی ہے لہٰذا اس تصور کی گنجائش نہیں کہ کسی کو کیا بدلہ ملا اور کسی کو کیا نہیں ملا جس کو جو کچھ عطا ہوتا ہے وہ اس کی حکمت کا عین مقتضی ہوتا ہے۔

دُنیاوی زندگی میں مصائب کا راز اور ان پر صبر کی تلقین

آیت مبارکہ ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنے ایک وعظ رفع الموانع میں عجیب حقائق اور لطائف بیان فرمائے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک یادداشت سے ناچیز نقل کرتے ہوئے حضرات قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ان آیتوں میں حق تعالیٰ موانع طریق کو بیان فرمایا ہے یعنی جو چیزیں خدا کے راستہ سے روکنے والی اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی ہیں ان کی اجمالی اس رکوع میں بیان فرمائی اور فقط موانع کے بیان پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ساتھ ساتھ ان کا علاج بھی مذکور ہے اور قرآن کریم میں یہ خاص بات ہے کہ جہاں امراض کا ذکر ہے وہاں اس کا علاج اور اس کی دوا بھی مذکور ہے موانع کی جزئیات تو بے شمار ہیں لیکن وہ موانع باوجود تعدد اور تکثیر جزئیات دو ۲ امر کلی میں منحصر ہیں۔

اوّل ''ضرّاء'' یعنی جو حالت انسان کو ناگوار ہے دوسرے ''سرّاء'' یعنی جو حالت انسان کو گوارا اور باعث مسرت ہے لیکن یہ دونوں حالتیں بھی مطلقاً مانع نہیں بلکہ قید افراط کے ساتھ مانع ہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں جس پر سراء یا ضراء میں سے کم وبیش ایک نہ ایک حالت کا عروض علیٰ سبیل التعاقب والتناوب نہ رہتا ہو لیکن بعض مرتبہ قلب اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے اور بعض مرتبہ جب سراء اور ضراء کی حالت زیادہ ہوتی ہے تو قلب کو اپنی طرف مشغول کر لیتی ہے بس یہی دوسری حالت مانع طریق ہے اس لیے کہ جو شے کم ناگوار ہو یا کم گوارا ہو وہ قلب کو مشغول نہیں کرتی البتہ جو حالت زیادہ گوارا ہو یا زیادہ ناگوار ہو وہ مانع ہوتی ہے۔ جو حالت زیادہ گوارا ہو وہ نعمت ہے اور جو حالت زیادہ ناگوار ہو اس کا نام مصیبت ہے پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں اور ان کی ذات مانع نہیں بلکہ مصیبت اور نعمت کا درجہ مانع ہے جس سے قلب متاثر ہو۔ یہاں سے ایک اشکال دفع ہو گیا وہ یہ کہ جب مصیبت اور نعمت مانع ہیں تو انبیاء اور اولیاء کے حق میں بھی مصائب اور نعم مانع ہونے چاہئیں۔ اس لیے کہ انبیاء اور اولیاء پر مصائب بھی بہت آئے جیسا کہ حدیث میں ہے: ((اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالا مثل)) اور اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائض ہوتی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً﴾ (الرعد: ۳۸) لہٰذا اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی شاغل ہوں گی جواب یہ ہے کہ مصیبت اور ایک نعمت۔ ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ میں مصیبت کا مانع ہونا اور اس کا علاج مذکور ہے وہ یہ کہ تم اعتقاد رکھو کہ ہر چیز اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے وہ مالک عالی الاطلاق ہے ہم کو کسی چون وچرا اور اعتراض کا حق نہیں جب یہ اعقاد قلب میں راسخ ہو جاوے تو مصیبت کی شدت قلب کو ہرگز از جا رفتہ نہ کرے گی آگے ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ﴾ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو علاج کی ہدایت فرمادیتے ہیں یعنی یہی نسخہ کیمیا اثر استعمال کر کے دیکھو تو کیسا فائدہ ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ۶۹) آگے ارشاد ہے ﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ یعنی اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔ پس یہ وہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں سعی کرتا ہے اور کون نہیں یہاں تک تو حق تعالیٰ نے خاص مرض مصیبت کے مانع طریق ہونے کا ایک خاص نسخہ تجویز فرمایا وہ یہ کہ مراقبہ کیا کرو کہ ہر مصیبت اللہ کی ہی طرف سے ہے آگے ایک عام نسخہ کا ذکر ہے جس میں مریض اور تندرست

سب شریک ہیں یعنی ﴿ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ اور ﴿ اَطِیْعُوْا ﴾ کا کوئی متعلق ذکر نہیں فرمایا جس سے بقاعدۂ بلاغت عموم مستفاد ہوتا ہے یعنی تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور امر کو بجالاؤ اور معاصی سے پرہیز کرو۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴾ یعنی ہم نے جو تمہارے مرض کا علاج اپنے رسول ﷺ کی معرفت تجویز کیا ہے اگر کسی نے اس خاص یا عام نسخہ کے استعمال سے اعراض کیا تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ تم کو دوا اور پرہیز بتلادیں۔ نسخہ کا استعمال اور پھر شفاء اور صحت طبیب کے ذمہ نہیں طبیب کا یہی بہت بڑا احسان ہے کہ وہ تم کو دوا بتلادے یہ ان لوگوں کا بیان تھا کہ جنہوں نے ابھی تک نسخہ کا استعمال نہیں کیا۔ آگے ان لوگوں کا بیان ہے کہ جو نسخہ استعمال کر رہے ہیں۔ ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ یعنی ان لوگوں کو اپنے علاج پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے بلکہ اللہ پر نظر رکھنی چاہیے اور نہ علاج کے ثمرات کا منتظر رہنا چاہیے بعض مرتبہ مجاہدہ اور ریاضت سے عُجب اور ناز پیدا ہوجاتا ہے اس آیت میں اس کے دفعیہ کی طرف اشارہ ہے۔

یہاں تک مصیبت کے متعلق بیان تھا آگے نعمت کے متعلق ارشاد ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ﴾ یعنی اے ایمان والو تمہاری بیبیوں اور تمہاری اولاد میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں۔ پس تم ان سے احتیاط رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو اپنے اندر مشغول کر کے راہ حق سے ہٹادیں۔ نعمتیں اگرچہ بہت ہیں۔ لیکن دنیا میں انسان کو اولاد اور ازواج بہت محبوب ہوتی ہیں اس لیے بالتخصیص ان کا ذکر فرمایا اور ان کا مانع ہونا دو طریق سے ہے اول تو یہ کہ اولاد اور ازواج ایسی فرمائشیں کریں جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہوں اور یہ مغلوب ہو کر ان کا ارتکاب کرے۔ دوم یہ کہ وہ خود ان کی محبت میں اس قدر مغلوب ہوجائے کہ اللہ کی یاد سے رک جائے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص کبوتر کے پیچھے بھاگا جاتا تھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((الشیطان یتبع الشیطانۃ)) یعنی ایک شیطان ایک شیطان کے پیچھے جارہا ہے اس کو شیطانہ اس لیے فرمایا کہ اس کے حق میں تو اس نے شیطان ہی کا کام دیا کہ اس کو ذکر اللہ سے غافل کردیا پس ایسے ہی وہ اولاد اور ازواج اس محبت کے حق میں بلا قصد عدو بن گئے کہ وہ ان کی محبت میں ایسا منہمک ہوا کہ اپنے اصلی کام کو بھول گیا پس اصل مانع انہماک فی المحبت ہوا اور بعض مرتبہ غیر اللہ کی محبت میں انہماک شرک کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ ﴾ (البقرہ: ۱۶۵) اور چونکہ ایمان لانا احبیت کے اقرار کو مستلزم ہے اس لیے آگے ارشاد ہے ﴿ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ﴾ (البقرہ: ۱۶۵) یعنی جو ایمان لے آیا وہ تو رجسٹری شدہ محب اور عاشق ہے پھر غیر اللہ پر نظر ڈالنا سراسر غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ اور چونکہ مال بھی نعمت کا ایک فرد ہے اس لیے جب مال کے متعلق آئندہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ ﴾ اور چونکہ اولاد کا فتنہ زیادہ سخت ہے اس لیے اولاد کو مال کے ساتھ مکرر فرمایا نیز یہ کہ مال کی محبت کا منشاء بھی اکثر اولاد ہی ہوتی ہے اس لیے مال اور اولاد دونوں کو ملا کر ذکر فرمایا اور محبت کے دو درجے ہیں ایک محبت لِاداء الحقوق یہ مستحسن ہے۔ دوسری محبت لتحصیل الحظوظ اگر حدود شرعیہ کے اندر ہو تو پھر ممنوع اور مذموم نہیں اور فتنہ کے معنی یہاں وہ نہیں جس کو عام لوگ فتنہ اور فساد کہتے ہیں۔ بلکہ فتنہ کے معنی امتحان کے ہیں یعنی مال اور اولاد تمہارے لیے امتحان کی چیز ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ مشغول ہوتے ہو یا ہمارے ساتھ اور جو امتحان میں کامیاب ہوا تو اس کے واسطے اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

یہاں تک موانع کی فہرست مکمل ہوگئی وہ کل تین چیزیں ہوئیں ایک مصیبت اور نعمت کے دو فرد ایک اولاد و ازواج اور ایک مال

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان کی مانعیت افراط فی المحبت اور تاثر قلبی کی وجہ سے ہے اور یہ امر اختیاری نہیں تو اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ... الآیۃ﴾ یعنی جتنا بچنا تمہاری استطاعت اور قدرت میں ہے اس میں کمی نہ کرو۔ یعنی جو حکم تم کو دیا جائے اس کو گوش ہوش سے سنو اور اس پر عمل کرو اور شریعت نے جو دستور العمل تمہارے لیے تجویز کیا ہے اس کے پابند رہو اور چونکہ مال انسان کو بالطبع محبوب ہے اس لیے تقویٰ کے افراد میں سے انفاق فی سبیل اللہ کو اہتمام شان کے لیے مستقلاً علیحدہ ذکر فرمایا: ﴿وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ﴾ یعنی اپنے نفسوں کے لیے مال خرچ کرو اور ﴿لِاَنْفُسِكُمْ﴾ اس لیے فرمایا کہ اس انفاق کا نفع تمہاری ہی طرف عائد ہوگا اور اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے۔

﴿وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ یعنی جو شخص نفس کی حرص سے بچالیا جائے یعنی اس کے نفس میں ایسی سماحت پیدا ہو جائے کہ مال کی محبت اور غیر اللہ کا تعلق اس میں باقی نہ رہے تو سمجھو کہ ان لوگوں کو فلاح اور کامیابی حاصل ہوگئی اور ﴿يُوْقَ﴾ بصیغہ مجہول میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ وقایت یعنی نگہداشت تمہارا کام نہیں بلکہ ہمارا کام ہے بچانے والے ہم ہیں تم اپنے اس مجاہدہ پر ناز نہ کرنا۔ مقصود تک پہنچانا ہمارا کام ہے نفس میں جب تک شح اور حرص باقی نہ رہے مجاہدہ میں لگے رہو ایک لمحہ کے لیے مطمئن نہ ہو اور چونکہ نفس بالطبع حریص واقع ہوا اس لیے کسی چیز کے چھوڑنے پر اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک اس کو کسی بڑی چیز کی حرص نہ دلائی جائے۔ اس لیے آئندہ آیت میں اخروی نعمتوں کی حرص دلاتے ہیں تاکہ دنیا کی حرص چھوڑ دے۔ ﴿اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ﴾ اور دوسرے مقام پر ﴿اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ آیا ہے اور حدیث میں سات سو تک مضاعفت آئی ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مطلق حرص مذموم نہیں بلکہ حرص کی دو قسمیں ہیں۔ غیر اللہ کی حرص تو مذموم ہے اور انعامات خداوندی کی حرص محمود ہے۔ ﴿وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے قدردان ہیں اور بہت حلم والے ہیں اور وہ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ ہیں اخلاص اور ریاء اور اپنے عمل پر ناز کو خوب جانتے ہیں اس لیے وہ عزیز یعنی زبردست ہیں۔ یعنی ناز کرنے والوں کا ناز توڑ دیتے ہیں اور بعض مرتبہ ریاء اور عجب کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے وہ حکمت پر بھی مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اس تاخیر میں بھی حکمت ہے۔

(ملخص از رفع الموانع وعظ نمبر ۲ سلسلہ تبلیغ) .... (از افاضات والد محترم قدس اللہ سرہٗ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الطلاق

اس سورت میں احکام طلاق اہمیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں اس وجہ سے اسی نام سے اس کو بارگاہِ رسالت سے موسوم فرمایا گیا۔

ابتداء سورت میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ شریعت نے طلاق واقع کرنے کا طریقہ کس طرح متعین فرمایا ہے جس کے ضمن میں فقہاء طلاق بدعی اور طلاق سُنی کی قسموں کا ذکر فرمایا کرتے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ طلاق دینے کی نوعیت ایسی ہو کہ خود اس سے ظاہر ہو جائے

کہ مجبوراً اس کے لیے قدم اٹھایا گیا ہے وقتی جوش یا جذبات یا محض مغلوب الغضب ہو کر طلاق نہیں دی گئی ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق ایک طہر میں دی جائے اور ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک جذبات اور غیظ وغضب اگر عارضی ہیں تو شدت باقی نہیں رہا کرتی جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آجائے گی۔

اسی کے ساتھ احکام عدت اور نفقہ وسکنی کا بھی بیان ہے۔ طلاق وعدت اور نفقہ وسکنی کے مسائل کے درمیان بار بار اللہ کے تقویٰ کی طرف دعوت دی گئی ہے کبھی ترغیب کے رنگ میں اور کبھی ترہیب کی صورت میں تاکہ کسی طرح بھی ظلم اور حق تلفی کا ارتکاب نہ ہو اور اسی پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ اللہ کی حدود سے کسی صورت میں بھی تجاوز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ معاشرت کو ہر خرابی سے بچانے کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

آیاتها ۱۲	۶۵ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ۹۹	رکوعاتها ۲

سورۂ طلاق مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا

اے نبی! جب تم طلاق دو عورتوں کو، تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر، اور گنتے رہو

الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ

عدت۔ اور ڈرو اللہ سے، جو رب ہے تمہارا۔ مت نکالو ان کو ان کے گھروں سے، اور وہ بھی نہ نکلیں

اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ

مگر جو کریں صریح بے حیائی۔ اور یہ حدیں ہیں باندھیں اللہ کی۔ اور جو کوئی بڑھے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ

اللہ کی حدوں سے، تو اس نے برا کیا اپنا۔ اس کو خبر نہیں۔ شاید اللہ نیا نکالے اس پیچھے

ذٰلِكَ اَمْرًا ۝۱ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ

کچھ کام۔ پھر جب پہنچیں اپنے وعدہ کو تو رکھ لو ان کو دستور سے، یا

فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا

چھوڑ دو ان کو دستور سے اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے، اور سیدھی کہو

الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ

گواہی اللہ کے واسطے یہ بات جو ہے اس سے سمجھ جاوے گا، جو کوئی یقین رکھتا ہو گا اللہ پر، اور

الْاٰخِرِ ۬ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ۲ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ

پچھلے دن پر۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، وہ کردے اس کا گذارہ اور روزی دے اس کو جہاں سے

لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ

اس کو خیال نہ ہو۔ اور جو کوئی بھروسہ رکھے اللہ پر، تو وہ اس کو بس ہے، اللہ مقرر پورا کر لیتا ہے

اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۳

اپنا کام۔ اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔

احکام طلاق وعدت نفقہ وسکنیٰ وتاکید تقویٰ وتنبیہ بر تجاوز از حدودِ خداوندی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ... الٰی... لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۳﴾

ربط: گزشتہ چند سورتوں میں عقائد وایمانیات کا ذکر تھا۔ اللہ رب العزت کی عظمت و پاکی بیان کی گئی اور اس کی ذات وصفات کا مختلف اسلوبوں سے تعارف کرایا گیا جس کے ساتھ کچھ احکام عبادات سے بھی متعلق بیان کیے گئے تو اب اس سورت میں معاملات و معاشرت کے بعض اہم اصول واحکام ذکر فرمائے جارہے ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ خاندانی منازعت اور جھگڑے بسا اوقات طلاق کی نوبت تک پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح کی خصومت اور جھگڑے انسان کے دین اور ایمان کو تباہ وبرباد کردینے والی چیز ہیں اس بناء پر بالخصوص اس سورۂ مبارکہ میں احکام طلاق وعدت اہمیت سے بیان کیے گئے تاکہ معاشرہ ان برائیوں سے پاک رہے فرمایا۔

اے ہمارے نبی ﷺ! جب تم اور تمہاری اُمت کے لوگ طلاق دو اپنی عورتوں کو تو طلاق دیا کرو ان کو [1] ان کی عدت پر اور

---

[1] عدت طلاق کا عنوان دو معنی پر مشتمل ہے ایک طلاق دینے کا وقت یعنی جس وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے طلاق دینے کی اجازت دی ہے نہ کہ ایسا وقت کہ اس میں طلاق دینے سے منع کیا گیا اور وہ زمانہ حیض ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دے۔ ایام حیض میں طلاق دینا خلافِ =

اس وقت پر جو طلاق دینے کا وقت متعین کیا گیا ہے اور احاطہ کرو عدت کا۔ اس کی حفاظت کرتے ہوئے اور اس کو مکمل طور پر گنتی میں پورا کرتے ہوئے۔

اور اے مسلمانو! ڈرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے طلاق دینے میں اور عدت کے معاملہ میں اس لیے نہ تو حیض میں طلاق دو اور نہ تین طلاقیں بیک وقت دو۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے احکام شریعت کی پابندی کرو اور نہ نکالو تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنے گھروں سے کہ ان پر زیادتی کرو یا ان کے نان ونفقہ کی تکمیل نہ کرو جس کے باعث وہ گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوں اور ظاہر ہے کہ ان کے گھر خاوند ہی کے گھر ہیں اور عدت چونکہ احکام نکاح سے متعلق ایک حکم ہے اسی وجہ سے زمانہ عدت میں عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور نہیں نکلیں گی یہ عورتیں اپنے گھروں سے مگر یہ کہ یہ ارتکاب کریں گی ایک کھلی بے حیائی کا۔ کیونکہ ایام عدت میں عورت پر لازم ہے کہ گھر ہی میں رہے لہٰذا اس کا باہر نکلنا خدا کے صریح حکم کی نافرمانی کرنا ہوگا۔ جو ایک کھلی ہوئی بے حیائی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ سکنیٰ محض حق العبد نہیں کہ جس طرح انسان اپنی مرضی سے اپنے حقوق ساقط کر سکتا ہے قرضہ معاف کر سکتا ہے اسی طرح کوئی عورت اپنی مرضی سے یہ سمجھے کہ میرے واسطے گنجائش ہے کہ میں اپنا یہ حق ساقط کر دوں نہیں بلکہ یہ حق اللہ ہی کا ہے اور اس کو نظر انداز کر دینا بلاشبہ اللہ کی معصیت و نافرمانی بھی [1] ہے اور

= سنت اور معصیت ہے (جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے ایام طہر میں طلاق دینے کا زمانہ اس وجہ سے متعین کیا گیا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ واقعتاً طلاق مجبوری ہی کی بنا پر دی گئی یہ نہیں کہ کوئی وقتی جذبہ مثلاً ایام حیض کا ہونا اس میں دخیل و مؤثر ہے۔ یہ تو عدت کا مفہوم ہوا طلاق دینے کے لحاظ سے دوسرا مفہوم عدت کا وہ زمانہ عدت ہے جس کو سورہ بقرہ میں بیان فرمایا گیا ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ وہ عدت طلاق حضرات حنفیہ کے نزدیک تین حیض ہیں تو اس صورت میں ان تین حیضوں یعنی عدت طلاق کا احصاء (احاطہ وتحفظ) اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ حیض سے پہلے طہر میں طلاق دی جائے تب ہی تو وہ پورا شمار ہو سکتا ہے ورنہ اگر حیض میں طلاق دی گئی تو تین حیض کی تحدید واحصاء ممکن نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اگر اسی حیض کو بھی شمار کیا گیا تو لامحالہ تین مکمل حیض سے کم زمانہ رہ جائے گا اور اگر اس کے علاوہ تین حیض مزید شمار کیے گئے تو یقیناً عدت تین حیض سے زیادہ ہو جائے گی تو اس طرح عدت کی حفاظت صرف اسی صورت سے ہوگی کہ طلاق طہر میں دی جائے۔ اور یہی طلاق سنی ہے تو ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں اگر لام کو ظرفیت پر محمول کرو تو ترجمہ یہ ہوگا طلاق دو ان عورتوں کو طلاق دینے کے وقت اور اگر لام کو اجلیہ یعنی بیان وجہ کے معنی پر محمول کرو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا طلاق دو ان عورتوں کو (طہر میں) عدت میں احاطہ اور اس کے شمار کی وجہ سے (تاکہ وہ پورے تین حیض ہو سکیں)۔

شریعت کے نزدیک طلاق انتہائی مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے اس وجہ سے اس پر حدود اور قیود ایسی نازل کی گئیں کہ حتی الامکان اس کی نوبت نہ آسکے۔ احادیث میں ہے کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنی ذریت کو دُنیا کے گمراہ کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ جب اس کی ذریت دُنیا کو مختلف طریقوں سے گمراہ کر کے واپس آتی ہے اور ہر ایک ابلیس اعظم کو اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے تو ہر ایک کی کارروائی سن کر ابلیس کوئی خاص خوشی کا اظہار نہیں کرتا۔ اخیر میں ایک شطونگڑا جو اپنے بارہ میں یہ سمجھ کر ایک کنارہ پر تھا کہ میں نے کوئی خاص کام انجام نہیں دیا۔ نہ چوری کرائی نہ قتل وبدکاری جب اس نے اخیر میں یہ کہا کہ میں ایک عورت اور مرد کے درمیان پڑ گیا ان میں لڑائی کرائی حتی کہ طلاق تک نوبت پہنچا دی تو اس سے فارغ ہو کر اب آیا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابلیس اعظم اس شیطان کو فرط مسرت سے اپنے ساتھ چمٹا لے گا اور کہے گا نِعْمَ اَنْتَ کہ تو بہت اچھا ہے یا اگر اس لفظ کو نَعَمْ اَنْتَ پڑھیں تو معنی یہ کہ ہاں بس شیطان تو ہی ہے۔ ۱۲

[1] یہ ترجمہ اور توضیح قاضی ابوبکر حصاص رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ہے۔ بعض مفسرین اس لفظ فاحشہ کو بدکاری وغیرہ جیسے معنی پر محمول کر کے یہ تاویل کرتے ہیں کہ باعتبار امکان یہ کہا گیا کہ یہ ممکن ہے کہ باہر کی آمد ورفت اگر آزاد ہوا اور ادھر یہ کہ خاوند موجود نہیں مطلقہ ہو چکی ہے تو اس امر کا امکان ہے تو یا تین کا ذکر محض امکان واحتمال کی تقدیر پر ہے لیکن اس معنی پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں اسی وجہ سے پہلے ہی مفہوم کو ترجمہ کے توضیحی کلمات میں متعین کر دیا =

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں جن کی پابندی لازم ہے اور جو شخص اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے آگے بڑھا تو بے شک اس نے اپنے اُوپر بڑا ہی ظلم کیا وہ نہیں [1] جانتا جبکہ وہ کسی داعیہ اور تقاضہ کے باعث اللہ کی حدوں سے آگے بڑھ رہا ہے۔ شاید اللہ اس کے واسطے اس طلاق دے دینے کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے اس لیے یہ بات درست نہیں کہ حدودِ خداوندی کی خلاف ورزی کرے بلکہ اس کو چاہیے کہ احکامِ شریعت کی اتباع کرے خواہ اس میں کسی بھی قسم کی تکلیف کا وقتی طور پر سامنا کرنا پڑے اور اس کے ساتھ انتظار کرے اللہ کی طرف سے پیدا ہونے والی کسی اور صورت کا پھر جب وہ عورتیں پہنچ جائیں اپنی مدت کو ایام عدت پورے ہو جانے کی وجہ سے تو رکھ لو ان کو بھلے طریقہ سے اگر طلاق رجعی ہونے کی صورت میں ان سے رجوع کرنا چاہتے ہو۔ یا ان کو چھوڑ دو بہتر طریقہ سے کہ نہ روکنے میں ستانے کی صورت ہو اور نہ چھوڑنے میں ظلم و تعدی ہو اور گواہ بنا لیا کرو دو عادل شخصوں کو اپنے میں سے تاکہ کسی قسم کی تہمت یا زیادتی کا امکان نہ رہے۔ رجوع کرنا ہو تو اس پر گواہ بنا لو جس کے بعد اس مطلقہ رجعیہ کو رکھنے پر کوئی شخص معترض نہ ہو اور اگر بائنہ کر دیا تو اس پر بھی گواہ بنا لو تاکہ عورت عدت کے بعد جب دوسرا نکاح کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہ پیش آئے۔

اور صحیح قائم رکھو شہادت کو اللہ کے واسطے اس لیے گواہ جب واقعہ کی گواہی دیں تو صداقت اور صفائی سے اصل واقعہ پیش کریں اے مسلمانو! یہ ہے وہ بات جس کے ذریعے نصیحت کی جا رہی ہے ہر اس شخص کو جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ پیدا کر دے گا اس کے واسطے مشکلات و شدائد سے نکلنے کا راستہ اور رزق دے گا اس کو ایسے طریقہ سے کہ اس کو گمان بھی

= گیا۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ﴿اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ کا استثناء ﴿وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ کے مضمون سے ہے اور فاحشہ سے عرفی فاحشہ مراد نہیں بلکہ بدزبانی۔ مزاج کی تیزی اور لڑائی جھگڑا مراد ہے جیسا کہ بعض عورتوں کا مزاج ہوتا ہے تو اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے وہ عورتیں گھروں سے باہر نہ نکلیں بلکہ ان کا یہ استحقاق ہوگا اور ان کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے خاوند ہی کے گھر میں عدت گزاریں ہاں البتہ اگر وہ بدکلامی اور بدمزاجی کا ارتکاب کریں اور لڑائی جھگڑا کرنے لگیں تو پھر ان کے واسطے سکنٰی اور ایام عدت میں رہائش کا مسئلہ زوج کے ذمہ ضروری نہ رہے گا یہ تو اسی صورت میں ہے کہ مطلقہ عورتیں کوئی لڑائی جھگڑا یا بدکلامی اور بداخلاقی کی مرتکب نہ ہوں۔ تو اب ﴿اِتیان بِفَاحِشَةٍ﴾ کی یہ صورت ہوگی۔ ۱۲

[1] لا تدری کو صیغہ مخاطب پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ لا تدری کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ کوئی بھی ظالم نفس نہیں جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کے واسطے کیا صورت ظاہر ہونے والی ہے یہ تو قضاء و قدر کا طے کردہ نظام ہے۔ تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن میں ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ای لو وقع فی قلب الزوج مراجعتها بعد الطلقة والطلقتین وهٰذا یدل علی ان المستحب ان یفرق الطلاق الثلٰث وَلَایوقع الثلٰث دفعة واحدةً حتیٰ اذا ندم امکنه المراجعة۔ یعنی اس کے بعد اللہ کی طرف سے کسی امر کے پیدا ہونے کی توقع کی صورت یہ ہے کہ اللہ اس کے دل میں اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کا خیال ڈال دے جب کہ وہ ایک یا دو طلاق دے چکا ہے اور یہ بات اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ مستحب یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک دفعہ نہ دی جائیں بلکہ ان کو متفرق اوقات میں ایک ایک کر کے دیا جائے۔ تاکہ وقتی جذبات کے دُور ہونے پر اگر وہ نادم ہو تو رجوع کرنا ممکن رہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر سے اور قرآن کریم کے الفاظ کی صریح دلالت سے یہ ظاہر ہوا کہ تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہوتی ہیں۔ اگر تین طلاقیں دینے سے ایک ہی واقع ہوتی تو طلاق رجعی کی طرح اس سے بھی رجوع ہو جاتا اور اس صورت میں بھی ندامت اور پچھتانے کا کوئی مسئلہ نہ پیدا ہوتا بہر کیف تین طلاقوں کے بعد عورت کا قطعی طور پر شوہر پر حرام ہو جانا ایک اجماعی مسئلہ ہے جس پر کل صحابہ اور ائمہ تابعین کا اتفاق ہے اور یہ کہ جب تک کسی اور سے نکاح کر کے مطلقہ نہ ہو جائے یا ایسی صورت ہو کہ اس مطلقہ ثلاثہ نے جس شخص سے نکاح کیا اس کی وفات ہو جائے تو پھر عدت کے بعد پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے اور اس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی۔ ۱۲

نہ ہوگا۔ اب اس کے سامنے نہ شدائد و مشکلات باقی رہیں گی بلکہ ہر مشقت و دشواری دور ہوتی چلی جائے گی اور اس کے علاوہ انعاماتِ خداوندی کا یہ مقام ہوگا کہ روزی کے دروازے اس پر کھل جائیں گے اور ایسے راستوں سے اس کو رزق ملے گا کہ اس کو خیال بھی نہ ہوسکتا تھا اور جو بھی کوئی اللہ پر بھروسہ کرے بس اللہ اس کو کافی ہے بے شک اللہ اپنے کام کی انتہاء کو پہنچنے والا ہے اس کا کوئی کام ادھورا اور ناقص نہیں رہ سکتا۔ جس کام کا وہ ارادہ کرے گا اس کو پورا ہی کر کے چھوڑے گا۔ اللہ نے ہر کام کے واسطے ایک اندازہ رکھا ہے چنانچہ وہ اسی کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ اس کی حکمت و تقدیر نے اگر کسی کام کی تاخیر مقدر کر دی۔ تو وہ اسی تاخیر سے ہوگا اور اگر ناگہاں اور فوری طور پر کسی چیز کو اللہ نے مقدر فرما دیا تو وہ ناگہاں رونما ہو جائے گی۔ یہ اللہ کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں بہرکیف جس طرح اس نے فیصلہ کیا۔ اسی طرح ہر کام کا ہونا ضروری ہے اس لیے یہ روش ٹھیک نہیں کہ ہم اللہ کے فیصلوں میں تاخیر و تعجیل کا شکوہ کرتے رہیں۔ ایمان و تفویض کا تقاضا ہے کہ اللہ کی تقدیر پر رضا و تسلیم کا مقام حاصل ہو۔

امام بخاری و دیگر ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آیا اور فرمایا اس کو کہو کہ اس طلاق سے رجوع کرے پھر روکے رکھے یہاں تک کہ طہر کا زمانہ آجائے پھر ایام حیض آجائیں اور پھر طہر آئے تو اس وقت اگر وہ ضرورت سمجھے تو طلاق دے طہر کی حالت میں قبل اس کے کہ اس سے قربت کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی تو وہ وقت ہے جس پر اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ طلاق دی جائے (اگر طلاق دینا ضروری ہی ہے) ایک سند سے اس روایت کے مضمون میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے فرمایا عدت پر طلاق دینے کا مطلب یہی ہے کہ حالت طہر میں طلاق دی جائے حضراتِ فقہاء نے اسی آیت سے طلاق بدعی اور طلاق سنی کے احکام مستنبط فرمائے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں عورت کی بے بسی اور اسلام و قرآن کا اس کے حقوق کا محافظ ہونا

زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے جاتے تھے ان کو جانوروں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل بلکہ قیدیوں کی طرح مجبور و بے بس رکھا جاتا تھا بعض لوگ عورت کو سو سو مرتبہ طلاق دے دیتے تھے پھر بھی اس کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوتا تھا اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وحشیانہ مظالم کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا۔ قرآن کریم نے ان کے حقوق متعین کر دیئے اور احکام نکاح و طلاق و خلع نازل کر کے ان کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا اور حدود متعین کر دی گئیں اور ان کی خلاف ورزی پر وعید و تنبیہ فرمائی گئی۔ جہاں اور حکیمانہ ہدایات و نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک جامع راہنما اصول یہ بھی فرما دیا گیا ﴿ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ کہ اگر رکھو تو معقول طریقہ سے رکھو اور اگر چھوڑنا ہی ہے تو معقول طریقہ اور حسن اسلوب سے چھوڑو۔ گویا کسی بھی حالت میں ظلم و تعدی ہرگز نہ ہو خدا پر ایمان اور آخرت کا یقین ہی انسان کو ظلم و عدوان سے بچا سکتا ہے اس لیے فرما دیا کہ یہ زریں نصیحتیں ان لوگوں کے لیے کارآمد ہیں جو خوف خدا اور آخرت کا یقین رکھتے ہوں۔ پھر ساتھ تقویٰ کے بہترین ثمرات اور برکتوں سے آگاہ فرما دیا۔ ﴿ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ کہ اللہ کا ڈر دارین کی سعادت اور خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں

کا ذریعہ ہے اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ بے قیاس و بے گمان روزی بھی ملتی ہے اور ایک عجیب قلبی سکون نصیب ہوتا ہے۔ جس کے بعد نہ سختی رہتی ہے اور نہ پریشانی، پریشانی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ایک آیت معلوم ہے جو سارے عالم (یعنی سارے عالم کی مشکلات) کے لیے کافی ہے دریافت کیا گیا اے عبداللہ وہ کون سی آیت ہے تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ﴾

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ وہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے جا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يا غلام اِني معلمك كلمات. احفظ الله يحفظك احفظ الله تجدهُ تجاهك وَ اِذا سألت فَاسْأَل الله واذا استعنت فاستعن بالله وَاعلم اَن الامة لواجتمعوا على ان ينفعوك لم ينفعوك الّا بشئ كَتَبهُ اللهُ لك. وَلَواجتمعُوا عَلٰى ان يضرُّوكَ لم يَضروكَ اِلّا بِشيءٍ. قد كتبهُ اللهُ عَلَيْكَ. رفعت الاقلام وجفّت الصُحف)).

"اے بچے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں (وہ یہ ہیں) تو اللہ کی (حدود کی) حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کا لحاظ کر تو اللہ کو (اور اس کی رحمتوں اور عنایتوں کو) اپنے سامنے پائے گا اور جب تجھے کوئی چیز مانگنی ہو تو اللہ سے مانگ اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور یہ بات خوب سمجھ لے کہ اگر ساری دنیا جمع ہو جائے اس چیز پر کہ تجھے کچھ نفع پہنچائے تو دنیا کے تمام انسان تجھے نفع نہیں پہنچا سکتے مگر صرف وہی جو اللہ نے تیرے واسطے لکھ دیا ہے اور اگر دنیا کے سب لوگ جمع ہو جائیں اس پر کہ تجھے کچھ نقصان پہنچا دیں تو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تجھ پر لکھ دیا ہے (اے لڑکے) تقدیر کے قلم (انسانی تقادیر لکھ کر) فارغ ہو گئے اور صحیفے قضائے وقدر کے جو طے کر دیے گئے ہیں وہ خشک ہو چکے اس لیے جو بھی کچھ ہو گا وہ اللہ کی تقدیر اور اسی کی مشیت کے مطابق ہو گا۔"

وَالّٰٓـئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ

اور جو عورتیں ناامید ہوئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں، اگر تم کو شبہ رہ گیا، تو ان کی عدت ہے

ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـئِىْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ

تین مہینے، اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا۔ اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ

اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ

کہ جَن لیں پیٹ کا بچہ۔ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے، کر دے اس کو اس کے کام میں

يُسۡرًا ۝٤ ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ

آسانی۔ یہ حکم ہے اللہ کا، جو اُتارا تمہاری طرف۔ اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے، اُتارے

عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۝٥ اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ

اس سے اس کی برائیاں اور بڑا دے اس کو نیگ۔ گھر دو ان کو رہنے کو، جہاں

سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ

تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق اور ایذاء نہ چاہو ان کی، تا تنگ پکڑو ان کو۔ اور اگر

كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ فَاِنۡ

رکھتی ہوں پیٹ میں بچہ، تو ان پر خرچ کرو، جب تک جنیں پیٹ کا بچہ۔ پھر اگر

اَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ

دودھ پلاویں تمہاری خاطر، تو دو ان کو ان کے نیگ۔ اور سکھاؤ آپس میں نیکی۔

وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ۝٦ لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ

اور اگر آپس میں ضد کرو، تو دودھ دے رہے گی اس کی خاطر اور کوئی عورت۔ چاہیے خرچ کرے کشائش والا

سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ

اپنی کشائش سے۔ اور جس کو ماپی ملتی ہے اس کی روزی، تو خرچ کرے جیسا دیا اُس کو اللہ نے۔ اللہ کسی پر ذمہ نہیں

اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ۝٧ ع ۱۷

رکھتا مگر اتنا جو اس کو دیا۔ اب کر دے گا اللہ کچھ سختی کے پیچھے آسانی۔

ذکر احکام بعض مطلقات مع بیان حق سکنیٰ ونفقہ ومسئلہ رضاعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالّٰٓئِيۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ ... الٰی ... سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ۝٧﴾

ربط: گزشتہ آیات میں طلاق کی عدت اور طلاق واقع کرنے کے بعض احکام بیان فرمائے گئے تھے اور ان اُمور میں اللہ کے تقویٰ اور حدود شریعت کی پابندی کے لیے تاکید فرمائی گئی تھی۔ اب ان آیات میں بعض مطلقہ عورتوں کے خصوصی احکام اور ان کے حقوق کا بیان ہے

بالخصوص وہ مطلقہ عورتیں جن کو حیض نہ آتا ہو یا وہ حاملہ ہوں ان کی عدت اور متعلقہ احکام اہمیت کے ساتھ بیان کیے گئے۔ فرمایا۔

اور جو عورتیں نا اُمید ہو چکی ہوں حیض سے تمہاری عورتوں میں سے اگر تم کسی قسم کا شبہ کرو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح وہ عورتیں بھی جن کو حیض نہیں آیا۔ خواہ بچپن کی وجہ سے یا کسی اور علت کے باعث تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے اور وہ عورتیں جو حاملہ ہیں تو ان کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل وضع کرلیں اور جو بچہ پیٹ میں ہے وہ جَن لیں اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے واسطے اس کے کام میں سہولت پیدا کر دیتا ہے اور وہ خود مشاہدہ کرلیتا ہے کہ کسی طرح قدرت کی طرف سے اس کے کاموں میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ اور کس طرح اس کے مسائل و مشکلات کا حل نکلتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف اُتارا ہے اور جو شخص بھی اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بُرائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے اجر و ثواب کو بہت بڑا کرتا ہے۔ اس لیے ایمان والوں کو چاہیے کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اللہ کا تقویٰ اختیار کریں انسان کو بیشک اپنے خانگی معاملات اور زندگی کے معاملات میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں بہت کچھ تکالیف اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان سب احوال میں اللہ کا تقویٰ ہی اس کو مصائب سے نکالنے، پریشانیوں کو دُور کرنے، مشکلات کو آسان کرنے کا ذریعہ ہے اور پھر اس وصف تقویٰ سے متقی شخص کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی انعام ہے کہ اس کی جو بُرائیاں اور کوتاہیاں ہیں ان کو نور تقویٰ دُور کر دیتا ہے اور اجر و ثواب بھی خوب ملتا ہے بہرکیف عورتوں کے معاملات بالخصوص وہ عورتیں جو طلاق دے دی گئیں ضروری ہے کہ ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے خداوند عالم کا تقویٰ اختیار کیا جائے اور ڈرنا چاہیے کہ کسی طرح بھی ان پر کوئی ظلم و تعدی نہ ہو اسی سلسلہ میں یہ بھی حکم ہے۔ ان مطلقہ اور معتدہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کے ٹھکانہ مہیا کرو۔ جہاں تم سکونت اختیار کرتے ہو اپنی قدرت و طاقت کے موافق کہ حق سکنٰی کی وجہ سے وہ مستحق ہیں کہ تمہارے گھروں میں رہیں اور ظاہر ہے کہ رہائش کی ضروریات میں نفقہ بھی ان کو مہیا کرنا چاہیے اور تم ان کو مشقت میں مت ڈالو اس طرح کہ تم ان پر تنگی کردو اور ان کی زندگی ان پر تنگ ہو جائے۔

عام حالات میں تو عدت کا زمانہ تین حیض یا تین ماہ میں پورا ہو جائے گا اور اگر وہ حاملہ ہوں تو پھر یہ نہیں کہ تم وضع حمل کی مدت کا انتظار نہ کرو بسا اوقات اس کے طویل ہو جانے کی وجہ سے بلکہ تم ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کرلیں۔ وضع حمل پر مطلقہ عورت کی عدت تو ختم ہو جائے گی اور عدت کے بعد چونکہ احکام زوجیت باقی نہیں رہے تو اولاد کو دودھ پلانا اب عورت کے ذمے باقی نہیں رہا تو ایسی صورت میں اگر وہ عورتیں دودھ پلائیں تو ان کو اس کا بدلہ ادا کرو اور طے کرلو آپس میں اپنے معاملات بھلے طریقہ سے اس طرح کہ نہ تو کوئی جھگڑا ہو اور نہ ہی کوئی کسی کی حق تلفی کرے اور اگر آپس میں تم دشواری محسوس کرو اور کسی چیز پر دونوں متفق نہ ہو سکو تو پھر بہتر ہے کہ کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی دودھ پلائے تاکہ باہمی منازعت اور خصومت کی نوبت نہ آئے بچہ کی تربیت پر بہرکیف خرچ کرنا باپ کی ذمہ ہے تو چاہیے کہ وسعت والا اپنی وسعت و فراخی کے مطابق خرچ کرے اور جس کسی پر رزق کی تنگی ہو تو خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اللہ کسی کو بھی پابند نہیں بناتا مگر اسی مقدر کا جو اللہ نے اس کو عطا کیا ہے اس سے زائد کا مکلّف نہیں بنایا جاتا اور اگر کسی کو تنگی ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہیے۔ عنقریب اللہ پیدا کر دے گا دشواری اور تنگی کے بعد آسانی اور سہولت اس وجہ سے وقتی تنگی سے انسان کو حقوق ادا کرنے میں رکاوٹ نہ کرنے چاہیے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے وہی رحمت اور فراخی کے دروازے کھولنے والا ہے۔

مطلقہ عورتوں کی عدت کے بعض احکام

سورۂ بقرہ میں آیت: ﴿وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا﴾ (البقرہ: ۲۳۴) میں واضح طور پر بیان کیا گیا تھا کہ جس عورتوں کے خاوند انتقال کر جائیں تو ان عورتوں کی عدت شوہر کی موت کے بعد چار ماہ اور دس دن ہے یہ حکم مطلق تھا اس میں قید نہ تھی کہ وہ کون سی عورتوں کا حکم ہے۔ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ تو اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ وہ حکم غیر حاملہ عورتوں کا تھا اور حاملہ عورتوں کا حکم ہر قسم کی عدت میں یہ ہے کہ وضع حمل تک کی عدت باقی رہے گی تو اس صورت میں کسی بھی آیت کو منسوخ قرار دینے کی نوعیت نہیں رہتی بلکہ ہر نوع کا حکم علیحدہ ہر ایک آیت نے بیان کر دیا پھر یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے یہ آیت جو سورۂ طلاق میں نازل ہوئی سورۂ بقرہ کی آیت سے بعد میں نازل ہوئی۔ ابتداء میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ عدت وفات کی صورت میں عورت اگر حاملہ ہو تو عدت کا زمانہ وہ قرار دیا جائے گا جو زائد ہو۔ وضع حمل یا چار ماہ دس دن یعنی اگر وضع حمل خاوند کے انتقال کے بعد جلد ہی ہو جائے تو پھر چار ماہ دس دن کے انتظار کیا جائے گا اور اگر چار ماہ دس دن گذر جائیں اور وضع حمل نہ ہو تو پھر وضع حمل کی عدت کو انتہا قرار دیا جائے جیسا کہ حضرت علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا۔

جمہور صحابہ اور ائمہ فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ خاوند کے انتقال کے بعد اگر چند لمحے ہی گزرنے پر بچہ جن دے تو پاک ہونے پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وہیں بیٹھے تھے اور اس نے کہا کہ اے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میں ایک عورت کے بارہ میں آپ سے فتویٰ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ایک حاملہ عورت ہے اس نے اپنے شوہر کے انتقال کے چالیس روز بعد بچہ جنا ہے (تو اب وہ عورت کس طرح شمار کرے) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ دونوں مدتوں میں سے جو طویل مدت ہے وہی عدت ہوتی ہے یعنی اب اس صورت میں چار ماہ دس دن عدت کے گزارنے ہوں گے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (آیت قرآنیہ ہے جس سے تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ بس وضع حمل پر عدت پوری ہو جائے) اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں تو اپنے بھتیجے یعنی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوں (اور ان کی موافقت کرتا ہوں) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا غلام اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تا کہ اس مسئلہ کی ان سے تحقیق کر کے آئے۔ تو اس پر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر قتل کر دیئے گئے تھے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ سبیعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی موت کے چالیس دن بعد بچہ جنا جب وہ پاک ہوئیں تو ان کے واسطے پیغام نکاح آیا۔ (بعض اقرباء کے اعتراض و انکار پر) انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ (امام بخاری اور امام مسلم و دیگر ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے اس قصہ کو اجمال و تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اس بات کی تردید فرمایا کرتے تھے کہ ایسی عورت کے لیے ابعد الاجلین کی عدت قرار دیا جائے گا۔ اور سورۂ طلاق کی اس آیت کو فرمایا کرتے تھے کہ اس کے بعد تو کوئی آیت ہی اس مسئلہ میں نازل نہیں ہوئی حضرت مسروق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابعد الاجلین کے قائل ہیں تو بڑی سختی سے ان کا رد فرمایا اور

فرمایا میں اس پر ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں کہ یہ آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے [1] بعض روایات میں یہ بھی وضاحت ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیت ﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ﴾ مطلقہ ثلث کے بارے میں ہے یا اس عورت کے حق میں جس کے خاوند کا انتقال ہو گیا ہو فرمایا یہ دونوں کے بارہ میں ہے یہ روایت اگرچہ سند ضعیف سے مروی ہے لیکن یہی مضمون متعدد سندوں سے مروی ہونے کے باعث اصول حدیث کی رو سے قابل اعتماد اور حجت ہے مگر سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس کو بخاری و مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے تخریج کیا وہ متفق علیہ ہے اور حجت کے لیے کافی ہے۔

معتدہ عورت کے لیے نفقہ اور سکنیٰ

عدت احکام نکاح اور متعلقات حقوق نکاح سے ہے۔ شریعت کے اس بنیادی ضابطہ کے پیش نظر یہ بات واضح ہے کہ مطلقہ عورت کے لیے عدت کا زمانہ گزارنے کے واسطے مرد کے ذمہ یہ ضروری ہو کہ مکان دے جس کو شریعت کی اصطلاح میں سکنیٰ کہا جاتا ہے اور جب عورت از روئے سخن شروع حالت عدت میں مکان سے باہر نہیں نکل سکتی تو لامحالہ نفقہ بھی مرد کے ذمہ لازم ہوگا۔ قرآن کریم کے یہ الفاظ ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ اسی بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ عورت کے لیے حتی المقدور یہ انتظام کرنا ضروری ہوگا اور حتی المقدور رہائش کا بندوبست مکان نفقہ اور کپڑوں پر دلالت کر رہا ہے بعض محدثین نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف سے بیان کیا کہ وہ اس موقعہ پر لفظ ﴿وَ اَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ﴾ بھی پڑھا کرتے تھے (جس کو ان کے تلامیذ نے ان کے مصحف میں بطور حاشیہ یا کلمات بین السطور لکھ بھی دیا تھا)۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نفقہ کا حکم عام ہے ہر قسم کے مطلقہ عورتوں کے متعلق ہے جیسا آئسہ، صغیرہ اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ ہے کہ اس میں کوئی تخصیص نہیں اسی طرح نفقہ کے حکم میں بھی کوئی تخصیص نہیں۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جن کو تین طلاقیں دی گئی تھیں ان کی روایت میں یہ ذکر کیا جانا ان ہی الفاظ و کلمات میں کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم نہیں فرمایا“ نفقہ کے وجوب کی دلیل نہیں بن سکتا۔ فقہاء اور ائمہ محدثین کی تحقیق اور روایات کے تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ عورت چونکہ بدزبان تھیں اور جھگڑتی تھیں تو خاوند کے گھر ان کے خاندان کے لوگوں سے ان کا نباہ مشکل ہو رہا تھا اس وجہ سے یہ صورت ہوئی کہ ان کو سکنیٰ نہیں دیا گیا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ اپنے مزاج کے لحاظ سے شوہر کے گھر جب نہ رہ سکیں تو ان کو دوسری جگہ منتقل کی گیا چنانچہ سنن کی روایات میں اس کی تصریح ملتی ہے [2] اور جب سکنیٰ کا مسئلہ نہ رہا تو نفقہ بھی نہ رہا۔ جیسے کہ ناشزہ عورت کے بارے میں یہی حکم ہے۔ جو عورت نافرمانی کر کے شوہر کے گھر سے نکل جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے [3] نیز جامع ترمذی و دیگر سنن کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو نفقہ دیا گیا تھا ان کے خاوند نے وکیل کے ذریعے وہ نفقہ بھیجا تھا مگر اس عورت نے زائد کا مطالبہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا اور یہ فرمایا بس تیرے واسطے اتنا ہی نفقہ کافی ہے ((الا ان تکونی حاملًا)) ہاں البتہ

---

[1] رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ من حدیث ابی معاویہ عن الاعمش۔ ۱۲۔

[2] سنن ابوداؤد، بیہقی۔

[3] احکام القرآن للجصاص۔

اگر تو حاملہ ہوتی اور مدت حمل طویل ہوتی تو ایسی صورت میں بے شک تیرا نفقہ زائد کیا جا سکتا تھا تو دراصل اسی مدار زائد کے انکار کو یہ عورت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھی کی اس کے واسطے نفقہ اور سکنٰی کا فیصلہ نہیں فرمایا مگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان اور اس قسم کے اظہار کو حضراتِ صحابہ حتیٰ کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ پسند نہیں فرمایا کرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ((ما لفاطمة لا تتقي الله. تقول إن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لم يجعل لها نفقة ولا سكنٰى)). کہ کیا ہو گیا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ اللہ سے نہیں ڈرتی یہ کہتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے واسطے نفقہ اور سکنٰی کا فیصلہ نہیں فرمایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ:

واللہ لا ندع كتاب ربّنا ولا سنّة نبينا لقول امراة جهلت او نسيت.

ترجمہ: ”خدا کی قسم ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے محض ایک عورت کے قول پر معلوم نہیں اس نے صحیح بات سمجھی یا نہیں یا کوئی چیز بھلا دی۔“

جس سے صاف واضح ہوا کہ مطلقہ کے لیے نفقہ اور سکنٰی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک کتاب اللہ کا حکم تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی طحاوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ثابت ہے اور اسی طرح دار قطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی اس کی تصریح ہے۔ حضراتِ اہل علم مراجعت فرمالیں۔

طلاق ثلث باجماع اُمت تین طلاق ہیں

نص قرآنی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ تین طلاق کے بعد حرمت قطعیہ واقع ہو جاتی ہے۔ اور رجوع کا امکان باقی نہیں رہتا جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ﴾ میں گزر چکی۔ خواہ تین طلاقیں متفرقاً اور علیحدہ علیحدہ دی ہوں یا بیک وقت۔ اس اجماعی فیصلہ میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ ظاہریہ اور بعض حنابلہ سے اختلاف نقل کیا گیا۔ مگر خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی فتویٰ ہے اور امت کے کل فقہاء محدثین و مفسرین اسی کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی اس پر ایک باب باندھا ہے فرمایا۔ بابُ من اجاز الطلاق الثلث بقولهٖ تعالٰى اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ [1] فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک دفعہ ایک ہی زبان سے تین طلاق کہہ دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ البتہ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اور بعض ظاہریہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک کلمہ سے تین طلاق دینے سے ایک شمار کی جائے گی۔ اس کے بعد امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام شکوک واوہام کا جواب دیا (اصل کی مراجعت فرمالی جائے)۔

روایات سے ثابت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلافت میں تمام صحابہ اور فقہاء کے مشورہ سے یہ فتویٰ دیا گیا کہ جو شخص تین طلاق دے گا اس کو تین ہی شمار کیا جائے گا۔ اور کسی نے اگر اس کی خلاف ورزی کی تو اس کے درے لگائے جائیں گے۔ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۲۹۔

محلیٰ بن حزم، زاد المعاد، غاثۃ اللہفان لابن القیم اور سنن بیہقی میں حضرت عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا یہ فتویٰ باسانید صحیحہ نقل کیا گیا ہے۔ شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے خلفائے ثلاثہ اور عبادلہ سے صراحتاً اسی بات کو نقل کیا کہ بیک وقت بھی تین طلاق دینے سے عورت مغلظہ بائنہ ہوجاتی ہے علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مؤطا میں حافظ ابن عبدالبر، قاضی ابوبکر حصاص، امام طحاوی اور حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم نے اس اجماعی فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اس کی مخالفت نا قابل التفات اور نا قابل اعتبار ہے۔ [1]

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اس میں اختلاف کیا مگر ان کے خاص رفیق اور زندگی بھر ساتھ دینے والے امام حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شدت سے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا رد فرمایا۔ [2]

مسئلہ طلاق ثلث میں حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تحقیق

اس اجماعی مسئلہ میں اختلاف کرنے والے اس روایت کا سہارا لیتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں مگر پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں جاری کردیں تو بعض ظاہریہ نے اس سے استدلال کیا کہ اصل تو تین طلاقیں بیک وقت ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ ان کو تین کی حیثیت سے جاری و نافذ کرنا یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کسی حکمت اور مصلحت کے باعث اپنا عمل اور فیصلہ تھا تو اس سلسلہ میں اوّلاً تو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل، ابن عبدالبر، قرطبی، ابوبکر رازی، جصاص و دیگر ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم اس کی تضعیف کرتے ہیں اس حدیث کی سند میں ایک راوی صہیب ابوالصہباء بکری واقع ہے جس کو ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ بتایا ہے لیکن امام نسائی اس کو ضعیف فرماتے ہیں۔ بہرکیف راوی متکلم فیہ ہے اسی وجہ سے بخاری نے اس کی روایت نہیں تخریج کی۔ حافظ ماردینی رحمۃ اللہ علیہ الجوہر النقی ۷ ۳۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں:

و ابوالصھباء ممن روع عنھم مسلم دون البخاری وتکلموا فیه. قال الذھبی فی الکاشف قال النسائی ضعیف فعلی ھذا یحتمل ان البخاری ترک ھذا الحدیث لاجل ابی الصھباء.

اس کے برعکس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب من اجاز الطلاق الثلاث القول اللہ عزوجل: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ﴾ منعقد کر کے طلاق ثلث کے جواز کو آیات قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے ثابت کیا کہ عہدِ رسالت میں تین طلاقیں لازم اور نافذ تھیں۔

اس کے علاوہ سند اور متن میں اضطراب ہے، فی اسنادٍ عن عبداللہ بن طاؤس عن طاؤس وفی اسناد آخر عن طاؤس عن عبداللہ بن عباس اور متن کا اضطراب یہ ہے کہ کسی روایت کے متن میں یہ ہے کہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما عام طور پر یہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق تھی.... الخ۔

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۳۱۹۔

[2] ملاحظہ فرمائیں معارف القرآن جلد ۱ ص ۴۳۴ تا ص ۴۴۱۔

اور کسی روایت میں ہے کہ ابوالصہباء نے اس ایک طلاق کو غیر مدخولہ کے حق میں سمجھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب آدمی اپنی عورت کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے دیتا ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں اس کو ایک ہی جانا جاتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو غیر مدخولہ کے حق میں سمجھ کر یہی فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے جب آدمی اپنی عورت کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں لوگ اس کو ایک ہی جانا کرتے تھے تو اس حقیقت کے پیش نظر مسئلہ کی نوعیت قطعاً ہی بدل گئی۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اغاثۃ اللہفان میں اس اضطراب کو تسلیم کیا ہے۔ دیکھو عمدۃ الابحاث ص ۷۷۔

مزید برآں یہ حدیث شاذ ہے جیسا کہ بیہقی اور ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا راوی صرف طاؤس رحمۃ اللہ علیہ ہے اور طاؤس کے علاوہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کبار تلامذہ واصحاب مثلاً مجاہد، سعید بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار اور مالک بن الحارث رحمۃ اللہ علیہم وغیر ہم یہ نہیں بیان کرتے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تمام کتب سنن میں مذکور ہے۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس بناء پر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ رد کرتے ہیں تو احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہی عذر کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد طاؤس کے خلاف ان سے روایت کرتے ہیں:

وقال الاثر و رسالت اباعبدالله احمد بن حنبل عن حديث ابن عباس كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابوبكر و عمر واحدةً فبای شیءٍ تدفعه فقال بروایت النّاس عن ابن عباس انها ثلث. كذا في المغني)). (اعلاء السنن ص ۵۲٦ ج ۱۱)

((قال الجوزجاني هو حديث شاذ و قد عنيت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم اجد له اصلا. وقال القاضي اسماعيل في احكام القرآن طاؤس مع فضله وصلاحه يروي اشياء منكرة فمنها هذا الحديث. وقال ابن رجب كان علماء مكة ينكرون على طاؤسٍ ماينفرد به من شواذ الاقاويل)). (اعلاء السنن ص ۵۳۲ ج ۱۱)

قاضی ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ وبه قال المارديني في الجوهرة. وذكر صاحب الاستذكار عن ابن عبدالبر ان هذه الرواية وهم وغلط لم يعرج عليها احد من العلماء۔

بہر کیف اس تمام تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ یہ حدیث اپنی سند کے لحاظ سے قابل اعتبار اور حجت نہیں اس وجہ سے اجماع اُمت اور نص کتاب اللہ کے خلاف اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تین طلاق کو ایک قرار نہیں دیا جا سکتا ان اقوال ونقول کے بعد اس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں رہتی تاہم اگر چاہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکم غیر مدخولہ کا ہے اس کی تین طلاقیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ چنانچہ صحیح مسلم کی گزشتہ روایت سنن ابی داؤد میں بایں الفاظ مروی ہے۔ (عمدۃ الابحاث ص ۱۰)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں باب الطلاق الثلث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة۔ منعقد کر کے اس حدیث کو صرف غیر مدخولہ عورت کے حق میں شمار کیا ہے۔ بہر کیف اس تفصیل وتحقیق کے بعد اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جو بعض علماء سے

منقول ہے۔

ابتدائی زمانہ میں کوئی شخص انت طالق۔ انت طالق۔ انت طالق کہتا تو اس کی نیت صرف تاکید ہوتی تھی نہ کہ استیناف لیکن لوگ جب کثرت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ صیغہ استعمال کرنے لگے اور قرائن کی دلالت سے یہ معلوم ہو گیا کہ لوگ استیناف کا ارادہ رکھتے ہیں تو غالب اور متعارف کو ملحوظ رکھتے ہوئے تین طلاقیں شمار کی گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ خیر القرون تھا تو لوگ اس تکرار سے تاکید کا ارادہ کرتے تھے اور جو دل میں نیت کرتے تھے اور صاف صاف زبان سے ظاہر کر دیتے تھے۔ اس وقت تک طبائع میں مکر و فریب اور حیلہ و دجل نہیں تھا لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ زمانہ بدل گیا ہے اور لوگوں کو احوال بھی بدل گئے اور لوگ جلد بازی میں تین طلاقیں بیک وقت دینے لگے اور متعارف یہ تھا کہ لوگ نیت تجدید و استیناف کی کرتے ہیں تو اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین کو نافذ فرما دیا اور یہ گنجائش نہ رکھی کہ کسی وقت بھی کوئی شخص ایسا اقدام کرنے کے بعد پھر یہ حیلہ کرنے لگے کہ میں نے تو تین نہیں بلکہ ایک ہی کا تکرار بطور تاکید کیا تھا۔ مگر سند کی تحقیق بالخصوص امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت کے بعد "باب الطلاق الثلاث المتفرقہ قبل الدخول بالزوجۃ" اس طرح کی کسی تاویل یا جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ❶

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنٰهَا
اور کتنی بستیاں اچھل چلیں اپنے رب کے حکم سے، اور اس کے رسولوں کے، پھر ہم نے حساب میں پکڑا ان کو
حِسَابًا شَدِيدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ
سخت حساب میں، اور آفت ڈالی ان پر اَن دیکھی آفت۔ پھر چکھی سزا اپنے کام کی، اور آخر
أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا
اس کے کام میں ٹوٹا آیا۔ رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے مار
شَدِيدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۛ قَدْ أَنْزَلَ
سخت - سو ڈرتے رہو اللہ سے، اے عقل والو جن کو یقین ہے۔ اللہ نے اُتاری
اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُولًا يَّتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ
ہے تم پر سمجھوتی۔ رسول ہے، جو پڑھتا ہے تم پر آیتیں اللہ کی کھلی سنانے والی،

❶ اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل حضرت والد محترم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ تفسیر میں سورۃ بقرہ کی ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ﴾ کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲

لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ ۚ

کہ نکال ان کو جو یقین لائے، اور کیے بھلے کام، اندھیروں سے اُجالے میں۔

وَمَن يُؤْمِن بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِن

اور جو کوئی یقین لاوے اللہ پر، اور کرے کچھ بھلائی، اس کو داخل کرے باغوں میں،

تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا ⑪

نیچے بہتی جن کے نہریں، سدا رہیں ان میں ہمیشہ۔ البتہ خوب دی اللہ نے اس کو روزی۔

اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۖ يَتَنَزَّلُ

اللہ وہ ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمینیں بھی اتنی، اُترتا ہے

الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۙ وَّأَنَّ اللّٰهَ

حکم ان کے بیچ، تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔ اور اللہ کی

۲ ع۵ ۱۸ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫ ع

خبر میں سمائی ہے ہر چیز کی۔

تنبیہ وتحزیر برنافرمانی رب العالمین ودرس عبرت بہ بیان ہلاکت قریہائے مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ . . . الى . . . بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫﴾

ربط: گزشتہ آیات میں معاشرت اور معاملات کے احکام ذکر فرمائے جارہے تھے جن میں عدل وانصاف کا حکم تھا اور عدل وانصاف قائم کرنے کی بنیاد خوف خدا ہے اس وجہ سے درمیان میں تین بار ﴿وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ﴾ ذکر فرمایا گیا کہ اللہ کا تقویٰ مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کرتا ہے اللہ کے تقویٰ سے دشواریاں آسانیوں سے بدل جاتی ہیں۔ اور اللہ کے تقویٰ سے انسان اپنی برائیوں سے پاک ہوکر مستحق اجر عظیم ہوتا ہے تو اب ان آیات میں اللہ کی نافرمانی پر وعید اور تنبیہ فرمائی جارہی ہے۔ اور یہ کہ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے کہ مجرمین پر خدا کا کس طرح عذاب نازل ہوا اور یہ کہ اللہ رب العزت کا یہ عظیم انعام وکرم ہے کہ اس نے اپنا رسول بھیجا تاکہ لوگ کفر کی

ظلمتوں سے بچ کر ایمان وہدایت کا نور حاصل کریں۔ارشاد فرمایا:

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے سرکشی کی اور بغاوت کا طریقہ اختیار کیا تو ہم نے ان کو حساب میں پکڑ لیا بڑا ہی سخت حساب لیا اور عذاب میں ڈال دیا ان کو نہایت ہی ناگوار اور نا قابل برداشت عذاب میں پھر چکھ لیا ان بستیوں نے اپنے عمل کی سزا کو اور انجام کار ان کے عمل کا خسارہ ہی تھا دنیا میں تو تباہ و برباد کیے ہی گئے مزید برآں اللہ نے تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے سخت عذاب ظاہر ہے کہ ایسے دردناک عذاب کے واقعات سن کر ہی عقل والوں کو ایسی برائیوں بداعمالیوں اور خدا کی نافرمانی سے باز آ جانا چاہیے کہ کہیں اس طرح کی کوئی بے اعتدالی کر کے خدا کی پکڑ میں نہ آ جائیں۔

لہٰذا ڈرتے رہو اللہ سے اے عقل والو جو کہ اللہ پر ایمان لائے۔ کیونکہ عقل انسانی اللہ کی معرفت کا باعث ہے اور اس کی قدرت خالقیت ووحدانیت پر ایمان لانے پر آمادہ کرتی ہے اس وجہ سے عقل والے کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے۔ بے شک اللہ نے اے لوگوں اتارا ہے تمہاری طرف ایک نصیحت کا پیغام یعنی وہ رسول جو تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے جو کھول دینے والی ہیں حق اور باطل کو۔تا کہ وہ نکال لے ایمان والوں اور نیکی کے کام کرنے والوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف۔ کہ کفر اور جہالت کی ظلمتوں سے بچ کر وہ نور ہدایت قبول کر لیتا ہے اور یقیناً جو شخص بھی اپنی عقل وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ کی ہدایت کو قبول کرتا ہے اور اس کے رسول کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے وہ جزاء اور اکرام کا مستحق ہے اس بناء پر خداوند عالم نے یہ قانون طے کر دیا ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جو ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یقیناً خوب ہی روزی اللہ نے ایسے شخص کے واسطے عطا کی ہے کہ جنت کے رزق سے بڑھ کر اور کون سا رزق ہوگا تو یہ رزق بھی بہترین ہے اور اعمال کا بدلہ بھی بہترین اور اعمالِ صالحہ کی توفیق بھی ایک بہترین رزق تھا جو اللہ نے ایسے لوگوں کو دُنیا میں عطا فرمایا۔ وہ اللہ ہی ہے کیسی عظیم قدرت والا جس نے ساتھ آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی اسی طرح سات زمینیں پیدا کیں اور تخلیق کائنات عالم ملکوت السماوات اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق کا ایسا عجیب اور محکم نظام مقرر فرمایا کہ دنیا کے عقلاً اور حکماء حیران ہیں پھر نظام تکوینی جیسا کہ محکم۔ منظم اور مرتب ہے اسی طرح اس کا تشریعی نظام بھی نہایت محکم ہے۔ چنانچہ اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر خواہ وہ آسمان ہوں یا زمین۔ آسمان پر رہنے والے فرشتے ہوں شمس وقمر ہوں یا زمین پر بسنے والے انسان سب کے واسطے تکوینی احکام اور تشریعی ہدایات ہیں تا کہ اے لوگو! تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس نے اپنے علم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں اور جب کوئی بھی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں تو یقیناً وہ ایمان اور عمل صالح والوں کو جزاء و انعام سے نوازے گا اور مجرمین و نافرمانوں کو عذاب اور سزا دے گا اور اس کے حساب کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور چنانچہ اس قہر وعذاب سے بہت سی بستیاں تباہ کر دی گئیں۔ جیسے عاد وثمود کی بستیاں تو ان بستیوں کی ہلاکت کے تاریخی واقعات سے موجودہ دَور کے انسانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

سات آسمانوں اور سات زمینوں کے متعلق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اور اس کی تحقیق

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ... الخ﴾ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سات آسمان پیدا کیے اسی طرح اس نے سات زمینیں بھی پیدا کی ہیں گو کہ اکثر مواقع میں ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ﴾ کے ساتھ خلقِ ارض میں واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا جس سے متبادر یہی ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمین ایک ہی طبقہ ہے لیکن اس آیت میں یہ تصریح واقع ہوئی کہ جس طرح سات آسمان ہیں زمینیں بھی سات ہیں جیسا کہ جامع ترمذی اور بعض سنن کی روایات میں ہے تو یہ ممکن ہے کہ یہ سات زمینیں آسمانوں کی طرح تہہ برتہہ نہ ہوں بلکہ احتمال ہے کہ باعتبار بعض حالات کے ہوں اور بعض حالات میں ممکن ہے کہ وہ اس کرۂ ارضی سے اوپر ہوں جیسا کہ مریخ وغیرہ جن کی نسبت آج کل یورپ کے حکماء کا خیال ہے کہ اس میں پہاڑ اور دریا اور آبادیاں ہیں تو اس طرح سات زمینوں کا عدد پورا ہوسکتا ہے باقی یہ مسئلہ نہ تو اصول دین سے ہے کہ اسی کو پوری طرح سمجھے اور اس کی تحقیق کے بغیر ایمان ہی کامل نہ ہو تو ضروری نہیں کہ ہم اس کی ایسی ہی تحقیق اور تشریح کے پابند ہوں جیسا کہ اسلام کے دیگر بنیادی اصولوں کا اجمالاً اس طرح کا تصور جس کی طرف اشارہ کیا گیا ﴿وَمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ کا مفہوم، سمجھنے کے لیے کافی ہے رہی وہ روایت جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً منقول ہے جس میں یہ ہے کہ یہ سات زمینیں ہیں جس میں سے ہر زمین میں آدم ہی تمہارے آدم علیہ السلام کی طرح اور نوح ہیں حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اور ابراہیم ہیں ابراہیم علیہ السلام کی طرح اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو محدثین کے اصول سے یہ روایت شاذ ہے قابل اعتبار اور صحیح نہیں شمار کی گئی اس بنا پر اس کی تحقیق و تدقیق میں پڑنے کے بجائے بہتر یہی ہے کہ خدا کے علم کے حوالہ کردیا جائے ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ اثر کے پیش نظر کچھ شکوک و اوہام میں لوگوں کو مبتلا کرنے کی کوشش کرے یا یہ کوشش کرے کہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ العیاذ باللہ کسی اور نبوت کا بھی امکان ہے اس وجہ سے مناسب ہے کہ اس کی قدرے تحقیق کردی جائے تاکہ اس قسم کے اوہام باطلہ کا کوئی امکان نہ رہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے راویوں کے معتبر ہونے کے باعث اسناد کو قابل اعتبار تو کہا مگر محدثین و اصولیین کے ایک مسلمہ قانون کے پیش نظر کہ یہ حدیث دیگر احادیث معروفہ کے خلاف ہے اس وجہ سے شاذ اور معلول ہے اور احادیث شاذہ کو محدثین نے حجت نہیں سمجھا اس موقعہ پر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نادر تحقیق قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں یہ تحقیق الحمدللہ ایمان و استقامت کی ضامن و کفیل ہے فرماتے ہیں:

''اسلام کی دعوت اس زمین کے سوا دیگر طبقات ارض میں کتاب و سنت سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر ہوتی تو ضرور اس بارہ میں کوئی نص وارد ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو بیان فرماتے اس بناء پر علماء نے اس اثر کو باوجود صحیح الاسناد ہونے کے شاذ بتلایا ہے اور اگر صحیح مانا بھی جائے تو اس کی مختلف تاویلیں کی جاسکتی ہیں''۔

تاویل اوّل: ممکن ہے مراد یہ ہو کہ زمین کے ہر طبقہ میں ایک ہادی ہے جو اس طبقہ کے نبی کے ہم نام ہو پس ان

طبقات تحتانیہ میں آدم اور نوح اور موسیٰ علیہم السلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ہم نام ہادی ہوتے ہیں جو حقیقت میں انبیاء علیہم السلام نہ تھے بلکہ محض ہادی تھے اور اس طبقہ کے انبیاء کے ہم نام تھے اور کسی اعتبار سے اس طبقہ کے انبیاء و رسل کے مشابہ تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: ((علماءُ اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل)) اور مشابہت سے مماثلت اور مساوات لازم نہیں آتی اس لیے کہ کلام عرب میں کاف تشبیہ کے لیے آتا ہے اور تشبیہ کے لیے یہ لازم نہیں کہ مشتبہ، مشتبہ بہ کے مماثل اور برابر ہو۔ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت کرنا کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کا بھی کوئی نظیر اور ہمسر ہے کسی طرح صحیح نہیں نیز حق تعالیٰ شانہٗ کے اس قول: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: ۳۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اولادِ آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے کہ جنات میں سے رسول نہیں آئے تحتانی طبقات کے باشندے اسی طبقہ زمین کے پیغمبروں کے تابع رہے ہیں۔ (دیکھو کشاف اصطلاحات الفنون ص ۱۲۶۱ ج ۱)

تاویل دوم: یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہو کہ جس طرح اس طبقہ زمین میں نبوت کا سلسلہ جاری رہا اسی طرح زمین کے تحتانی طبقات میں بھی ہدایت کے لیے نبوت و بعثت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور چونکہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ سلسلہ کا غیر متناہی ہونا باطل ہے اس لیے ضروری ہوا کہ ہر طبقہ میں ایک مبداء سلسلہ ہوگا جو ہمارے آدم علیہ السلام کے مشابہ ہوگا اور ایک آخر سلسلہ ہو جو ہمارے خاتم النّبیین کے مشابہ ہوگا پس بناء علیہ طبقات تحتانیہ کے اواخر انبیاء پر خواتم کا اطلاق درست ہوگا مگر اس کی خاتمیت اس طبقہ کے ساتھ مخصوص ہوگی عام نہ ہوگی بلکہ اضافی ہوگی اور ہمارے خاتم الانبیاء کی خاتمیت عام اور تام اور مطلق اور دائم ہوگی کیونکہ آپ کی دعوت اور بعثت عام ہے کوئی فرد بشر اس سے مستثنیٰ نہیں لہٰذا مطابق عقائد اہل سنت یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ خاتم النّبیین ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت عام ہے اور قیامت تک تمام جن وانس پر آپ ﷺ کی شریعت کی پیروی فرض اور لازم ہے پس اگر بالفرض والتقدیر آپ کے زمانہ میں کسی طبقہ زمین میں کوئی نبی ہوا بھی تو آپؐ ہی کے شریعت کا متبع ہوگا اور وہ صرف اپنے ہی طبقہ کا خاتم ہوگا۔ اور اس کی خاتمیت اضافی ہوگی۔ اور حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت عام اور تام اور دائم ہے۔ حضور پُر نور ﷺ جس طبقہ زمین پر مبعوث ہوئے اس طبقہ زمین پر جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ مسیلمہ کذاب کی طرح بلاشبہ دجال اور کذاب ہوگا۔ مسیلمہ کذاب خواہ یمن کا ہو یا پنجاب کا سب کا ایک ہی حکم ہے۔

اور طبقات تحتانیہ کے خواتم میں عقلاً تین احتمال ہیں اور یہ کہ وہ خواتم آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت کے بعد ہوں یہ احتمال قطعاً باطل ہے اس لیے کہ حدیث ((لا نبی بعدی)) اس بارے میں نص صریح ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ دوسرے خواتم آپ ﷺ سے مقدم ہوں اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ہم عصر ہوں۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ ضرور بالضرور شریعت محمدیہؐ کے متبع ہوں گے اور ان کی خاتمیت اضافی ہوگی اور ہمارے خاتم الانبیاء ﷺ کی خاتمیت اور دعوت عام اور تام ہوگی بہر حال خاتمیت حقیقی ہو یا اضافی ظہور خاتم کے بعد ہر طبقہ زمین میں نبوت کا دعویٰ کفر اور دجل ہوگا اور ہر طبقہ کا مدعی نبوت کذاب اور دجال اور مسیلمہ اور اسود عنسی کی طرح واجب القتل ہوگا۔ اور علیٰ ہذا جو شخص آنحضرت ﷺ کی نبوت اور دعوت کو اسی طبقہ زمین کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہو اور ہر طبقہ کے خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو وہ بلاشبہ کافر اور دجال ہے۔

تاویل سوم: یہ بھی کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول عالم مثال پر محمول ہے کہ ہر طبقہ زمین میں اس طبقہ زمین کے صور مثالیہ اور اشباہ اور امثال موجود ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت اس معنی کی تائید کرتی

ہے۔ وہ یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ان زمینوں میں مجھ جیسا ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہے اور ہر زمین میں اور ہر آسمان میں ایک خانہ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین وآسمان میں ایک خانہ کعبہ موجود ہے اس طرح زمین وآسمان میں چودہ خانے کعبے موجود ہیں۔ حضرات اہل کشف کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے اور عالم مثال یعنی رؤیت مثالیہ پر محمول ہے اور فتوحات مکیہ میں اس قسم کی چیزیں بکثرت موجود ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

جدید فلاسفہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ سات آسمان ہیں اور سات زمینیں ہیں۔ فلاسفۂ عصر آسمان کے وجود کے تو سرے سے قائل ہی نہیں اور زمین کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک زمین ہے اور باقی چھ زمینوں کے قائل نہیں۔ فلاسفہ عصر کہتے ہیں کہ فضا میں جو نیلگوں رنگ نظر آتا ہے یہ فضاء کا یا ایتھر کا رنگ ہے اس لیے کہ بڑی بڑی نزدیک کن خوردبینوں سے سوائے کواکب کے فضاء میں کوئی اور جسم نظر نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے بعد مسافت کی وجہ سے آسمان نظر نہ آتا ہو اس لیے یہ انکار قابل التفات نہیں نیز فلاسفہ عصر کا مذہب یہ ہے کہ اس فضا اور خلا کی کوئی انتہاء نہیں اور ظاہر ہے کہ خوردبین کی رسائی غیر محدود نہیں۔ پس ممکن ہے کہ آسمان اس غیر محدود فضاء اور غیر متناہی خلا کے اندر اتنے دور فاصلہ پر واقع ہو کہ بعد مسافت کی وجہ سے دوربین کی رسائی نہ ہوسکتی ہو اور یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو نظر آتا ہے وہ آسمان دُنیا کا پلستر ہو۔ دیکھنے والے کو اصل عمارت تو نظر نہیں آتی بلکہ اس کا پلستر دکھائی دیتا ہے اور علیٰ ہذا فلاسفہ عصر کا سات زمینوں کے وجود کا انکار بھی بالکل بے دلیل ہے جس طرح ایک زمین موجود ہوسکتی ہے اسی طرح سات زمینیں بھی موجود ہوسکتی ہیں۔ سات زمینوں کا وجود عقلاً محال اور ممتنع نہیں اور چونکہ مخبر صادق نے ہم کو ان کے وجود کی خبر دی ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور فلاسفہ عصر کی بے دلیل باتوں سے قرآن وحدیث اور اللہ ورسول کی باتوں میں شکوک و اوہام پیدا کرنا زیب نہیں دیتا اس تحقیق عمیق سے اہل علم کے قلوب کو یقیناً طمانیت وسکون نصیب ہوگا اور دین اسلام کے کسی عقیدہ پر کسی طرح کا بھی شبہ پیدا نہ ہوسکے گا۔ وَلِلّٰهِ الحمد والمنة

تم بحمد اللہ تعالیٰ وبتوفیق اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ الطلاق

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ التحریم

اس سورت کا مضمون اپنی عظمت واہمیت کے لحاظ سے اس بات کی راہنمائی کر رہا ہے کہ مسلمان کو اپنی گھریلو زندگی کس اعتدال واحتیاط کے ساتھ گزارنی چاہیے اور اس میں اہل بیت کے حقوق وجذبات کی رعایت کے ساتھ احکام خداوندی کی اطاعت کو بھی پوری

طرح برقرار رکھا جائے اور اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج میں سے کسی کی دلجوئی کی خاطر کسی دوسرے کی حق تلفی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

ابتداء سورت میں آنحضرت ﷺ نے جو مباح چیز یعنی شہد اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اس کا ذکر ہے پھر ایسے جذبات جو اس امر کا داعی بنے ان کا بھی بیان ہے ساتھ ہی اس پر بھی تنبیہ ہے کہ گھریلو زندگی کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی راز ہو تو اس کو راز ہی رکھا جائے اور یہ بھی کہ اگر ازواج کسی قسم کی بے اعتدالی اختیار کریں تو یہ بھی نوبت آسکتی ہے کہ ان کو طلاق دے دی جائے اس ضمن میں یہ بھی واضح کردیا گیا کہ اگر عورتیں اپنی مزاجی کیفیات سے کسی قسم کی بدعنوانی یا زیادتی اختیار کریں گی تو پھر ان صالح اور نیک اطوار خاوندوں کے ساتھ اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔ اختتام سورت پر یہ بھی واضح کردیا گیا کہ بسا اوقات یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مرد صالح کی زوجیت میں کوئی شقی اور بدنصیب عورت آجائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے صالح اور پاکباز خاتون کا شوہر عاصی و نافرمان ہو تو ایسے احوال میں عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ہدایت اور حق پر پختگی کے ساتھ قائم رہے۔

آیاتہا ۱۲ — سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّةٌ (۶۶) (۱۰۷) — رکوعاتہا ۲

سورۂ تحریم مدنی ہے اور اس میں بارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ

اے نبی! تو کیوں حرام کرے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر؟ چاہتا ہے رضا مندی

اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ① قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ

اپنی عورتوں کی۔ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔ ٹھہرا دیا ہے اللہ نے تم کو کھول ڈالنا

اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ② وَاِذْ اَسَرَّ

اپنی قسموں کا۔ اور اللہ صاحب ہے تمہارا اور وہی ہے سب جانتا حکمت والا۔ اور جب چھپا کر کہی

النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ

نبی نے اپنی کسی عورت سے ایک بات، پھر جب اس نے خبر کر دی اُس کی، اور اللہ نے جتا

اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ
دیا نبی کو یہ، جتائی نبی نے اُس میں سے کچھ، اور ٹلا دی کچھ۔ پھر جب وہ جتایا عورت کو
قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾ اِنْ تَتُوْبَاۤ
بولی تجھ کو کس نے بتایا یہ؟ کہا مجھ کو بتایا اس خبر والے واقف نے۔ اگر تم دونوں توبہ کرتیاں ہو،
اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ
تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے۔ اور اگر تم دونوں چڑھائی کروگیاں اس پر، تو اللہ ہے
مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ
اس کا رفیق اور جبرئیل اور نیک ایمان والے۔ اور فرشتے اس پیچھے
ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا
مددگار۔ ابھی اگر نبی چھوڑ دے تم سب کو، اس کا رب بدلہ میں دے اس کو عورتیں تم سے بہتر
مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ
حکم بردار، یقین رکھتیاں، نماز میں کھڑی، توبہ کرتیاں، بندگی بجالاتیاں، روزہ دار
ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ
بیاہیاں اور کنواریاں۔ اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو
نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ
اس آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر، اس پر مقرر ہیں فرشتے تند کو زبردست
لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ يٰۤاَيُّهَا
بے حکمی نہیں کرتے اللہ کی جو بات ان کو فرمائی اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہو۔ اے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ
منکر ہونے والو! مت بہانے بناؤ آج کے دن وہی بدلہ پاؤ گے

ع ۱/۷ ۱۹

تَعْمَلُوْنَ ۞ ع
جو کرتے تھے۔

تعلیم صبر و استقامت و عدل و انصاف در حقوق و اُمور معاشرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ... الٰی ... اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ ع﴾

ربط: گزشتہ سورت میں طلاق وعدت کے بعض اہم احکام کا بیان تھا اب اس سورت میں بعض ایسے جذبات طبعیہ کا بیان ہے جن کے باعث خانگی زندگی کا اعتدال وتوازن ختم ہوسکتا ہے اور اس سے تفریق وجدائی کی بھی نوبت آ سکتی ہے۔ اور ایک خاص واقعہ بھی حضور اکرم ﷺ کی ازواج کی طرف سے پیش آیا تھا تو اس کی مناسبت سے بعض خصوصی احکام وہدایات بھی بیان فرمائی جارہی ہیں۔

صحیحین ودیگر کتب حدیث میں اس سورت کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں آنحضرت ﷺ کچھ دیر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے (جبکہ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد تمام ازواج کے حجروں میں تشریف لے جاتے تاکہ ان کے احوال کا علم ہو۔ اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے آپ ﷺ کی زیارت وتشریف آوری موجب برکت وراحت ہو) اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس شہد آیا ہوا تھا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو پلایا تو دو چار روز اس کے نوش فرمانے میں دیر لگی اور حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کے یہاں پہنچنے میں تاخیر پر ان کو بے چینی ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کو شہد اور میٹھی چیز پسند تھی تو یہ بات ظاہر ہونے پر حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو ہم یہ کہیں کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کے منہ سے تو مغافیر (ایک قسم کے گوند کو کہا جاتا ہے) کی بدبو آرہی ہے تاکہ آپ ﷺ اس چیز کو ترک کردیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا بیان کرتی ہیں جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا میں تو آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بدبُو محسوس کررہی ہوں آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گئے تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے تو شہد پیا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے طبعی ناگواری کے ساتھ فرمایا خدا کی قسم میں اب شہد نہیں پیوں گا تو اس طرح آپ نے اپنی قسم کے ذریعے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلیا۔ اس کے متعلق یہ سورت نازل ہوئی اور اس سلسلہ میں جو بعض باتیں پیش آئیں ان کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا یہی شان نزول صحیح ہے اگرچہ مفسرین نے ایک دوسرا واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی ہے اگرچہ مصلحتاً کسی حلال چیز سے عملاً پرہیز کرنا کوئی ممنوع فعل نہیں جب کہ عقیدۃً انسان حلال چیز کو حلال ہی سمجھتا رہے مگر پھر بھی وہ آنحضرت ﷺ کی شان رفیع کے مناسب نہ تھی تو فرمایا چاہتے ہیں آپ اپنی بعض ازواج کی خوشنودی۔ خوش خلقی اور ازواج کی خوشنودی بے شک اچھی چیز ہے۔ لیکن جس حد تک اس کی ضرورت نہ ہو یا کسی کی خوشنودی دوسری کے لیے دل شکنی اور رنج کا ذریعہ بنے یہ آپ کے مقام عالی کے مناسب نہیں تو اس پر درگذر ہے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے اور اس قسم کی غیر مناسب یا خلاف اولیٰ باتوں کو درگذر فرماتا ہے اور اپنی رحمت ومہربانی سے نوازتا ہے بے شک

اللہ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے واسطے تمہاری قسموں کا حلال کرنا کہ کسی حلال چیز سے رکے رہنے کے بجائے قسم کا کفارہ دے کر اس حلال کو اختیار کرو نہ یہ کہ عملاً اس سے اس طرح پرہیز کرتے رہو جیسا کہ حرام چیز سے پرہیز کیا جاتا ہے اور اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے وہی سب کچھ جاننے والا صاحب حکمت ہے چنانچہ ایسا ہی مقدر ہوا اور نبی کریم ﷺ نے محض اس وجہ سے کہ دیگر ازواج کے لیے کسی قسم کی رنجیدگی کا باعث نہ ہو قسم کھالی کہ میں اب آئندہ شہد نہ پیوں گا اور جب چھپا کر کہی پیغمبر نے ایک بات اپنی ازواج میں سے کسی ایک کو اور ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ کسی اور سے مت بتانا تاکہ کسی کو رنج نہ پہنچے لیکن پھر جب اس نے خبر کر دی اس بات کی ازواج میں کسی اور کو بھی چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتا دی کہ دیکھو حضور ﷺ نے شہد اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اب آپ ﷺ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں زیادہ دیر نہ کر سکیں گے اور اللہ نے اس پر اپنے پیغمبر کو مطلع کر دیا تو اللہ کے پیغمبر نے کچھ بات بتلا دی اور کچھ سے اعراض کیا اس مصلحت سے کہ اس بیوی کو کسی قسم کا رنج یا بدگمانی نہ ہو تو جب پیغمبر نے یہ بات ظاہر کی اس بیوی سے تو اس نے پوچھا کس نے خبر دی ہے آپ کو اس بات کی کہ میں نے یہ راز کسی کو بتایا ہے۔ جواب دیا۔ بتا دیا مجھ کو اس بڑے علم رکھنے والے خبردار نے کہ جس پروردگار کے علم میں ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔ اللہ رب العزت جب کسی بات کو ظاہر کرنا چاہے تو اسے کوئی نہیں چھپا سکتا تو آنحضرت ﷺ نے حسن معاشرت اور وسعت اخلاق کے بارہ میں چاہا کہ یہ شہد پینے کے معاملہ کو بھی ترک کر دوں تاکہ وہ ازواج جو حضور ﷺ کے غایت تعلق کی وجہ سے آپ ﷺ کی تشریف آوری اور زیارت کے لیے بے چین رہتیں اور اگر ذرا چند لمحوں کی بھی دیر ہوئی تو وہ دیر ان کو دو بھر گذری ادھر یہ بھی چاہا کہ جو بیوی اس تعلق اور جذبہ سے آپ ﷺ کی ایک مرغوب چیز (شہد) سے تواضع کرتی تھیں ان کو اس کا علم نہ ہو کیونکہ ان کو معلوم ہونے سے یقیناً رنج پہنچے گا اس وجہ سے یہ صورت کی کہ شہد حرام کر لیا اور اس کی قسم کھانے کے بارہ میں یہ بھی تاکید کر دی کہ کسی کو خبر نہ کی جائے لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا بہرکیف عورت تھیں اور عورت کے مزاج میں ضعف ہوتا ہے تو اس کو چھپا نہ سکیں اور حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر کر دی ظاہر ہے کہ اس صورت حال کے پیش آنے پر ان دونوں کا قصور ظاہر ہوا تو حق تعالیٰ نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر تم دونوں اللہ کی طرف تائب ہو جاؤ تو اچھا ہے کیونکہ تمہارے دل جھک پڑے تھے ان میں میلان اور ٹیڑھا پن آ گیا تھا اور جادۂ اعتدال سے جھک کر ایک طرف مائل ہو چکے تھے اور اے عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما اگر تم دونوں پیغمبر خدا پر کوئی غلبہ حاصل کرنے کا ارادہ کرو گی تو پھر سمجھ لو کہ اللہ بھی ان کا مولیٰ ہوگا اور جبریل بھی اور صالحین مؤمنین بھی یہ سب خدا کے پیغمبر کی مدد کے لیے ہوں گے اور یہ ہی نہیں بلکہ فرشتے بھی اس کے بعد مددگار ہوں گے۔ تو خدا اس طرح اپنے پیغمبر کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔

اور ایسی صورت میں کہ خدا اس کے فرشتے جبریل امین علیہ السلام اور صالحین [1] مؤمنین مددگار ہوں تو کوئی تدبیر اور حیلہ کارگر نہیں ہو سکتا پیغمبر خدا ﷺ کی ازواج کو پیغمبر کی تکلیف اور رنج سے ڈرنا چاہیے خدا اپنے پیغمبر کو ہر قسم کی ذہنی اُلجھن سے پاک اور محفوظ فرمانے پر بڑا ہی قادر ہے اس وجہ سے اے ازواجِ رسول رضی اللہ عنہن سن لو بہت قریب ہے یہ بات کہ اگر یہ نبی تم کو طلاق دے دیں تو پھر ان کا رب ان کو دوسری بیویاں دے دے تمہارے بجائے جو تم سے بہتر ہوں فرمانبردار ہوں ایمان و یقین رکھنے والیاں خدا کی مطیع توبہ کرنے والی عبادت گزار روزہ دار ہوں بیوہ ہوں اور دوشیزہ لہٰذا کسی کو یہ دھوکہ نہ لگے اور نہ ہی یہ تصور پیدا ہو کہ ہم سے بہتر پیغمبر کو اور کوئی نہیں مل سکتا۔

---

[1] بعض مفسرین نے صالح المؤمنین کی تفسیر میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام بیان کیا ہے اور ان ناموں کا ذکر کرنا حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پیش نظر نہایت ہی لطیف اور مناسب ہے۔ ۱۲

پیغمبر کے لیے اللہ جس کی بھی زوجیت مقرر فرمادے گا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوگی اور اس میں ایمان ویقین اور باطنی کمالات وخوبیوں کے ساتھ جسمانی محاسن بھی پیغمبر کا رب ان میں جمع کردے گا۔

انسان کی زندگی میں ایسے گھریلو واقعات اور ناگوار خاطر امور پیش آہی جایا کرتے ہیں اس وجہ سے اے ایمان والو تمہیں خاص تاکید کے ساتھ یہ ہدایت ہے کہ بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی ایسی آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس کے عذاب اور گرفت سے نہ کوئی بچ سکتا ہے اور نہ نکل سکتا ہے جس پر فرشتے سخت مزاج نہایت مضبوط نگران ہیں جو نافرمانی نہیں کرتے اللہ کے حکم کی جو بھی اللہ انکو حکم دے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے تو جس جہنم پر ایسے فرشتے نگران ہوں گے کہ ان کو مجرموں پر نہ ترس آئے گا اور نہ وہ نرم دل ہوں گے یقیناً اس کے عذاب سے کوئی مجرم نہیں بچ سکتا اور انسان کو چاہیے کہ اپنی ذمہ داری کے ساتھ افراد خانہ اور اہل وعیال کی بھی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور یہ سب کام انسان دنیا کی زندگی ہی میں کرسکتا ہے یہ زندگی دار العمل ہے اور روز آخرت دار العمل نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ روز جزاء ہوگا جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ((یاایھا الناس انکم الیوم فی دار العمل ولا حساب وانتم غداً فی دار الجزاء ولا عمل))۔ کہ اے لوگو! تم آج دار العمل میں ہو جہاں حساب وکتاب نہیں مگر کل آنے والے دن اس جگہ ہوں گے۔ جہاں حساب ہی حساب ہوگا نہ کہ عمل تو ایسے ہیبت ناک دن اعلان ہوگا اے کافرو! مت عذر پیش کرو آج کے دن اب تو بس تمہیں بدلہ دیا جائے گا ان اعمال کا جو تم کرتے تھے تو جب روز قیامت جہنم سامنے ہوگی اور اس کا دہکتا ہوا عذاب نظر آرہا ہوگا اور مجرموں پر یہ تنبیہ ہوگی کہ اب عذر اور بہانوں کی گنجائش نہیں تو بلاشبہ ایسے دن سے پہلے انسان اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کرلے تو بہتر ہے اور بعض دفعہ معمولی جھگڑے بھی بڑی مصیبت کا سبب بن جاتے ہیں تو اس وجہ سے گھریلو منازعات اور باہمی رنجش کی باتوں سے بڑا ہی محتاط رہنا چاہیے اور ان سب باتوں کے لیے بنیادی چیز اپنے طبعی جذبات کو قابو میں رکھنا ہے ساتھ حلم اور درگذر بھی چاہیے جیسا کہ بیان کردہ واقعہ میں پیغمبر خدا ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے معلوم ہوا۔

خطاب خاص برائے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا کہ میں ایک عرصہ دراز تک اس فکر میں رہا اور یہ چاہتا تھا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ معلوم کروں کہ یہ دو کون ہیں آنحضرت ﷺ کی ازواج میں سے جن کو یہ خطاب فرمایا گیا ہے کہ "اگر تم دونوں اللہ کی طرف تائب ہوجاؤ تو بہتر ہے کیونکہ تمہارے دلوں میں ٹیڑھا پن پیدا ہوگیا ہے"۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لیجا رہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ (اور ہمت نہ ہوتی تھی کہ دریافت کروں) ایک دن جب وہ کسی منزل پر ٹھہرے ہوئے تھے اور ایک جانب کسی ضرورت کو گئے اور جب واپس فارغ ہوکر آئے اور میں وضو کرانے لگا تو عرض کیا اے امیر المؤمنین یہ دو عورتیں کون ہیں جن کے بارہ میں قرآن کریم نے فرمایا ہے ﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ فرماتے ہیں میں نے یہ لفظ منہ سے نکالا ہی تھا کہ فرمایا تعجب کی بات ہے اے بھتیجے (کہ تم کو اب تک اس کا علم نہیں) یہ تو عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ کہہ کر پھر تفصیل سے یہ قصہ سنانا شروع کردیا کہ ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے جب مدینہ منورہ آئے تو یہاں کے لوگوں کو پایا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ تو ہماری عورتیں بھی مدینہ آکر ان کی باتیں سیکھنے اور اختیار کرنے لگیں۔ اور فرمایا میرا مکان عوالی مدینہ

میں دار امیہ بن زید میں تھا ایک روز میں اپنی اہلیہ پر کچھ ناراض ہوا اور غصہ میں کچھ کہا تو ناگہاں میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے الٹ کر جواب دے رہی ہے مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے اس کو کہا کہ اچھا تو مجھے جواب دے رہی ہے اس پر وہ کہنے لگی اے عمر رضی اللہ عنہ تمہیں اس بارہ میں کیوں تعجب ہو رہا ہے کہ میں تمہیں جواب دے رہی ہوں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تو رسول خدا سے مراجعت کر رہی ہیں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہو کر صبح سے شام تک علیحدہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر میں فوراً حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرتی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں اس قسم کی بات ہے میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے ناراض صبح وشام تم سے علیحدہ رہتے ہیں۔ جواب دیا جی ہاں! ایسا ہی ہے میں نے کہا یقیناً تم میں سے وہ ہلاک وتباہ ہوئی جس نے ایسا کیا۔ کیا تم اس بات سے مطمئن ہو کہ خدا ناراض نہ ہوگا تم سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ اور ناراضگی کی وجہ سے۔

تو پوری تفصیل سے قصہ نقل کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور گفتگو کا واقعہ بیان کیا۔ اہل علم صحیح بخاری ومسلم کی مراجعت فرمائیں۔

روایات میں ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے جب نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا تو ایک ماہ کے لیے ایلاء فرمالیا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارہ کا حکم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔

وہ ایک واقعہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے نفقہ کی زیادتی کی فرمائش پر تھا وہ ایک قسم تھی۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایک ماہ تک ملاقات نہ کرنے کی اسی کے ساتھ یہ دوسرا واقعہ تھا جس میں شہد نہ پینے کے لیے قسم تھی مطالبہ نفقہ پر آیت تخییر سورۂ احزاب کی نازل ہوئی۔ اور شہد کی حرمت پر یہ سورۂ تحریم نازل ہوئی۔

(تفصیل کے لیے کتب سیرت وتفسیر کی مراجعت فرمائی جائے)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس وقت ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملہ میں جب باہم جمع ہوگئیں حمیت وغیرت کے جذبہ میں آ کر تو میں نے ان سے کہا: ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾ تو (کچھ ہی دیر بعد) یہی الفاظ قرآن کریم میں نازل ہوگئے تو یہ آیت بھی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقات میں سے ہے جس طرح آیت ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرہ:۱۲۵) اور آیت حجاب ان کی موافقات میں سے ہے۔ سبحان اللہ! کیا مقام ہے کہ قرآن کریم کی آیات لوح محفوظ سے اترنے سے پہلے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قلب ودماغ میں القاء کی جارہی ہیں اور ان کی زبان قبل از نزول ہی ان کا تلفظ کر رہی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ

اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی طرف، صاف دل کی توبہ۔ شاید تمہارا رب

اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اُتارے تم سے تمہاری برائیاں، اور داخل کرے تم کو باغوں میں، جن کے نیچے بہتی

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ
نہریں جس دن اللہ ذلیل نہ کرے گا نبی کو، اور جو یقین لائے ہیں اس کے ساتھ۔ ان کی روشنی
يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا
دوڑتی ہے ان کے آگے، اور اُن کے داہنے، کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی،
وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ⑧ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ
اور معاف کر ہم کو۔ تو ہر چیز کر سکتا ہے۔ اے نبی لڑائی کر
الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَ
منکروں سے اور دغابازوں سے اور سختی کر ان پر۔ اور ان کا گھر دوزخ ہے۔ اور
بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨
بری جگہ پہنچے۔

حکم توبہ وانابت الی اللہ باخلاص قلب ووعدہ معافی خطایا وبشارت حصول نعمتہائے جنت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا . . . الٰى . . . وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑨ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں انسانی زندگی کے لیے ایسی ہدایات تھیں کہ ان پر عمل کرنے سے انسان اس قسم کی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جو مزاجی عدم اعتدال یا گھریلو منازعات کی وجہ سے پیش آتی ہیں اب ان آیات میں اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کا حکم ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اپنی کوتاہی پر نادم وشرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرے اور توبہ واستغفار صدق دل سے کرے اسی سے اس کی نجات وکامیابی ہے۔ ارشاد فرمایا:

اے ایمان والو! رجوع کرو اللہ کی طرف سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اپنے کیے پر نادم وشرمندہ ہوتے ہوئے اور اخلاص دل سے یہ وعدہ کرتے ہوئے کہ پھر آئندہ ایسی غلطی نہ کروں گا اور اس عقیدہ کے ساتھ کہ اللہ بڑا ہی غفور رحیم ہے اور وہ قادر مطلق ہے گناہ پر گرفت فرما سکتا ہے اور چاہے تو معاف بھی فرمانے والا ہے۔ اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیاں مٹا دے گا اپنے فضل وکرم سے اور داخل کرے گا تم کو ایسے باغوں میں جن کی محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں ہر قسم کی راحت اور ہر نوع کی نعمت موجود ہوگی۔

جس دن کہ اللہ شرمندہ نہیں کرے گا اپنے پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو اس پیغمبر کے ساتھ ایمان لائے بلکہ بڑے ہی اعزاز و اکرام بلند سے بلند تر مناصب اور مقام عطا فرمائے گا۔ ان اہل ایمان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کی داہنی جانبوں میں کہتے ہوں گے۔ غایت فرحت و سرور سے اور اللہ کے انعامات کا شکر ادا کرتے ہوئے۔ اے ہمارے پروردگار پوری کر دے ہمارے واسطے ہماری روشنی اور معاف کر دے ہماری وہ تمام کوتاہیاں اور غلطیاں جو ہم نے تیرا حق ادا کرنے میں کیں بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔

جہاں ایک طرف ان گزشتہ واقعات میں صبر و حلم اور عفو و درگذر کی تعلیم دی گئی اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ کافروں اور منافقوں کے ساتھ ضرورت ہے کہ سختی اور قوت کا استعمال کیا جائے ان کا مجرمانہ کردار اس کا متقاضی ہے کہ سزا اور سرکوبی کا عمل ان کے ساتھ کیا جائے۔ برخلاف گھریلو زندگی کے کہ اس میں نرمی اخلاق اور صبر و حلم ہی زیب دیتا ہے تو فرمایا اے نبی ﷺ جہاد کیجیے کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کیجیے اور وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان پر نرمی کی جائے کیونکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور یہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے تو جو لوگ اللہ کے اور اس کے رسول کے دشمن ہیں اور مجرم ہیں۔ خدا نے ان کے واسطے شدت و سختی اور عذاب جہنم طے کر دیا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ نرمی برتنے کا کوئی مطلب نہیں وہ بلاشبہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر سختی کی جائے اور جہاد کے ذریعے سرکوبی ہو۔ کیونکہ ان کے کفر و نافرمانی سے عالم کا امن تباہ ہوگا اور ایسے مفسدوں اور فتنہ انگیزوں کی سرکوبی ہی عالم کے لیے امن و عافیت کا موجب ہے تو پیغمبر خدا ﷺ کی ایسے مجرموں کے ساتھ یہ سختی بھی دُنیا میں بسنے والے انسانوں کے واسطے رحمت و مہربانی ہوگی۔

تَوْبَةً نَّصُوْحًا کی تفسیر

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا فرما رہے تھے ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ﴾ کہ توبہ نصوح یہ ہے انسان گناہ کرلے تو اس سے تائب ہو اور اس طرح کہ پھر وہ گناہ دوبارہ نہ کرے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عزم اور ارادہ کے ساتھ توبہ کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا اس طرح کبار تابعین و ائمہ سے منقول ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عزم اور پختہ ارادہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کو کیے ہوئے گناہ پر ندامت ہو اسی وجہ سے بعض روایات میں ہے۔ اَلتَّوْبَةُ. اَلنَّدَمُ کہ توبہ ندامت کا نام ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے توبہ نصوح یہ ہے کہ تم گناہ سے توبہ کے بعد گناہ سے اتنی ہی نفرت کرنے لگو جس قدر تم کو اس سے پہلے اس گناہ کی رغبت تھی اور جب اس گناہ کا خیال آئے اس سے بارگاہ خداوندی میں استغفار کرو۔ احادیث صحیحہ میں ہے توبہ انسان کے گناہوں کو اس طرح مٹاتی ہے جس طرح کہ اسلام سے اس سے قبل کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ احادیث میں سید الاستغفار کے کلمات اسی حقیقت کا تصور کرے دوسرے طرف اپنی خطاؤں اور تقصیرات کو دیکھے یقیناً اس پر ایک ندامت و شرمندگی کی کیفیت قلب میں پیدا ہوگی۔ اس ندامت کے ساتھ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور آئندہ کے لیے اپنے رب سے عہد کرنا کہ پھر آئندہ میں حتی الامکان اس طرح کی غلطی نہ کروں گا اور اس پر خدا سے مدد مانگے اور اپنی ہمت و کوشش اسی پر صرف کرے تو ان شاء اللہ یہ توبہ نصوح ہوگی اور اُمید ہے اس پر وہی ثمرات مرتب ہوں گے جن کا وعدہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: ﴿ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴾ (ابراہیم: ۲۰) ... ﴿ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴾ (الممتحنۃ: ۴) ... ﴿ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴾ (آل عمران: ۱۹۳)

میدانِ حشر میں اہل ایمان کا نور

﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ یہ اہل ایمان کے نور کا بیان ہے جو قیامت کے روز پل صراط پر بھی ہوگا ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب یہ نور دراصل اسی نور کا ثمرہ ہوگا۔ جو روز عہد الست اولاد آدم اس کو نور ہدایت حال ہوا۔ اسی نور کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرہ: ۲۵۷) اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو فرمایا گیا: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (الزمر: ۲۲) یہی نور مؤمن کی قبر میں ہوگا اور پھر یہی نور میدانِ حشر میں اس کے ساتھ ہوگا جس کو اس آیتِ مبارکہ میں بیان فرمایا گیا گویا بدءِ تخلیق سے لے کر عام حشر تک نور ہدایت کا سلسلہ اس طرح مربوط ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((انا اوّل من يؤذن له بالسجود يوم القيٰمة و اوّل من يوذن له برفع راسه فانظر بين يدى فاعرف امتى بين الامم وانظر عن يمينى فاعرف امتى بين الامم. وانظر عن شمالى فاعرف امتى من بين الامم فقال رجل يا رسول الله كيف تعرف امتك من بين الا مم. قال غرٌّ محجلون من اٰثارِ الوضؤ و لايكون احد من الامم كذٰلك غيرهم و اعرفهم يوتون كتبهم بايمانهم. و اعرفهم سيماهم فى وجوههم من اثر السجود و اعرفهم بنورهم يسعٰى بين ايديهم)).

ترجمہ: "کہ قیامت کے روز میں ہی سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس کو سجدہ کی اجازت دی جائے گی اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کو سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی تو پھر میں دیکھوں گا اپنے سامنے تو اپنی اُمت کو پہچانوں گا دوسری تمام اُمتوں کے درمیان۔ پھر دائیں طرف دیکھوں گا تو بھی تمام امت کے درمیان اپنی امت کو پہچان لوں گا پھر اپنے بائیں جانب دیکھوں گا تب بھی اپنی اُمت کو دوسری تمام امتوں کے درمیان پہچان لوں گا تو ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس طرح تمام اُمتوں کے درمیان پہچانیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کے لوگ روشن پیشانیوں اور سفید قدم والے ہوں گے وضو کے آثار سے۔ اس قسم کی شان کسی بھی قوم کو نہ ہوگی تمام اُمتوں میں سے۔ اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے نامہ ہائے اعمال دیئے جائیں گے اور اس طرح بھی پہچان لوں گا کہ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہوں گے اور میں ان کو اس طرح بھی پہچانوں گا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔"

اللّٰهم اجعلنا منهم بفضلك و كرمك يا اكرم الاكرمين وارزقنا شفاعة حبيبك بنبيك سيد الانبياء والمرسلين سيّدنا ومولٰينا محمد واٰله واصحابه اجمعين.

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ

اللہ نے بتائی ایک کہاوت منکروں کے واسطے، عورت نوح کی اور عورت لوط کی۔

كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ

گھر میں تھیں دونوں دو نیک بندوں کے ہمارے بندوں میں سے، پھر ان سے چوری کی،

يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑩

پھر وہ کام نہ آئے ان کو اللہ کے ہاتھ سے کچھ، اور حکم ہوا کہ جاؤ دوزخ میں ساتھ جانے والوں کے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ

اور اللہ نے بتائی ایک کہاوت ایمان والوں کو عورت فرعون کی، جو بولی

رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ

اے رب! بنا میرے واسطے اپنے پاس ایک گھر بہشت میں، اور بچا نکال مجھ کو فرعون سے، اور اس کے کام سے،

وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ⑪ ۙ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ

اور بچا نکال مجھ کو ظالم لوگوں سے۔ اور مریم بیٹی عمران کی، جس نے

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ

روکی اپنی شہوت کی جگہ، پھر ہم نے پھونک دی ایک اپنی طرف کی جان، اور سچ جانی باتیں

رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ⑫ ع

اپنے رب کی اور اس کی کتابیں اور تھی بندگی کرنے والوں میں۔

نمونۂ ایمان و کفر و ہدایت و شقاوت برائے خواتین عالم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا . . . اِلٰى . . . وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ⑫﴾

ربط: گزشتہ آیات میں توبہ کا حکم اور قلب کی تطہیر و پاکی کا بیان تھا اور یہ کہ اللہ رب العزت اپنے پیغمبر اور ان کے ساتھ ہو جانے والوں کو قیامت کے روز ذلت اور شرمندگی سے بچائے گا۔ اب ان آیات میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ پیغمبر خدا کے ساتھ وہ نسبت جو آخرت

میں کام آتی ہے وہ اس کے ساتھ ایمانی رشتہ ہے۔ اسی رشتہ پر نجات آخرت کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے اگر اللہ کے پیغمبر پر ایمان نہ ہو تو کوئی بھی قرابت اور رشتہ کام نہیں آتا۔ اس مضمون کو ثابت کرنے کے لیے ایک طرف حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کا ذکر ہے دوسری طرف امراءۃ فرعون اور ساتھ ہی حضرت مریم علیہا السلام کا بھی ذکر ہے اصل تقابل تو امرأۃ نوح و لوط کے ساتھ فرعون کی بیوی کا تھا لیکن ایمانی معرفت اور استقامت و تقویٰ کے وصف میں شریک ہونے کے باعث مریم بنت عمران علیہما السلام کا ایمانی شرف اور فضل و کمال بھی بیان کر دیا اور ان دونوں کو بحیثیت نمونۂ ایمان و ہدایت ہونے کے پیش کیا گیا اور ان دونوں نمونوں کو بیان کر کے اسی حقیقت پر آگاہ کرنا ہے فرمایا۔

مقرر کر دیا ہے اللہ نے مثال اور نمونہ کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو جو زوجیت میں تھیں دو بندوں کی ہمارے نیک بندوں میں سے بجائے اس کے کہ وہ دونوں اللہ کے ان نیک بندوں اور صالح بندوں اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ انہوں نے ان دونوں سے خیانت کی تو یہ دونوں ان عورتوں کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے کچھ کام نہ آئے اور کہہ دیا گیا ان کو داخل ہو جاؤ تم آگ میں انہی لوگوں کے ساتھ جو جہنم میں داخل ہونے والے ہیں حالانکہ یہ دونوں بیویاں تھیں مگر چونکہ ایمان کے رشتہ اور تعلق سے محروم تھیں تو یہ نسبی [1] رشتہ اور علاقہ کچھ کام نہ آیا اور اس نفاق کی بدولت عام کفار کے ساتھ جہنم میں دھکیل دی گئیں۔

اور اس کے بالمقابل ایک نمونہ ایمان والی عورتوں کا ہے جس کو اللہ نے مثال بنا دیا ہے ایمان والوں کے واسطے فرعون کی بیوی [2] کو۔ جب کہ اس نے اپنے پروردگار سے التجا کرتے ہوئے کہا: اے میرے پروردگار! بنا دے میرے واسطے ایک گھر اپنے پاس بہشت میں اور نجات دے دے مجھ کو فرعون سے اور اس کے عمل کفر سے اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے جس وقت کہ فرعون کو ان کے ایمان کا علم ہوا تو سخت ترین عذاب دینا شروع کیا چاروں ہاتھوں پاؤں میں میخیں ٹھونک کر ایذائیں دیں اس حالت کرب میں کمال استقامت پر ایمان پر قائم رہتے ہوئے اپنے رب سے آخرت کی نعمتیں مانگتی رہیں۔ اور مثال بنا دیا ہے اللہ نے مریم علیہا السلام، عمران علیہ السلام کی بیٹی کو جس نے پاک رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو بغیر اس کے کہ کوئی بشر اس کو چھوئے۔ پھر ہم نے فرشتہ کے ذریعے پھونکا اس میں اپنی روح میں سے ایک روح کو اور سچائی تسلیم کی اس نے اپنے رب کے کلمات کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ تھی عبادت گذار بندیوں میں سے تو اس طرح یہ دو عورتیں دُنیا میں ایماندار عورتوں کے واسطے نمونہ ہیں۔ ان کے ایمان و تقویٰ کو دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے اور دُنیا

---

[1] مقصد یہ کہ پیغمبروں کے ساتھ یہ رشتہ بھی ایمان کے بغیر بیکار رہا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں یعنی ''اپنا ایمان درست کرو نہ خاوند بچا سکے نہ جورو یہ قانون سب کو سنا دیا'' بہر حال حضرت نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کو جو منافق تھیں جہنم میں دھکیل دیا گیا ان کے برعکس فرعون کی بیوی آسیہ علیہا السلام بنت مزاحم پکی ایمان دار عورت اور ولی کامل تھی اور اس کا شوہر فرعون تھا مگر ایمان کی بدولت جنت کی بشارت دُنیا ہی میں ان کو مل گئی۔ ۱۲

[2] روایات سے یہ ثابت ہے کہ فرعون کی یہ بیوی وہ تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی جب کہ ان کو دریا میں بہتے ہوئے تابوت سے نکالا گیا۔ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں گذر چکی ہے۔ فرعون کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ ایمان لے آئیں تو طرح طرح سے ستانا شروع کیا۔ ایسی ایذائیں دیں کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا مثلاً چومیخا کر دینا۔ آخر فرعون نے ان کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کامل الایمان ہونے کی شہادت دی۔
نیز حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں گذر چکا ان کی عفت و پاکدامنی اور ایمان و تقویٰ پر مشتمل آیات کی تفسیر گذر چکی ہے۔ ۱۲

کی عورتوں کو دعوت دی جاسکتی ہے کہ تم مریم بنت عمران اور آسیہ امراءۃ فرعون علیہم السلام جیسا ایمان وتقویٰ اور پختگی اختیار کرو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرعون کی بیوی اگرچہ ظاہری رشتہ میں اس کی بیوی تھی لیکن جب وہ ایمان لے آئی تو اب اس کا کوئی تعلق فرعون سے نہ رہا اور فرعون کے کفر و سرکشی کے آثار و نتائج سے اس پر کوئی ثمرہ عذاب کا تو کیا مرتب ہوتا اس کو بحالت زندگی ہی جنت کی بشارت دی گئی۔ اور جنت کا وہ محل دکھا دیا گیا جو اس کے واسطے اللہ نے مخصوص فرمایا تھا تاکہ اس محل کو اور آخرت کی راحتوں کو دیکھ کر سب سختیاں آسان ہو جائیں۔

آسیہ علیہا السلام امراءۃ فرعون کے ایمان کا واقعہ

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرعون کی بیوی کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بیان کی ہے بیان کیا کہ اس کا ایمان لانا اس کے محل کی ایک نگران یا خازن کی عورت کی وجہ سے ہوا کہ وہ ایک روز بیٹھی فرعون کی ایک بیٹی کے سر میں کنگھا کر رہی کہ ہاتھ سے کنگھا گر گیا تو وہ بولی:

((تَعِسَ مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰهِ)).

ترجمہ: ”یعنی ہلاک ہو وہ جو اللہ کا کفر کرے۔“

فرعون کی بیٹی یہ سن کر بولی اور کیا کوئی رب ہے، میرے باپ کے علاوہ؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں! وہ میرا رب ہے، اور تیرے باپ کا بھی رب ہے اور کائنات کی ہر چیز کا رب ہے، اور میں تو صرف اسی کی عبادت کرتی ہوں اس پر فرعون کی بیٹی نے اس باندی کے منہ پر چپت مارا اور اپنے باپ فرعون کو اس کی خبر کی۔ فرعون نے اس کو بلایا اور کہا کیا تو میرے سوا کسی کی عبادت کرتی ہے جواب دیا ہاں! میں عبادت کرتی ہوں اپنے رب کی اور تیرے بھی رب کی اور ہر چیز کے رب کی اور میں تو صرف اسی کی عبادت کروں گی فرعون نے اس کو طرح طرح سے ستایا اسی طرح ایذاؤں کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ فرعون نے ایک روز آ کر اس کو دھمکی دی اور کہا کیا تو باز نہیں آئے گی۔ اس نے جواب دیا:

((رَبِّیۡ وَ رَبُّكَ وَ رَبُّ كُلِّ شَیۡءٍ اللّٰهُ)).

ترجمہ: ”کہ میرا رب اور تیرا رب اور ہر چیز کا رب صرف اللہ ہی ہے۔“

فرعون نے کہا: میں تیرا بچہ تیرے منہ میں ذبح کروں گا اگر تو باز نہ آئی۔ اس پر باندی نے جواب دیا:

((فَاقۡضِ مَآ اَنۡتَ قَاضٍ)).

ترجمہ: ”کہ کر گزر جو کچھ بھی تو کر سکتا ہے۔“

فرعون نے اس کا بیٹا اس کے منہ میں ذبح کر ڈالا حتیٰ کہ خود خازن کی بیوی کو بھی شہید کر دیا۔

اس طرح فرعون کی بیوی ایمان لے آئی اور فرعون جس قدر ستاتا۔ ایذائیں پہنچاتا ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوتا اس حالت میں جب کہ فرعون کی ایذائیں حد سے بڑھ چکی تھیں تو آسیہ علیہا السلام کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے:

﴿ رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَكَ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّةِ وَ نَجِّنِیۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ ﴾

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت فرعون کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں پیوست کر رہا تھا اللہ رب العزت نے آسیہ علیہا السلام کو وہ محل جو جنت میں ان کے واسطے تھا وہ ظاہر کر دیا جس کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے ہنسنے لگیں اس پر کمبخت فرعون کہنے لگا! دیکھو یہ کیسی دیوانی عورت ہے۔ میں اس کو عذاب دے رہا ہوں اور یہ ہنس رہی ہے۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں اللہ نے ان کی روح اس طرح قبض کی کہ وہ جنت میں تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

مُرۃ الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((کَمُلَ من الرجال کثیرٌ ولم یکمل من النساء الا آسیة امراءة فرعون و مریم ابنة عمران و خدیجة بنت خویلد)).

ترجمہ: "کہ مردوں میں سے تو بہت سے لوگ با کمال ہوئے لیکن عورتوں میں کمال اور ایمانی عظمت حاصل کرنے والی صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہم ہیں۔"

وَلِلّٰہِ الحمد والمنة قد تم تفسیر سورة التحریم

الحمد للہ اٹھائیسواں پارہ مکمل ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الملک

احادیث سے اس سورت کے متعدد نام ثابت ہیں سورۂ تبارک، مانعہ، دافعہ، واقیہ اور منجیہ تبارک تو اس وجہ سے کہ اس کی ابتدائی اسی لفظ سے ہوتی۔ مانعہ، دافعہ اور منجیہ اس وجہ سے کہ یہ عذاب آخرت کو دفع کرنے والی ہے اور اس سے نجات کا ذریعہ ہے دُنیا میں گمراہی سے اور آخرت میں عذاب آخرت سے بچانے والی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا قرآن کریم میں یہ تیس آیات ہیں کہ انہوں نے اپنے تلاوت کرنے والے کی شفاعت کی اور اس وجہ سے وہ بخشا گیا فرمایا وہ تیس آیات ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ ہے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے لاعلمی میں کسی قبر پر خیمہ لگالیا اس نے سنا کہ کسی شخص نے سورۃ تبارک الذی کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ ختم سورت تک اس نے پڑھ ڈالا انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ واقعہ بتایا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورت مانعہ ہے منجیہ ہے اپنے پڑھنے والوں کو عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے۔ ❷

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سوتے نہ تھے یہاں تک کہ الٓمّٓ تنزیل سجدہ اور سورۂ تبارک الذی اوّل سے لے کر آخر تک پڑھ کر ختم نہ فرمالیتے۔ ❸

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کے بعد سورۂ حاقہ اور معارج نازل ہوئیں اگرچہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا مدنی ہونا منقول ہے لیکن ان کے سوا کسی سے یہ منقول نہیں ہے نیز طرز کلام اور انداز مضامین سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مکی ہے اسی وجہ سے قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ سورت رحمانیات میں سے ہے کیونکہ لفظ رحمان نہایت ہی عظمت کے ساتھ اوّل و آخر سورت میں استعمال کیا گیا دیگر وہ سورتیں جن میں لفظ رب استعمال کیا گیا ان کو ربانیات کہا گیا۔

---

❶ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابوداؤد و نسائی۔

❷ جامع ترمذی۔

❸ لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ سورۂ الٓمّٓ تنزیل اور سورۂ تبارک الملک قرآن کریم کی ہر سورت سے ستر درجہ بڑھ کر ہیں۔
عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورت میری اُمت کے ہر شخص کے سینہ میں محفوظ ہو (وقال ھذا حدیث غریب) اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا کہ کیا میں تجھے ایک حدیث کا ایسا تحفہ نہ دے دوں جس سے تو خوش ہوجائے اس نے کہا بے شک آپ نے فرمایا ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ پڑھا کر اور اپنے گھر والوں اور سب بچوں کو سکھا اور اپنے پڑوسیوں کو بھی اس لیے کہ یہ سورت منجیہ (نجات دلانے والی) ہے یہ سورت تو قیامت کے روز خدا کے یہاں اپنے پڑھنے والے کے لیے جھگڑے گی اور اس کو عذاب نار سے نجات دلائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

مضامین قرآن کریم از اوّل تا آخر حق تعالیٰ شانہٗ کی خالقیت و قدرت اور توحید اثبات حشر و نشر اور مسئلہ رسالت پر مشتمل ہیں بالخصوص مکی سورتوں میں اصلاح عقائد کے اصول بڑی تفصیل سے بیان کیے گئے جب کہ مدنی سورتوں میں معاملات اور اصلاح معاشرت سے متعلق مسائل کو زیادہ وضاحت سے ذکر فرمایا گیا تو اس سورت میں بھی پہلے حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت و خالقیت کو بیان فرمایا گیا اور یہ کہ اسی کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کا نظام ہے وہی موت و حیات کا مالک ہے پھر تخلیق سماوات اور اس کو ستاروں سے مزین کرنے کا بیان ہے اسی کے ساتھ اثبات رسالت کے بھی مضامین ہیں پھر ان مجرمین کی سرکوبی کا ذکر ہے جو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے سرتابی کرتے ہیں۔ عظمت و قدرت خداوندی کے دلائل بیان کرتے ہوئے اختتام سورت پر رسول خدا ﷺ کی دعوت کو ٹھکرانے والے مجرمین کو عذاب خداوندی کی وعید سنائی گئی اور یہ کہ خدا کے عذاب کو کوئی ٹلانے والا نہیں اختتام سورت پر وعید کا انداز اس قدر ہیبت ناک ہے کہ اس پر غور کرنے والے کا دل لرز جائے۔

آیاتها ۳۰	(۶۷) سُورَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۷۷)	رکوعاتها ۲

سورۂ ملک مکی ہے اور اس کی تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ① الَّذِيْ

بڑی برکت ہے اس کی، جس کے ہاتھ ہے راج اور وہ سب چیز کر سکتا ہے جس نے

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

بنایا مرنا اور جینا، کہ تم کو جانچے، کون تم میں اچھا کرتا ہے کام اور وہ زبردست ہے

الْغَفُوْرُ ۙ ② الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ

بخشنے والا جس نے بنائے سات آسمان تہہ پہ تہہ کیا دیکھتا ہے رحمٰن کے بنانے میں

الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ

کچھ فرق؟ پھر دُہرا کر نگاہ کہیں دیکھتا ہے دراڑ پھر

ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيرٌ ④

دہرا کر نگاہ کر دو دو بار الٹی آوے تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ

اور ہم نے رونق دی ورلے آسمان کو چراغوں سے اور ان سے رکھی پھینک مار شیطانوں کی

وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ⑤

اور رکھی ہے ان کو مار دہکتی آگ کی۔

شانِ عظمت وقدرتِ خداوندی مع بیان جزائے اہل سعادت وتنبیہ وتہدید بر اہل شقاوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ... الٰی... عَذَابَ السَّعِیْرِ ⑤﴾

ربط: سورۂ تحریم کا اختتام اس امر پر تھا کہ دین کی حفاظت کے لیے جہاد مع الکفار ضروری ہے اور ایمان وتقویٰ ہی انسان کی سعادت وکامیابی کی روح ہے تو اب اس مناسبت سے سورۂ تبارک الذی کی ابتداء حق تعالیٰ شانہ کی عظمت وقدرت کے بیان سے ہورہی ہے اور یہ کہ اہل ایمان اور اہل سعادت کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا جائے گا اور منکرین واشقیاء کیسے ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اور یہ بھی اشارۃً ظاہر کیا جارہا ہے کہ اگر ایک گھر کا سرپرست اپنے اہل خانہ کی کسی بے اعتدالی سے اس قسم کی اذیت محسوس کرسکتا ہے اور قلب پر گرانی واقع ہوتی ہے تو کائنات کے رب کو اپنی مخلوق کی بے راہ روی اور خلاف ورزی سے کس قدر اذیت ہوتی ہو گی اس بنیاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر صاحب فہم انسان سعادت وشقاوت کا راز اور اس کا انجام بخوبی سمجھ سکتا ہے ارشاد فرمایا بڑی ہی عظمت وبرکت والا ہے وہ پروردگار جس کے ہاتھ میں ہے سلطنت وحکمرانی تمام کائنات کی اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے نہ اس کے ملک سے کوئی نکل سکتا ہے اور نہ قدرت وگرفت سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی چیز اس کے علم سے دور ہوسکتی ہے وہی پروردگار ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون ہے بہتر اپنے عمل کے لحاظ سے موت وحیات کا یہ تمام سلسلہ اسی لیے ہے کہ انسان کی پہلی زندگی میں پتہ چل جائے کہ کس کے عمل اچھے ہیں اور کس کے برے اور پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں مکمل طور پر دکھلا دیا جائے حیات نہ ہوتی تو اچھے بُرے کا علم نہ ہوتا اور موت نہ ہوتی تو نیکی اور بدی کا نتیجہ ظاہر نہ ہوتا اور وہی بڑی عزت والا بخشش کرنے والا ہے کہ وہ اپنی عزت وغلبہ کی وجہ سے قادر ہے کہ بندوں پر جزاء وسزا جاری کرے اور وہ اسی کے ساتھ بڑی مغفرت بھی فرمانے والا ہے کہ بہت سے بُرے کاموں کی مغفرت بھی فرماتا رہتا ہے جس پروردگار نے سات آسمان

پیدا کیے تہہ بہ تہہ [1] بتا اے مخاطب کیا دیکھتا ہے تو رحمٰن کے بنانے میں کوئی فرق کہ ایک چیز اچھی بن گئی اور دوسری چیز کی تخلیق وتکوین میں کچھ کمی رہ گئی نہیں بلکہ جو بھی کچھ اس رحمٰن نے بنایا وہ اس کی عظیم شان خلاقی کا پیکر اور ثبوت ہے اگر ایک مرتبہ دیکھنے سے یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سرسری نظر سے دیکھا تھا تو کچھ عیب نظر نہیں آیا تو پھر دوبارہ نگاہ کو لوٹا۔ اور خوب غور کر کر پھر بتا کہ کیا نظر آتی ہے تجھ کو کوئی ڈراڑ اور پھٹن ان آسمانوں میں اگر اس پر بھی ایمان ویقین کی کیفیت قلب ودماغ میں نہ رچے تو پھر دو دو بار لوٹا نگاہ کو کسی نہ کسی طرح اللہ کی مخلوق اور اس کے بنائے ہوئے ان آسمانوں میں اور ان میں جو کواکب وسیارات ہیں ان میں کوئی عیب نظر آجائے تو اس تلاش وتجسس کی بار بار نگاہ کو کچھ بھی کمی نظر نہ آسکے گی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نگاہ واپس لوٹے گی تیری طرف اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوگی اور تھکی ہوئی ہوگی [2] دُنیا کے مفکرین وفلاسفہ اور محققین ایک بار نہیں کئی کئی مرتبہ مدتوں بھی غور کرتے رہیں۔ دیکھتے رہیں لیکن اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق آسمانوں، چاند، سورج اور ستاروں میں باوجود مرور مدت طویلہ کوئی بھی رخنہ اور کمی نہیں پائیں گے اور بے شک ہم نے مزین کردیا ہے آسمان دُنیا کو اور نزدیک والے آسمان کو جو انسانوں کی نظروں کے سامنے ہے روشن چراغوں سے کہ نظر آنے والے ستاروں کی جگمگاہٹ کیسی حسین اور شاندار معلوم ہوتی ہے یہ قدرتی چراغ ہیں اور ان کو بنایا ہے ہم نے پھینک مارنے کا ذریعہ شیاطین کے واسطے کہ بسا اوقات کوئی ستارہ ٹوٹ کر کسی شیطان کو جلا کر خاک کردیتا ہے جیسے کہ فرمایا ﴿اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے واسطے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب۔ اس لیے مجرمین کو عذابِ خداوندی سے بےفکر نہ ہونا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خدا کے عذاب سے نہ شیاطین بچ سکتے ہیں اور نہ وہ لوگ جن کو شیاطین گمراہ کرتے ہیں۔

توحیدِ ذات وصفات خداوندی ایمان کی اساس ہے

اس سورۂ مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت وکبریائی اس کی قدرت وخالقیت کے ضمن میں اس کی وحدانیت والوہیت کو ثابت کیا گیا اور یہ کہ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور اس کی قدرت قدرت کاملہ ہے وہی ہر چیز کا خالق ہے اسی کی بادشاہت وحکمرانی ساری کائنات میں چل رہی ہے قرآن کریم اور جملہ کتب سماویہ نے اسی مضمون کو بڑی ہی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہی تمام انبیاء علیہم السلام کی اپنی قوموں کو دعوت رہی ہے ﴿یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ﴾ (الاعراف:۷۳) اسی کے ساتھ آخرت کا مسئلہ بھی بیان کردیا گیا اور یہ کہ جزاء وسزا کا مرحلہ ہر انسان کو بلاشبہ پیش آنا ہے قرآن حکیم نے یہ مضامین از اوّل تا آخر بیان کیے لیکن

---

[1] جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آسمان سے اوپر بفاصلہ دراز دوسرا آسمان ہے پھر اس سے اوپر اسی طرح اس سے اوپر اور آسمان یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سات آسمان بیان فرمائے حدیث معراج میں ساتوں آسمان کا ذکر ہے اور اس تفصیل کے ساتھ کہ پہلے آسمان میں آدم علیہ السلام کو پایا چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔

[2] حضرت والد محترم قدس اللہ سرہٗ کے ایک قصیدہ کا شعر اسی آیت کا ترجمہ ہے فرمایا:

لقد سافرت فیک العقول فما
ربحت الا العنا والتحسرا

ترجمہ: "کہ اے پروردگار! تیرے بارے میں انسانی عقول نے بہت ہی سفر کیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا سوائے تکان وعاجزی اور حسرت کے"۔ ۱۲

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ ہر مرتبہ ایک نئے اسلوب سے ان مضامین کو بیان کیا جاتا ہے واضح مثالوں عام محاورات اور مسلمہ واقعات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص اپنے مزاج کے موافق ان حقائق کو ذہن نشین کر سکے جو مقصود بیان ہے اس موقعہ پر عالم موجودات و محسوسات کا تذکرہ کرتے ہوئے ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ﴾ فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جو عالم انسانوں کے ادراک واحساس میں ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے بے شمار عالم پیدا فرما سکتا ہے۔

لفظ ﴿شَيْءٌ﴾ کی بحث شروع میں گزر چکی۔ از روئے لغت ہر اس چیز کو ﴿شَيْءٌ﴾ کہا جائے گا جس کے وجود کا ارادہ کیا جائے گا۔ لہٰذا اس سے حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات خارج رہیں گی اسی طرح اس کا اطلاق محالات پر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت نہیں لہٰذا جملہ ممکنات ﴿شَيْءٌ﴾ کا مصداق ہیں اور اس لحاظ سے یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا کہ کیا ذاتِ خداوندی اس کی صفات اور محالات بھی تحت القدرۃ آ سکتے ہیں تو واجب و ممتنع دونوں ﴿شَيْءٌ﴾ کا مصداق ہونے سے خارج ہیں۔

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ یعنی اس نے موت جو عالم عدم اور حیوۃ جو عالم موجود ہے کو پیدا کیا گویا اس صفت کو ذکر کر کے تبارک الذی کی دلیل بیان فرما دی پہلی دلیل تو یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں تمام کائنات کی بادشاہت ہے اسی کا حکم اور تصرف کائنات پر جاری ہے دوسری دلیل ہر شی پر کمال قدرت کو بیان کر کے پیش کر دی گئی تیسری دلیل اس کی عظمت و کبریائی کی ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ سے ظاہر فرمائی گئی اس میں عالم آخرت کی نعمتوں کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ موت سے مراد دُنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کی حیات ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے جملہ میں دُنیا کی بادشاہت کا بیان تھا اب اس جملہ میں آخرت کی بادشاہت بھی بیان فرما دی تو جو ذات دونوں جہاں کا بادشاہ ہو اس سے بڑھ کر برکت اور عظمت والی ذات کون ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہر حالت میں انسان کو اللہ کی طرف ملجی ہونا چاہیے اس تفسیر کی رو سے ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ میں لفظ موت کو مقدم کرنے کی حکمت ظاہر ہوئی کہ موت دُنیوی حیات اخروی سے مقدم ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ برکات الٰہیہ میں سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنا کر علم و ادراک سے مزین بنایا خلافت الٰہیہ کا شرف اس کو بخشا اور اس عظمت و برکت کی تکمیل اس طرح مقدر کی گئی کہ عالم باقی کے لیے وہ نیک کام کرے اور برے کاموں سے پرہیز کرے اس وجہ سے ضروری تھا کہ نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی باتیں اور بُرے کاموں سے بچانے والی چیزیں نازل کی جائیں اور اسی کے لیے موت و زندگی بنائی اور اگر حیات سے دُنیوی حیات مراد لی جائے تو پھر موت کی تقدیم اس غرض سے ہو سکتی ہے کہ اس کے فکر اور تیاری سے انسان غافل نہ ہو اور اس کی طرف پوری توجہ رکھے نیز اس وجہ سے بھی کہ حیات عارضی اور چند روزہ ہے اور موت ذاتی ہے تو انسان کو چاہیے کہ چند روزہ زندگی کو ہیچ سمجھے تو اس وجہ سے بھی موت کو حیات پر مقدم ہی کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ ذاتی کو امر عارضی پر تقدم ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ موت سے وہ حالت مراد لی جائے جو قبل از وجود ہے وہ حالت نطفہ ہے یہی وہ چیز ہے جو سورۂ بقرہ میں آیت میں فرمائی گئی ﴿وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ﴾ تو حالت موت کے بعد عطاء حیات کا ذکر کیا اور پھر اس حیات کے بعد موت کا اور پھر موت کے بعد حیات کا جو ظاہر ہے کہ آخری حیات حشر کی حیات ہے نیز اس لیے بھی یہاں موت کو مقدم اور حیات کو مؤخر فرمایا گیا یہاں مقصد کلام ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ﴾ ہے اور اس آزمائش کا ثمرہ اور نتیجہ موت کے بعد اسی حیات میں ظاہر ہوگا جو حشر کی حیات ہے۔

آسمانوں کے وجود پر قرآن کریم اور الہامی کتابوں کا فیصلہ اور حکماء یونان وفلاسفہ کے خیالات

متعدد آیاتِ قرآنیہ اور تمام آسمانی کتابوں سے آسمانوں کا وجود ثابت ہے اور یہ ستارے جو آسمان کی زینت بنائے گئے ان ہی کو مصابیح فرمایا گیا اور جو کام اللہ رب العزت ان سے لیتا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جنات وشیاطین پر ان کو پھینک کر انہیں جلایا جاتا ہے جیسے کہ ان آیاتِ مبارکہ کی تفسیر میں گزر چکا ﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ٳلْکَوَاکِبِ ۝ وَ حِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَ یُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝﴾ (الصافات) تو ان آیات میں ستاروں سے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا گیا کہ آسمانوں کی زینت اور جو جنات وشیاطین ملاءِ اعلیٰ کی طرف کان لگائیں ان کے واسطے شہاب ثاقب اور جلا کر خاک کر دینے والے تیسری بات جو ستاروں سے متعلق ہے وہ آیۃ مبارکہ ﴿وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ﴾ میں فرما دی گئی۔

یہاں آیت ﴿جَعَلْنٰهَا﴾ کی ضمیر جنس مصابیح کی طرف راجع ہے نہ کہ عین مصابیح کی طرف حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ شیاطین پر یہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں تو اصل یہ ہے کہ لفظ مصابیح یا کوکب ونجوم ان ستاروں پر بھی بولا جاتا ہے جو آسمان پر ہیں اور ان ادخنہ اور شعاعوں کو بھی کہا جاتا ہے جو ستاروں کے ساتھ ہیں یہی ادخنہ اور شعاعیں ٹوٹتی ہیں اور ان ہی کو پھینکا جاتا ہے زمین سے جو دخانی مادے اٹھ کر فضا میں اوپر چڑھ جاتے ہیں تو کرۂ نار کے قریب پہنچ کر ان میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ جلتا ہوا کوئی شعلہ پھینکا جارہا ہے یہ ادخنہ ستاروں ہی کی طرح ہو جاتے ہیں اس وجہ سے ان کو بھی کواکب ونجوم کی جنس سے شمار کیا گیا مگر بہرکیف یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے جس مادہ دخانی کو اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اس طرح چلنے اور بکھرنے کا حکم دے گا وہی ایسا ہوگا ورنہ نہیں یعنی ان کا یہ ٹوٹنا اور بکھرنا خود ان کا کوئی طبعی تقاضا نہیں اور چونکہ یہ بھی ستاروں کی ایک قسم ہو گئے اس وجہ سے پھٹنے کے بعد زمین پر نہیں گرتے حالانکہ ان کا میل طبعی زمین کی طرف ہونا چاہیے تھا بلکہ ایک جانب سے دوسرے جانب اس طرح بکھر جاتے ہیں جیسا کسی نے پھینک مارا اس قسم کے مشاہدوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ﴿فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ اور فرمایا ﴿وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ﴾ الغرض قرآن کریم میں جگہ جگہ آسمانوں کے بنانے کا ذکر ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (الذاریات: ۴۷) اسی طرح فرمایا ﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ٳلْکَوَاکِبِ﴾ (الصافات: ۱) کہ ہم نے پہلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی ﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ کیا نہیں دیکھا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو کس طرح بنایا ہم نے اس کو اور کیسی زینت دی اور ان میں کوئی درز بھی نہیں ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۝﴾ اس نے سات آسمانوں کو اُوپر تلے بنایا اے دیکھنے والے تجھ کو خدا کی پیدائش میں کچھ تفاوت نہ معلوم ہوگا دوبارہ نظر آسمانوں کی طرف پھیر تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر رہ جائے گی وغیرھا مِنَ الآیات۔ پس اس سے وہی اخیر معنے مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے اور جس کو تمام عرب وعجم ہندوروم اہل یورپ قدیم زمانہ سے اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں کو بنایا ہے ہم ان کو دیکھتے ہیں ان میں کوئی شگاف نہیں کہ جو خدا کی

صنعت میں قصور ثابت کرے اور یہ ستارے آسمان پر لگے ہوتے ہیں اگر کسی پڑھے ہوئے سے پوچھئے گا تو وہ بھی یہی کہے گا اور ان پڑھ بلکہ جنگل کے رہنے والے وحشیوں سے دریافت فرمایئے گا تو وہ بھی یونہی کہیں گے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ بھی منجملہ ان مسائل کے ہے جس کا علم انسان کی فطرت اور جبلت میں یکساں رکھا گیا ہے اور اسی فطری علم پر خدائے تعالیٰ اپنی کلام میں انسان کو مخاطب کر کے اپنے عجائبات قدرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی نہج پر کلام کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ تورات اوّل کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے "ابتداء میں خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا" پھر اسی کتاب کے باب ۷ میں طوفان نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور باب ۸ میں یہ جملہ ہے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوگئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا انجیل متی کے باب ۲ میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو ان کے لیے آسمان کھل گیا اور مکاشفات یوحنا کے باب ۸ اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور ان کے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن وحدیث کے مطابق ہیں اسی طرح ہنود کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اسی طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں الغرض ہزار ہا برس سے الہامی اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے لیکن یونان کے فلسفیوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں ان کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلات رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو ان کو قلمبند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا جس کی شاخیں ہیئت اور طبعیات اور الٰہیات وغیرہا علوم ہیں کہ جن پر بہت سے کوتاہ بینوں کو ناز ہے مگر آسمان کی تحقیق میں ان کے دو فریق ہوگئے ایک گروہ کے پیشوا کا نام ہے "فیثاغورس" وہ کہتے ہیں آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذاتِ خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوئے نہیں پھر خود اس فریق کے بھی دو قول ہیں بعض کہتے ہیں ستارے اور ثوابت متحرک نہیں صرف زمین حرکت کرتی ہے اس کی وجہ سے یہ چیزیں حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جس طرح کہ ریل گاڑی میں درخت اور پتھر حرکت کرتے معلوم ہوتے ہیں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور ستارے بھی۔ آفتاب کو مدار ٹھہرا کر اس کے گرد حرکت کرتے ہیں ہاں چھوٹے چھوٹے ستارے کہ جن کو ثوابت کہتے ہیں وہ حرکت نہیں کرتے ان کی حرکت زمین کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے اور جس طرح ستارے آفتاب کے ایک فاصلہ معین پر حرکت دوری کرتے ہیں اسی طرح زمین بھی اپنے بعد معین پر اس کے ارد گرد پھرتی ہے اور ستارے صرف یہ ① زُحل ② مشتری ③ مریخ ④ عطارد ⑤ زہرہ ⑥ شمس ⑦ قمر ہی نہیں ان کے سوا اور بھی رصد سے ثابت ہوئے ہیں یہ مذہب فیثاغورس ایک مدت تک تو حکماء کے نزدیک اس کے دیگر اقوال کی طرح مردود اور بیقدر رہا مگر اس صدی میں اس نے یورپ میں بڑا رواج پایا اور یورپ کے بڑے بڑے محقق اسی کے مقلد ہو کر ان ہی باتوں کو الہامی اور لوح محفوظ کی باتیں سمجھنے لگے بلکہ اپنی تحقیقات سے اس پر اور کچھ بڑھایا اور چاند اور سیاروں میں پہاڑ اور دیگر اجرام عنصری بلکہ حیوانات کے وجود کے بھی بعض لوگ قائل ہوگئے۔

دوسرے گروہ کے سر دفتر حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول کروی ہے کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حصہ اس کا ناہمواری کی وجہ سے اوپر اٹھا ہوا ہے باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں پانی کے ارد گرد کرۂ ہوا لپٹا ہوا ہے اس کے اوپر آگ کوسوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے یہ چار کُرّے عناصر کے ہوئے اب یہ جس قدر زمین پانی سے اوپر اٹھی ہوئی ہے اس پر سب لوگ بستے ہیں ان چاروں کرّوں کے جو طرف پہلا آسمان ہے جس کو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید

گول نشان ہو جاتا ہے اس کے اوپر فلک العطارد ہے اس کے اوپر فلک زہرہ اس کے اوپر فلک شمس ہے یعنی چوتھا آسمان جہاں آفتاب ہے اس کے اوپر فلک مریخ کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اس کے اوپر فلک مشتری کہ جہاں مشتری ستارہ ہے اس کے اوپر فلک زحل ستارہ ہے اس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں یہ سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں اس کے اوپر فلک الافلاک ہے کہ جس کو فلک اطلس کہتے ہیں یعنی سادہ اس پر کوئی تارہ نہیں وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے سب آسمان اور تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آ گیا وہاں دن ہو گیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا وہاں رات ہو گئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مغرب سے مشرق کی طرف کر کے دورہ تمام کرتے ہیں چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کر لیتا ہے دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلہ میں آتا ہے اور اسی قدر اس پر روشنی پڑتی ہے اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقۃ البروج پر برس میں تمام کرتا ہے اس لیے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں یہ کل تیرہ کرے ہوئے جن میں نو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سمٰوٰت کہا ہے اور دو وہ کہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے کرسی۔ فلک الثوابت عرش۔ فلک الافلاک ہے اس صورت ❶ پر آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ ہوتا تو اوپر کی چیزیں دکھائی نہ دیتیں اور یہ جو

---

❶

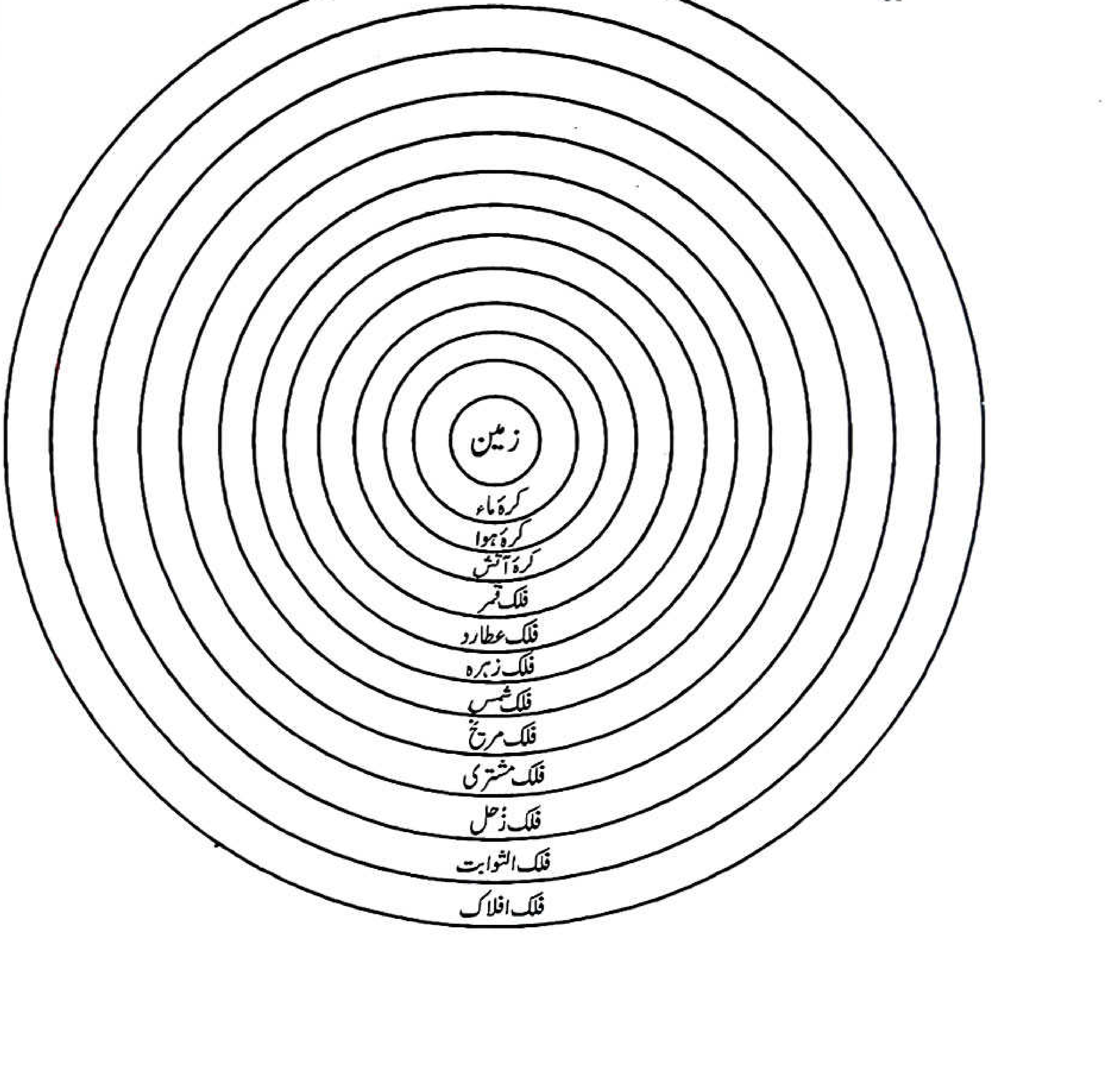

نیلگوں معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہیں تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے یا یوں کہو کہ اجزاء شفاف میں اجزائے غباری جو کہ سیاہ ہیں ان کے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہوگئی یا یہ کہ ہوا کے اجزاء شفاف میں جب ان کو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس کی جماعت کے ہیں اور چونکہ یہ مسائل کسی قدر الہامی کتابوں کے موافق ہیں اس لیے اس حکمت کا جس طرح حکماء یونان میں رواج ہوا اسی طرح جب حکمتِ یونانیہ عربی میں ترجمہ ہو کر آتی تو اہل اسلام نے بھی اس کو پسند کیا چنانچہ اب تک شرح چغمینی اور تذکرہ وغیرہما اسی حکمت کی کتابیں درس میں داخل ہیں بلکہ ایشیائی ملکوں میں ہندو اور ایرانی وغیرہما سب لوگ اور قدیم عیسائی اور یہودی بھی انہی مسائل کے معتقد ہیں لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے نہ اس سے کہ اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیل فکر آیات قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کتب الہامیہ میں مذکور ہے اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں وہ علم فطری ہے جب بطلیموس اور فیثاغورث نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے بہر کیف الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور کسی قسم کا ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ﴾ قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ﴾ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ... الاٰية﴾

اگر آسمان فضا یا بعد موہوم کا نام ہوتا جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہوتا اس کا پھٹنا اور اس کے چھلکوں یعنی طبقات کا اکھڑنا اور اس کو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اس کی چیزیں بنائیں یا اس کی کھڑکیاں کھلنا جس کا کہ تورات میں ذکر ہے اس کو سقف محفوظ کہنا چہ معنی دارد البتہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمان کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور فلاں اس کا اگر بسند صحیح ثابت ہے تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر پھر اس پر اعتراض محض بیجا ہے۔

(کذا فی تفسیر الحقانی ج ۲ للعلامہ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ علیہ)

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶ اِذَآ
اور جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کو ہے مار دوزخ کی اور بری جگہ پہنچے جب
اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۝۷ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ
اس میں ڈالے جاویں سنیں اس کا دھاڑنا، اور وہ اچھلتی ہے ابھی لگتا ہے کہ پھٹ پڑے جوش سے

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا

جس بار پڑا اس میں ایک دل، پوچھا اُن سے اس کے داروغوں نے کیا نہ پہنچا تم کو کوئی ڈر سنانے والا وہ بولے

بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ

کیوں نہیں ہمارے پاس پہنچا تھا ڈر سنانے والا پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا کوئی نہیں اُتاری اللہ نے کچھ چیز

اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا

تم پڑے ہو بڑے بہکاوے میں اور بولے، اگر ہم ہوئے سنتے یا بوجھتے نہ

كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ

ہوتے دوزخ والوں میں سو قائل ہوئے اپنے گناہ کے اب دفع ہوں اہلِ

السَّعِيْرِ ⑪

دوزخ

عقوبت وتنبیہ برانکار توحید رب العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ . . . الى . . . فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪﴾

ربط: گزشتہ آیات میں خداوند کریم کی عظمت و کبریائی کا بیان تھا اور اس کی قدرت وخالقیت دلائل وشواہد سے ظاہر فرمائی گئی تو اب ان آیات میں ان لوگوں پر وعید ہے جو اس کی الوہیت سے انکار کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے فرمایا۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا اپنے رب کا ان کے واسطے عذاب جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے جس کی شدت وہیبت اس سے معلوم ہوسکتی ہے کہ جب بھی یہ لوگ اس میں ڈالیں جائیں گے سنیں گے اس کے دھاڑنے کی آواز جو نہایت ہی ہولناک ہوگی اور وہ جہنم سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح تھپیڑے مارتی ہوئی ہوگی قریب ہوگا کہ وہ جہنم اپنی لپٹوں اور بھاپ کی شدت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور پھٹ پڑے اس کے جوش اور شدت اشتعال کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوگا کہ اب پھٹ پڑے گی جب بھی اس میں کسی گروہ کو ڈالا جائے گا تو اس کے داروغہ پوچھیں گے ان سے کہ کیا تمہارے پاس نہیں آیا تھا کوئی عذاب خداوندی سے ڈرانے والا کہ تم کو اس عذاب جہنم سے ڈراتا اور تم اب اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور بجائے اس کے کہ ان کی تصدیق کرتے ان پر ایمان لاتے ہم تو اپنی بدبختی سے یہ کہنے لگے تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور وہ جہنمی یہ بھی کہیں گے نہایت ہی حسرت اور ملال کے ساتھ اے کاش اگر ہم سنتے ہوتے یا سمجھتے ہوتے

اللہ کے پیغمبر کی باتوں اور ان کی نصیحتوں کو تو ہم نہ ہوتے جہنمیوں میں سے مگر نہ تو ہم نے کبھی کان لگا کر ان کی بات سنی اور نہ عقل سے سوچا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہم جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گئے تو اس طرح وہ اعتراف کریں گے اپنے جرم کا لیکن اس وقت حسرت و افسوس اور اعتراف گناہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اس لیے اعلان ہوگا بس دھکے دو جہنم والوں کو اس طرح ملائکہ ان کو دھکیل کر اور گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیں گے سورۂ زمر میں ان مضامین کی تفصیل گزر چکی۔

اہل جہنم کے ساتھ اس طرح کی گفتگو صرف ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ہوگی اور یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہ خداوند عالم کسی کو بغیر جرم کے عذاب نہیں دیتا اور جرم ایسا کہ خود مجرم بھی اس کا اعتراف کرلیں ابوالبختری الطائی بعض صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لن یھلك الناس حتی یُعذروا من انفسھم وفی حدیث آخر لا یدخل النَّارَ اَحَدٌ الا وھُوَیعلم ان النار اولی بہ من الجنۃ)). [1]

ترجمہ: ”ہرگز لوگ ہلاک نہیں ہوں گے جب تک ان کی طرف سے ان کا عذر ختم نہ کر دیا جائے گا اور ایک روایت میں ہے ہرگز کوئی شخص جہنم میں داخل نہ ہوگا مگر اس طرح کہ وہ جان لے گا کہ واقعی جہنم ہی اس کے واسطے درست ہے۔“

﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۚ﴾ کے الفاظ جہنم کا منظر سمندر کی موجوں کی شکل میں پیش کر رہے ہیں کہ جس طرح دیکھنے والا سمندر میں پانی کی موجیں اور تھپیڑے دیکھتا ہے بس یہی جہنم میں آگ کے تھپیڑوں کا ہوگا۔

﴿اِنْ اَنْتُمْ ... الخ﴾ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ کلمہ ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ﴾ جہنم کے داروغہ اور فرشتوں کا ہوگا جو اہل جہنم کو توبیخ اور دھمکی کے طور پر کہتے ہوں گے۔

﴿فَكَذَّبْنَا﴾ کی تفسیر وہی ہے جو سورۂ یٰسین میں آیت ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾ کی گزر چکی اور تکذیب کو صرف رسول ہی کی تکذیب تک محدود رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں ان ہادیان امت کی تکذیب بھی شامل ہے جو امت کو جزاء وسزا کی باتیں سنائیں اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچائیں لیکن ان کی بات ماننے کی بجائے کفر و نافرمانیوں پر قائم رہنا بدکاریوں کفر وشرک جیسے کاموں میں مبتلا رہنا عملاً تکذیب ہے اسی طرح قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق اور زمانہ کے انقلابات سے عبرت حاصل نہ کرنا بھی تکذیب ہے عالم جاودانی سے غفلت ولاپروائی اور عالم محسوس یعنی دنیا کی لذتوں اور نفس کی خواہشات پر مفتون ہو جانا روح کے تقاضوں کو فراموش کر دینا غرض یہ سب شعبے تکذیب ہی کے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایسے افراد زبان سے تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں اور ان کا عمل اس کی تردید و تکذیب کرتا ہے گویا ان لوگوں کی عملی زندگی بنی اسرائیل اور یہود کی طرز زندگی کا پیکر ہوتی ہے ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ کہ سن لیا ہے ہم نے مگر ہم نافرمانی ہی کریں گے۔

﴿قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ﴾ میں موت کے مناظر بھی دیکھنا ہے کہ مرنے والوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر بھی ہمیں آخرت کی فکر نہ ہوتی تھی اور اس طرح دنیا میں منہمک رہتے تھے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫
جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ان کو معافی ہے اور نیگ بڑا

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬
اور تم چھپی کہو اپنی بات یا کھول کر وہ جانتا ہے جیوں کے بھید

ع ۱۴
اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا؟ اور وہی ہے بھید جانتا خبردار وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے

الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ⑮
زمین کو پست اب پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ روزی دی اس کی اور اس کی طرف جی اُٹھنا ہے

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ⑯ لا
کیا نڈر ہوئے اس سے جو آسمان میں ہے؟ کہ دھنسا دے تم کو زمین میں، پھر دیکھو وہ لرزتی ہے

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ
یا نڈر ہوتے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ چھوڑ دے تم پر پتھراؤ باؤ کا سو اب جانو گے،

كَيْفَ نَذِيْرِ ⑰ وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ
کیسا ہے میرا ڈرکا اور جھٹلا چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، پھر کیسا ہوا

نَكِيْرِ ⑱ اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ؔۘ مَا
میرا بگاڑ؟ اور کیا نہیں دیکھے اڑتے جانور اپنے اوپر پر کھولے اور جھپکتے ان کو کوئی نہیں

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ⑲ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ
تھام رہا رحمٰن کے سوا اس کی نگاہ میں ہے ہر چیز بھلا وہ کون ہے؟

هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا
جو فوج ہے مدد کرے گی تمہاری رحمٰن کے سوا منکر پڑے ہیں نرے

فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ

بہکاوے میں بھلا وہ کون ہے ؟ جو روزی دے گا تم کو اگر وہ رکھ چھوڑے اپنی روزی کوئی نہیں!

لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی

پر اڑ رہے ہیں شرافت اور بدکنے پر، بھلا ایک جو چلے اوندھا اپنے منہ پر وہ سیدھی راہ

اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

پاوے یا وہ جو چلے سیدھا ایک سیدھی راہ پر

بیان انعام براہل تقویٰ واحاطہ علم خداوندی باحوال فریقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ... الی ... عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾﴾

ربط : گذشتہ آیات میں منکرین ومجرمین پر عذابِ خداوندی کا بیان تھا اور یہ کہ روز قیامت جب کفار عذابِ خداوندی کا مشاہدہ کریں گے تو ان پر کس طرح حسرت وملال ہوگا اب ان آیات میں اہل ایمان وتقویٰ اور رب العالمین سے خشیت رکھنے والوں کی جزاء اور انعام کا بیان ہے ارشاد فرمایا۔

بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں غیب کی حالت میں ان کے واسطے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے کہ جنہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے جب کہ وہ عالم آخرت سے دور تھے جنت وجہنم بھی نظروں سے اوجھل تھی پھر بھی ایمان وتقویٰ اختیار کیا بلاشبہ وہ انعامات اور اعزازات کے مستحق ہیں یہی "خشیت بحالت غیب" کام آنے والی چیز ہے ورنہ خدا کی بارگاہ میں حاضری پر اور جنت وجہنم کا جب انسان مشاہدہ کرنے لگے تو ہر ایک ہی ڈرے گا اور عذاب جہنم سے کانپے گا لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت کا ڈر اور خشیت کسی صورت میں بھی کام نہ آئے گی اس وقت یہ فرمانِ خداوندی جاری ہوگا اور اے لوگو! تم خواہ بات چھپاؤ یا اس کو پکار کر رکھو اور ظاہر کرو خداوندِ عالم کی بارگاہ میں کوئی فرق نہیں وہ تو دلوں والی بات کو جاننے والا ہے اور سوچنا چاہیے کیا وہ پروردگار نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا وہ تو بہت ہی لطیف باریک بین اور مخلوقات کے احوال سے پورا باخبر ہے اس لیے کہ وہ مخلوقات کا خالق ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو دلی خیالات بھی مخلوق ہیں گو وہ دل میں چھپے ہوئے ہیں مگر وہ تو چونکہ لطیف ہے اور لطافت دلیل ہے علم وانکشاف کی لہٰذا وہ دل کے خیالات سے بھی باخبر ہے حکماء نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے اور یہ بات غور کرنے پر سمجھ میں بھی آتی ہے کہ جسمانیت ایک حجاب ہے بہت سی چیزوں کے علم وادراک سے یہی جسمانیت وکثافت مانع بنتی ہے اسی لیے ملائکہ چونکہ اجسام نوریہ اور لطیف ہیں اور ان میں روحانیت ولطافت ہے ان کے بعد جنات جو مخلوق ناری ہیں اور نار میں بھی لطافت ہے گو نور سے کم ہو اس وجہ سے ملائکہ اور جن ان چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں جو ہمارے علم اور حواس سے بعید ہوتی ہیں اس پر خواب کو بھی محمول کر لیا جائے کہ اس میں انسان بسا اوقات وہ

چیزیں دیکھ لیتا ہے جو بیداری میں نہیں دیکھ سکتا اس بناء پر حضرات متکلمین نے بحالت خواب جنت وجہنم کو دیکھنا اور دیدارِ خداوندی کو تسلیم کیا ہے کیونکہ بحالت خواب جسمانی حجابات کمزور ہو جاتے ہیں اور مدرکات حسیہ کے بجائے قلب کے مدرکات کام کرنے لگتے ہیں تو جب نفس خواب میں انسان کو ان باتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے جن کا بحالت بیداری مشاہدہ نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ قیامت کے روز جب عالم مادیت سے بالکل ہی منقطع ہو چکا ہوگا اور مادی حجابات مرتفع ہو چکے ہوں گے نہ معلوم وہ کیا کچھ دیکھے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا تو انسان جب تک دُنیا میں ہے گویا وہ عالم غیب میں ہے اور احوال آخرت سے اس کے حواس بے خبر ہیں تو اس عالم میں خدا سے خوف و خشیت ایمان ہے ورنہ آخرت میں تو سب کچھ نظر آنے لگے گا اور ہر ایک ہی خدا کی عظمت و کبریائی سے کانپتا ہوگا۔

وہی پروردگار ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو مسخر بنا دیا کہ اس پر جس طرح چاہو تصرف کرو چلو پھرو مکانات کارخانے تعمیر کرو یا نرم بنا دیا جس پر تم بیٹھ سکتے ہو اس کو کھود سکتے ہو ایسا سخت سنگ خارا نہیں کہ انسان سے نہ بیٹھا جائے نہ اس پر چلا جائے اور نہ کھودا جا سکے پھر عجیب قدرت ہے کہ اس نرمی کے باوجود ناخن سے کریدلو اس قدر مضبوط اور قوی کہ بڑے سے بڑے وزن سے نہ دبے اور نہ پھٹے تو چلو اے لوگو! تم اس کے کاندھوں یعنی [1] راستوں میں اور کھاؤ خدا کے رزق سے جو اس نے زمین سے پیدا کیا اور یہ رزق اور جملہ نعمتوں کو کھا پی کر خدا کا شکر بھی ادا کرو اور یہ یاد رکھو کہ اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہو کر لوٹنا اور جمع ہونا ہے میدان حشر میں خدا کی پیدا کی ہوئی روزی اور نعمتوں سے مغرور نہ بنو اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ بس یہی دُنیا کی زندگی ہے مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے تم اس حشر ونشر اور بعث بعد الموت کو زمین سے اگنے والی کھیتوں کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہو کہ کس طرح یہ تخم اور بیج زمین میں دبانے کے بعد پھر زمین سے ابھر رہے ہیں جب کہ یہ مٹی میں مل کر خاک بن گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ بعد اسی شکل وصورت میں رونما ہو رہے ہیں جیسے کہ پہلے تھی تو حشر اور بعث بعد الموت کا یہ نمونہ دُنیا کی نظروں کے سامنے ہے جس طرح کہ انسان کو حشر ونشر اور آخرت سے بے خوف نہ ہونا چاہیے اسی طرح اس بات سے بھی بے فکر نہ ہونا چاہیے کہ انسان کی بداعمالیوں اور نافرمانیوں پر کسی وقت بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے تو اس کے لیے فرمایا۔

کیا تم نڈر ہو گئے ہو اس ذات سے کہ جو آسمان میں ہے اس چیز سے کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جب کہ وہ زلزلہ سے لرزنے لگے تو وہی زمین جو تمہارے واسطے مسخر تھی تم اس سے منافع حاصل کرتے تھے اسی سے تم کو رزق ملتا تھا وہی زمین تمہارے واسطے عذاب وقہر بن جائے گی اور تم اس میں دھنسا دیئے جاؤ گے پھر کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے اس بات سے کہ وہ ایک سخت آندھی تم پر چھوڑ دے جو پتھر برسانے والی ہو غرض اس طرح زمین وآسمان سے عذاب خداوندی واقع ہوگا۔ پھر تو تم جان لو گے کہ کیسا ہے میرا ڈرانا اور دُنیا کی نعمتوں اور نفس کی لذتوں نے تم کو فکر آخرت اور خوف خدا سے جو دور کر دیا ہے یہ سب ختم ہو جائے گا اور چاہو گے کہ اس وقت ایمان لے آؤ لیکن ظاہر ہے عذاب خداوندی نازل ہونے پر ایمان لانا معتبر نہیں انسان کو اس امر سے کسی بھی وقت غافل نہ ہونا چاہیے کہ خدا اور اس کے رسول کی بات جھٹلایا اللہ کی باتوں کو تو پھر کیسا ہوا میرا انکار کرنا اور اس پر کیسا ہولناک عذاب نازل ہوا جیسے کہ قوم عاد وثمود کی تاریخ اہل عرب کے سامنے موجود ہے خداوند عالم کی شان کبریائی اور اس کی قدرت آسمانی وزمین میں ظاہر ہونے کے

---

[1] "مناکب" کا ترجمہ راستوں سے کیا چلنے کی مناسبت سے مقصود تو یہ ہے کہ زمین کو اللہ نے انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے صاحب کشاف کہتے ہیں یہ ایک تمثیل اور محاورہ ہے جو مسخر کیے جانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے قتادہ، ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ زمین کے کاندھے پہاڑ اور ٹیلے ہیں ان کی بلندی کی وجہ سے ان کو مناکب الارض کہا جاتا ہے۔ ۱۲

ساتھ فضا میں اُڑتے ہوئے پرندے بھی اس کی قدرت وعظمت کی گواہی دے رہے ہیں تو کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کو کہ ان کے اوپر کس طرح پَر کھولے ہوئے ہیں اور پَر جھپکتے بھی ہیں کوئی نہیں ہے ان کو روکے ہوئے بجز رحمٰن کے وہی پروردگار رحمٰن ورحیم اپنی قدرت سے ان کو فضا میں معلق روکے ہوئے ہے پرندوں کی یہ حالت خداوند عالم کی کبریائی کی بڑی ہی عظیم دلیل ہے۔

بے شک وہ پروردگار جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے * بھلا وہ کون ہے جو لشکر مددگار ہو کر آجائے تمہارے واسطے رحمٰن کے سوا مدد کرے اور کسی بھی عذاب ومصیبت سے تم کو بچالے ہرگز ایسا ممکن نہیں کافر تو بس دھوکہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں ان کو یہ دھوکہ لگا ہوا ہے کہ اگر کوئی عذاب نازل ہوا جس سے ڈرایا جارہا ہے تو ان کے یہ معبود عذاب سے بچالیں گے یہ ان کا کھلا ہوا دھوکہ ہے سوچنا چاہیے۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے اگر وہ پروردگار اپنا رزق روک لے۔ دُنیا کی طاقت مل کر بھی ایک دانہ زمین سے پیدا نہیں کرسکتی یہ سب باتیں ہر صاحب فہم انسان بڑی سہولت سے سمجھ سکتا ہے لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے بلکہ یہ تو اور زیادہ مضبوطی سے چمٹے رہے اپنی سرکشی پر اور خدا کی اطاعت سے بدکنے پر یقیناً اس گمراہی اور سرکشی کا انجام ہلاکت وتباہی کے سوا کیا ہوسکتا ہے بھلا کیا وہ شخص جو چل رہا ہو اوندھا منہ اپنے سر کے بل راہ راست پر ہے یا وہ شخص جو چل رہا ہے ٹھیک ایک ایسے راستہ پر جو نہایت ہی سیدھا ہے ظاہر ہے کہ صراط مستقیم پر سیدھا چلنے والا انسان ہی کامیاب ہے اور حق پر ہے اور جو اوندھے منہ سر کے بل گھسیٹ رہا ہو وہ کیونکر فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچ سکتا ہے اسی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جو شخص قانون الٰہی اور نبی کریم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی کرے گا وہی منزل مقصود کو پہنچے گا اور وہی مؤمن صالح ہے اور جو شخص ہوائے نفس میں پھنس کر اللہ اور اس کے رسول سے باغی ہو جائے وہ ٹھوکریں کھاتا رہے گا اور ایک خاردار راستہ پر چلتے ہوئے ایسے عمیق اور گہرے گڑھے میں گرے گا کہ اس سے نکلنے کی کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی۔

قُلْ هُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ
تو کہہ وہی ہے جس نے تم کو نکال کھڑا کیا اور بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ
تم تھوڑا حق مانتے ہو تو کہہ وہی ہے جس نے کھنڈایا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف
تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٥﴾
اکٹھے کیے جاؤ گے اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

* استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد قرآن میں فرماتے ہیں۔ شاید پرندوں کی مثال بیان کرنے سے یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے عذاب بھیجنے پر قادر ہے اور کفار اپنے کفر وشرارت سے اس کے مستحق بھی ہیں لیکن جس طرح رحمٰن کی رحمت نے پرندوں کو ہوا میں روک رکھا ہے عذاب بھی اس کی رحمت سے رکا ہوا ہے" کوئی بعید نہیں اسی لطیف اشارہ کے باعث اس موقعہ پر اللہ کی صفت رحمٰن ذکر فرمائی گئی ہو حالانکہ یہ امر قدرت سے متعلق ہے تو ظاہر کا تقاضا ہوسکتا تھا کہ صفت قدرت وعظمت کا ذکر ہوتا۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ

تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی پاس اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر پھر جب دیکھیں گے وہ

زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

پاس آلگا بُرے بن جاویں گے منہ منکروں کے اور کہے گا یہی ہے جس کو تم

تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ

مانگتے تھے تو کہہ، بھلا دیکھو تو! اگر کھپا دے مجھ کو اللہ اور میرے ساتھ والوں کو یا ہم پر مہر کرے

فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا

پھر کون ہے جو بچاوے منکروں کو دکھ کی مار سے تو کہہ وہی رحمٰن ہے ہم نے اس کو مانا

بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ

اور اسی پر بھروسہ کیا سو اب جان لو گے کون پڑا ہے صریح بہکاوے میں تو کہہ

اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲ ۱۶ ۲

بھلا دیکھو تو! اگر ہو رہے صبح کو پانی تمہارا خشک پھر کون ہے جو لاوے تم کو پانی نتھرا؟

دلائل قدرت رب العالمین وتنبیہ وتہدید بر مجرمین ومنکرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ ... الٰی ... فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل ایمان وتقویٰ پر انعامات خداوندی کا بیان تھا اور یہ کہ مؤمنین مطیعین اور کفار ومجرمین ہر دو فریق کا خداوندِ عالم کو پورا پورا علم ہے ان کا کوئی قول وعمل اللہ سے مخفی نہیں کوئی بھی اس کے احاطہ علم وقدرت سے باہر نہیں ہوسکتا تو اب ان آیات میں مزید دلائل قدرت بیان کیے جارہے ہیں اور یہ کہ جب خداوند تعالیٰ نے انسان کو عقل وشعور عطا کیا آنکھیں دیکھنے کے لیے دیں اور کان سننے کے واسطے تو پھر یہ بات فطرت سے بعید ہے کہ انسان نہ عقل وفکر سے کام لے نہ آنکھوں سے دلائل قدرت کا مشاہدہ کرے اور نہ کانوں سے حق وہدایت کی بات سنے۔ ارشاد فرمایا:

کہہ دیجیے وہی ہے خداوند عالم وحدہٗ لاشریک لہٗ کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور اس کی خالقیت کی بے شمار دلیلیں خود انسانی وجود میں ودیعت رکھی ہوئی ہیں اور تمہارے واسطے کان بنائے اور آنکھیں تا کہ آنکھوں سے دیکھو اور کانوں سے رشد وہدایت کی باتوں کو سنو اور دل تا کہ عقل وفطرت کے تقاضے دلوں میں سمانے والی باتوں کو قبول کرو لیکن اے انسانو! افسوس کہ تم میں سے بہت سو نے ان چیزوں سے کام

نہ لیا تو بہت ہی کم ہو کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو اگر اس پر بھی یہ منکرین توجہ نہیں کرتے اور قبول حق کی طرف مائل نہیں ہوتے پھر کہہ دیجیے کہ وہی تو ہے جس نے زمین میں بکھیرا اور اپنی قدرت سے کسی طرح تم کو زمین کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد کیا اور کس طرح اسباب معیشت اور سامان راحت پیدا کیا اور یہ سب چیزیں اپنے تغیر و انقلاب اور وجود و فنا اور بقاء و زوال سے اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ تم سب اسی کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔ ان حقائق و دلائل اور مشاہدات کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ خدا پر ایمان لاتے مگر ذرہ برابر بھی ان پر اثر نہیں اور بلکہ یہ کہتے ہیں یہ وعدۂ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو کب ہم زندہ ہوں گے اور کب قیامت آئے گی؟ تو آپ ﷺ کہہ دیں اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف ڈرانے ہی والا ہوں کھلم کھلا خدا کے عذاب سے اور روز قیامت کے واقع ہونے سے یہ ایک ایسی حقیقت سامنے ہے قیامت برپا ہو رہی ہے تو بگڑ جائیں گے کافروں کے چہرے شدت غم اور بدحواسی کی وجہ سے اور کہا جائے گا یہی تو ہے وہ جس کو تم طلب کرتے تھے اور اللہ کے پیغمبر اور اہل ایمان سے کہا کرتے تھے کہ اچھا اگر کافروں پر خدا کا عذاب آنے والا ہے تو لے آؤ کہاں ہے وہ عذاب تو اس طرح یہ منکر اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا وہ بطور استہزاء مطالبہ اور جلدی کرتے تھے اور جوں ہی وہ عذاب قریب آئے گا بڑے بڑے سرکشوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں گی۔

خداوندِ عالم کے عذاب کو کون ٹال سکتا ہے اس کے قہر و جلال کا تو یہ عالم ہے کہ اے ہمارے پیغمبر ان کو کہہ دیجیے بھلا دیکھو تو اور مجھے یہ بتاؤ اگر بالفرض خدا مجھے ہلاک کرے اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں یا ہم پر رحم کرے جیسا کہ وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے تو پھر وہ کون ہے جو منکروں کو دردناک عذاب سے بچالے؟ یقیناً کسی میں جرات نہیں کہ خدا کی کسی بھی بات کو ٹلا سکے اس لیے اس کا وہ عذاب جو کافروں اور منکروں پر واقع ہونے والا ہے اس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا اور اس کی وہ عنایات و رحمتیں جو اس کے رسول ﷺ پر اور رسول ﷺ کے ساتھیوں پر ہونے والی ہیں ان کو کوئی نہیں روک سکتا اس شان عظمت و کبریائی کا ادراک و مشاہدہ کرنے والوں کو کہہ دیجیے کہ وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر بھروسہ ہی ہدایت و کامیابی ہے اور اے کافرو! تم ان دونوں سے محروم ہو، نہ ایمان ہے نہ توکل اس وجہ سے بس عنقریب تم جان لو گے کہ کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے ہم یا تم! آخر اے منکرو! کہاں تک تم خدا کی قدرت و خالقیت کا انکار کرتے رہو گے تو کہہ دو بھلا بتاؤ اگر تمہارا یہ پانی خشک ہو جائے تو کون لائے گا تمہارے پاس چشموں سے بہتا ہوا صاف ستھرا پانی۔ وہ پانی جس پر ہر جاندار کی زندگی اور ہر چیز کا بقاء موقوف ہے چشموں کنوؤں اور نہروں سے خشک ہو جائے تو یہ موتی کی طرح صاف ستھرے قطرے لے آنے کی کسی میں قدرت نہیں۔ [1]

تمّ بحمدالله سورة الملك

---

[1] شیخ السلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں: "یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے اس وقت ہدایت و معرفت کا خشک نہ ہونے والا چشمہ محمد ﷺ کی (بعثت کی) صورت میں جاری کر دینا بھی اسی رحمان مطلق کا کام ہو سکتا ہے جس نے اپنے فضل و انعام سے تمام جانداروں کی ظاہری و باطنی زندگی کے سامان پیدا کیے۔ اگر بفرض محال یہ چشمہ خشک ہو جائے جیسا کہ اشقیاء کی تمنا ہے تو کون ہے جو مخلوق کے لیے ایسا پاک و صاف نتھرا پانی مہیا کر سکے" حضرات مفسرین نے بیان کیا کہ اس آیت کو بعض متکبرین نے سنا تو بڑی ہی گستاخی سے کہا: "ہم زمین سے کھود کر نکال لیں گے" اسی وقت خدا نے ان کی آنکھوں کی رطوبت اور پانی جذب کر لیا اور غیب سے ندا سنائی دی اے گستاخ تو زمین کی تہوں سے پانی کیا نکال کر لائے گا تو اپنی آنکھ ہی کا پانی لے آ العیاذ باللہ شانِ خداوندی میں گستاخی سے اللہ رب العزت محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ القلم

اس سورت کا اصل موضوع آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور منکرین و کفار کے شبہات و اعتراضات کا رد اور جواب ہے سورت کی ابتداء آنحضرت ﷺ کی شانِ نبوت اور اس کی عظمت و رفعت سے کی گئی اور جو لغو قسم کی باتیں کفار مکہ کہا کرتے تھے ان کا رد ہے ساتھ ہی ایسی لغو اور بے ہودہ باتیں کرنے والوں کی مذمت کا بیان ہے اور ان کی وہ بے ہودہ اور ذلیل خصلتیں ذکر کی گئیں جن میں وہ مبتلا تھے اور یہ کہ ایسے منکرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا عذاب ہے اور کسی قسم کی ذلت و رسوائی ان کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے پھر اس موضوع کو واضح اور ثابت کرنے کے لیے ان باغ والوں کا قصہ بیان کیا گیا جو اللہ کی نافرمانی کے باعث ان تمام نعمتوں سے محروم ہو گئے جو ان کو حاصل تھیں اور قدرتِ خداوندی نے ان کے جرم کا کیسا انتقام لیا تو یہ سب کچھ عبرت کا سامان ہے اہل مکہ اور لوگ جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے اور نافرمانی و سرکشی انہوں نے اپنا شیوہ بنا لیا ہے ان کو ایسے عبرتناک واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے ساتھ ہی قیامت اور احوال قیامت کا بھی ذکر آ گیا اور یہ کہ روز قیامت نہایت ہی شدید دن ہو گا مجرمین اللہ کے سامنے جب پیش ہوں گے تو ان کی ذلت و بدحالی کی کوئی حد نہ ہو گی اختتام سورت پر آنحضرت ﷺ کو کفار قریش کی اذیتوں پر صبر و تحمل کی تلقین فرمائی گئی۔

آیاتُہا ۵۲	(۶۸) سُوْرَۃُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ (۲)	رُکُوعَاتُہَا ۲

سورۂ قلم مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۱ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲ وَ

نٓ۔ قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ اور

اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝۳ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴ فَسَتُبْصِرُ

تجھ کو نیگ ہے بے انتہا اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر سو اب تو بھی دیکھ لے گا

وَ یُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَیِّىكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ

اور وہ بھی دیکھ لیں گے کون ہے کہ بچل رہا ہے تیرا رب وہی بہتر جانے جو

ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ۪ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۷﴾ فَلَا تُطِعِ

بہکا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے راہ پانے والوں کو سو تو کہا نہ مان

الۡمُكَذِّبِیۡنَ ﴿۸﴾ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ ﴿۹﴾ وَ لَا تُطِعۡ كُلَّ

جھٹلانے والوں کا وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلے ہوں اور کہا نہ مان کسی قسم کھانے والے کا

حَلَّافٍ مَّهِیۡنٍ ۙ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ۙ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ

بے قدر طعنے دیتا، چغلی لیے پھرتا، بھلے کام سے روکتا، حد سے بڑھتا

اَثِیۡمٍ ۙ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِیۡمٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿ؕ۱۴﴾

گنہگار، اجڈ اس سب کے پیچھے بدنام، اس سے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے

اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَی

جب سنائیے اس کو ہماری باتیں کہے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی اب داغ دیں گے ہم اس کو

الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾

سونڈ پر

بیان عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و تلقین صبر و استقامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ . . . اِلٰی . . . سَنَسِمُهٗ عَلَی الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں خداوندِ عالم کی خالقیت کے دلائل ذکر کیے گئے اور یہ کہ اس کی قدرت کائنات کو محیط ہے اس کے احاطۂ علم و قدرت سے کوئی مجرم نہیں نکل سکتا تو اب اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو ثابت فرمایا گیا اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے مجرمین خدا کے عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکتے اور جو کچھ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں وہ سب لغو اور بے ہودہ باتیں ہیں کوئی صحیح العقل انسان ایسی بے ہودہ باتیں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا:

نٓ ○ خدا تعالیٰ ہی اس کی مراد ❶ بخوبی جانتا ہے قسم ہے قلم کی اور قسم ہے ان کی جو لکھتے ہیں آپ نہیں ہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ بلکہ دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ علم و حکمت اور عقل و دانائی کے مالک ہیں جس توحید اور مکارم اخلاق کی دُنیا کو تعلیم دی وہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ دُنیا کے سارے حکماء اور فلاسفر کو حکمت و دانائی آپ ﷺ کے چشم فیض سے ملی ہے آپ کی حکمت و دانائی اہل مکہ کے نزدیک کوئی عجب چیز نہیں قریش اور ان کے علاوہ اطراف و اکناف عرب میں اس کا چرچا تھا یہ بات تو کیسے ممکن ہے کہ آپ دیوانہ ہوں بلکہ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے واسطے تو ایسا اجر عظیم ہے کہ جو کبھی بھی منقطع ہونے والا نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی ذات سے دُنیا میں توحید و مکارم اخلاق رواج پائیں گے خدا پرستی جب مشرق و مغرب میں پھیلے گی تو بلاشبہ اس سب کا اجر و ثواب آپ ہی کو ملتا رہے گا اور بے شک آپ تو بڑے ہی اچھے اور بلند پایہ خلق پر ہیں ❷ ایسے اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ اخلاق کہ دنیا میں ان اخلاق و اعمال نے مسلمانوں کو عزت و حکومت اور سربلندی عطا کی۔

تو عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ کون تم میں سے وہ ہے جو بھٹک رہا ہے اور کون وہ ہے جو پیکر علم و حکمت اور عقل و فراست ہے کون عاقبت اندیش ہے اور کس کی عقل ماری گئی ہے جس کی وجہ سے وہ پاگلوں جیسی باتیں اور حرکتیں کرتا ہے بلاشبہ آئندہ کی تاریخ اس کا فیصلہ کر دے گی بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے اس کو جو بھٹکا ہوا ہے اس کے راستہ سے اور وہی خوب جانتا ہے ان کو بھی جو راہ راست پر ہیں اس کا علم ہر عمل اور ہر عامل کو محیط ہے اس وجہ سے ہدایت اور نیکی پر چلنے والوں کا انجام فلاح و کامیابی اور عزت و غلبہ ہوگا اور گمراہوں کا انجام ہلاکت و تباہی ہے کفار و مشرکین تو اسی کوشش میں لگے رہیں گے کہ آپ ﷺ دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں ان کی کچھ رعایت کریں اور کفر و گمراہی اور معبودان باطلہ کے رَد میں سخت رویہ کو ترک کر دیں۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے یہی ہو سکتا ہے کہ حق و باطل اور توحید و شرک میں امتیاز ہی ختم ہو جائے گا اس لیے آپ کو تاکید ہے ہرگز ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ نرمی اختیار کر لیں تو پھر وہ بھی آپ کے ساتھ نرمی برتیں ہرگز آپ ﷺ ایسا نہ کریں۔ ان کو نرمی اور خوش خلقی کی طمع میں احقاق حق اور تردید باطل میں کسی طرح کی نرمی اور کمزوری مقام رسالت کے ساتھ زیب نہیں دیتی ایمان و حق پرستی کا تقاضا یہ ہے کہ حق کی

---

❶ یہی مسلک اہل حق اور محققین کا ہے اگرچہ بعض عارفین اس حرف نون کو "ناصر" یا "منصر" کا مخفف قرار دے کر یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ تسلی ہے آنحضرت ﷺ کو کہ ہم آپ کے مددگار ہیں یا ہم آپ ﷺ کی مدد کریں گے بعض مفسرین نے اور بھی معانی بیان کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

❷ خلق خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ عادت کو کہا جاتا ہے اچھی عادت کو خلق حسن اور بری عادت کو خلق سوء یعنی بد اخلاق سے تعبیر کریں گے تو خلق حسن یا خلق عظیم انسان میں اس طبعی ملکہ کو کہا جاتا ہے جس کے باعث انسان پسندیدہ کام سہولت سے کر سکتا ہے بہرکیف عملی اور اخلاقی ہیئت عملہ کو خلق کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً حیاء، کرم، سخاوت، شجاعت، ہمدردی و اعانت، وصلہ رحمی، صبر و حلم اور ہر بُری بات اور بے ہودہ خصلت سے پرہیز اور نفرت کرنا تو اس طرح کا وصف انسان کی فطرت میں رچا ہوا ہو کہ یہ تمام باتیں بے تکلف اس سے واقع ہوتی رہیں تو آنحضرت ﷺ ان جملہ اخلاق حسنہ اور پسندیدہ خصلتوں سے نہ صرف یہ کہ متصف ہیں بلکہ دنیا نے ان باتوں کو صرف آپ ﷺ سے ہی سیکھا۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ کا خلق کیا تھا؟ جواب دیا: آپ ﷺ کا خلق قرآن کریم تھا اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ سے زیادہ دُنیا میں کوئی خوش خلق نہ تھا جب بھی کسی نے کام کے لیے بلایا آپ نے اس کا کام کر دیا عمر بھر آپ نے کسی کو گالی نہ دی نہ بُرا بھلا کہا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں نے دس برس آپ کی خدمت کی اس طویل مدت میں آپ ﷺ نے کبھی مجھے کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا "کہ کیوں نہیں کیا" اور اگر کوئی کام غلط کر لیا تو یہ نہیں فرمایا کہ "یہ کیوں کیا" ۱۲۔

آواز بلا جھجک کے بلند کی جائے دشمن خواہ سختی اختیار کریں یا بُرا بھلا کہیں اہل باطل کی خوشنودی کی طرف مائل ہونا کسی بھی حق پرست کے لیے قابل برداشت بات نہیں ہے اور آپ ہرگز بات نہ مانیں کسی ایسے شخص کی جو خوب قسمیں کھانے والا حقیر و ذلیل انسان ہو۔ طعن و تشنیع کرنے والا ہو چغل خوری کرتا پھرتا ہو ہر بھلے کام سے لوگوں کو روکتا ہو حد سے زیادہ سرکش بڑا ہی گناہگار ہو نہایت ہی بدخو بے ہودہ ان سب باتوں کے بعد بدنام [1] رسوائے زمانہ بھی ہو یہ (اس شخص کا غرور تکبر اور سرکشی اور ہر خیر سے لوگوں کو روکنا) اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت مالدار اور بیٹوں والا تھا وہ اپنی سرکشی اور غرور میں اس حد تک پہنچا کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جائیں تو کہے یہ تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیاں ہیں اس مغرور متکبر کو اس بات کا احساس تک نہ رہا کہ دنیا میں کسی شخص کا دولت مند یا صاحب اولاد ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی بات حق ہے اور وہی کامیاب بھی ہے اصل عزت و کامیابی تو انسان کے اخلاق و عادات اور کردار کی خوبی اور شرافت و خوش اسلوبی پر موقوف ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے ابلہ فریب انسان کی باتوں کی طرف نہ کوئی التفات کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے متاثر ہونا چاہیے۔

ایسے نالائق اور بدبخت انسان کے لیے تو ہم نے یہ طے کرلیا ہے اور ہم داغ دیں گے اس کی سونڈ پر اس کی وہ ناک جو سونڈ کی طرح ہے نہایت ہی بے ڈول اور چوڑی بڑی بھدی نظر آتی ہے یہ شخص قریش کا ایک سردار ولید بن مغیرہ تھا جس میں یہ تمام اوصاف بتمام و کمال موجود تھے اور ناک پر داغ میں ذلت و رسوائی کا داغ تھا جو اس پر لگ کر رہا علاوہ ازیں حسی طور پر بھی دنیا میں یہ داغ لگ کر رہا جس کی صورت یہ ہوتی کہ بدر کی لڑائی میں ایک انصاری کی تلوار کا اس کی ناک پر چرکا لگا اور اس سے وہ زخمی ہوئی مکہ مکرمہ آکر اس کی مرہم پٹی کی مگر یہ زخم کسی طرح اچھا نہ ہوا بلکہ ایک نمایاں داغ پڑ گیا اور اس زخم کی سختی اور تلخی سے نجات نہ پا سکا حتیٰ کہ اسی حالت میں جہنم رسید ہو گیا۔

ناک ہی انسان کے غرور و تکبر کا نشان ہے عرف میں ناک عزت و آبرو کو کہتے ہیں اور ذلت و رسوائی کو محاورات میں ناک کٹ جانا کہتے ہیں تو اس لحاظ سے غرور و خود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا تکبر اور سرتابی کی مناسب سزا ہوئی اس میں ایک لطیف رمز اور اشارہ یہ بھی ہے اللہ کے گھر کی بے حرمتی کرنے والے ہاتھیوں کے لشکر کا انجام قریش مکہ نے دیکھ بھی لیا تھا اب یہ ہاتھی جیسی ناک والا بھی اپنی ذلت و ہلاکت کا انجام دیکھ لے گا۔

قلم اور تحریر قلم تاریخ عالم میں حضور اکرم ﷺ کی عظمت و حقانیت کا ثبوت اعظم

دُنیا میں علوم کے نقل اور اشاعت کا ذریعہ قلم ہے۔ اور قلم کے ذریعہ علم و معرفت کے خزانے ایک قرن سے دوسرے قرن اور ایک قلب سے دوسرے قلب تک منتقل کیے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آغاز وحی پر جب آں حضرت ﷺ کو ﴿ اِقْرَاْ ﴾ کا خطاب ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((ما انا بقارئ)) کہ میں تو ایسا نہیں ہوں کہ پڑھا ہوا ہوں تو قرأت اور علم و حکمت کے حصول کے اس واسطہ اور

---

[1] رسوائے زمانہ اور "بدنام" لفظ "زنیم" کا ترجمہ ہے جس کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ میں اختیار فرمایا بعض حضرات سلف اور اہل لغت نے زنیم کے معنی ولد الزنا اور "حرام زادے" کے کیے ہیں اور جس کافر کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں وہ اہل مکہ میں اسی حیثیت کے ساتھ معروف تھا اور وہ ولید بن مغیرہ تھا۔ ۱۲

ذریعہ کا اس طرح ذکر فرمایا گیا ﴿اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝﴾ (العلق) کہ قلم کے ذریعے انسان تک وہ علوم پہنچتے ہیں جن کو وہ پہلے نہیں جانتا ہوتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ قلم سے تقدیر الٰہی کا قلم مراد ہو جیسے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: اللہ رب العزت نے سب سے اوّل قلم پیدا فرمایا اور پھر اس کو فرمایا ﴿اُکتب﴾ یعنی لکھ اے قلم۔ قلم نے کہا: اے پروردگار! کیا لکھوں؟ جواب ملا لکھ لے ہر وہ چیز جو موجود ہے اور وہ بھی جو قیامت تک ہونے والا ہے بہرکیف قلم کی عظمت ظاہر ہے اور اسی عظمت کے پیش نظر قلم اور قلم سے لکھے جانے والے علوم و معارف کی قسم کھائی گئی چونکہ قسم اور جواب قسم میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہوتی ہے تو ﴿مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ یعنی اس اعلان "کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کے فضل و انعام کی وجہ سے مجنون یا دیوانہ نہیں ہیں" کے ثابت کرنے کے لیے قلم اور قلم سے تحریر کیے جانے والے علوم کی قسم کھائی کیونکہ علوم اور حکمتیں لکھی جاتی ہیں اور ایسی حکمتیں کہ دُنیا کے حکماء ان پر حیران ہوں ان اسرار و حکم سے لوگوں کو فہم و شعور کا ایک حصہ ملے تو بلاشبہ اس قسم پر یہ مضمون مرتب کرنا اور کفار مکہ کے اس بے ہودہ لغو اعتراض کا جواب نہایت ہی لطیف ہوا جیسے کہ کسی تاریکی اور ظلمت کے الزام کو رد کرنے کے لیے سورج اور سورج کی تابناک شعاعوں کی قسم کھائی جائے اسی وجہ سے اس اعتراض کے بالمقابل آنحضرت ﷺ کا وصف خلق عظیم کا ذکر فرمایا جو دُنیا کی تمام حکمتوں اور دانائی کے رموز کے لیے ایک جامع اساس ہے کہ کہاں ان بے ہودہ لوگوں کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ مجنون ہیں اور کہاں آپ ﷺ کا یہ مقام کہ ﴿لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ کہ جملہ کمالات عقلیہ وعلمیہ کا سرچشمہ ہیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ دُنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ بہترین اخلاق والے تھے (فرمایا) اور میں نے کبھی کوئی ریشم و دیباج آنحضرت ﷺ کے کف مبارک (ہتھیلی) سے زائد نرم و لطیف نہیں چھوا اور کبھی کوئی مشک و عنبر آنحضرت ﷺ کے پسینہ مبارک سے زائد خوشبودار نہیں [1] پایا ایک روایت میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا آنحضرت ﷺ احسن الناسِ وجْهًا واحسن الناس خُلُقًا تھے یعنی جس طرح آپ ﷺ ظاہر جسم چہرے کے لحاظ سے پیکر حسن و جمال تھے باطنی اخلاق کے لحاظ سے حسن خلق کا پیکر اعظم تھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ریشم اور مشک و عنبر کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے آپ ﷺ کے اخلاق کی نرمی و لطافت کے سامنے ریشم کی نرمی ہیچ تھی اور آپ ﷺ کے اخلاق مبارکہ کی مہک اور خوشبو کے سامنے ہر عطر اور مشک و عنبر شرماتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد قرآن کریم میں فرماتے ہیں "دُنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطون اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین و آسمان کا تفاوت ہے آج آپ ﷺ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دُنیا کے جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء و دوام کی مہر ثبت کر دی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ لکھی ہوئی تحریریں آپ ﷺ کے ذکر خیر اور آپ ﷺ کے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی اور آپ ﷺ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲۔

صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا ایک وقت آئے گا جب ساری دُنیا آپ ﷺ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ ﷺ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرلے گی۔

بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوح محفوظ کی تختی پر نقش کرچکا کسی کی طاقت ہے کہ محض مجنون و مفتون کی پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے جو ایسا خیال رکھتا ہو وہ پرلے درجے کا مجنون یا جاہل ہے۔ (فوائد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

حضور اکرم ﷺ کی یہ شان علم وحکمت اور محاسن اخلاق کا سرچشمہ ہونے کے بیان کے لیے عنوان ﴿لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ لفظ ﴿عَلٰى﴾ کے ساتھ اختیار فرمایا گیا عربی زبان میں لفظ ﴿عَلٰى﴾ استعلاء اور غلبہ کے بیان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اشارہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ صرف یہی نہیں کہ صاحب خلق عظیم ہوں بلکہ آپ ﷺ تو ان اخلاق حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی وسعت پیدا کردی۔

اہل مکہ یا ولید بن مغیرہ جیسے بدبختوں کی اس بے ہودہ بات کہ "آپ ﷺ مجنون ہیں" رد کرنے کے لیے یہاں حق تعالیٰ شانہٗ نے تین باتیں ذکر فرمائیں یا یہ کہ تین طرح اس کی تردید کی ایک تو یہ فرمایا ﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾ جس میں اشارہ ہوا کہ جس ہستی پر خدا کی نعمت بے پایاں ہو وہ کیسے دیوانہ و مجنون ہوسکتا ہے دوسری بات یہ فرمائی ﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا﴾ یعنی دیوانگی تو درکنار آپ ﷺ کا مقام عظمت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اجر وثواب کبھی منقطع ہی نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ ﷺ کے علوم و معارف اور ہدایات سے تو دُنیا قیامت تک مستفید ہوتی رہے گی تو جو ہستی اس مقام و مرتبہ کی ہو کہ اس کی ہدایات وعلوم سے دنیا قیامت تک مستفید ہو اور اس طرح اس کا اجر کبھی بھی منقطع نہ ہوسکتا ہو تو بھلا کیا کوئی عقل والا انسان ایسے کو مجنون و دیوانہ کہہ سکتا ہے پھر تیسری بات یہ فرمائی کہ ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ تو خلق عظیم سے متصف ہونا تو کمال عقل و دانائی ہے تو پھر کون وہ پاگل ہے جو ایسی ہستی کو مجنون و دیوانہ کہہ رہا ہے یا یہ کہیے کہ کفار مکہ کے بے ہودہ اور نہایت ہی بھونڈی بات کی تردید مسلسل اور پے درپے تین دلیلوں اور اس کے برعکس تین عظیم کمالات (جو علم وحکمت اور عقل و دانائی کا پیکر ہیں) کے بیان سے کی گئی۔

فائدہ: حضرات مفسرین اگرچہ ان آیات کو ولید بن مغیرہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں لیکن قرآن کریم کے مضامین خواہ وہ کسی بھی جزوی واقعہ یا شخصی مسئلہ کے لیے نازل ہوں مگر ان کا مفہوم ایک قانون کلی اور عمومی مفہوم کے درجہ میں ہوتا ہے کہ جو بھی ان احوال سے متصف ہو یہ آیات اسی پر منطبق ہیں۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا
ہم نے ان لوگوں کو جانچا ہے جیسے جانچا اس باغ والوں کو جب سب نے قسم کھائی کہ اس کا میوہ توڑیں گے
مُصْبِحِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ
صبح کو اور انشاء اللہ نہ کہا پھر پھیرا کر گیا اس پر کوئی پھیرنے والا تیرے رب کی طرف سے اور

هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

وہ سوتے رہے پھر صبح تک ہو رہا جیسے ٹوٹ چکا پھر آپس میں پکارے صبح ہوتے

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ

کہ سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کو توڑنا ہے پھر چلے اور آپس میں

يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّ

کہتے تھے چپکے چپکے کہ اندر نہ آنے پاوے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج اور

غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ

سویرے چلے لپکے زور پر پھر جب اس کو دیکھا بولے ہم راہ بھولے نہیں!

نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾

ہماری قسمت نہ ہوئی بولا ان میں بیچ کا میں نے تم کو نہ کہا تھا کیوں نہیں پاکی

قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

بولتے اللہ کی بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی ہم ہی تقصیر وار تھے پھر منہ کر کر ایک دوسرے کی

يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ

طرف لگے اولاہنا دینے بولے اے خرابی ہماری! ہم تھے حد سے بڑھنے والے شاید ہمارا رب

يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ط

بدل دے ہم کو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں یوں آتی ہے آفت

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۴۳/۲

اور آخرت کی آفت سو سب سے بڑی اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

عبرتناک انجام غرور وتکبر بر دولت دنیا ومحرومی از سعادت آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ... الی... لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل مکہ کے ان مغرور ومتکبر انسانوں کا ذکر تھا جنہوں نے محض اپنے مال ودولت اور اولا دوخاندان کے نشہ میں رسول خدا ﷺ کی توہین کی انکار وکفر کے مرتکب ہوئے تو اب ان آیات میں ایک باغ والوں کا قصہ بیان کر کے بتایا جارہا ہے کہ انسان کو دُنیا کے مال ومنال پر بھروسہ کر کے مغرور ومتکبر نہ ہونا چاہیے دُنیا کی حقیقت بس اتنی ہی ہے اور غرور کا انجام ایسا ہی ہے جیسے کہ اس باغ کی تباہی اور باغ والوں کی بربادی سے ظاہر ہورہا ہے یہ باغ والے چند بھائی تھے جنہوں نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد یہ ارادہ کیا کہ اس باغ کی آمدنی اور پیداوار کو صدقہ وخیرات کر کے ضائع نہیں کرنا چاہیے اور باپ کی یہ روش کہ وہ غریبوں اور یتیموں کو خوب صدقہ کرتا تھا ہم باقی نہیں رکھیں گے تو یہ باغ کس طرح قہر خداوندی سے جل کر خاک ہوگیا اور یہ لوگ حسرت وافسوس ہی کرتے رہ گئے تو ارشاد فرمایا:

بے شک ہم نے ان کو آزمایا ہے۔ جیسا کہ آزمایا تھا ہم نے باغ والوں کو جب کہ انہوں نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد مال کی محبت میں صدقہ وخیرات اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کیا اور اس کی یہ عادت کہ باغ کا پھل توڑنے پر غریبوں پر پہلے صدقہ کرتا ان لوگوں کو ناگوار گزری اور اس وجہ سے یہ طے کیا اور سب نے قسمیں کھائیں کہ ہم ضرور بالضرور اس باغ کا پھل توڑیں گے صبح ہوتے وقت اور ان شاء اللہ نہیں کہہ رہے تھے حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ یہ کہتے "اگر اللہ نے چاہا" کیونکہ خدا کے ارادہ کے بغیر انسان کوئی کام نہیں کرسکتا تو گھوم گئی اس باغ پر ایک گھوم جانے والی چیز آپ ﷺ کے رب کی طرف سے جو آگ کے شعلے برسانے والی ہوا تھی اور وہ سوئے ہوئے تھے تو وہ باغ صبح تک ایک چورا کی ہوئی کھیتی کی طرح ہوگیا رات کے بگولوں نے باغ اور کھیت سب صاف کر ڈالا پھر ایک دوسرے کو پکارنے لگے جب کہ وہ صبح کے وقت اٹھے تاکہ علی الصباح جیسا کہ طے کیا تھا کہ اندھیرے اندھیرے باغ میں جا کر پھل توڑلیں اور اس وقت تک فقیروں اور مسکینوں کے آنے کی نوبت نہ آئے کہ سویرے ہی چلے چلو اپنے کھیت پر اگر تم کھیتی کاٹنا چاہتے ہو اور پھل توڑنا چاہتے ہو چنانچہ یہ لوگ روانہ ہوئے اور حال یہ کہ ڈر رہے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے ایسا نہ ہو کہ آج کوئی مسکین تم پر داخل ہوجائے اور تدبیر یہ ہونی چاہیے کہ ہرگز کوئی مسکین آ ہی نہ سکے اور یہ باتیں آہستہ کررہے تھے کہ کہیں کوئی مسکین سن ہی نہ لے اور صبح ہی صبح چلے لپکتے ہوئے اس یقین کے ساتھ اب سب کچھ اپنے قبضہ میں کر لینے والے ہوں گے اور قادر ہوں گے اس پر کہ سارا پھل اور کھیتی اپنے قبضہ میں لے لیں اور کسی مسکین کو باغ کے قریب بھی نہ آنے دیں لیکن جب وہاں پہنچے اور اس باغ کو دیکھا تو یہ سوچ کر کہ ہمارا باغ تو نہایت ہی سرسبز وشاداب تھا یہ تو ہمارا باغ نہیں ہوسکتا ہم راستہ بھٹک کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں تو کہنے لگے ہم تو راستہ بھٹک گئے ہیں مگر کچھ قرائن اور محل وقوع اسی طرح دوسری نشانیوں کو دیکھ کر یہ یقین کر لیا کہ نہیں یہ تو ہمارا ہی باغ ہے جو جل کر خاک ہوگیا تو بولے نہیں بلکہ ہماری تو قسمت ہی پھوٹ گئی اور ہم اپنی بدنصیبی کی وجہ سے محروم ہوگئے ہیں ان میں سے درمیانہ [1] اور

---

[1] یہ لفظ بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بھائی صرف باعتبار عمر ہی کے درمیانہ نہ تھا اور نہ اس معنی کو قطعی سمجھنا چاہیے بلکہ بہت ممکن ہے کہ اس کو ـــــ

معتدل درجہ کا بھائی بولا کیا میں نے نہیں کہا تھا تم سے کیوں نہیں تم اللہ کی پاکی بیان کرتے اور اس کی حمد و ثناء اور تسبیح زبان و عمل سے کیوں نہیں ادا کرتے یعنی میں تم کو پہلے ہی کہتا تھا کہ اپنے رب سے غافل نہ ہو اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اس کے ساتھ اپنی زندگی کا رابطہ اس کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہوئے باقی رکھو لیکن افسوس کہ تم نے میری بات نہ مانی اس پر وہ شرمندہ ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے پاکی ہے ہمارے پروردگار کی بے شک ہم بڑے ہی ظالم ہیں پھر ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے ملامت کرنے لگے اور کہتے تھے ہائے ہماری بربادی بے شک ہم تو بہت ہی سرکشی اور تعدی کرنے والے ہو گئے کہ اس کی کوئی حد ہی نہ رہی ہم نے اپنے آپ کو بھی فراموش کیا اور خدا کے احکامات کو بھی نہیں پہچانا اب ہم ندامت و شرمندگی کے ساتھ تائب ہوتے اور اپنے خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس باغ کے بدلے اس سے بہتر کوئی نعمت عطا کر دے بس ہم تو اپنے رب کی طرف رغبت و آرزو قائم کر چکے ہیں وہی ہماری آرزوؤں کا ماویٰ و ملجاء اور اسی کی طرف ہماری آس ہے اے سننے والو! سن لو بس اسی طرح ہے خدا کا عذاب جب آتا ہے تو دُنیا میں بھی انسان کو تباہ و برباد کر ڈالتا ہے اور یقیناً عذاب آخرت تو اس سے بھی بڑھ کر ہے جس کا دنیا میں کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا کاش کہ یہ نافرمان لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ یہ دنیا کے عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ تھا جس کو کوئی طاقت اور تدبیر ٹلا نہ سکی تو عذاب آخرت کو کون ٹلا سکتا ہے جس کی ہیبت و عظمت سے آسمان و زمین کانپتے ہیں۔

غرور و تکبر سے سرسبز و شاداب باغ کی تباہی

حافظ ابن کثیر، قرطبی اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کیا ہے کہ یہ باغ والے جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اہل یمن میں سے تھے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ صنعاء میں یمن سے تقریباً چھ میل دوری کی مسافت پر ایک قصبہ خروان تھا یہاں کے باشندے اصل میں حبشہ کے تھے وہاں ایک شخص نہایت ہی کریم النفس اور سخی تھا جس کا یہ باغ تھا مذہباً یہ اہل کتاب تھا نہایت ہی خدا ترس۔ اس شخص نے اپنے باغ اور کھیت کی آمدنی سے غرباء و مساکین یتیموں اور بیواؤں کے حصے اور وظیفے مقرر کر رکھے تھے یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا تھا اس شخص کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں نے ان تمام باتوں کو قطعاً ترک کر ڈالا ان کے دل میں نفس اور شیطان نے یہ ڈالا کہ ہم تو عیال دار ہیں اخراجات اور مصارف ہی پورے نہیں ہوتے ہم نے اگر باپ کی طرح غرباء و مساکین کو دینا شروع کر دیا تو ہم کہاں سے کھائیں گے اور جب فصل کٹنے یا پھلوں کے توڑنے کا وقت آیا تو ان سب نے باہم مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ پھلوں کو توڑنے کے لیے ہم صبح سے پہلے اندھیرے اندھیرے پہنچ جائیں اور ان مسکینوں کے آنے سے پہلے جو باپ کے زمانہ میں پھل توڑنے کے وقت آتے تھے سارے پھل گھر لے آئیں تا کہ ان کو کچھ دینا نہ پڑے ان میں سے ایک بھائی تو جس کو قرآن کریم نے ﴿قَالَ اَوْسَطُهُمْ﴾ فرمایا ہے ان کو سمجھاتا رہا اور منع کرنے لگا کہ ایسا نہ کرو بلکہ مساکین پر خرچ کرنے اور اللہ کی راہ میں صدقہ سے تو اور برکت ہوتی ہے اس کی مزید رحمتیں اور عنایات واقع ہوتی ہیں مگر اس کی کسی نے نہ سنی اور نہ مانی اور جس طرح طے کیا تھا صبح سے پہلے اندھیرے وقت باغ کی طرف

= اوسط اس کے اعتدال اور میانہ روی کے باعث کہا گیا ہو ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے۔

اور درمیانہ درجہ اس وجہ سے کہ نہ تو یہ ان بھائیوں کی طرح مسکینوں پر صدقہ و خیرات سے بچ رہا تھا اور نہ ہی اس میں اس قدر ہمت و قدرت تھی کہ اپنے بھائیوں کی غلط روش کا مقابلہ کرتا اس لیے یہ درمیانہ درجہ کا ہوا۔

چلے وہاں جا کر دیکھا تو خدا کے قہر و عذاب نے اس کو جلا کر خاک کر ڈالا تھا جس پر حسرت و ملال سے ہاتھ ملتے رہ گئے اس حسرت و ملال کی کیفیت کو قرآن کریم نے تفصیل سے بیان کیا۔

یہ قصہ چونکہ اہل عرب میں مشہور ہو چکا تھا حتیٰ کہ عوام و خواص میں قرناً بعد قرنٍ اس کو بیان کیا جاتا تھا اس وجہ سے قرآن کریم نے کفار مکہ کی عبرت و تنبیہ کے لیے ذکر فرمایا اور یہ کہ انسان کو دنیا کے مال و دولت پر ہرگز غرور نہ کرنا چاہیے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص رات میں اپنی کھیتی کاٹے یا باغ کے پھل توڑے بظاہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی قصہ کے پیش نظر ہے کیونکہ مجرمین کی مشابہت سے بھی انسان کو بچنا چاہیے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بیان کرتے ہیں فرمایا: ((ایّاکُمْ والمعاصِیْ ان العبد لیذنب ذنبا فیحرمہ رزقا قد کان ھیّأ لہٗ))۔ یعنی اے لوگو! تم معاصی اور گناہوں سے بچوں بے شک بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک بندہ کوئی گناہ کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اس کو اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کیا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ﴾ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی نعمتوں کا حق اور شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ناشکری کی نحوست سے بچائے۔

رَبِّ اوزعنا ان نشکر نعمتك التی انعمت علینا وان نعمل صالحا ترضاہُ وَاَدْخِلْنا بِرَحمتك فی عبادك الصالحین. اٰمین یارب العٰلمین

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ
البتہ ڈر والوں کو اپنے رب کے پاس باغ ہیں نعمت کے کیا ہم کریں گے حکم برداروں کو
كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ وقفة كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
برابر گنہگاروں کے؟ کیا ہوا تم کو کیسی بات ٹھہراتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں
تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا
پڑھ لیتے ہو اس میں ملتا ہے تم کو جو پسند کرو کیا تم نے ہم سے کوئی قسمیں لی ہیں
بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ
پوری قیامت کے دن تک پہنچتی کہ تم کو ملے گا جو ٹھہراؤ گے پوچھ ان سے کون سا ان میں

بِذٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚۛ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ اِنْ كَانُوْا

اس کا ذمہ لیتا ہے کیا ان کے کوئی شریک ہیں؟ تو چاہیے لے آویں اپنے شریک اگر وہ

صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا

سچے ہیں جس دن کھولی جاوے پنڈلی اور بلائے جاویں سجدہ کو پھر نہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا

کرسکیں نویں ہیں ان کی آنکھیں چڑھی آتی ہے ان پر ذلت اور پہلے ان کو

يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ

بلاتے تھے سجدہ کو اور وہ چنگے تھے اب چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاُمْلِيْ

اس بات کے کہ ہم سیڑھی سیڑھی اتاریں گے ان کو جہاں سے یہ نہ جانیں گے اور ان کو ڈھیل

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿٤٥﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

دیتا ہوں بیشک میرا داؤ پکا ہے کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ نیگ سو ان پر چٹی

مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ

بوجھ پڑتی ہے کیا ان کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ لکھ لاتے ہیں اب تو ٹھہرا راہ دیکھ

رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَآ

اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسے مچھلی والا جب پکارا اور وہ غصہ میں بھرا تھا اگر نہ

اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبٰهُ

سنبھالتا اس کو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر پھر نوازا اس کو

رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٥٠﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ

اس کے رب نے پھر کردیا اس کو نیکوں میں اور منکر تو لگے ہی ہیں کہ ڈگادیں تجھ کو

بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ

اپنی نگاہوں سے جب سنتے ہیں سمجھوتی اور کہتے ہیں وہ باؤلا ہے اور یہ تو یہی سمجھوتی ہے

اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ ع

سارے جہان والوں کو۔

بشارت اہل ایمان وتقویٰ بنعماء جنت وتذلیل وتوہین کفار ومشرکین درروز آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ... الٰى ... اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں ان منکرین ومکذبین کا ذکر تھا جو دولت کے نشہ میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانی پر کمر بستہ ہوئے رسول خدا ﷺ کی توہین وتذلیل کی تو ان کی نافرمانی اور غرور کا انجام ہلاکت ایک تاریخی واقعہ کی شکل میں بیان فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اہل تقویٰ و ایمان کا اعزاز واکرام اور جنت میں حق تعالیٰ شانہٗ ان کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازے گا بیان فرمایا جا رہا ہے پھر اسی کے ساتھ تنبیہ کے طور پر مجرمین ومنکرین کا قیامت کے روز کیسا برا انجام ہوگا ذکر فرمایا گیا اور اس ذلت وخواری کا منظر پیش کیا گیا جس میں وہ مبتلا ہوں گے۔

فرمایا بے شک تقویٰ والوں کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں باغات ہوں گے نعمتوں کے یہ دُنیا والے کیا اپنے باغ و بہار پر غرور وتکبر کرتے ہیں متقیوں کو آخرت میں جو باغات اور نعمتیں دی جائیں گی وہ تو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی کسی کے قلب و دماغ میں اس کا تصور گزرا ظاہر ہے کہ ان نعمتوں سے یہ کفار ومجرمین محروم ہوں گے اور کیوں نہ ہوں تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرمین کے برابر کر دیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں اور یہی بات عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے مطابق ہے اور یہ کہ مسلم وفرماں بردار اور مجرم و نافرمان برابر ہوں عقل وفطرت کے خلاف ہے اگر اے کافرو! تم اس قسم کا فیصلہ کرتے ہو تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے کیا ہو گیا تم کو تم یہ کیسے فیصلے کرتے ہو کیا تمہارے پاس اس دعوے پر کوئی لکھی ہوئی چیز ہے جس کو تم بطور دلیل سنا سکو اور پڑھتے ہو یا ایسی کوئی قابل اعتبار کتاب ہے کہ جس کو بطور سند پیش کیا جا سکے کیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے یقینی کہ تم اس کو اپنی واسطے پسند کر لو کہ تمہیں وہی ملے گا جو چاہو اور تمہاری من مانی خواہشات پوری ہوں اچھا تو کیا تمہارے واسطے ہم پر قسمیں ہیں اور تم نے ہم سے قسموں کے ساتھ کوئی عہد و پیمان لے رکھے ہیں جو قیامت تک پہنچنے والے ہوں اور ان قسموں کی وجہ سے ہم قیامت کے روز مجبور ہوں کہ وہ چیزیں تم کو دیں اور مطیعین و فرمانبرداروں کی طرح تم مجرمین کو بھی اپنے انعامات سے نوازیں اور اس کی رو سے تم کو وہی کچھ ملے جو تم فیصلہ کرو اور جس طرح تم دُنیا میں عیش وعشرت میں ہو قیامت تک اسی حال میں رہو گے جو شخص اس قسم کا دعویٰ کرے اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان سے پوچھئے کون ہے ان میں سے ایسا جو اس کا ذمہ دار بنے ذرا ہم دیکھیں تو سہی وہ کون ہے اور کیسا ذمہ لیتا ہے ان لوگوں کے پاس دلیل تو کیا ہوتی نہ عقلی اور نہ نقلی محض جھوٹے معبودوں پر بھروسہ کر رکھا ہے! تو ان کے واسطے کچھ شریک ہیں تو پھر ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے شرکاء لے کر آئیں اگر وہ

اپنی بات میں سچے ہیں ظاہر ہے جو معبود خود عاجز ہیں اور ان کا وجود ہی ان کے عابدوں کی عنایت پر قائم ہے تو وہ کیا خاک اپنے عابدوں کی مدد کریں گے قیامت کے روز فریب کا یہ پردہ چاک ہو جائے گا اور مشرکین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ زندگی بھر جن معبودوں کی پرستش کی وہ بیکار اور عاجز محض ہیں اس دن کی عظمت وہیبت سے تو لوگوں کے ہوش وحواس اڑے ہوں گے۔

یہ دن وہ ہوگا جب کہ کشف ساق فرمایا جائے گا اور اس طرح اللہ رب العزت اپنی ایک خاص تجلی ظاہر فرماتا ہوگا اور ان کو سجدہ کی طرف بلایا جائے گا تو یہ طاقت نہ رکھیں گے کہ سجدہ کر سکیں ہزار کوشش کریں گے کہ جھکیں اور تجلیٔ الٰہی کے ظہور پر اس کے سامنے سربسجود ہو جائیں لیکن ان کی کمریں ایک تختہ کی طرح ہوں گی اور کسی طرح بھی سجدہ نہ کر سکیں گے اس حالت میں ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت وخواری ان کو ڈھانکے ہوئے ہوگی حالانکہ ان کو سجدہ کی طرف بلایا جاتا رہا جب کہ وہ صحیح وسالم تھے دُنیا کی زندگی میں اور قدرت رکھتے تھے کہ سجدہ کرلیں لیکن عناد وبغاوت میں اس طرح بدمست رہے کہ کبھی خدا کو سجدہ نہ کیا اب روز قیامت جب کہ ان کی پشت لکڑی کا تختہ ہوگی اور دل سے چاہیں گے کوشش کریں گے کہ سجدہ کرلیں مگر نہ کر سکیں گے یہی ایک بات عبرت وہدایت کے لیے کافی ہے کہ وہ پیغمبر خدا پر ایمان لے آئیں لیکن اس پر اگر وہ بدنصیب ایمان نہیں لاتے تو پھر اے ہمارے پیغمبر چھوڑ دو مجھ کو اور اس کو جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے میں خود ایسے بدبختوں سے نمٹ لوں گا اور ان کی نافرمانی کی سزا پوری طرح ان کو مل کر رہے گی ابھی تو ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں اس طرح کہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ محض حکمت خداوندی سے ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے اور میں ان کو مہلت دے رہا ہوں اور یہ مہلت اس وجہ سے نہیں کہ ابھی ان کو عذاب دینے کا سامان میرے پاس فراہم نہیں بلکہ یہ محض ایک حکمت ہے اور یہ قانون حکمت خداوندِ عالم نے پہلی قوموں میں جاری رکھا مگر جب بھی میں مجرموں کو پکڑوں گا اس سے کوئی مجرم بچ نہیں سکے گا بے شک میری پکڑ بڑی ہی سخت ہے یہ تمام باتیں ایک صحیح الفطرت انسان کے سمجھنے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے واسطے کافی ہیں مگر پھر بھی ان لوگوں کا ایمان نہ لانا قابل حیرت اور باعث افسوس ہے تو کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگ رہے ہیں کہ وہ اس تاوان سے بوجھ محسوس کر رہے ہیں اور اس وجہ سے ایمان لانے کے واسطے تیار نہیں ہوتے نہیں ہرگز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر کیا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ وہ اس کو لکھتے ہیں اور وحی الٰہی کی طرح اس کو محفوظ کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ایمان لانے کی ضرورت نہیں اور اللہ کے پیغمبر پر نازل ہونے والی اس وحی اور کلام الٰہی سے مستفید اور بے نیاز ہیں آخر اس ہٹ دھرمی اور انکار کا کوئی تو سبب اور وجہ ہونی چاہیے لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی ممکن نہیں (ایسی حالت میں اللہ کے پیغمبر پر بے چینی اور گھبراہٹ کا واقع ہونا امر طبعی تھا تو فرمایا جا رہا ہے) تو بس آپ تو صبر کیجیے اپنے رب کے فیصلے کے وقت کا اور استقلال وہمت سے صبر کرتے ہوئے انتظار کیجیے کہ ایسے مجرموں کے واسطے خدا کا کیا فیصلہ نافذ ہوتا ہے اور نہ ہو جائیے مچھلی والے کی طرح بے چینی اور گھبراہٹ میں یا عجلت وجلد بازی میں یعنی حضرت یونس علیہ السلام ذوالنون کی طرح جب کہ وہ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانی پر غم وغصہ کی حالت میں برداشت نہ کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے اور قوم کے حق میں عذاب کی دعا بلکہ پیشین گوئی بھی کر بیٹھے تو قدرتِ خداوندی سے ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا تھا جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کہتے ہوئے درآنحالیکہ وہ گھٹے ہوئے تھے غم وغصہ اور پریشانیوں کے ایک غم وغصہ تو قوم کی نافرمانی اور ان کی سرکشی اور ایمان نہ لانے کا ایک ایسے مجرموں سے عذاب ٹل جانے کا پھر بغیر خداوند عالم کی صریح اجازت اور وحی شہر چھوڑ دینے کا ان سب باتوں کے علاوہ مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہو جانے کا تو مجموعی طور پر یہ کتنے غم اور کس قدر انواع واقسام کی گھٹن تنگی اور ظلمتیں تھیں

لیکن خداوندِ عالم کس قدر کریم اور مہربان ہے کہ ان سب بے چینیوں اور گھبراہٹوں سے نجات دی یہ بلاشبہ اللہ کا عظیم انعام تھا تو اگر ان کے رب کی طرف سے یہ نعمت و مہربانی ان کو نہ سنبھالتی تو وہ پھینکے ہوئے ہوتے ایک چٹیل میدان میں اس طرح کہ بہت ہی بدحال ہوتے یہ اللہ کا کس قدر انعام عظیم ہے کہ قبول توبہ کے بعد اپنی گراں قدر نعمتوں سے نوازا اور نہ تو مچھلی کے پیٹ سے نکل کر بڑی ہی بری حالت میں ایک چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہوتے نہ کوئی کرامت ہوتی اور نہ کوئی فضل و کمال باقی رہتا لیکن ان کے رب نے ان کو پھر نوازا اور ان کو پھر بنا دیا نیک اور برگزیدہ بندوں میں سے اور اس ابتلاء یا آزمائش یا ان مشقتوں کو برداشت کرنے کی وجہ سے ان کے مَراتب و درجات مزید بلند کر دیئے ⁕ تو اسی طرح آپ ﷺ بھی صبر و برداشت کریں اور اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کریں اس کے فیصلہ سے قبل کوئی بے چینی اور گھبراہٹ مقامِ نبوت کی عظمت و بلندی سے گری ہوئی چیز ہے رہا منکرین و معاندین کا انکار و مقابلہ اور دشمنی تو ظاہر ہے کہ اس کا سلسلہ تو کبھی منقطع نہیں ہو سکتا اور ان کافروں کے غیظ و غضب کا یہ عالم ہے کہ قریب تھا کہ یہ کافر آپ ﷺ کو پھسلا دیں اپنی نگاہوں سے جب کہ انہوں نے قرآن اور ذکر الٰہی کو سنا اور کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں حالانکہ یہ قرآن تو ایک پیغام نصیحت ہی ہے تمام جہانوں کے لیے جس کی ایک ایک آیت حکمتوں اور خوبیوں سے لبریز ہے بھلا ایسے کلام کو پیش کرنے والا دیوانہ ہو سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں یقیناً وہی سب سے بڑا پاگل اور دیوانہ ہے جو ایسا کہتا ہے۔ ⁕

کشف ساق اور تجلی خداوندی کے ظہور کا مفہوم

صحیح بخاری اور مسلم کی روایات میں ہے حق تعالیٰ میدان قیامت میں اپنی ساق (پنڈلی) ظاہر فرمائے گا اور اس وقت تمام

⁕ اس واقعہ کی تفصیل مختلف اور متعدد موقعوں پر گزر چکی اور واقعہ کے اجزاء کچھ نہ کچھ تفصیل کے ساتھ حضرات قارئین کے سامنے آچکے۔
غالباً یہی وہ اجتباء اور کرامت کا مقام ہے جس کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ((لا تقولوا انا خیر من یونس بن متی)) کہ مت کہا کرو کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ ۱۲

⁕ لغت عربیہ میں ''زلق'' کے معنی پھسلا دینے کے ہیں۔
اکثر مفسرین نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ مشرکین مکہ اور منکرین کو قرآن کریم سے اس قدر عداوت تھی کہ سن کر غیظ و غضب سے مشتعل ہو جاتے اور زہر آلود نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھتے اور یہ امر طبعی ہے کہ ایسی غضب آلود نگاہوں کو دیکھ کر انسان متاثر یا خوف زدہ ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں امر رسالت کی تبلیغ اور احکام خداوندی کے اظہار و بیان میں قدم ڈگمگا جانا طبع بشری کے آثار میں سے ہو سکتا ہے تو اس کو فرمایا جا رہا ہے کہ قریب تھا کہ یہ کافر آپ ﷺ کو ڈگمگا دیں اور پھسلا دیں تو اس پر فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں آپ ﷺ استقامت کے ساتھ اپنی جگہ پر جمے رہے اور تنگ دل ہو کر کسی معاملہ میں عجلت و جلد بازی نہ کیجیے۔
بعض روایات مفسرین سے یہ بھی مفہوم ہوا جیسا کہ بیان کیا گیا کفار مکہ نے بعض لوگوں کو جو نظر لگانے میں مشہور تھے اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو نظر لگائیں چنانچہ ان میں سے ایک آیا جس وقت کہ آپ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے اور پوری قوت و ہمت سے نظر لگانے کی کوشش کی آپ ﷺ نے فوراً ((لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ)) پڑھا اور وہ ناکام و ذلیل ہو کر واپس ہو گیا۔
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں نظر لگنے یا لگانے کے مسئلہ پر بحث کا یہ موقعہ نہیں اور آج کل جب کہ مسمریزم ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے تو اس میں مزید رد و کد کرنا بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔

لوگوں کو دعوت دی جائے گی کہ پروردگار کے سامنے سربسجود ہو جاؤ تو اس وقت صرف وہی سجدہ کر سکیں گے جو دنیا میں ایمان لا کر اللہ کو سجدہ کیا کرتے تھے لیکن کافر اور منافق کہ ان کی پشت لکڑی کے تختہ کی طرح کر دی جائے گی اور وہ چاہیں گے کہ سجدہ کریں لیکن نہ کر سکیں گے (بعض حدیث میں صرف منافق کا لفظ آیا ہے اور بعض سندوں سے کافر اور منافق دونوں منقول ہیں) یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ میدانِ حشر میں اہل ایمان واخلاص کا ایمان واخلاص ظاہر ہو جائے اور منافق وریا کار کھل کر تمام انسانوں کے سامنے آجائے۔

لفظ ساق عربی میں پنڈلی کو کہا جاتا ہے اس مقام پر ''کشفِ ساق'' کا مفہوم اور اس کی حقیقت کیا ہے یہ حقیقت پر محمول ہے یا مجاز اور کنایہ ہے یہ عنوان اور صفت بھی صفات متشابہات میں سے ہے بعض لوگ جن کو فرقۂ مشبہہ کہا جاتا ہے وہ حق تعالیٰ کے واسطے جسم جیسے احوال کو ثابت مانتے ہیں وہ اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں مگر جمہور ائمہ متکلمین اشاعرہ اور ماتریدیہ اس پر متفق ہیں کہ اللہ رب العزت ہر اس چیز اور حالت وصفت سے منزہ اور پاک ہے جو مخلوق اور اجسام کی صفات میں سے ہو تو اس کو بھی اور ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ اور ایسی ہی دیگر صفات کو ظاہر پر محمول کرنے کے بجائے استعارہ پر محمول کرتے ہیں اور پھر اس میں متقدمین ظاہر پر ایمان ویقین کے ساتھ تشبیہ وتمثیل سے پرہیز کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کما ھُوَیلیق بشانہ کہ جس طرح اس کی شان کبریاء کے لائق ومناسب ہو اسی طرح لفظ ید (ہاتھ) وجہ (چہرہ) کا مفہوم مانتے ہیں اور بعض ائمہ ان شئون واحوال کی تاویل کر لیا کرتے ہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا کہ استواء کا مفہوم غلبہ اور حکومت ہے تو یہاں بھی اسی طرح بلا کیف وتشبیہ ایمان ویقین کے ساتھ یہ معنی بیان کیے گئے کہ کشف ساق اللہ رب العزت کی ایک خاص تجلی کا ظہور ہے جس کو دیکھ کر تمام مؤمنین سربسجود ہو جائیں گے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں فرمایا کشف ساق قیامت کے روز کا کرب اور وہ شدت و بے چینی ہے جو ہر ایک پر طاری ہوگی ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کشف ساق کے معنی امرِ عظیم اور ہیبت ناک حالت بیان کرتے تھے بعض دیگر روایات میں ابن عباسؓ ہی سے دوسرے معنی یہ منقول ہیں جس وقت حقائق کھل جائیں گے اور ہر ایک انسان کا عمل روشن وظاہر ہوگا۔

حافظ [1] عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ مرفوعاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: ((قال یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ یعنی عن نور عظیم))۔

بعض روایات میں ہے کہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی دریافت کیے تو آپ نے شدت اور کرب کی تفسیر کی اور فرمایا جب تم کو کسی لفظ قرآنی کے معنی واضح نہ ہو سکیں تو شعراء عرب کے اشعار اور اہل عرب کے محاورات کو دیکھ لیا کرو اور یہ ایک شعر پڑھا:

سنَّ لناقومک ضرب الاعناقِ　　　وقامَتِ الْحَرْبُ بنا عَلٰی سَاق

اسی طرح مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس معنی کے ثبوت کے لیے ابو عبید اور جریر کے چند اشعار پڑھے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی کام پر ہمت باندھ کر محنت صرف کرنا چاہتا ہے تو پائنچے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھول دیتا ہے اسی وجہ سے شدت کے موقع پر کہا جاتا ہے۔ فلان کشف عن ساقه۔ [2]

آئمہ متکلمین اور حضرات مفسرین کے کلام سے جو چیز ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ذات واحد ہے وہ تو صرف ایک ہی

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴ تفسیر قرطبی۔ [2] قرطبی۔ روح المعانی۔

ذات ہے جس میں تعدد اور کثرت کا امکان ہی نہیں اس کا ادراک ممکن نہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ﴿لَا تُدۡرِكُهُ الۡأَبۡصَارُ﴾ کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں ذاتِ خداوندی کے ساتھ صفاتِ خداوندی ہیں جو صفات کمال ہیں وہ صفات کمال منفرد اور تنہا نہیں ہوتیں۔ بلکہ عالم میں ان کا ظہور ایک دوسرے کے ساتھ مقرون اور مجتمع ہونے کی صورت میں ہوتا ہے مثلاً صفت علم قدرت کے بغیر اور قدرت بغیر علم کے اور یہ دونوں بغیر حیات کے ظاہر نہیں ہوسکتیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صفات تابع ذات ہیں ذات کے بغیر کسی صفت کا استقلال نہیں۔

ان دو چیزوں کے بعد جہات کمال کا درجہ ہے جن کو حقائق الٰہیہ بھی کہا جاتا ہے وہ بین بین ہیں نہ صفات کی طرح تابع ذات اور محض غیر مستقل اور نہ ذات کی طرح محض مستقل، تو جہات کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ مشابہت اور ایک خاص نسبت ہے کیونکہ انسان کے اعضاء اس کے ہاتھ پاؤں منہ پنڈلی وغیرہ نہ تو اس کے صفات کی طرح غیر مستقل محض ہیں اور نہ ذات انسان کی طرح مستقل محض بلکہ انسان کے کمالات کے مظہر ہیں کہ انسانی کمالات ان مظاہر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں چنانچہ شریعت نے کمالات الٰہیہ کو ظاہر و بیان کرنے کے لیے ان مظاہر کو متعدد نصوص میں ظاہر فرمایا آیات قرآنیہ اور احادیث میں وہ مظاہر وجہ، عین، ید، یمین اصابع، حقو، ساق، قدم کے الفاظ سے بیان کیے گئے ہیں تو درحقیقت ان کلمات میں بطور استعارہ حقائق و کمالات الٰہیہ کو بیان کیا جارہا ہے باقی یہ سمجھ لینا کہ اللہ کے لیے چہرہ ہے اس کی آنکھ ہے اس کے واسطے انگلیاں، کمر، پنڈلی اور قدم ہے غلطی ہے اور محض کم عقلی ہے جس کا ارتکاب مشبہہ اور ظاہریہ نے کیا اور ان کا انکار کردینا یا ایسی تاویل کرنا جو انکار ہی کے درجہ میں ہو جیسا کہ معتزلہ اور فلاسفہ نے کیا محض غلطی ہے اہل سنت اور علماء متکلمین نے افراط و تفریط سے بعید رہتے ہوئے ان حقائق و شؤن کو تسلیم بھی کیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی متعین کردیا کہ ذاتِ خداوندی مخلوق کے احوال و اوصاف سے منزہ اور پاک ہے چنانچہ کہا گیا کہ خداوند عالم سمیع ہے لیکن وہ ہماری قوت سامعہ کی طرح کسی آلہ کے ذریعہ سمیع نہیں وہ بصیر ہے لیکن وہ ہماری طرح بصیر ہونے میں آنکھ اور آنکھ کی پتلی اور شعاع بصریہ کا محتاج نہیں تو جس قدر بھی نصوص قرآن وحدیث میں ایسے عنوانات سے وارد ہوئیں اہل حق اور علماء متکلمین نے ان کا یہی مفہوم اختیار کیا الغرض محشر میں اللہ رب العزت کی ایک خاص قسم کی تجلی ظاہر ہوگی جس کی حقیقت کے ادراک سے انسانی افکار و عقول عاجز ہیں جس کو کشف ساق سے تعبیر کیا گیا اور اس وقت ہر ایک کو سجدہ کے لیے پکارا جائے گا تو جو بندہ دُنیاوی حیات میں ایمان و اخلاص سے سجدہ کرتا تھا اس کو وہاں سجدہ نصیب ہوجائے گا درجو دنیا میں نفاق دریاء کے ساتھ سجدہ کرتا تھا اس کو ممکن نہ ہوگا کہ وہ سجدہ کرسکے خواہ ہزار کوشش کرلے کیونکہ دُنیا میں تو ظاہر و باطن کا اختلاف ہوسکتا ہے مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں وہاں تو جو حقیقت ہوگی وہی ظاہر ہوسکے گی۔ ❁

تم بحمداللہ العزیز تفسیر سورة القلم

❁ مقتبس من تحقيقات الائمة المفسرين والمتكلمين من الاشاعرة والماتريدية وكذا يفهم من كلام امام الحرمين رحمه الله تعالى وعبدالكريم رحمه الله تعالى شهرستاني۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ الحاقۃ

اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کے مضامین کی طرح عقیدۂ توحید اور تحقیق ایمان پر مشتمل ہے جس میں بالخصوص قیامت اور قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر ہے اور مجرم و نافرمان قوموں جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط و فرعون کی ہلاکت و تباہی کا ذکر ہے اور ان سب مضامین کو قرآن حکیم نے اپنی صداقت و حقانیت کی اساس کی نوعیت سے پیش کیا اور یہ واضح فرمایا کہ اہل سعادت و شقاوت کا انجام کیا ہوتا ہے ساتھ ہی ان لغو اور بے ہودہ الزامات و اعتراضات کو بھی رد کیا گیا جو کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر لگاتے تھے۔

سورت کی ابتداء قیامت کے ہولناک منظر کے بیان سے کی گئی اور یہ کہ خداوند عالم کس طرح اہل کفر پر اپنا قہر و عذاب مسلط فرماتا ہے نفخ صور اور اس پر جو حالت ہوگی اس کا بیان ہے اور یہ کہ جس وقت قیامت برپا ہوگی تو زمین شق ہو جائے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

اخیر میں قرآن کریم کی صداقت و حقانیت پر برہان قائم کر کے آنحضرت ﷺ کی صداقت و امانت کو واضح فرمایا اور اس کا انکار کرنے والے پر وعید و تنبیہ فرمائی گئی۔

آیاتها ۵۲	(۶۹) سُوْرَةُ الْحَآقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۷۸)	رکوعاتها ۲

سورۂ حاقہ مکی ہے اور اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہرباں نہایت رحم والا۔

اَلْحَآقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

وہ ثابت ہوچکی۔ کیا ہے وہ ثابت ہوچکی؟ اور تو نے کیا بوجھا کیا ہے؟ وہ ثابت ہوچکی جھٹلایا ثمود

وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ

اور عاد نے اس کھڑکے والی کو سو وہ جو ثمود تھے سو کھپائے گئے اوچھال سے اور وہ جو عاد تھے

فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ⑥ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ

سو کھپائے گئے ٹھنڈی سناٹے کی باؤ سے ہاتھوں سے نکلی جاتی تعین کی ان پر سات رات اور

ثَمٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ

آٹھ دن جڑ کاٹنے والے پھر تو دیکھے لوگ ان میں بچھڑ گئے جیسے وہ ڈھنڈ ہیں

نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ⑦ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ⑧ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَ

کھجور کے کھوکھرے پھر تو دیکھتا ہے کوئی ان کا بچ رہا؟ اور آیا فرعون اور

مَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ⑨ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ

جو اس سے پہلے تھے اور الٹی بستیاں تقصیر کرتے پھر حکم نہ مانا اپنے رب کے رسول کا

فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ⑩ إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ⑪

پھر پکڑی ان کو پکڑ دم چڑھتی ہم نے جس وقت پانی ابلا لاد لیا تم کو بہتی ناؤ میں

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَا أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ⑫ فَإِذَا نُفِخَ فِي

تا رکھیں اس کو تمہاری یادگاری کو اور سینتے (سنبھالے) اس کو کان سینتنے (سنبھالنے) والا پھر جب پھونکیے

الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً

نرسنگے میں ایک پھونک اور اٹھائیے زمین اور پہاڑ پھر پٹکے جاویں

وَّاحِدَةً ⑭ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ⑮ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ

ایک چوٹ پھر اس دن ہو پڑے ہو پڑنے والی اور پھٹ جاوے آسمان پھر وہ

يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ⑯ وَّالْمَلَكُ عَلٰى أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ

اس دن بکس (بودا ہو) رہا ہے اور فرشتے ہیں اس کے کناروں پر اور اٹھا رہے ہیں تخت

رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ⑰ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ

تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ شخص اس دن سامنے جاؤ گے چھپ نہ رہے گا تم میں کوئی

خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا

چھپنے والا۔ سو جس کو ملا اس کا لکھا داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لیجیو! پڑھو

كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ ج اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ ج فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

میرا لکھا میں نے خیال رکھا کہ مجھ کو ملنا ہے میرا حساب سو وہ ہے گزران میں

رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾ لا فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ لا قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

من مانتی اونچے باغ میں جس کے میوے جھک رہے ہیں کھاؤ اور پیو

هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ

رچ سے بدلہ اس کا جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں اور جس کو ملا

كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۵ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ ج وَلَمْ اَدْرِ

اس کا لکھا بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کسی طرح مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی

مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ ج يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ ج مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ ج

کیا ہے حساب میرا کسی طرح وہی موت نبٹ جاتی! کچھ کام نہ آیا مجھ کو مال میرا

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ ج خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ لا ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ لا

کھپ گئی مجھ سے حکومت میری اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو پیٹھاؤ (پہنچادو)

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ ط اِنَّهٗ كَانَ

پھر ایک زنجیر میں جس کا ماپ ستر گز ہے اس کو پرو دو وہ تھا

لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ لا وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ ط

یقین نہ لاتا اللہ پر جو سب سے بڑا اور تاکید نہ کرتا فقیر کے کھانے پر

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ لا وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لا

سو کوئی نہیں اس کا آج یہاں دوست دار اور نہ کچھ کھانا مگر زخموں کا دھوون

لَا يَأْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿٣٧﴾ ع

کوئی نہ کھاوے اس کو مگر وہی گنہگار۔

ذکر احوال قیامت وبیان انجام مکذبین ومنکرین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿١﴾ مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿٢﴾ ... الی... اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿٣٧﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت کا موضوع بیان آنحضرت ﷺ کی رسالت کی عظمت وحقانیت کو ثابت کرتے ہوئے غرور وتکبر اور نافرمانی کا عبرت ناک انجام تاریخی واقعات کی روشنی میں بیان فرمایا گیا تھا۔ اب اس سورت میں قیامت کے احوال اور میدان حشر کی بے چینی تفصیل سے بیان کی جارہی ہے اور ساتھ ہی یہ کہ جن قوموں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور نافرمانی کی وہ کس طرح ہلاک وتباہ ہوئے۔

ارشاد فرمایا: وہ چمٹ جانے والی چیز کیا ہے؟ وہ چمٹ جانے والی چیز اور اے مخاطب تو نے کیا سوچا کیا ہے وہ مسلط ہوجانے والی؟ کسی کی سوچ اور فکر نہیں اندازہ کرسکتی کہ وہ مسلط ہوجانے والی چیز یعنی قیامت کی گھڑی جس کا وقوع علم الٰہی ازلی سے طے ہوچکا اس قدر ہیبت ناک اور عظیم ہے اور وہ بے شک واقع ہوکر رہنے والی ہے اور جب واقع ہوگی تو کوئی اس کو ٹلا نہیں سکتا اس وقت حق وباطل بالکل جدا جدا نظر آئیں گے اور ہر اشتباہ اور شک وشبہ دور ہوجائے گا اور ہر حق ایسا ثابت وراسخ ہوجائے گا کہ اس میں خصومت و جھگڑا کرنے والے مقہور ومغلوب ہوجائیں گے۔ [1]

ظاہر ہے کہ ایسی برحق اور ثابت حقیقت کو ماننا چاہیے اس سے انکار اور اس میں کسی قسم کا بھی شک وشبہ نہ کرنا چاہیے اور اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہیے اس انکار وتکذیب کا انجام کوئی اچھا نہیں۔ چنانچہ جھٹلایا ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے اور کوٹ ڈالنے والی چیز کا تو پھر اے سننے والو! اس کا انجام کیا ہوا بہرحال ثمود تو ہلاک کردیے گئے ایک اچھال کر رکھ دینے والی ہلاکت سے اور وہ جو عاد کے لوگ تھے سو وہ ہلاک کیے گئے ایک تیز وتند آندھی سے جو ہاتھوں سے نکل جانے والی تھی جو اس قدر شدید اور سخت تیز وتند تھی کہ کسی مخلوق کا اس پر قابو نہ تھا حتیٰ کہ جو فرشتے ہوا کے نظام پر مسلط تھے اور ہواؤں کو قابو میں رکھنے پر مامور تھے گویا ان کے ہاتھوں سے بھی نکلی جارہی تھی۔ جس کو مقرر اور مسلط کردیا تھا ان پر سات راتوں اور آٹھ دن تک لگاتار جس پر تباہی اور بربادی کا یہ عالم تھا کہ اے مخاطب اگر تو اس منظر کو دیکھے تو دیکھے گا قوم کو اس حال میں پچھڑے پڑیں ہیں گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں جو اکھاڑ کر پھینک دیے گئے جب کہ یہ قوم اپنی توانائی اور ڈیل ڈول میں تنومند ہونے کی وجہ بڑے ہی غرور اور نخوت سے کہا کرتے تھے ﴿مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ کہ ہم سے زیادہ کون ہے طاقتور جو اپنی تمام قوتوں کے باوجود اس طرح ہلاک کردیے گئے کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا تو اے مخاطب بتا؟ کیا تو دیکھ رہا ہے ان میں سے کوئی بچا ہوا نشان۔

اور فرعون آیا اور اس سے پہلے والے بھی اور وہ الٹی ہوئی بستیوں والے بھی خطا ونافرمانی کے ساتھ پھر انہوں نے جب اپنے

---

[1] ان الفاظ میں لفظ الحاقہ کے لغوی معانی کے تنوع اور کثرت کے پیش نظر وہ متعدد معانی ظاہر کردیے گئے ہیں جو اس مقام پر مفہوم ہوسکتے ہیں ۱۲۔

رب کے رسول کی نافرمانی کی تو پکڑ لیا ان کو ان کے رب نے بڑی ہی سخت پکڑ سے جس نے ان کو ریزہ ریزہ کر ڈالا اور دُنیا کی کوئی طاقت اور ان کے پہاڑوں کے تراشے ہوئے محفوظ قلعے بھی ان کو خدا کی گرفت سے نہ بچا سکے یعنی عاد وثمود کے بعد فرعون نے خوب سرکشی کی اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا رہا تو وہ اور اسی طرح قوم شعیب اور قوم لوط تباہ کر دی گئی اور قوم لوط کی بستیاں الٹ دی گئیں کیونکہ ان سب قوموں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی تھی اور خدا کے ساتھ مقابلہ کیا تو سب ہی کو خدا نے اپنی سخت پکڑ سے پکڑا اور ہلاک کر ڈالا اور قوم نوح کو بھی ایسے طوفان سے تباہ کر ڈالا کہ ظاہر اسباب میں کسی کے بھی بچ جانے کا امکان نہ تھا حتیٰ کہ وہ نافرمان بیٹا جو یہ کہنے لگا کہ ﴿سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ﴾ کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا مجھے سفینہ نوح علیہ السلام میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں وہ بھی ہلاک ہوا اور کسی کو بھی اس طوفان نے باقی نہ چھوڑا خواہ وہ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر چڑھ گیا ہو۔ تو بے شک ہم نے ایسے طوفان کے وقت جب کہ پانی ابل رہا تھا کہ زمین کے چشمے پھوٹ پڑے تھے اور آسمان کے دروازے کھلے ہوئے تھے تو اے باقی رہنے والے انسانو! ہم نے ایک چلنے والی کشتی میں تم کو سوار کر لیا جو ان طوفانی تھپیڑوں میں تمہیں لیے جارہی تھی تاکہ بنادیں ہم اس کو تمہارے واسطے یادگار اور عبرت کا نمونہ اور محفوظ رکھیں اس کو وہ کان جو واقعات کو سننے اور محفوظ رکھنے والے ہیں تو یہ واقعہ خداوند عالم کی قدرت اور حکمت کا کیسا عظیم نمونہ ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس طوفان سے بچا لیا اور نافرمان قوم کو غرق کر ڈالا تاکہ رہتی دُنیا تک یہ عبرت ناک نمونہ قائم رہے اور لوگ اس واقعہ سے خدا کے احسان وکرم کو بھی سمجھیں اور نافرمان ومجرموں کے واسطے اس کے قہر وعذاب کو بھی جان لیں تو دُنیا میں پیش آنے والے یہ واقعات اور ہلاکت وتباہی کے نمونے ہر انسان کو اس پر متوجہ کرتے ہیں کہ وہ قیامت کی شدت اور اس پر عالم کی تباہی وہلاکت کا بھی تصور کرے اور اس پر ایمان بھی لائے۔ چنانچہ جب صور پھونکا جائے گا ایک بار پھونکا جانا اور اٹھالی جائے گی زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیا جائے گا ان کو ایک ہی دفعہ اور زمین باوجود اپنی قوت ومضبوطی اور پہاڑ باوجود اپنی عظمت وپختگی کے ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو بس اسی دن واقع ہو جائے گی وہ واقع ہونے والی گھڑی جو روز قیامت ہے اور پھٹ جائے گا آسمان پھر وہ اس دن بکھر رہا ہوگا نہایت ہی ہلکی بکھرنے والی چیز کی طرح اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتا ہوگا۔ اور جس وقت کہ آسمان درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے ہوں گے اس کے کناروں پر اور اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اے مخاطب تیرے رب کا عرش اس دن اپنے اوپر آٹھ فرشتے۔ عرش عظیم کی یہ عظمت وشان ہوگی جس کو ایسے آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے جو پہاڑوں کو اٹھائے رکھتے ہیں ہواؤں کو قابو کرتے ہیں سمندروں اور سمندر کے طوفانی تھپیڑوں کو روکتے ہیں وہ آٹھ فرشتے عرشِ الٰہی اٹھائے ہوئے ہوں گے تو ایسے دن اے انسانو! تم پیش کیے جاؤ گے اپنے رب کے سامنے حال یہ ہوگا کہ کوئی چھپی چیز چھپی نہ رہے گی اس پروردگار علیم وخبیر سے پھر ایسی صورت میں رب العالمین اپنے عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور میدان حشر میں اولین وآخرین جمع ہوں گے اور اس علیم وخبیر اور قادر مطلق کی عدالت میں پیشی ہو رہی ہوگی اور میزان عدل وانصاف قائم کرنے والے رب کی عدالت میں لوگوں کے نامۂ اعمال پیش ہو رہے ہوں گے تو جس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا جو اس کی کامیابی اور نجات کی علامت ہوگی تو وہ فرطِ مسرت اور کمال خوشی سے کہتا ہوگا اے لوگو! آجاؤ میرا نامۂ اعمال یعنی نتیجہ کامیابی پڑھ لو میرے رب نے مجھ پر کیسا عظیم انعام و احسان فرمادیا میں تو پہلے ہی سے گمان کرتا تھا کہ میں اپنے حساب کے وقت پر پہنچنے والا ہوں اور میرے اعمال کا حساب ہوگا اور خدا کی رحمت پر مجھے بھروسہ تھا کہ وہ مجھے اپنے فضل وکرم سے نوازے گا مجھے حیات جاودانی اور ابدی نعمتیں ملیں گی اور جب مجھے یہ خیال تھا تو میں

اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ میں خدا کا یہ انعام واکرام دیکھ رہا ہوں اور اسی کے فضل وکرم سے میرا احساب پاک وصاف ہے تو وہ نہایت ہی خوشی اور عیش وعشرت والی زندگی میں ہوگا اور من مانی ہر نعمت وراحت اس کو ملتی ہوگی نہایت بلند وعظیم المرتبہ باغ میں ہوگا جس کے خوشے اور میوے اس پر جھکے ہوئے ہوں گے اس حالت میں اہل جنت کو کہا جا رہا ہوگا کھاؤ پیو خوب رج کر جتنا چاہو بڑی خوشگواری کے ساتھ ان اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جو تم کرتے تھے گزرے ہوئے دنوں اور دُنیوی زندگی میں تم نے اللہ کی خوشنودی کے لیے نفس کی خواہشات کو روکا بھوک وپیاس کی تکلیف برداشت کی صبر وقناعت کو اختیار کیا تو یہ اسی کا بدلہ ہے کہ بے روک ٹوک اللہ نے تم پر یہ ساری نعمتیں پھیلا دی ہیں۔

یہ تو حال ہے ان لوگوں کا جن کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ملے گا اور جن کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بڑی حسرت اور پشیمانی کے عالم میں کہے گا کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھ کو میرا نوشتۂ اعمال ہی نہ ملتا اور میں نہ ہی جانتا کہ میرا احساب کیا ہے اے کاش وہی موت میرا کام تھام کر دینے والی ہوتی اور میرا نام ونشان ہی مٹ جاتا اور یہ عذاب وہلاکت کی نوبت دیکھنی نہ پڑتی افسوس میرا مال بھی میرے کچھ کام نہ آیا جس پر مجھے بڑا ہی بھروسہ اور گھمنڈ تھا اور میں سمجھتا تھا کہ خواہ کوئی بھی مصیبت سامنے آئے میں اپنی دولت کے ذریعہ اس سے بچ جاؤں گا مجھے اپنی قوت پر زعم تھا افسوس کہ میری قوت وحکومت بھی برباد ہوئی اب نہ میری دولت کام آ رہی ہے اور نہ قوت وحکومت اور نہ حجت بازی جو دنیا میں کیا کرتا تھا اسی پشیمانی اور حسرت کے عالم میں ہوگا کہ ہر ایسے مجرم کے لیے فرمانِ خداوندی جاری ہوگا پکڑو اس کو پھر طوق ڈال دو اس کی گردن میں پھر گھسیٹو اس کو آگ میں جو جہنم میں دہک رہی ہو پھر ایک زنجیر میں کہ جس کا طول ستر گز [1] یا ستر ہاتھ ہو اس کو جکڑ دو تا کہ جلنے کی حالت میں ذرا بھی حرکت نہ کر سکے کیونکہ آگ میں جلنے والا انسان کبھی اِدھر اُدھر حرکت کر کے آگ کی سوزش سے بچنے یا اس کو کم کرنے کی کوشش کیا کرتا ہے تو اس کی بھی کوئی گنجائش نہ رہے یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ یہ شخص دُنیا میں رہتے ہوئے ایمان نہیں رکھتا تھا خدائے برتر پر جب نہ خدا پر ایمان ویقین تھا تو خدا کے احکامات سے بھی نافرمانی کرتا تھا نہ خدا تعالیٰ کے حق ادا کرتا تھا اور نہ ہی بندوں کے حقوق پہچانتا تھا چنانچہ نہ ترغیب دیتا تھا محتاج ومسکین کے کھانے پر خود تو کیا کھلاتا اور مدد کرتا زبان سے بھی کسی دوسرے کو اس پر آمادہ کرنے اور ترغیب دلانے کی توفیق نہ ہوتی تھی سو ایسے نافرمان کے لیے آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کے واسطے کوئی چیز کھانے کی ہے بجز زخموں کے دھوون کے اور ان میں سے بہتے ہوئے راد پیپ کے جس کو کوئی نہیں کھا سکتا بجز ان خطا کاروں اور مجرموں کے اور وہ بھی بھوک اور پیاس کی شدت میں مجبور ہو کر یا اس دھوکہ میں کہ شاید یہ بھی کوئی کھانے اور پینے کی چیز ہے۔ اعاذنا اللّٰہُ ربنا من سائرِ انواع العذاب فی الدنیا والاٰخِرَۃ

فرشتوں کا عرش الٰہی اٹھانا

اس آیتِ مبارکہ میں عرش الٰہی کو اُٹھانے والے آٹھ فرشتوں کا بیان ہے۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر البحر المحیط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی۔ جن کی تعداد

[1] گز سے عالم آخرت کا گز یا ہاتھ مراد ہے جس کی حد اور مقدار کا اندازہ عالم دُنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں بعض روایات میں حاملین عرش کے بیان میں چار کا عدد آیا ہے۔ تفسیر مظہری میں بیان کیا کہ روزِ محشر سے قبل حاملین عرش چار فرشتے ہوں گے مگر نفخ صور اور محشر کے وقت اس کی عظمت کی وجہ سے ان پہلے حاملین کو مزید چار حاملین کے ذریعہ قوی کر دیا جائے گا تا کہ عرش الٰہی کو سنبھال سکیں۔ بظاہر اس وجہ سے اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے جلال و ہیبت سے عرشِ الٰہی زیادہ وزنی اور اس کا اٹھانا گراں ہوگا۔

اس آیت مبارکہ جس میں عرشِ الٰہی کے اٹھانے کا ذکر ہے اسی طرح ایسے مضمون کی دیگر آیات کی فلاسفہ، معتزلہ اور صوفیہ حقیقت پر محمول کرنے کے بجائے تاویل کرتے ہیں۔ چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ عرش و کرسی کے معنی بطور مجاز و استعارہ تسلط اور غلبہ کے ہیں اور خداوند عالم کی شان حاکمیت کو بیان کرنا ہے اور فرشتوں کے اٹھانے سے مراد ان کے ذریعہ اس کا ظہور ہے قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ بعض مواقع پر فلاسفہ اور معتزلہ کی رائے اور خیال سے متاثر ہوتے ہیں یہاں بھی انہوں نے کچھ اسی طرح فرمایا کہ یہ تمثیل ہے کیونکہ خدا تعالیٰ تو نہ جسم ہے اور نہ اجسام و حوادث کی صفات و احوال میں سے کسی چیز سے متصف ہو سکتا ہے اور نہ وہ مخلوق کی طرح کسی مکان اور جہت میں سمانے والا ہے کہ کسی تخت پر بیٹھا ہو اور اس تخت کو حقیقی طور پر کوئی اٹھائے ہوئے ہو یہ چیزیں تو مخلوق اور حادث کی صفات میں سے ہیں اس بناء پر محض تمثیل کے طور پر اس کے غلبہ اور شان حکمرانی اور عدل و انصاف اور مخلوقات کے فیصلوں کے نفاذ کو اس تعبیر سے بیان فرمایا گیا۔

اسی طرح حضرات صوفیاء بھی تاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ عرش مجید حق تعالیٰ شانہٗ کی صورت جہانداری اور بادشاہت ہے اور قیامت میں یہ بصورت عرش یعنی تخت شاہی ظاہر ہوگی اور اس کی جہانداری اور شان حاکمیت دُنیا میں چار صفات کے ساتھ قائم ہے کہ موجودات کا کوئی ذرہ بھی اس سے خالی نہیں اور وہ سب کو محیط ہے وہ چار صفات یہ ہیں: اوّل علم، دوم قدرت، سوم ارادہ، چہارم حکمت آخرت میں یہ چار صفات مزید چار صفات کے ساتھ جمع ہو کر آٹھ ہو جائیں گی تا کہ دُنیا و آخرت دونوں جہانوں کی جہانداری اور حاکمیت میں امتیاز ہو جائے وہ چار صفات جو آخرت میں زائد ہوں گی ان میں اول انکشاف تام کہ اس عالم میں کوئی چیز بھی مخفی، مبہم، پوشیدہ اور ملتبس نہ رہے گی بلکہ ہر چیز کی اصل حقیقت ظاہر ہو جائے گی تا کہ کسی قسم کا دھوکہ شبہ اور مغالطہ باقی نہ رہے اسی وجہ سے اس عالم میں جاہل و عالم اور کافر و مؤمن سب پر حقائق خفیہ برابر ظاہر ہو جائیں گے ہر ایک کو ہر بات کی حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا اور معرفت تامہ حاصل ہو جائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ﴾ (طارق:۹)..... ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ (مریم:۳۸) کہ کس قدر سننے اور دیکھنے والے ہوں گے جس دن کہ وہ ہمارے سامنے آئیں گے اور فرمانِ خداوندی ﴿فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (قٓ:۲۲) اے انسان آج ہم نے تیری آنکھ کا پردہ ہٹا دیا ہے تو آج کے دن تیری نگاہ بڑی ہی تیز ہے الغرض پہلی صفت انکشاف تام کی ہوگی دوسری صفت کمال بلوغ کہ ہر چیز مرتبہ نقصان سے اپنے حد کمال کو پہنچ جائے گی۔ استعداد و قابلیت علم و فہم احساس و شعور حتیٰ کہ جو لوگ دُنیا میں بے وقوف و کم عقل ہوں گے وہ نہایت ہی فہیم و ذکی اور کامل العقل ہوں گے اور جو لوگ ضعیف و ناقص حتیٰ کہ لنگڑے لولے ہوں گے وہ توانا و تندرست اور صحیح و سالم اٹھیں گے۔ یہی حال قوائے باطنیہ کا بھی ہوگا یہی وجہ ہے کہ دارِ آخرت میں ہر چیز کے لیے خلود و بقاء ہوگا۔ کیونکہ فناء وصف ایمان ہے اس کو اس عالم میں وصف کمال سے بدل کر دوام اور خلود عطا کر دیا جائے گا جیسے کہ آیت مبارکہ ﴿وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (العنکبوت:۶۴)۔

تیسری صفت تقدیس کہ کسی شے میں کسی قسم کی کدورت وملاوٹ باقی نہ رہے گی ہر چیز خالص ہوگی اگر نعمت وراحت ہے تو اس میں نقمت وکلفت کی قطعاً آمیزش نہ ہوگی اور عذاب وکلفت ہے تو اس میں ادنیٰ سکون وآرام یا خفت کا امکان نہ ہوگا کیونکہ عالم دُنیا میں تو حقائق پر مجاز کے پردے اور چھلکے چڑھے ہوئے ہوسکتے ہیں جو آخرت میں سب کے سب اتر کر اصل حقائق واضح اور نمایاں ہوں گے اور غلاف وچھلکوں سے اصل جوہر ومغز نکل کر صاف نظر آتا ہوگا۔

چوتھی صفت عدل اور ابقاء حق کہ پورا پورا انصاف ہوگا اور ہر ایک کو عدل وانصاف کے پیمانے سے تول کر اس کا حق ادا ہوتا ہوگا خواہ نیکی ہو یا بدی خیر ہو یا شر ایمان ہو یا کفر عمل صالح ہو یا معصیت غرض ہر چیز کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔

تو حق تعالیٰ کی شان حاکمیت اور جہانداری کی ان صفات کے ساتھ جو پہلے سے تھیں یہ مزید چار صفات مل جائیں گی تو ظاہر ہے کہ عرشِ الٰہی کی عظمت اور اس کا ثقل بھی زائد ہوجائے گا تو جو عرش جہانداری دنیا میں چار فرشتوں پر تھا وہ آخرت میں آٹھ فرشتوں پر ہو جائے گا اس طرح چار صفات الٰہیہ کے ساتھ آخرت میں مزید چار صفات کا ظہور آٹھ فرشتوں کا عرشِ الٰہی کو اٹھانا ہوا۔

بہرکیف صوفیاء اور فلاسفہ نے اس طرح کی تاویلات بیان کی ہیں مگر اکثر ائمہ متکلمین اور اہل سنت کا موقف اس قسم کی آیات میں یہی ہے کہ حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اور اس کی کیفیات اور جملہ احوال کو خداوندِ عالم کے علم کے حوالہ کردینا جیسے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: الاستواء معلوم والکیف مجهول والایمان به لازم والسؤال عنه بدعةٌ کہ خدا کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے جیسے کہ نص قرآنی نے بتادیا مگر کیفیت مجہول اور غیر معلوم ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور سوال وتحقیق کہ کیسے اور کس طرح عرش پر متمکن ہے بدعت ہے کیونکہ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی اس کی تحقیق کی گویا ان کا یہی رنگ رہا جو حق تعالیٰ نے اس طرح کے متشابہات میں فرمایا ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران: ۷)۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں — بلبل چہ گفت صبا چہ کرد وگل چہ شنید

وَالله اعلم بالصواب ولا يعلم تاويلهٗ اِلَّا الله وَ اٰمَنَّا بِمَا اٰمرنَا الله فيارب اكتبنا مع الشهدين اٰمين يارب العٰلمين. هذا ما فهمت من تفسير الكبير والبحر المحيط وتفسير العلّامه اٰلوسی و تفسير العزيزی وتفسير الحقانی والكلماتُ التی سمعتها من شيخی واستاذی شيخ الاسلام العلامه شبير احمد عثمانی وَ ما ضبطت وحفظت من كلمات حضرت الوالد الشيخ محمد ادريس الكاندهلوی متعنا الله تعالىٰ من فيوضهمْ وبركاتهم. اٰمين يارب العالمين.

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ ع۵

سو قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو دیکھتے ہو اور جو چیزیں نہیں دیکھتے یہ کہا ہے

رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

ایک پیغام لانے والے سردار کا اور نہیں یہ کہا کسی شاعر کا تم تھوڑا یقین کرتے ہو

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ

اور نہ کہا پریوں والے کا تم تھوڑا دھیان کرتے ہو یہ اتارا ہے

الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا

جہان کے رب کا اور اگر بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑتے

مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾ فَمَا مِنكُم مِّنْ

اس کا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اس کی ناڑ پھر تم میں

أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٤٧﴾ وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ

کوئی نہیں اس سے روکنے والا اور یہ سمجھوتی ہے ڈر والوں کو اور ہم کو معلوم ہے

أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنَّهُ

کہ تم میں بعضے جھٹلاتے ہیں اور وہ جو ہے پچھتاوا ہے منکروں پر اور وہ جو ہے

لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٥٢﴾ ع ۲/۱۵

قابل یقین کرنے کے ہے اب بول پاکی اپنے رب کے نام کی جو ہے سب سے بڑا۔

بیان عظمت کلام الٰہی وحقانیت وصداقت قرآن کریم

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٨﴾ ... الی ... فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٥٢﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل سعادت وشقاوت اوران کے احوال کا ذکر تھا اور بالخصوص مجرمین کی سزا اور قیامت کی شدت اور عرشِ الٰہی سے تمام فیصلوں کے نفاذ کا بیان تھا تو ممکن تھا کہ کوئی ملحد اور منکران باتوں کوسن کر یہ کہنے لگے کہ یہ تو شاعرانہ مبالغہ آرائی یا کاہنوں کی باتیں ہیں تو اس کے ازالہ اور رد کے لیے اب ان آیات میں قرآنی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ جو کچھ وحیِ الٰہی سے کہا گیا وہ رسول کریم ﷺ کا قول اور اللہ کا پیغام ہے اس میں ذرہ برابر مبالغہ یا استعارہ ومجاز کا احتمال نہیں اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کی صداقت وحقانیت پر یقین کرنا چاہیے تو ارشاد فرمایا:

سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے کہ بیشک یہ پیغام وقول ہے اس رسول عظیم کا جو بڑی ہی کرامت وعظمت والا ہے اور یہ کوئی شاعر کی بات نہیں ہے کہ تم جنت وجہنم کے احوال کو شاعرانہ مبالغہ آرائی سمجھنے لگو یا

کاہنوں والی اٹکل وتخمین کی باتیں گمان کرنے لگو بلکہ یہ تو اللہ کا پیغام ہے جو اس کے رسول کریم ﷺ نے اس کے بندوں کو پہنچایا، چاہیے کہ اس پر ایمان لایا جائے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بہت ہی کم ہے کہ تم یقین کرو اور ایمان لاؤ اور نہ ہی یہ کاہن کی بات ہے مگر بہت ہی کم ہے کہ اے لوگو! تم غور وفکر کرو اور نصیحت قبول کرو بلکہ یہ سب کچھ اتارا ہوا کلام ہے رب العالمین کی طرف سے خدا کا پیغمبر صرف اللہ کی وحی اور اس کا پیغام ہی لوگوں تک پہنچایا کرتا ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی بھی اللہ کا پیغمبر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر سنا دے بالفرض اگر وہ رسول ہم پر کوئی بات گھڑ کر لے آتا ایسی من گھڑت باتوں میں سے تو ہم پکڑ لیتے اس کو دائیں ہاتھ سے اور اس کو اپنی سخت گرفت میں لے لیتے کیونکہ انسان بالعموم کسی گرفت اور پکڑنے کے وقت مدافعت کے لیے زور دائیں ہاتھ سے زائد لگایا کرتا ہے تو جب ہم دائیں ہاتھ سے اس کو پکڑ لیں گے تو اس کے بعد وہ کیا طاقت آزمائی کرے گا ہم سے بچنے کے لیے پھر ہم کاٹ ڈالتے اس کی رگ گردن ✽ پھر کوئی بھی نہیں ہو سکتا اس چیز سے اس کو بچانے والوں میں سے کیونکہ احکم الحاکمین پر جھوٹ بات لگانا کوئی معمولی جرم نہیں بلا شبہ ایسا مجرم اس پروردگار کی گرفت اور اس کی سزا سے کسی حال میں بھی نہیں بچ سکتا اور بے شک یہ باتیں نصیحت ہیں تقویٰ والوں کے واسطے کہ جس کسی میں ادنیٰ درجہ بھی خوف خدا ہوگا وہ ان باتوں سے عبرت اور نصیحت حاصل کرے گا اور چونکہ دنیا میں تقویٰ والے بہت کم ہوتے ہیں اس لیے ہم بے شک جانتے ہیں کہ تم میں سے بہت سے وہ ہیں جو جھٹلانے والے ہیں ہماری یہ باتیں مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مکذبین ومنکرین خدا کے عذاب اور گرفت سے بچ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں بلکہ بے شک یہ تو حسرت ہے کافروں پر اور افسوس کا مقام ہے کہ منکر وکافران باتوں کا انکار کر کے خدا کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں اور اپنی عاقبت تباہ وبرباد کر رہے ہیں اور بے شک یہ جو کہا جا رہا ہے قطعی اور یقینی امر ہے جس پر ایمان ویقین ہر اہل عقل وفکر کو لازم ہے اے ہمارے پیغمبر ﷺ اگر کوئی ان حقائق کو نہیں مانتا اور ان پر ایمان ویقین نہیں رکھتا تو آپ ﷺ غمگین نہ ہوں بلکہ بس ایسی صورت میں پاکی بیان کرتے رہیے اپنے رب عظیم کے نام کی اس کی تحمید وتسبیح ہی سے سارے غم بھی دور ہوں گے اور قلب ودماغ کو سکون وتقویت بھی نصیب ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ (الحجر: ۹۷،۹۸) تو اس طرح آپ ﷺ کو تسلی دی گئی اور سکون قلب کے لیے علاج بھی بیان فرما دیا۔

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا ((اجعلوھا فی رکوعکم)) کہ اس کو اپنے رکوع میں مقرر کر لو اور جب آیت ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اجعلوھا فی سجودکم)) اس وجہ سے رکوع میں تسبیح ﴿سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ﴾ مقرر ہوئی اور سجدہ میں ﴿سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى﴾ میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرہٗ اپنے فوائد میں تحریر فرماتے ہیں: "عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں ایک جن کو آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے دوسری وہ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں عقل وغیرہ سے ان کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے مثلاً ہم کتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں وہ چلتی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ لیکن جب حکماء اپنے دلائل وبراہین پیش کریں گے تو ہم عاجز ہو کر اپنی آنکھ کی غلطی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے اور اپنی عقل یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے جو اس کی ان غلطیوں کی تصحیح واصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل

✽ یہ وتین کا ترجمہ کیا گیا۔ اصل تو یہ رگ انسان کے قلب سے نکلتی ہے جس سے سارے جسم میں روح پھیلتی ہے اور یہی رگ حیوان یا انسان کے حلقوم اور گردن تک پہنچتی ہے اس وجہ سے گردن کی رگ ترجمہ کیا گیا ۱۲۔

بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کس سے ہو؟ بس تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہے جو خود غلطی سے محفوظ اور معصوم رہتے ہوئے تمام عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کرسکتی ہے جس طرح کہ حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہو جاتے ہیں وہاں عقل کام کرتی ہے ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھاتی ہے اس جگہ وحئ الٰہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کراتی ہے شاید اسی لیے یہاں ﴿مَا تُبۡصِرُوۡنَ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾ کی قسم کھائی۔

یعنی جو حقائق جنت و دوزخ کے پہلے بیان ہوئے اگر دائرۂ محسوسات سے بلند ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو اشیاء میں مبصرات و غیر مبصرات یا بالفاظ دیگر محسوسات و غیر محسوسات کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم ﷺ کا کلام ہے جو بذریعہ وحئ الٰہی دائرۂ حس و عقل سے بالاتر حقائق کی خبر دیتا ہے جب کہ ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی یا دوسروں کی تقلید سے مان لیتے ہیں تو بعض بہت اُونچی چیزوں کو رسول کریم ﷺ کے کہنے سے ماننے میں کیا اشکال ہے۔

الغرض عالم کائنات میں مرئی و غیر مرئی یعنی مبصرات و غیر مبصرات پر اجمالی نظر اور ابتدائی غور و فکر اس بات کی گواہی دے گا کہ رسول کریم ﷺ کی بتائی ہوئی ہر بات حق ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے منکرین و مکذبین کا ایسی باتوں میں تردد یا ان پر تمسخر خود ان کی بے عقلی کی دلیل ہے۔

﴿وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ﴾ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یعنی اگر جھوٹ بناتا اللہ پر تو اوّل اس کا دشمن اللہ ہوتا اور ہاتھ پکڑتا یہ دستور ہے گردن مارنے کا جلاد اس کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھتا ہے تاکہ حرکت نہ کر سکے۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿تَقَوَّلَ﴾ کی ضمیر رسول ﷺ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اگر رسول ﷺ بالفرض کوئی حرف اللہ کی طرف منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے جو اللہ نے نہ کہا ہو تو اسی وقت اس پر یہ معاملہ عذاب کا کیا جائے (العیاذ باللہ) کیونکہ اس کی تصدیق اور سچائی آیات بینات اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے ظاہر کی جا چکی ہے اب اس قسم کی بات پر فوراً عذاب اور سزا نہ کی جائے تو وحی الٰہی سے امن اٹھ جائے گا اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائے گا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی جو حکمت تشریع کے منافی ہے بخلاف اس شخص کے جس کا رسول ہونا آیات و براہین سے ثابت نہیں ہوا بلکہ کھلے ہوئے قرائن و دلائل اعلانیہ اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بھی بے ہودہ و خرافات ہے کوئی عاقل اس کو درخور اعتنا نہ سمجھے گا اور نہ دینِ الٰہی میں بحمد اللہ کوئی التباس و اشتباہ واقع ہوگا ہاں ایسے شخص کی معجزات وغیرہ سے تصدیق ہونا محال ہے ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور رسوا کرنے کے لیے ایسے امور بروئے کار لائے جو اس کے دعوائے رسالت کے مخالف ہوں (اور اس کو جھوٹا ثابت کر دیں) اس کی مثال یوں سمجھو کہ جس طرح بادشاہ ایک شخص کو کسی منصب پر مامور کرے اور سند فرمان دے کر کسی طرف روانہ کرے اب اگر اس شخص سے اس خدمت میں کوئی خیانت ہوئی یا بادشاہ پر جھوٹ باندھنا اس سے ثابت ہوا تو اسی وقت بلا توقف اس کا تدارک کرتے ہیں لیکن اگر سڑک کوٹنے والا مزدور یا جھاڑو دینے والا بھنگی بکتا پھرے کہ گورنمنٹ کا میرے لیے یہ فرمان ہے یا میرے ذریعہ سے یہ احکام دیئے گئے ہیں تو کون اس کی بات پر کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعووٰں سے تعرض کرتا ہے (سبحان اللہ! یہ الہامی کلمات پوری طرح مرزا غلام احمد کذاب پر منطبق ہوئے) بہرحال آیت ہٰذا میں حضور اکرم ﷺ کی نبوت پر استدلال نہیں کیا گیا بلکہ یہ بتلایا گیا ہے کہ قرآن کریم

خالص اللہ کا کلام ہے جس میں ایک حرف یا ایک شوشہ نبی کریم ﷺ بھی اپنی طرف سے شامل نہیں کر سکتے اور نہ باوجود پیغمبر ہونے کے آپ ﷺ کی یہ شان ہے کہ کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر دیں جو اللہ نے نہ کہی ہو۔

توراتِ سفرِ استثناء کے اٹھارہویں باب میں بیسواں فقرہ یہ ہے:

"لیکن وہ نبی ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔"

خلاصہ یہ کہ جو نبی ہوگا اس سے یہ ممکن نہیں کہ ایسا کرے یہ بات تقریباً وہی ہے جو سورۂ بقرہ میں فرمائی گئی۔

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۲۰﴾ (البقرہ) ❁

الحمد للہ کہ اس تحقیق و تشریح سے مرزا غلام احمد کی طرف سے ایک عظیم دھوکہ میں ڈالنے والے بے ہودہ استدلال کا رد ہو گیا۔ وَلِلّٰهِ الحمد والمنة

تمّ تفسير سورة الحاقة ولهُ الحمد والشكر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ المعارج

ربط: گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی خصوصیت سے قیامت اور قیامت کے احوال شدیدہ کا بیان ہے اور یہ کہ آخرت کی سعادت و شقاوت کا اصل مدار و معیار کیا ہے اور وہاں کی راحتیں اور کلفتیں کس امر پر مرتب ہوئی ہیں اسی کے ساتھ مؤمنین و مجرمین کے احوال اور ان کے درمیان تقابل بھی بیان فرمایا تاکہ ایک نظر میں نور و ظلمت اور حرارت و برودت کی طرح مؤمن و کافر کا فرق واضح ہو جائے بالخصوص اس سورت میں جو چیز زائد اہمیت اور توجہ کے ساتھ ذکر کی گئی وہ کفار مکہ کی مخالفت اور ان کے تمسخر و استہزاء کا رد ہے جو وہ رسول خدا ﷺ اور کلام رب العالمین کے ساتھ کرتے تھے۔

سورت کی ابتداء کفار مکہ کی سرکشی اور لغو قسم کے سوالات کے ذکر سے فرمائی گئی اور یہ کہ وہ کس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے انحراف و روگردانی کرتے تھے اس پر ان کے انجام ہلاکت کا بھی بیان ہے۔

اخیر میں مجرمین و کفار قیامت کے روز کیسی شدت و بے چینی میں مبتلا ہوں گے اس کو بھی بیان فرمایا گیا اور اہلِ ایمان پر انعامات اور ان کی راحتوں کو اس کے بالمقابل پیش کر دیا گیا ساتھ ہی انسانی فطرت کی کمزوری کا بھی ذکر ہے تاکہ انسان اس عیب اور کمزوری کے مہلک نتائج سے اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکے۔

❁ فوائد عثمانی رحمہ اللہ سورۃ الحاقہ۔ ۱۲

آیاتُہا ۴۴ ⑦⓪ سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ⑦⑨ رُکُوعَاتُہا ۲

سورۂ معارج مکی ہے اور اس میں چوالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا منکر کے واسطے کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا

مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ؕ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ

اللہ کی طرف کا، جو چڑھتے درجوں کا صاحب چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن میں

كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾

جس کا لنباؤ پچاس ہزار برس ہے سو تو صبر کر بھلی طرح کا صبر کرنا

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ؕ﴿۷﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ

وہ دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک جس دن ہوگا آسمان

كَالْمُهْلِ ۙ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿۹﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ

جیسے تانبا پگھلا اور ہوں گے پہاڑ جیسے اون رنگی اور نہ پوچھے دوستدار

حَمِيْمًا ۚۖ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ

دوستدار کو سب نظر آجاویں گے ان کو مناوے گا گناہگار کسی طرح چھڑوائی میں دے

يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ۙ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُـْٔوِيْهِ ۙ﴿۱۳﴾

اس دن کی مار سے اپنے بیٹے اور ساتھ والی اور بھائی اور اپنا گھرانا جس میں رہتا تھا

وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿۱۴﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً

اور جتنے زمین پر ہیں سارے پھر آپ کو بچاوے کوئی نہیں وہ تپتی آگ ہے کھینچ لینے والی

لِّلشَّوٰى ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ﴿١٧﴾ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ

کلیجہ پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ دی اور پھر گیا اور اکٹھا کیا اور سینتا (سنبھالا) بے شک آدمی

خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾

بنا ہے جی کا کچا جب لگے اس کو برائی تو گھابرا اور جب لگے اس کو بھلائی تو ان دیوا (نہ دینے والا)

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ

مگر وہ نمازی جو اپنی نماز پر قائم ہیں اور جن کے

اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾ وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ

مال میں حصہ ٹھہر رہا مانگتے کا اور ہارے کا اور جو یقین کرتے ہیں

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾

انصاف کے دن کو اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

بے شک ان کے رب کے عذاب سے نڈر نہ ہوا جاوے اور جو اپنی شہوت کی جگہ

حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ

تھامتے ہیں مگر اپنی جوروؤں سے یا اپنے ہاتھ کے مال سے سو ان پر

غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾

نہیں اولاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھتے

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ

اور جو اپنی دھرِ دھریں (امانتیں) اور اپنا قول نباہتے ہیں اور جو

بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٣٤﴾

اپنی گواہی پر سیدھے ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں

ع ۱/۷ ۴۵

أُولَٰٓئِكَ فِي جَنَّٰتٍ مُّكْرَمُونَ ۝٣٥ ط ع
وہ ہیں باغوں میں عزت سے۔

مجازات عناد و سرکشی کفار و شدت کرب و اضطراب در روز قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝١ ... الی ... فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۝٣٥﴾

ربط: گزشتہ سورت کا مضمون اہل جہنم کے احوال پر مشتمل تھا اور یہ کہ مجرموں کو کس ذلت کے ساتھ خدا کے عذاب اور قہر کی گرفت میں لیا جائے گا۔ اب اس سورت میں ایسے مجرمین کی معاندانہ روش بیان کر کے اس پر مذمت اور سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور یہ کہ روزِ قیامت ایسے سرکشوں کی بے بسی کا کیا عالم ہوگا جو دُنیا میں غرور و نخوت کا پیکر بنے ہوتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

مانگا ہے ایک مانگنے والے نے ایسا عذاب جو واقع ہونے والا ہے کافروں کے واسطے جس کو کوئی ٹلانے والا نہیں وہ عذاب ہر حال میں منکروں پر واقع ہو کر رہے گا مانگا ہے [1] یہ عذاب اس اللہ سے جو بڑے اونچے درجوں والا ہے جس کی عظمت و برتری اور درجات کی بلندی کا یہ عالم ہے چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے کہ فرشتے اور مؤمنین کی روحیں تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کرتے ہوئے اس کی بارگاہِ قرب تک چڑھتی ہیں یا اس کے بندے اس کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے جان و دل سے کوشش کر کے اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر قرب و وصول کے مدارج روحانیہ طے کرتے ہیں اور ترقی کر کے اس کی حضوری سے مشرف ہوتے ہیں اور وہ درجات مسافت کے قرب اور بعد میں مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں بعض ایسے کہ ایک پلک جھپکنے میں ایک منزل سے ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیتے ہیں جیسے کلمۂ اسلام کا اقرار کر لینا کہ ایک ہی لمحہ میں کفر کی ذلیل ترین منزل سے ایمان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتا ہے بعضے ایک ساعت میں جیسے نماز بعضے پورے ایک دن میں جیسے روزہ بعضے پورے ایک مہینہ میں جیسے پورے ماہ رمضان کے انوار و برکات سے اعلیٰ ترین درجات حاصل کر لینا بعضے ایک سال میں جیسے زکوٰۃ اور حج بیت اللہ وعلیٰ ہذا القیاس اور اسی طرح فرشتوں اور روحوں کا عروج ہے اور خود اس خداوند قدوس کی تربیت اور اتار چڑھاؤ بھی بے شمار درجے رکھتا ہے۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ابن کثیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں انہوں نے معارج کی تفسیر میں درجات کا مفہوم ذکر کیا کہ پروردگار عالم فضائل اور بلندیوں والا ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے معارج سے آسمانوں کے مدارج مراد لیے ہیں روح سے جنس روح اور مراد مؤمنین کی روحیں ہیں جیسا کہ ابوداؤد و نسائی کی ایک روایت میں ہے براء بن عازب رضی اللہ عنہ مؤمن کی قبض روح کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: ((فَلَا يزال يَصْعَدُ بها من السماءِ الی السماءِ حتّٰی ينتهی به الی السماء السابعة)). یعنی جب مؤمن کی روح

---

[1] یہ الفاظ اس تحقیق کے پیش نظر اضافہ کیے گئے جو بعض ائمہ مفسرین نے آیت کے اعراب میں فرماتے ہیں کہ ﴿مِنَ اللهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾ میں یہ بھی احتمال ہے کہ جملہ مستانفہ ماقبل سے منقطع ہو اور بجائے دافع سے متعلق کرنے کے ایک عامل مقدر کے متعلق اس کو کہا جائے وہ لفظ سائل ہے یعنی سائل ﴿مِنَ اللهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾۔

[2] از فوائد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

قبض کرلی جائے گی تو اس کو چڑھایا جائے گا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جائے گا اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ روح سے روح الامین یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔

﴿فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ﴾ کی مراد میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے چار اقوال نقل کیے ایک یہ کہ اس سے مراد اسفل سافلین سے لے کر عرش تک کی مسافت ہے جو ساتوں زمینوں کا مستقر ہے۔ چنانچہ اس قسم کا مضمون ابن ابی شیبہ نے کتاب "صفۃ العرش" میں بیان کیا ہے۔ دوسرا قول یہ کہ یہ مدت بقاءِ دُنیا ہے کہ جب سے اللہ نے دُنیا کو پیدا کیا اس وقت سے قیامت تک کی یہ مدت ہے۔ چنانچہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں کہا کرتے تھے عمرھا خمسون الف سنۃ۔ تیسرا قول یہ کہ وہ وقت فاصل ہے دُنیا و آخرت کے درمیان مگر اس قول کو مفسرین نے غریب وشاذ کہا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ روز قیامت کی مدت ہے جو دنیا کے ایام کے لحاظ سے پچاس ہزار برس کے بقدر ہوگی۔ چنانچہ عکرمہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باسناد صحیح نقل کرتے ہیں ھُویوم القیامۃ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے اس دن کو کافروں کے واسطے پچاس ہزار سال کے برابر بنایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی جب کہ سننے والوں نے کہا اللہ اکبر! یہ کس قدر طویل دن ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کافر کے لیے ہوگا لیکن مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا آسان فرمادے گا جتنا وقت کہ وہ فرض نماز میں لگاتا ہے بلکہ اس سے بھی کم۔ مال کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی وعید میں جو حدیث ہے کہ وہ مال اس شخص پر جہنم کی آگ بنا کر داغ دیا جاتا رہے گا اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے اس کی تائید کرتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

بعض ائمہ مفسرین کی رائے ہے کہ پچاس ہزار برس کی مدت ظاہری اور حقیقی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ وہ غم اور کرب ہے جس کے باعث یہ دن اس قدر طویل ہوگا اسی وجہ سے مؤمنین کے لیے نماز کے وقت کے بقدر ہلکا فرمایا گیا اور اس تقدیر پر سورۂ سجدہ کی آیت ﴿مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (السجدہ: ۵) جس میں ایک ہزار برس مقدار بیان کی گئی کوئی تعارض نہ رہے گا۔ (قرطبی)

بعض ائمہ مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں پچاس مواقف ہوں گے اور ہر موقف اور حاضری کا مقام ایک ہزار برس کے بقدر ہوگا تو اس لحاظ سے ایک ہزار برس نفس مجموعہ دن کی مدت ہوئی اور اس کے پچاس مواطن کے اعتبار سے پچاس ہزار ہوگئے جس کو بیان فرمایا گیا۔ (روح البیان)

﴿سَاَلَ سَآئِلٌ﴾ کی تفسیر میں بعض حضرات نے نضر بن حارث کا نام بیان کیا ہے مگر اس لیے کہ یہ ذلیل اس قابل نہ تھا کہ قرآن کریم میں اس کا نام لیا جائے تو مبہم رکھا نیز تعین نہ کرنے میں یہ خوبی ہے کہ اس سائل کے بعد جو بھی اس قسم کا سوال کرے گا اس پر آیت منطبق ہوگی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سائل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ اشارہ ہے اس دعا اور درخواست کی طرف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی سرکشی اور ان کے تمسخر سے رنجیدہ ہوکر بارگاہِ خداوندی میں فرمائی تھی کہ ان پر کوئی عذاب مسلط کیا جائے چنانچہ ان پر سات برس کا وہ جگر خراش قحط برسا کہ ہڈیاں اور مردار تک کھانے کی نوبت آگئی بہرکیف ان متعدد معانی پر ائمہ مفسرین نے ان کلمات کو محمول کیا ہے ہم نے اسی وجہ سے ترجمہ میں لفظ "مانگا ہے مانگنے والے نے" اختیار کیا تاکہ ہر دو معنی پر منطبق ہوسکے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تمسخر اور استہزاء کرنے والوں کا رویہ بے شک دلخراش ہے اور اس پر رنج وغم طبعی تقاضا ہے مگر اے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صبر

کیجیے بھلے طور پر صبر کرنا یہ منکرین اور کفار مکہ اگرچہ آپ ﷺ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ اچھا اگر یہ دین برحق ہے اور ہم اس کو قبول نہیں کرتے تو آپ ﷺ آسمان سے پتھروں کی بارش ہم پر کروا دیجیے یا آپ ﷺ ہم کو جس قیامت سے ڈرا رہے ہیں وہ کہاں ہے اور کب آئے گی اس کو لے آیئے تو اے ہمارے پیغمبر ﷺ ان منکرین کی ایسی لغو باتوں سے آپ ﷺ مغموم نہ ہوں۔

بے شک یہ لوگ تو اس کو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں نہ عذاب خداوندی آنے میں کوئی دیر ہے نہ ہی روز قیامت آنے میں وہ قیامت کا دن تو ایسا دن ہوگا کہ آسمان ہو جائے گا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح اور پہاڑ ہو جائیں گے روئی کے گالوں کی طرح جو مختلف رنگوں کے ہوں، ہوا میں اڑ رہے ہوں اور پریشانی و بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی دوست نہیں پوچھے گا کسی دوست کو حالانکہ سب ایک دوسرے کو نظر آتے ہوں گے لیکن اس کے باوجود ہر ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہوگا کوئی کسی کی مدد تو درکنار حال بھی نہ پوچھ سکے گا ایسے وقت گناہگار تمنا کرے گا کاش آج کے دن کے عذاب سے وہ فدیہ دے دیتا اپنے بیٹوں کا اور بطور فدیہ دے دیتا اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے اس کنبہ کو جس کا ٹھکانہ وہ حاصل کرتا تھا اور حتیٰ کہ اگر اس کے امکان میں ہوتا ہر اس شخص اور کل اس مال و دولت کا جو روئے زمین میں بستا ہے اور پھر وہ اپنے آپ کو اس عذاب سے بچا لیتا تو وہ ضرور وہ ہر چیز کو فدیہ کے طور پر دینے کے لیے تیار ہو جاتا مگر نہیں ہرگز نہیں وہ تو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جو کھال اتار دینے والی ہے اور اس طرح کہ وہ اندر سے جگر کو بھی جلا کر رکھ دے گی پکارتی ہوگی یہ آگ ہر اس شخص کو جس نے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری سے اور مال و دولت کی محبت اس قدر غالب آئی خوب جمع کیا اور سمیٹ کر رکھا کہ اس میں سے نہ اللہ کا حق ادا کیا نہ کسی مسکین و محتاج کی کوئی مدد کی بے شک انسان بہت ہی کمزور طبیعت پر پیدا کیا گیا اس کا حوصلہ اور دل نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے جب اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو بے قرار ہو جائے اور جب اس کو بھلائی پہنچے اور اللہ رب العزت اپنی نعمتوں سے نوازے تو روکنے والا ہو جاتا ہے اور خیر کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق ہی ختم ہو جاتی ہے یہ بری خصلت ہر انسان میں ہوتی ہے جو اللہ کے تعلق سے دور ہو مگر وہ نمازی بندے جو اپنی نماز پر پابندی کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے سائل کے لیے اور محتاج و مسکین کے لیے اور وہ لوگ جو ایمان و یقین رکھتے ہیں بدلہ اور انصاف کے دن یعنی قیامت پر اور جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اس لیے کہ بے شک ان کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ کسی کو اس سے مطمئن نہ ہونا چاہیے اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا اپنی باندیوں کے جن کے وہ مالک ہیں کیونکہ ان پر تو کوئی گرفت نہیں اس لیے کہ وہ نفس کا تقاضا صحیح محل میں اور حلال طریقہ پر پورا کر رہے ہیں لیکن جو شخص اس کے علاوہ کوئی راستہ اپنے نفس کا تقاضا پورا کرنے کا تلاش کرے گا تو بلاشبہ ایسے لوگ تعدی اور سرکشی کرنے والے ہوں گے اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی رعایت رکھنے والے ہیں کہ امانت میں کوئی خیانت نہیں کرتے اور جو عہد و پیمان کیا اس کو پورا کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں کہ گواہی بھی سچی دیں اور کسی لالچ و طمع سے اس گواہی سے انحراف بھی نہیں کرتے بلکہ اسی پر قائم رہتے ہیں اور جو لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں کہ اس میں کسی طرح خلل نہیں آنے دیتے وقت کی پابندی جماعت کی بھی پابندی پاکی کی احتیاط خشوع و خضوع اور اسی حالت کے ساتھ اس پر دوام تو بے شک ایسے ہی لوگ جوان پاکیزہ خصلتوں اور پسندیدہ افعال سے متصف ہیں بہشت کے باغوں میں ہوں گے جن کا بڑا ہی اعزاز و اکرام ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس کے بالمقابل جو شخص اللہ کی نافرمانی اور سرکشی پر تلا ہوگا اس کی ذلت و تباہی ایسی عبرتناک ہوگی کہ انسان اس کا

تصور نہیں کرسکتا۔

فائدہ: اس موقعہ پر اہل جنت کے یہ آٹھ اوصاف بیان کیے گئے جن کی تفصیل وتشریح سورۃ المؤمنون میں گزر چکی یہاں ان صفات کے ذکر اور ترتیب میں عجیب لطافت وخوبی اختیار کی گئی کہ ﴿اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ﴾ کے عنوان میں ابتداء بھی وصف صلوٰۃ سے فرمائی اور ان اوصاف کی تکمیل بھی ﴿عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ﴾ پر کی گئی تاکہ یہ ظاہر ہوجائے کہ ان اوصاف اور خوبیوں سے اتصاف نماز ہی کی برکت سے ہوسکتا ہے اور جو مؤمن ان صفات سے متصف ہوگا وہی نماز کا محافظ بھی ہوگا اور وہی ہلوع جیسی مذموم صفت سے محفوظ رہ سکے گا ورنہ تو اس مہلک اور خطرناک بیماری میں بالعموم انسان مبتلا ہوکر ہی رہتا ہے۔

فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ
پھر کیا ہوا ہے منکروں کو تیری طرف دوڑتے آتے ہیں داہنے سے اور بائیں سے
عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾ اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾
جٹ کے جٹ کیا لالچ رکھتا ہے ہر ایک ان میں کہ داخل کریئے نعمت کے باغ میں
كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ
کوئی نہیں ہم نے ان کو بنایا ہے جس سے جانتے ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں
الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ
مغربوں کے مالک کی ہم سکتے ہیں کہ بدل کر لے آویں ان سے بہتر اور ہم سے
بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ
چپر (بڑھ) نہ جاویں گے سو چھوڑ دے ان کو باتیں بناویں اور کھیلیں جب تک بھڑیں اپنے اس دن سے
الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰی
جس کا ان سے وعدہ ہے جس دن نکل پڑیں گے قبروں سے دوڑتے جیسے کسی نشانے پر
نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ
دوڑے جاتے ہیں نویں ہیں ان کی آنکھیں چڑھی آتی ہے ان پر ذلت یہ ہے

ع
الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٤٤﴾ ۲۹۸

وہ دن جس کا ان سے وعدہ ہے۔

حیرت واستعجاب برحال اہل عناد وتنبیہ وتہدید برخودفریبی ایشاں

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا . . . الى . . . كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ ع﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مجازات اعمال کا بیان تھا اور یہ کہ مجرمین قیامت کے روز کیسی شدید بے چینی اور اذیت میں مبتلا ہوں گے۔ اب ان آیات میں ان معاندین کی حالت میں حیرت وتعجب کا اظہار کیا جارہا ہے جو اپنی مذموم اور بے ہودہ روش سے آنحضرت ﷺ کو اذیت پہنچاتے اور دین کا مذاق اڑاتے تھے اور پھر عجیب تر امر یہ ہے کہ اس دل آزار اور بے ہودہ روش کے باوجود اپنے بارہ میں یہ دعوے کرتے تھے کہ وہ آخرت میں بڑے انعامات سے نوازے جائیں گے اس ضمن میں پھر اس بات کا اعادہ کیا جارہا ہے کہ سعادت اور شقاوت انسان کے عقائد اور اعمال پر موقوف ہے محض دعووں اور آرزوؤں سے سعادت وکامیابی نہیں ملا کرتی ہے۔

ارشاد فرمایا تو ان تمام حقائق کے واضح اور ثابت ہو چکنے کے بعد عجیب بات ہے کیا ہو گیا ان کافروں کو آپ کی طرف آرہے ہیں دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے غول کے غول ہو کر چاہیے تو یہ تھا کہ ان مضامین کو سن کر غور کرتے اور ان حقائق پر غور کرتے اور ان حقائق پر ایمان لاتے لیکن بجائے ایمان لانے کے بطور استہزاء ومذاق غول کے غول آپ ﷺ کی طرف چلے آرہے ہیں اور ان باتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں پھر اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ اگر قیامت آئی تو وہ بڑی آسائش وآرام کے ساتھ جنت میں داخل ہو گا تو کیا ان میں سے ہر شخص اس بات کی طمع کر رہا ہے کہ وہ نعمتوں کے باغ میں داخل کیا جائے گا خبردار ہرگز نہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نافرمان جو قیامت جنت وجہنم اور جزاوسزا کا منکر ہو وہ اپنی ان تمام نافرمانیوں کے باوجود جنت کے باغات میں داخل کیا جائے گا بے شک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس چیز سے جو وہ بھی جانتے ہیں اور وہ مٹی جیسی حقیر چیز اور ایک ناپاک پانی کا قطرہ ہے۔ لہٰذا صرف اس سے پیدا کیا ہوا انسان تو محض اپنے انسان ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں ہے کہ بہشت کے باغات اس کو ملیں یہ نعمتیں تو ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی پر مل سکتی ہیں جس سے یہ لوگ عاری ہیں سو میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ بیشک ہم قادر ہیں کہ ان کے بجائے ان سے بہتر لے آئیں اور ہم ایسے نہیں کہ ہم کو عاجز کیا جاسکے کسی بھی ایسی بات سے جس کو ہم کرنے کا ارادہ کریں اور جب ہم ان کے بجائے ان سے بہتر پیدا کر سکتے ہیں تو کیا ہم ان کو دوبارہ نہیں پیدا کر سکتے جس کا وہ انکار کرتے ہیں اور جب وہ ہمارے قابو سے نہیں نکل سکتے تو پھر اس بارہ میں کیا تعجب وحیرت کی گنجائش ہے نیز یہ کہ اگر یہ لوگ پیغمبر خدا ﷺ کا مذاق اڑا رہے ہیں اور انکار کر رہے ہیں تو کیا ہوا ہم ان سے بہتر اپنے پیغمبر ﷺ کے واسطے اعوان وانصار پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ ہجرت مدینہ کی صورت میں اللہ نے منکرین قریش کے بجائے انصار مدینہ کا گروہ آپ ﷺ کا ناصر ومددگار اور مطیع وفرمانبردار بنا دیا تو اے ہمارے پیغمبر! آپ ﷺ ان کی کوئی پروانہ کیجیے اور ان کو چھوڑ دیئے کہ وہ اپنی باتوں میں منہمک رہیں اور کھیل تماشے میں لگے رہیں یہاں تک کہ وہ ملاقات کرلیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے اس وقت خود حقیقت کھل کر ان کی نظروں کے سامنے آجائے گی یہ دن وہ ہو گا کہ نکل

رہے ہوں گے اپنی قبروں سے دوڑتے ہوئے اس طرح کہ گویا کسی نشان کی طرف دوڑ لگا رہے ہوں حال یہ ہوگا کہ نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت ان پر چڑھی جا رہی ہوگی جیسے کہ کوئی غلاف کسی چیز کو ڈھانک رہا ہو بس یہی ہے وہ دن جس کا ان مجرموں سے وعدہ کیا جاتا تھا اور اس وقت کسی مجرم اور منکر کو عذابِ خداوندی سے بچنے کا کوئی بھی امکان نہ ہوگا اور اس طرح قدرتِ خداوندی ان حقائق کو ان کی نگاہوں کے سامنے لے آئے گی جس کا انہوں نے دنیا میں انکار کیا اور اس کا مذاق اڑایا۔

﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَ لَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۷﴾﴾

تمّ تفسير سورة المعارج والحمدلله علىٰ ذالك

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۂ نوح

سورۂ نوح بھی مکی سورت ہے جس کی اٹھائیس آیات اور دو رکوع ہیں۔

ربط: اس سورت کا مضمون بھی مکی سورتوں کی طرح عقیدۂ توحید کی ترجمانی اور اثبات ہے اور شرک و بت پرستی کی تردید۔ بالخصوص اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے جذبۂ تبلیغ اور دعوت الی اللہ میں جو دن رات جدوجہد فرماتے رہے اس کا بیان ہے اور یہ کہ اس بدنصیب قوم کی یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ ہادی حق اور داعی توحید سے دور بھاگتے رہے حتیٰ کہ نفرت و بغض کی کوئی حد باقی نہ رہی کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھنا بھی گوارہ نہ ہوا اور اپنے کان صدائے حق سننے سے بھی بند کرلیں پیغمبر بہرکیف اولادِ آدم اور جنس بشر سے ہیں طبعی تاثرات سے کہاں تک بچ سکتے ہیں تو قوم کی اس بیزاری اور تنفر پر مغموم و رنجیدہ ہوتے ہوئے ایسے بدنصیب مجرموں کے لیے عذابِ خداوندی کی طلب و التجاء کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ نو سو پچاس برس کی طویل ترین مدت جب اس طرح گزر جائے کہ قوم اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید کے بالمقابل نہایت ہی گستاخی اور ڈھٹائی سے کہنے لگے ﴿لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ﴾ کہ "اے لوگو! ہرگز اپنے معبودوں کو مت چھوڑو" تو ہادیٔ حق اور داعی توحید کی زبان سے یہی نکلنا چاہیے تھا ﴿لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ ان مضامین کو یہاں بیان فرماتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء مغفرت پر سورت کو ختم فرمایا گیا۔

آیاتہا ۲۸ (۷۱) سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّكِّيَّةٌ (۷۱) رکوعاتہا ۲

سورۂ نوح مکی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن

ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ

يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾

پہنچے ان پر دکھ والی آفت بولا اے قوم میری! میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر

أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ

کہ بندگی کرو اللہ کی اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو کہ بخشے تم کو کچھ گناہ تمہارے

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ

اور ڈھیل دے تم کو ایک ٹھہرے وعدہ تک وہ جو وعدہ رکھا اللہ نے جب آپہنچے اس کو ڈھیل نہ ہوگی

لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّى دَعَوْتُ قَوْمِى لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾

اگر تم کو سمجھ ہے بولا اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾ وَإِنِّى كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگتے ہی رہے اور میں نے جس بار ان کو بلایا تا ان کو تو معاف کرے

جَعَلُوٓا۟ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَٱسْتَغْشَوْا۟ ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا۟ وَ

ڈالنے لگے اپنی انگلیاں کانوں میں اور اوپر لپیٹے اپنے کپڑے اور ضد کی اور

ٱسْتَكْبَرُوا۟ ٱسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ إِنِّى دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ إِنِّىٓ أَعْلَنتُ

غرور کیا بڑا غرور پھر میں نے ان کو بلایا اجاگر پھر میں نے

لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ

ان کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بیشک وہ

كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ

ہے بخشنے والا چھوڑ دے آسمان کی تم پر دھاریں اور بڑھتی دے تم کو مال

وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ﴿۱۲﴾ مَا لَكُمْ

اور بیٹوں سے اور بنا دے تم کو باغ اور بنا دے تم کو نہریں کیا ہوا ہے تم کو

لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ

کیوں نہیں امید رکھتے اللہ سے بڑائی کی اور اسی نے تم کو بنایا طرح طرح سے کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے

خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ

بنائے اللہ نے سات آسمان تہ بر تہ؟ اور رکھا چاند ان میں اجالا اور رکھا

الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَ اللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ

سورج چراغ جلتا اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جما کر پھر دہرا کر ڈالے گا تم کو

فِيْهَا وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾

اس میں اور نکالے گا تم کو باہر اور اللہ نے بنادی تم کو زمین بچھونا

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ ع

تاکہ چلو اس میں کشادہ رستے۔

ع ۲۰ ۹

بعثت رسول ہادی حق وداعی توحید نوح علیہ السلام وتمرد وسرکشی قوم و نفرت واستکبار از صداء ایمان وتوحید خالق ارض وسماء

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ... الٰى ... سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾﴾

ربط: اس سے قبل سورۂ معارج میں قیامت اور قیامت کے احوال شدیدہ کا ذکر تھا اور یہ کہ اس روز مجرمین اور نافرمانوں کی پریشانی اور بدحالی انسان کے تصور سے بھی بڑھ کر ہوگی تو اب اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جن کو حق تعالیٰ نے عالم میں سب سے پہلا وہ رسول بنا کر بھیجا جو شرک و بت پرستی کا رَد کرنے والے تھے ان کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ قوم کی یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا اور بڑی ہی گستاخی کے ساتھ شرک و بت پرستی پر ڈٹے رہے۔ ارشاد فرمایا:

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف یہ پیغام دے کر کہ اے نوح ڈراؤ اپنی قوم کو ان کی بت پرستی اور نافرمانی پر قبل اس کے کہ پہنچ جائے ان پر دردناک عذاب کیونکہ خدا کی نافرمانی کا انجام یہی ہوتا ہے کہ دُنیا میں بھی وہ قوم عذابِ خداوندی سے تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم میں تم کو کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں اللہ کے عذاب سے اور اس بات کی تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ تم صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اللہ کی عبادت و بندگی کا جو راستہ میں بتاتا ہوں تم اس پر چلو۔ اسی ایک رب پر ایمان لاؤ اگرچہ اب تک تم شرک اور نافرمانی کرتے رہے لیکن جب تم میرے بتائے ہوئے راستہ پر چلو گے اور اس خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لے آؤ گے تو وہ تمہارے گناہوں میں سے کچھ معاف فرمادے گا اور تم کو مہلت دے گا ایک معین وقت تک کہ تم اس طبعی مقرر و متعین کردہ وقت تک زندگی گزار لو گے اور سابق کفر و شرک اور بغاوت پر جو عذابِ خداوندی آیا کرتا ہے اور آن کی آن میں ایسے عذاب قوموں کو تباہ کردیتے ہیں وہ تم سے ایک مدت تک کے لیے ٹل جائے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آجائے تو پھر وہ مؤخر نہیں ہوتا جو بھی اللہ نے کسی انسان یا جاندار کے لیے موت کا مقرر کردیا ہے یا جو وقت بھی قیامت اور جزاء وسزا کا متعین کردیا گیا ہے وہ بہر کیف آکر رہے گا اور اس میں کوئی تاخیر نہ ہوگی اگر تم اس بات کو جان لو تو پھر میری باتوں پر عمل کرنے اور میرے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے میں تم کو کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہ ہوگی۔ نوح علیہ السلام قوم کو اسی طرح سمجھاتے رہے اسی پیغام توحید کو ان لوگوں کے سامنے ہر حال میں ہر زمان و مکان میں قوم کے سامنے دہراتے رہے لیکن جب اُمید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس و تنگ دل ہوکر اپنے رب سے اپنی قوم کی بے رخی و نافرمانی کا شکوہ کرتے ہوئے کہا: اے میرے پروردگار! بے شک میں اپنی قوم کو بلاتا رہا تیری توحید و بندگی کی طرف رات اور دن اپنی طرف سے دعوت و تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا رات کی تاریکی ہو یا دن کا اجالا برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا لیکن یہ بدبخت و بدنصیب ایسے ہیں میرے بلانے نے ان میں کسی چیز کی بھی زیادتی نہیں کہ بجز بھاگنے کے جس قدر شفقت و دلسوزی کا معاملہ کرسکتا تھا وہ کیا لیکن ان کی نفرت و بیزاری کا یہ عالم کہ اور جب کبھی بھی میں نے ان کو بلایا ایمان و توحید کی جانب تاکہ تو ان کے گناہ معاف کردے تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑوں میں لپٹ گئے اور اپنے چہرے چھپائے کہ وہ میری صورت بھی نہ دیکھ سکیں اور میں بھی ان کو نہ دیکھ سکوں جو خدا کے پیغمبر ﷺ سے نفرت و بیزاری کی آخری منزل تھی اور بڑا ہی غرور و تکبر کیا اور اپنی روش سے قطعاً نہ پھرے اگرچہ ایک طویل مدت گزر گئی کہ اے اللہ میں ان کو تیری طرف بلاتا رہا اور وہ اسی طرح نفرت و بیزاری کرتے رہے۔

اے پروردگار! پھر میں نے ان کو بلایا تیری توحید و بندگی کی طرف برملا کہ علی الاعلان مجمعوں میں جا کر ان کو دعوت دی اور ان کے جلسوں میں ان کو تیرا پیغام پہنچایا پھر میں نے ان کو واضح طور پر کھول کر بتایا کہ خدا کی توحید و بندگی ہی میں نجات ہے اور خاموشی سے خفیہ طور پر بھی ناصحانہ انداز میں یہی ان کو کہا ہر طرح اور ہر حال میں خلوت و جلوت اور اجتماعی و انفرادی غرض ہر حالت میں ان کو بس میں

نے یہی کہا معافی طلب کرو اپنے رب سے وہی گناہ بخشنے والا ہے جو اپنی رحمت و مغفرت سے تم پر آسمان کے دروازے رحمتوں اور برکتوں کے کھول دے گا جس کے بعد وہ تم پر بہائے گا آسمان سے رحمتیں اور برکتیں بہا دینا یعنی ایمان و استغفار کی برکت سے قحط اور خشک سالی جس میں وہ قوم برسوں سے مبتلا تھی دُور ہو جائے گی اور اللہ رب العزت دھواں دھار برسنے والا بادل بھیج دے گا جس سے کھیت اور باغ سیراب ہو جائیں گے غلے پھلوں اور میوے کی افراط ہوگی مویشی فربہ ہونے کی وجہ سے دودھ گھی بڑھ جائے گا اور عورتیں جو قوم کی بداعمالیوں کے باعث بانجھ ہو گئی تھیں نرینہ اولاد جننے لگیں گی اور اسی طرح اللہ بڑھا دے گا تم کو مختلف انواع کے مالوں اور بیٹوں سے اور بنا دے گا تمہارے واسطے باغات اور بنا دے گا تمہارے واسطے نہریں ✽ تو ایمان و استغفار کی برکت سے وہ قحط سالی بھی دور ہو جائے گی جو برسوں سے ان پر مسلط ہے اور بارش کی کثرت سے ان کے کھیت سرسبز و شاداب ہو جائیں گے غلے اور پھلوں کی کثرت سے دودھ گھی بڑھ جائے گا اور شامت اعمال سے عورتیں جو بانجھ ہو چکی تھیں وہ نرینہ اولاد جننے لگیں گی غرض اسی طرح استغفار و توبہ کی برکت سے آخرت کی نجات کے ساتھ دنیا کی خوشحالی بھی نصیب ہوگی اور دنیوی عیش و بہار کا ایک وافر حصہ مل جائے گا اے پروردگار میں نے ان سے یہ بھی کہا کیا ہو گیا تم کو تم امید نہیں رکھتے اللہ سے عظمت و بڑائی کی حالانکہ اسی نے تو تم کو پیدا کیا ہے مختلف احوال کے ساتھ کہ اصل مادہ سے طرح طرح کے اتار چڑھاؤ طے کرتے رہے طرح طرح کے رنگ بدلے پھر ولادت تک مختلف اطوار بدلتے ہوئے دنیا میں آنا ہوا پھر اسی طرح پیدائش سے لے کر موت تک پلٹیاں کھاتے رہو گے کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ نے کس طرح سات آسمانوں کو پیدا کیا جو تہہ بر تہہ ہیں کہ ایک آسمان کے اوپر دوسرا ہے اور بنایا ہے ان آسمانوں میں چاند کو اجالا اور سورج کو بنایا ایک دہکتا ہوا چراغ ✽✽ کہ اس کی روشنی پھیل کر تمام روئے زمین کو روشن کر دیتی ہے اور اس کی شعاعوں کی تمازت گرمی فراہم کرتی ہے اور اللہ ہی نے اگایا ہے تم کو زمین سے

✽ ان نعمتوں کا خاص طور پر اس وجہ سے ذکر کیا گیا کہ طبائع عامہ ان کی طرف راغب ہوتی ہیں استغفار کی واقعی یہی خاصیت ہے کہ جو بھی سچے دل سے عجز و نیاز کے ساتھ اپنے پروردگار سے معافی مانگتا ہے اس کے مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے بلائیں اور قحط سالی دور ہوتی ہے اور زمین کی پیداوار میں برکت ہوتی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے کہا کثرت سے استغفار کرو کسی اور نے آ کر اپنی تنگدستی کا شکوہ کیا تو فرمایا استغفار کرو ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں جواب دیا استغفار کرو کوئی آیا اور اس نے کہا کہ میرا کھیت خشک ہو رہا ہے اور پیداوار نہیں تو فرمایا استغفار کرو پھر ایک اور آیا اور اس نے عرض کیا: اے امام میرے کنوئیں کا پانی سوکھ چکا ہے اس میں پانی نہیں تو فرمایا استغفار کرو بعض حاضرین کو بڑا ہی تعجب ہوا کہ اس مجلس میں مختلف لوگ مختلف حاجتوں کے واسطے آئے اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو ایک ہی جواب دیا ایک ہی علاج بتایا تو سوال کیا گیا جواب میں فرمایا میں نے ان سب کو کوئی بات اپنی طرف سے نہیں بتائی میں نے ان کو وہی بتایا ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝﴾ استغفار صرف زبان سے لفظ استغفر اللہ کہنے کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے گناہوں پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ اللہ سے معافی مانگنے کا نام ہے اس عہد اور دل کے پختہ ارادہ کے ساتھ کہ میں پھر یہ گناہ نہیں کروں گا ہر صبح و شام ﴿اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اَتُوْبُ اِلَيْهِ﴾ پڑھنے کی بڑی ہی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

✽✽ سورج کی روشنی چونکہ تیز اور گرم ہوتی ہے اس وجہ سے سورج کو سراج اور دہکتے ہوئے چراغ کے عنوان سے تعبیر کیا اور چاند کا نور ٹھنڈا اور دھیما ہوتا ہے اس بناء پر نور فرمایا گیا یہی وہ چیز ہے جو دوسری آیت ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا﴾ میں شمس کے ساتھ ضیاء اور قمر کے ساتھ نور ذکر فرمایا گیا کیونکہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں چمک اور تیزی ہو اس کے برعکس نور اس روشنی کو کہتے ہیں جس میں ٹھنڈک ہو۔ ۱۲

بڑی حکمت کے ساتھ اگانا کہ اوّل انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو جو سب نبی آدم کی اصل ہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نسل بعد نسل انسان بتوسط نطفہ کے پیدا ہوتے رہے جو غذا کا خلاصہ ہے اور ہر غذا اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ہی پیدا کی تو اس طرح نسل انسانی مٹی ہی سے اگائی جارہی ہے وہی خدا پھر تم کو اسی میں لوٹا دے گا کہ مرنے کے بعد انسان کو قبر میں دفن ہونا ہے اور اس کا تمام جسم مٹی میں مل کر خاک ہو جانا ہے پھر اس مٹی میں مل جانے کے بعد باہر نکال لے گا بڑی ہی سہولت اور عجلت کے ساتھ نکال لینا اور تم سب قیامت کے روز میدانِ حشر میں جمع ہو گے جہاں تمہاری زندگی کے تمام افعال واحوال کا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔

اور بنا دیا اللہ نے تمہارے واسطے زمین کو فرش نہ زیادہ سخت کہ لیٹ بیٹھ نہ سکو اور نہ زیادہ نرم کہ اس میں دھنستے چلے جاؤ بلکہ نرم بھی بنایا اور مضبوط بھی تاکہ تم چلو اس کے کشادہ راستوں میں اور * اس طرح وسائل زندگی کی تکمیل آسان بنادی کہ کوئی شخص چاہے تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے اور اس میں وہ کوئی رکاوٹ نہیں محسوس کر سکتا۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَ اتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ

کہا نوح نے اے رب میرے! انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور مانا ایسے کا جس کو اس کے مال اور

وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۚ ﴿۲۱﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ ﴿۲۲﴾ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

اولاد سے اور بڑھا ٹوٹا اور داؤ کیا ہے بڑا داؤ اور بولے نہ چھوڑیو اپنے

اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ ۵ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ

ٹھاکروں کو اور نہ چھوڑیو ودّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور یعوق اور

نَسْرًا ۚ ﴿۲۳﴾ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ ۵ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا

نسر کو اور بہکا دیا بہتوں کو اور نہ تو بڑھائیو بے انصافوں کو مگر بہکاوا کچھ

خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ ۵ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

وہ اپنے گناہوں سے ڈبائے گئے پھر بیٹھائے (پہنچائے) گئے آگ میں پھر نہ پائے اپنے واسطے اللہ کے سوائے

---

* ﴿سُبُلًا فِجَاجًا﴾ کشادہ راستوں کو کہا جاتا ہے حسی طور پر تو انسانوں کی نقل وحرکت کے لیے اللہ نے روئے زمین پر کشادہ راستے بنائے ہی ہیں ان کشادہ راستوں سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ حلال ومباح اور خدا پرستی کے راستے بڑے بڑے ہی کشادہ ہیں جن کو ایک موقع پر سبل السلام کہا گیا ان پر انسان بڑی ہی سہولت اور آسانی سے چل سکتا ہے بالمقابل کفر وبدکاری کے راستے کے کہ وہ بہت تنگ اور پر خطر ہیں انسان کو چاہیے کہ تنگ اور پر خطر راستوں کو چھوڑ کر کشادہ اور روشن راستوں پر چلے۔

اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ
کوئی مددگار اور کہا نوح نے اے رب! نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا
دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا
ایک گھر بسنے والا مقرر اگر تو چھوڑ دے ان کو بہکاویں تیرے بندوں کو اور جو جنیں سو ڈھیٹھ
كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ
حق نہ سمجھتا اے رب! معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آوے میرے گھر میں ایمان دار اور
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع
سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو اور گنہگاروں پر یہی بڑھتا رکھ برباد ہونا۔

ع ۲ / ۸ / ۱۰

شکوۂ نوح علیہ السلام ببارگاہِ خداوندی برنافرمانی سرکشیٔ قوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ ... الٰى ... اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾﴾

ربط: ابتداء سورت سے حضرت نوح علیہ السلام کے جذبۂ تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا ذکر تھا کہ کیسے انہاک اور دلسوزی سے دن رات اپنی قوم کو خدا کی طرف بلاتے رہے ہدایت وسعادت کا پیغام دیتے رہے کوئی حالت اور کوئی مجلس ایسی نہ چھوڑی جس میں ایسی لگن اور ولولہ سے قوم کو راہ حق کی طرف لانے کی کوشش نہ کرتے ہوں اب ان آیات میں اس کے بالمقابل ان کی قوم کا کردار ظاہر کیا جارہا ہے کہ جس قدر نصیحت و ہمدردی بڑھتی گئی اسی قدر قوم کی شقاوت و گستاخی بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ اس پر حضرت نوح علیہ السلام آزردہ و مایوس ہو کر بارگاہِ خداوندی میں اپنی قوم کی بدنصیبی وسرکشی کا شکوہ فرمانے لگے۔ ارشاد فرمایا:

کہا نوح نے اے میرے رب ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کسی طرح بھی میری بات سننے کو تیار نہ ہوئے اور پیروی کی ہے اس کی جس نے ان کے مال اور اولاد میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا بجز خسارہ اور نقصان کے وہ اپنے رؤساء اور سرداروں ہی کی بات مانتے رہے جس کے نتیجہ میں خدا کی عنایات اور رحمتوں سے محروم ہو کر مال واولاد کے خسارہ ہی میں مبتلا ہوئے اور مکر کیا بہت ہی زبردست قسم کا مکر کرنا اور اپنی انتہائی خطرناک سازشوں کے ساتھ نوح علیہ السلام کے مقابلہ اور ان کی ایذاء رسانی پر ڈٹے رہے اور کہنے لگے ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے اے لوگو! ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور ہرگز کبھی بھی نہ چھوڑنا وَدّ کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث ویعوق اور نسر کو۔ الغرض اس طرح سرکشی پر آمادہ رہے گمراہ کیا بہت سوں کو ممکن تھا کہ اگر ان لوگوں کی یہ سازش کارفرما نہ ہوتی تو قوم کے بہت سے لوگ ایمان لے آتے تو اے پروردگار بس اب تیری ہی بارگاہ میں شکوہ ہے اور دعا ہے اے پروردگار تو ایسے ظالموں کے واسطے اضافہ نہ فرمانا بجز گمراہی کے اور کسی چیز کا تاکہ ان کی گمراہی کے اضافہ سے عذاب خداوندی میں اضافہ ہو اور ان پر خداوند عالم کا قہر وعذاب

بڑا ہی شدید ہو۔

غرض حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دعوت ایمان دیتے رہے اور قوم کا سوائے نافرمانی اور سرکشی کے کوئی بھی ردعمل نہ ہوا حالت کی تبدیلی یا اصلاح تو درکنار اور زائد ہی سرکشی بڑھتی رہی اور اس پر سینکڑوں برس گزر گئے اور ﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ کہ سوائے چند لوگوں کے اور کوئی ایمان نہ لایا اس پر بارگاہ رب العزت سے قوم پر عذاب کا فیصلہ جاری ہو گیا کہ ﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ کہ اے نوح علیہ السلام اب یہ لوگ سب کے سب غرق کر دیئے جائیں گے۔

آسمان سے پانی کے دروازے کھل گئے اور زمین شق ہو کر پانی ابلنے لگی اور آسمان و زمین کا پانی ایک دوسرے میں مل گیا:

﴿فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝١١ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝١٢﴾ (القمر)

بہر کیف ان کے گناہوں ہی کی وجہ سے ان کو غرق کر دیا گیا دُنیا کے اس عذاب نے تباہ و برباد کیا پھر آخرت کا یہ عذاب شروع ہوا داخل کر دیئے گئے جہنم کی آگ میں بس اللہ کے سوا انہوں نے اپنے واسطے کوئی مددگار و ہمدرد نہ پائے اور عذاب خداوندی کے فیصلہ پر نوح علیہ السلام نے کہہ دیا کفر اور کافروں کے ساتھ شدت عداوت اور نفرت کے جذبہ میں اے پروردگار زمین پر کسی کافر کو بسنے والا نہ چھوڑ اس لیے کہ اگر تو نے ان کو چھوڑا تو یہ تیرے اور بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور یہ نہیں جنیں گے مگر صرف نافرمان اور کافر ہی کیونکہ کفر و خباثت ان کی فطرت میں داخل ہو چکی ہے لہٰذا ان کی نسل اور اولاد بھی انہی کی طرح خبیث و نافرمان ہوگی اور اولاد کے علاوہ اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے اس لیے بس دل یہی چاہتا ہے کہ تو زمین کو ایسے ناپاک لوگوں سے پاک فرما دے۔ ❶

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوئی عذابِ خداوندی نافرمان قوم کی طرف متوجہ ہوا قہر الٰہی اور اس کے غضب کے شعلے بلند ہوئے تو عظمت و جلال خداوندی کا اثر نوح علیہ السلام کے قلب پر غالب آیا اور اس کی شان کبریائی سے خوفزدہ ہو کر اپنے اور اپنے والدین اور متبعین کے لیے خدا کی مغفرت اور مہربانی طلب کرنے لگے اور فرمایا اے پروردگار بخش دیجیے مجھے اگر مجھ سے کوئی بھی

---

❶ ﴿وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا﴾ کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یعنی بھٹکتے ہی رہیں کوئی تدبیر سیدھی بن نہ پڑے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ استدراج کے طور پر اے اللہ ان کو اپنی مغفرت سے آشنا نہ کر عام مفسرین نے ان آیات کے ظاہری معنی مراد لیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اے اللہ ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجیے تاکہ جلد شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو کر عذاب الٰہی کے مورد بنیں ظاہر ہے کہ یہ دعا ان کی ہدایت سے قطعی طور پر مایوس ہونے کے باعث کی خواہ یہ مایوسی تقریباً ایک ہزار سال کے تجربہ سے ہوئی یا اللہ کی وحی ﴿اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ سے ہوا ایسی حالت میں تنگدل و مایوس ہو کر ایسی دُعا کرنا کوئی مستبعد بات نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص یا جماعت کے راہِ راست پر آنے کی طرف سے قطعاً مایوسی ہو جائے اور نبی ان کی استعداد پوری طرح جانچ کر سمجھ لے کہ خیر کے نفوذ کی ان میں مطلقاً گنجائش نہیں بلکہ ان کا وجود ایک عضو فاسد کی طرح ہے جو یقیناً باقی جسم کو بھی مسموم اور فاسد کر ڈالے گا تو اس وقت ان کے کاٹ ڈالنے اور صفحۂ ہستی سے محو کر دینے کے سوا دوسرا کیا علاج ہے اگر قتال کا حکم ہو تو قتال کے ذریعہ سے ان کو فنا کیا جائے یا قوت توڑ کر ان کے اثر بد کو متعدی ہونے سے روک دیا جائے ورنہ پھر آخری صورت یہی ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ ان کے وجود سے دُنیا کو پاک کر دے اور ان کے زہریلے جراثیم سے دوسروں کو محفوظ رکھا جائے بس یہی وہ چیز ہے جس کو دعائے نوح علیہ السلام بتا رہی ہے ﴿اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ سورۂ یونس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا ﴿رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝٨٨﴾ اسی جذبہ پر مبنی ہے۔ ۱۲

غلطی بشری تقصیر کے باعث سرزد ہوئی ہو اور میرے ماں باپ کو بھی اور جو بھی میرے گھر میں داخل ہو ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں میں سے اور اے اللہ ان ظالموں کے واسطے ہلاکت کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ فرما وہ اسی قابل ہیں کہ ان کو پوری طرح ہلاک و برباد کر ڈالا جائے چنانچہ طوفان نوح علیہ السلام آیا اور اس وقت انسانی آبادی بس وہی تھی تو کل عالم اس میں غرق کر دیا گیا بجز ان چند اہل ایمان کے جو بامر خداوندی سفینۂ نوح علیہ السلام میں سوار ہو گئے جس کی تفصیل گزر چکی۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ یہ طوفان تمام دُنیا پر اس وجہ سے آیا کہ اس وقت دنیا میں حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا اور کوئی نسل نہیں بستی تھی اس طوفان میں بچنے والے افراد سے ہی آئندہ دنیا میں نسل انسانی کا سلسلہ چلا۔

(تفصیل کے لیے سورۂ ہود میں اس مضمون کی مراجعت فرمائی جائے)

دُنیا میں شرک کا آغاز کیونکر ہوا

قرآن کریم کی آیت ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ﴾ (البقرہ: ۲۱۳) نے اس امر کی تصریح کر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ایک طویل عرصہ تک دنیا کے انسان صرف ایک ہی اُمت اور ایک ہی ملت رہے پھر کفر و ایمان اور ہدایت و گمراہی کا اختلاف پیدا ہوا تو انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے گئے جو مبشرین و منذرین ہوتے تھے اہل ایمان کو نجات و جنت کی بشارت سناتے اور اہل کفر کو جہنم اور عذابِ خداوندی سے ڈراتے۔

مؤرخین نے اپنی کتب تاریخ میں اس امر کو ظاہر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دس قرن حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تک گزرے یہ تمام قرن ایمان و توحید پر قائم تھے سب سے پہلے وہ رسول جو کفر کے مقابلہ کے لیے مبعوث فرمائے گئے وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و بعثت اور وحی کو حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور وحی کے ساتھ تشبیہ دی گئی مثلاً فرمایا گیا ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى ... الخ ﴾ (الشوریٰ: ۱۲) اور ارشاد ہے: ﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ (النساء: ۱۶۳)۔

علامہ ابوالشکور سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التمہید میں بیان کیا کہ شرک اور کفر کی ابتداء حضرت اخنوخ علیہ السلام جن کو ادریس علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے کے زمانہ میں ہوئی اس سے قبل کل دُنیا دین واحد اور توحید پر قائم تھی جزوی طور پر معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب تو آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے ہی کیا تھا کہ ہابیل کو قتل کیا لیکن یہ نوعیت کفر و شرک کی نہ تھی بلکہ ارتکاب معصیت اور نافرمانی کی تھی شرک کا آغاز حضرت ادریس علیہ السلام یا اخنوخ کے بعد سے حضرت نوح علیہ السلام تک کے زمانہ میں ہوا حضرت نوح علیہ السلام اس وقت مبعوث ہوئے جب کہ دُنیا شرک میں مبتلا ہو چکی تھی اسی کے باعث حضرت نوح علیہ السلام کو پہلا رسول کہا گیا کہ شرک کے مقابلہ کے لیے دُنیا میں پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ادریس اس وجہ سے ہوا کہ وہ کثرت سے کتب سماویہ کا درس دیتے تھے تو درس و تدریس کی کثرت اور شغف کی وجہ سے ان کا نام یا لقب ادریس ہو گیا بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ادریس علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اخنوخ

یا ادریس علیہ السلام سے علوم حاصل کرنے والے ان کے خاص تلامذہ میں پانچ تھے جن کے نام ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے جب ادریس علیہ السلام دُنیا سے گزر گئے یا ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا تو یہ ان کے تلامذہ اور خدام میں سے باقی پانچ رہ گئے جو اخنوخ علیہ السلام کے فراق پر انتہائی غمگین اور رنجیدہ ہوئے یہ اللہ کی عبادت کرتے رہے اور لوگوں کو اللہ کے دین اور ایمان و توحید کی تعلیم دیتے رہے اب کچھ عرصہ گزرنے پر یہ لوگ بھی دُنیا سے گزر گئے تو ان سے علم اور دین حاصل کرنے والے لوگ متحیر اور پریشان ہونے اور سوچنے لگے کہ اب کیا کریں اور اس امر پر ان کو انتہائی بے چینی طاری ہوئی کہ اب علم اور دین کس سے حاصل کریں اسی عرصہ میں ایک گروہ کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور اس نے لوگوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم ان پانچوں حضرات کے جو ہمارے راہنما اور ہادی تھے مجسمے بنالیں تاکہ ان کو دیکھ دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی رہے اور ہم ان کی تعلیمات کو یاد کرتے رہیں اور اب تو ان حضرات کے دُنیا سے اٹھ جانے کے بعد بس اسی پر قناعت کی جاسکتی ہے اور اسی طرح ان حضرات کے مجسموں کو دیکھ کر ہم ان کی یاد تازہ کرتے رہیں اور عبادت میں مشغول رہیں چنانچہ ان پانچوں کے مجسمے تیار کر لیے گئے اور ہر مجسمہ یا بت کا نام ان ہی ناموں پر رکھ دیا گیا یہ لوگ تو صرف اسی حد تک رہتے ہوئے اپنے دین پر قائم رہے اور اللہ کی توحید و عبادت کرتے رہے حتیٰ کہ ایمان و توحید ہی پر یہ لوگ دُنیا سے گزر گئے اب ان کی اولاد اور نئی نسل کے زمانہ میں ابلیس لعین آیا بعض روایات سے معلوم ہوا کہ اس نے اس مجسموں کے ذریعہ یہ آواز لگائی ﴿اَنَا رَبُّکُمْ وَ رَبُّ اٰبَآءِ کُمْ﴾ کہ میں تمہارا معبود اور رب ہوں اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہوں ہر ایک مجسمہ سے یہ آواز سنائی دی کہ تمہارے بزرگ میری عبادت کرتے تھے ان لڑکوں نے اتنی بات تو دیکھی ہی کہ یہ مجسمے بڑی تعظیم و تکریم سے مخصوص جگہوں پر نصب کیے ہوئے تھے اور اپنے بزرگوں کو دیکھا بھی تھا کہ وہ ان کی تعظیم بھی کرتے تھے اس نئی نسل کو یہ فرق نہ معلوم ہوا کہ تعظیم کیا ہے اور عبادت کیا ہے اور ابلیس یہ بات ان کے دماغوں میں رچانے میں کامیاب ہوگیا کہ واقعی تمہارے بزرگ ان کی عبادت کرتے تھے یا وہ جو کچھ کرتے تھے وہ عبادت ہی تھی تو اس طرح یہ نسل ان مجسموں کو معبود سمجھ کر عبادت کرنے لگی اور پھر ان کے مجسمے پیتل، سونے اور چاندی کے بنانے لگے اور یہ بات اس حد تک ترقی کرتی چلی گئی کہ شرک و بت پرستی اور ان بتوں کی سارے عالم میں خوب کثرت ہوگئی اور لوگ پوری قوت اور شدت سے ان کی عبادت پر جم گئے یہاں تک کہ اب حضرت نوح علیہ السلام اس شرک کا مقابلہ کرنے اور توحید کے اعلان و دعوت کے لیے مبعوث فرمائے گئے تو جب حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو توحید و ایمان کی دعوت دی اور بت پرستی سے روکنا شروع کیا اور اسی جذبہ میں دن رات ایک کر ڈالا تو اس قوم نے جس کے رگ و ریشہ میں شرک و بت پرستی سرایت کیے ہوئے تھی جواب دیا ﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا یَغُوْثَ وَیَعُوْقَ وَنَسْرًا﴾ اس حالت پر حضرت نوح علیہ السلام اس قوم میں ساڑھے نو سو سال تک توحید و ایمان کی دعوت دیتے رہے اور عذاب خداوندی سے ڈراتے رہے مگر وہ ایمان نہ لائے جب ہر طرح کی کوشش کر کے تھک گئے اور قوم سے مایوس ہوگئے ادھر وحی الٰہی نے یہ بتادیا کہ اے نوح ﴿اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ (ھود:۳۶) تو مایوس و افسردہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں غیر اختیاری طور پر دعا و التجاء جاری ہوگئی ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا﴾ کہ اے پروردگار! بس اب تو زمین پر کوئی کافر بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ چنانچہ اللہ کی وحی آئی کہ اے نوح علیہ السلام کشتی تیار کرنا شروع کردو اب خدا کا عذاب اس قوم کو غرق کرنے والا ہے تم اور تمہارے ساتھ جو ایمان لاچکے وہ اس کشتی میں سوار ہو جانا تو اللہ تعالیٰ تم کو اور تمہارے ساتھ اہل ایمان کو نجات دے دے گا۔ عذاب خداوندی آیا اور اس کشتی میں اسی نفر سوار تھے جن کو اللہ نے نجات دی چالیس مرد اور چالیس عورتیں پھر ان

کے انتقال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف تین باقی رہ گئے سام حام اور یافث اور ان کی بیویاں تو پھر انسانی آبادی کا سلسلہ اللہ رب العزت نے ان ہی سے جاری فرمایا اس طرح طوفان نوح کے بعد کل انسان اولاد نوح میں سے سام حام اور یافث کی اولاد میں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

تمّ بحمداللہ تفسیر سورۂ نوح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ الجن

اس میں بھی دیگر سورتوں کی طرح اصول توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے اہم موضوع بیان جنوں کا قرآن کریم سن کر قرآن کریم کی حقانیت پر ایمان لانا اور پھر اپنی قوم کی طرف ناصح اور ہادی بن کر جانا اور ان کو ایمان کی دعوت دینا۔

چنانچہ سورت کی ابتداء ہی اس امر سے فرمائی گئی کہ جنات کے گروہ نے قرآن کریم سنا اور قرآن کریم کی عظمت وحقانیت کا اقرار کیا اسی ضمن میں یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت نے آسمانوں کو کس طرح محفوظ فرما رکھا ہے کہ کسی جن کی مجال نہیں ملکوت سمٰوٰت کی کوئی چیز سن سکے اور یہ کہ جن بھی انسانوں کی طرح مؤمن وکافر کی دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں پھر یہ بھی بیان ہے کہ ایمان و توحید کا انجام نجات وکامیابی اور آخرت کی نعمتیں ہیں اور کفر ونافرمانی عذاب جہنم کو دعوت دینا ہے۔

سورت کے اخیر میں اللہ رب العزت کی ذات وصفات میں وحدانیت کا بیان ہے اور یہ کہ جیسے اس کی ذات اور الوہیت میں کوئی شریک نہیں اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اس کی کسی صفت میں کوئی شریک نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جنات کا بعض آسمانی خبروں کو سن کر کاہنوں تک پہنچا دینا علم غیب نہیں غیب کا علم بس خدا ہی کو ہے۔

آیاتها ۲۸	(۷۲) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ (۴۰)	رُكُوعَاتُهَا ۲

سورۂ جن مکی ہے اور اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا

تو کہہ مجھ کو حکم آیا کہ سن گئے تھے کتنے لوگ جنوں کے پھر کہا ہم نے سنا ہے قرآن

عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

عجیب سمجھاتا نیک راہ پھر ہم اس پر یقین لائے اور ہرگز نہ شریک بتادیں گے اپنے رب کا کسی ایک کو

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ

اور یہ کہ اونچی ہے شان ہمارے رب کی نہیں رکھی اس نے جورو نہ بیٹا اور یہ کہ

يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ

ہمارا بے وقوف کہتا ہے اللہ پر بڑھا کر باتیں اور یہ کہ ہم کو خیال تھا کہ نہ بولیں گے انس

وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ

اور جن اللہ پر جھوٹ اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں کے پناہ پکڑتے کتنے

بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ

مردوں کی جنوں میں پھر ان کو بڑھا اور سر چڑھنا اور یہ کہ ان کو بھی خیال تھا جیسا تم کو خیال تھا

اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاۗءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ

کہ ہرگز نہ اٹھاوے گا اللہ کسی کو اور یہ کہ ہم نے ٹٹول ڈالا آسمان کو پھر پایا اس کو بھر رہے

حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ

اس میں چوکیدار سخت اور انگارے اور یہ کہ ہم بیٹھتے تھے آسمان کے ٹھکانوں میں سننے کو

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ

پھر جو کوئی اب سنتے پاوئے پاوے اپنے واسطے ایک انگارا گھات میں اور یہ کہ ہم نہیں جانتے کہ کچھ برا

اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا

ارادہ ٹھہرا ہے زمین کے رہنے والوں پر یا چاہا ان کے حق میں ان کے رب نے راہ پر لانا اور یہ کہ کوئی ہم میں

الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ

نیک ہیں اور کوئی اس کے سوا ہم تھے کئی راہ پر پھٹ رہے اور یہ کہ ہمارے خیال میں آیا

لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰہَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ نُّعۡجِزَہٗ ہَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا

کہ ہم چیر (بڑھ) نہ جاویں گے اللہ سے زمین میں اور نہ تھکادیں گے اس کو بھاگ کر اور یہ کہ جب ہم نے سنی

الۡہُدٰۤی اٰمَنَّا بِہٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَہَقًا ۙ﴿۱۳﴾

راہ کی بات ہم نے اس کو مانا پھر جو کوئی یقین لاوے اپنے رب پر سو نہ ڈرے گا نقصان سے اور نہ زبردستی سے

وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَ مِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوۡا

اور یہ کہ کوئی ہم میں حکم بردار ہیں اور کوئی بے انصاف سو جو حکم میں آئے سو انہوں نے اٹکلی

رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَ اَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَکَانُوۡا لِجَہَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّ اَنۡ

نیک راہ اور جو بے انصاف ہیں وہ ہوئے دوزخ کا ایندھن اور یہ حکم آیا کہ

لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَۃِ لَاَسۡقَیۡنٰہُمۡ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفۡتِنَہُمۡ

اگر لوگ سیدھے رہتے راہ پر تو ہم پلاتے ان کو پانی بھر کر تاکہ ان کو جانچیں

فِیۡہِ ؕ وَ مَنۡ یُّعۡرِضۡ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّہٖ یَسۡلُکۡہُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّ اَنَّ

اس میں اور جو کوئی منہ موڑے اپنی رب کی یاد سے وہ پیٹھا دیوے اس کو چڑھتے عذاب میں اور یہ کہ

الۡمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدۡعُوۡا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّ اَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ

سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ

یَدۡعُوۡہُ کَادُوۡا یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ ط ع

اس کو پکارتا لوگ ہونے لگتے ہیں اس پر ٹھٹھ۔

تاثیر حقانیت قرآن برقوم جن وقبول ایمان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ ... الی ... یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾﴾

ربط: گزشتہ سورۂ نوح میں یہ بیان تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس قدر طویل مدت تک اپنی قوم کو ایمان وتوحید کی دعوت دیتے رہے لیکن بدنصیب قوم بجائے اس کے کہ ہدایت قبول کرتی اور شقاوت وبدبختی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اب اس سورت میں قوم جن کا واقعہ بیان

فرمایا جارہا ہے کہ کس طرح ان میں سے ایک گروہ قرآن سن کر اس کی حقانیت کا گرویدہ ہوگیا کلام الٰہی کی معرفت نصیب ہوئی اور حق پہچان کر اس پر کھلے دل سے تیار ہوگئے صرف یہی نہیں کہ خود انہوں نے حق قبول کیا بلکہ وہ تو داعی حق بن کر دوسروں کو بھی ایمان وتوحید کی دعوت دینے لگے۔

اس سورت کے شانِ نزول کے بارہ میں امام بخاری و مسلم امام احمد ترمذی رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر محدثین نے احادیث تخریج فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک عرصہ دراز تک اہل مکہ کو ایمان کی دعوت دیتے رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف بھی تشریف لے گئے لیکن وہاں کے سردار عبد یالیل مسعود وحبیب نے جو بدسلوکی اور بدتمیزی کا برتاؤ کیا اس کا آپ کے قلب مبارک پر کافی اثر تھا آپ واپسی پر جب مقام نخلہ پر ٹھہرے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھا رہے تھے تو شہر نصیبین کے نو عدد جن وہاں سے گزرے جو اس تلاش میں نکلے ہوئے تھے کہ اب آسمان کی خبریں کیوں بند ہوگئیں پہلے جن آسمانوں تک پہنچ کر وہاں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالیتے تھے اور آسمانوں میں جو تکوینی باتیں فرشتوں کے درمیان ہوئیں ان کو سن کر زمین کی طرف آئے اور کاہنوں کو بتایا کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ قدرتِ خداوندی سے بند کردیا گیا اور آسمانوں کو اس طرح کے استراق سمع سے محفوظ کردیا گیا تھا تاکہ وحی الٰہی پوری حفاظت کے ساتھ اللہ کے پیغمبر تک پہنچے اب جو جن آسمان کا رخ کرتا شہاب ثاقب اس کو جلا کر خاک کردیتا اس کے بعد کوئی امکان نہ رہا کہ کوئی جن یا شیطان آسمان کی کوئی بات اچک سکے تو اس پر جنوں میں ایک بے چینی پھیل گئی تھی اور یہ طے پایا تھا کہ روئے زمین کا کونہ کونہ چھان ڈالو اور تلاش کرو کہ کیا نئی چیز ایسی پیش آتی ہے کہ اب ہم آسمان کی کوئی بات نہیں سن سکتے تو ایک جماعت شہر نصیبین کے جنوں کی بھی جو اس تلاش میں نکلی ہوئی تھی اس کا گزر اس مقام سے ہوا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے جیسے ہی ان کے کان میں قرآن کریم کی آواز پڑی اس پر فریفتہ ہوکر سچے دل سے ایمان لے آئے اور پھر اپنی قوم کو جا کر سب ماجرا سنایا اور بیان کیا کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن اسلوب قوت تاثیر شیریں بیانی طرز موعظت وحکمت میں اور علوم و معارف کی بلندی میں عجیب وغریب اور بے مثال ہے معرفت ربانی اور رشد وفلاح کی طرف رہبری کرتا ہے اور طالب خیر کو سعادت وتقویٰ کی اعلیٰ منزل تک پہنچاتا ہے اس وجہ سے ہم تو سنتے ہی بلا توقف وتردد اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم کو یقین کامل حاصل ہوگیا ہے کہ ایسا کلام اللہ کے سوا اور کسی کا نہیں ہوسکتا ہم اس کی تعلیم وہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں اپنا عقیدہ اور عمل قطعاً اس کی ہدایت کے مطابق بنائیں گے اور اپنے رب کے ساتھ جو وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے تنہا کائنات کا خالق و مالک ہے کسی کو اس کی عبادت والوہیت میں شریک نہیں کریں گے تو ان جنوں کا یہ تمام بیان اور مضمون اللہ نے وحی کے ذریعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ نے اس سورت کی تفسیر میں مفصل اور مبسوط بحث فرمائی اور عربی میں اس موضوع پر جامع تر کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" تالیف فرمائی گئی ہے غرض اس طرح اس واقعہ [1] اور جنوں کے کلام الٰہی پر گرویدہ وفریفتہ ہونے کی تفصیل اس طرح فرمائی جارہی ہے۔ ارشاد فرمایا:

کہہ دیجیے میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ کان لگا کر سن گئے ہیں جنوں میں سے کچھ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی نماز

---

[1] سورۂ احقاف میں یہ مضمون گزر چکا ہے مراجعت فرمالی جائے ۱۲۔

میں تلاوت کررہے تھے اور وہ جماعت گشت کرتی ہوئی اِدھر سے گزررہی تھی جس پر انہوں نے قرآنی فصاحت و بلاغت پر فریفتہ ہوتے ہوئے کہا ہے بے شک ہم نے تو ایک عجیب قرآن سنا جو راہنمائی کرتا ہے نیکی کے راستہ کی طرف جو ہدایت وتقویٰ اور سعادت وفلاح کی منزل تک پہنچادینے والا کلام ہے اور وہ یقیناً صرف اللہ ہی کا کلام ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اس کلام الٰہی نے جس طرح توحید خداوندی حقائق و دلائل کی روشنی میں بتائے ہیں ہم ان کو سن کر خدا کی وحدانیت پر ایمان لے آئے اب ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور ہم یہ سمجھ گئے ہیں کہ بے شک ہمارے پروردگار کی شان تو بہت ہی اُونچی ہے ظاہر ہے کہ اس نے نہ تو اپنی کوئی بیوی بنائی اور نہ ہی کسی کو بیٹا بنایا اس لیے یہ خیالات نہایت ہی مہمل اور خلاف عقل ہیں خدا کا کوئی بیٹا ہے جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں اور جب کسی کا بیٹا تجویز کیا جائے تو ظاہر ہے اس کے واسطے بیوی بھی مانی جائے گی اور یہ بات قطعاً عقل اور فہم کے خلاف ہے اور محال ہے اور یہ تو ہم میں سے کوئی بے وقوف ہی تھا جو اللہ پر اس طرح کی زیادتی کی باتیں کرتا تھا اور نازیبا چیزیں منسوب کیں اور ظاہر ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف لغو باتیں منسوب کرنے سے زیادہ اور کیا بے وقوفی ہوسکتی ہے اور ان میں سب سے بڑا بے وقوف ابلیس ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ جنوں نے اپنے اس قول ﴿ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا ﴾ سے ابلیس ہی مراد لیا ہو اور یہ بھی نہایت ہی تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ کچھ لوگ تھے انسانوں میں سے ایسے کہ جو قوم جن کے کچھ لوگوں کی پناہ حاصل کرتے تھے جب بھی ان کا کسی جنگل و بیابان میں گزر ہوتا وہاں کے جنوں کے سردار کی پناہ طلب کرتے اور کہتے کہ اس وادی کے جنوں کے سردار ہم ہر موذی اور شر ہر چیز کے شر اور ایذاء سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ کھلا شرک تھا کیونکہ ہر شر اور ایذاء سے تو پناہ اللہ ہی کی حاصل کی جاسکتی ہے ① تو اس طرح ایسے

---

① تفسیر مظہری میں ہواتف الجن کے حوالہ سے باسناد سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا ہے حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے کہ ایک رات میں کسی ریگستان میں سفر کررہا تھا نیند کا غلبہ ہوا تو اپنی اونٹنی سے اترا اور اپنی قوم کی عادت کے مطابق سوتے وقت یہ الفاظ کہہ لیے ((اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعوذ بعظیم ھذا الوادی من الجنّ)) اے اللہ! میں اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ لیتا ہوں بیان کرتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ہتھیار لیے میری ناقہ کے سینہ پر رکھنا چاہتا ہے گھبرا کر اٹھا دائیں بائیں دیکھنے پر کچھ بھی نظر نہ آیا سوچا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے سو گیا تو پھر اسی طرح دیکھ رہا ہوں اٹھ کر دیکھتا ہوں تو کوئی چیز نظر نہیں آتی اور ناقہ کو دیکھا کہ وہ کانپ رہی ہے پھر سو گیا تو اسی طرح پھر دیکھتا ہوں اور اُونٹنی کو اب دیکھا کہ تڑپ رہی ہے اور پھر دیکھا کہ وہی نوجوان جس کو خواب میں دیکھا تھا ہاتھ میں نیزہ لیے ناقہ پر حملہ کررہا ہے اور ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ اس کا ہاتھ پکڑے اسے روک رہا ہے اسی حالت میں تین گورخر سامنے سے آئے اور بوڑھے شخص نے کہا ان میں سے کوئی ایک لے لے اور اس شخص کی ناقہ چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ نوجوان ایک گورخر لے کر روانہ ہوگیا پھر بوڑھے شخص نے میری طرف دیکھا اور مجھ کو اس بات سے منع کیا کہ میں کسی جنگل میں ٹھہروں تو یوں کہوں کہ اس وادی کے جنات کے سردار کی پناہ حاصل کروں بلکہ تجھے چاہیے کہ یہ کہا کرے ((اعوذ باللہ رب محمد من ہول ھذا الوادی)) بیان کرتے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہیں اس نے بتایا یہ نبی عربی ہیں پیر کے روز مبعوث ہوئے پوچھا کہ کہاں رہتے ہیں جواب دیا یثرب میں جو کھجوروں کی بستی ہے صبح ہوتے ہی میں مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا اس سے قبل کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مجھ سے یہ قصہ دریافت فرمایا اور اس کے بارہ میں بتایا مجھے اسلام کی دعوت دی اور الحمد للہ میں مشرف باسلام ہوگیا اسی قسم کی بات عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آئی جس پر وہ مشرف باسلام ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جاہلیت کے زمانہ میں اپنے بتوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے آکر بت پر ایک گائے ذبح کی تو اس بت کے پیٹ میں سے آواز سنائی دی جو بہت سے لوگوں نے سنی ((یاجلیحُ امر نجیح رجل یصیح یقولُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ))۔ یعنی اے مرد قوی ایک بات بڑی ہی کامیابی کی ظاہر ہوئی ہے وہ یہ کہ ایک شخص باآواز بلند کہہ رہا ہے لا الٰہ الا اللہ۔ بیان کرتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے میں اسی جگہ بیٹھا رہا کہ معلوم کروں یہ آواز کیا ہے دوبارہ پھر یہی آواز بلند ہوئی پھر میں نے توقف =

انسانوں نے ان جنوں کو اور زیادہ سرکش بنا دیا اور یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی اور بے وقوفی کی کہ انہوں نے ایسا ہی ایک گمان کیا جیسا کہ تم خیال کرتے ہو کہ ہرگز دوبارہ کسی کو نہیں اٹھائے گا اور نہ کوئی قیامت ہوگی اور نہ ہی حشر ونشر ہوگا یا یہ کہ اللہ کسی کو مبعوث اور رسول بنا کر نہیں اٹھائے گا بس جو رسول پہلے آچکے وہ آ گئے لیکن اے لوگو! تم سن لو یہ سب کچھ غلط ہے اب اللہ نے ایک عظیم رسول بھیج دیا ہے اور اس رسول نے یہ بتا دیا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنا ہے اور ہم نے تو آسمان کو ہر طرف سے ٹٹول کر دیکھ لیا ہے تو ہم نے آسمان کو پایا ہے کہ وہ بھر دیا گیا ہے بڑے سخت پہروں اور برسنے والے انگاروں سے کہ جو بھی جن اب آسمان کا رخ کرتا ہے ایک شہاب ثاقب اس پر ٹوٹ پڑتا ہے اور اس کو جلا کر خاک کر ڈالتا ہے اس صورت حال کے باعث کسی شیطان یا جن کو اب قدرت نہیں کہ غیب کی خبریں اور آسمان کی باتیں سن سکے یا معلوم کر لے اور بے شک ہم تو پہلے جایا کرتے تھے آسمان کے ٹھکانوں پر باتوں کے سننے اور کان لگانے کے لیے اور اس طرح کچھ نہ کچھ باتیں سن لیتے تھے لیکن اب تو جو بھی کان لگانا چاہے تو پاتا ہے ایک انگارہ جو اس کی تاک میں لگا رہتا ہے اور جوں ہی وہ آسمان کا رخ کرتا ہے یا اس طرف کان لگاتا ہے شہاب ثاقب اس پر لپک کر ٹوٹتا ہے اور جلا کر خاک کر ڈالتا ہے یہ جدید انتظامات اور ناکہ بندیاں معلوم نہیں کہ کس لیے کی گئی ہیں اور ان کا انجام ہمارے حق میں کیا ہونے والا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر بسنے والوں کے لیے کیا کوئی برا ارادہ کیا گیا ہے یا یہ کہ ان کے رب نے ان کے بارہ میں رشد وہدایت اور سیدھے راستہ پر لانے کا ارادہ کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں اور اس سے کم درجہ کے ہیں ہم تھے متفرق طریقوں پر بٹے ہوئے اگرچہ یہ بات نزول قرآن سے قبل تھی لیکن اب بھی اس بات کی توقع نہیں ہے کہ سب ایک ہی راستہ حق وہدایت کا قبول کر کے اسی کو اختیار کر لیں اب بھی خیال یہی ہے کہ لامحالہ اختلاف رہے گا اور بہت سے وہ ہوں گے جو اللہ کی ہدایت اور حق کا راستہ نہیں اختیار کریں گے خدا پر ایمان لانے کے بجائے اس کی نافرمانی کریں گے اور اس صورت حال میں کہ خدا کا راستہ اور حق ظاہر ہوگیا ہے اس پروردگار کی قدرت وخالقیت ہر طرح سے ثابت ہو چکی ہے ہم نے یہ بات سمجھ لی ہے کہ ہم اللہ کو اس کی زمین میں رہتے ہوئے عاجز و بے بس نہیں کر سکتے اور نہ اس کو مغلوب کر سکتے ہیں اس سے بھاگ کر کیونکہ نہ تو ہم اس کی سلطنت سے نکل سکتے ہیں اور نہ اس کے علم اور قدرت سے باہر نکل سکتے ہیں تو جب کوئی مجرم اپنے آقا سے نہ چھپ سکتا ہے نہ اس کی حدود سلطنت اور قدرت سے باہر ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے رب اور آقا کو نہ مغلوب کر سکتا ہے اور نہ اس کی گرفت سے نکل اور بچ سکتا ہے نہ زمین میں چھپ سکتے ہیں اور نہ ہوا میں اڑ کر راہ فرار اختیار کر سکتے ہیں اور جب کہ ہم نے ہدایت کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ایک لمحہ بھی ہم نے دیر نہیں کی اور بلاشبہ یہ بات ہماری سعادت اور فخر کی ہے بس ہم تو سمجھ چکے ہیں کہ جو بھی شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کو کوئی ڈر نہ ہوگا نقصان کا اپنے رب کی طرف سے اور نہ کسی

= کیا حتیٰ کہ تیسری مرتبہ بھی یہ آواز بلند ہوئی میں انتہائی حیران ہوا اسی حال میں تھا کہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک پیغمبر ﷺ ظاہر ہوئے ہیں جو لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔

اسی طرح بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے سواد بن اقارب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بیان کیا کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا دوست تھا مجھے آ کر کچھ آنے والی باتیں بتایا کرتا تھا میں لوگوں کو بتاتا اور اس کے ذریعے خوب حلوا مانڈا حاصل کرتا ایک رات اس نے میرے خواب میں آ کر کہا اٹھ اور ہوشیار ہو جا اگر کچھ شعور ہے ایک پیغمبر ﷺ لوئی بن غالب کی نسل سے پیدا ہو گئے ہیں اور پھر کچھ اشعار پڑھے جن کا حاصل یہ تھا کہ اب جنوں میں بڑا ہی اضطراب برپا ہو چکا ہے اور انہوں نے اپنے اپنے اڈوں سے واپس ہونے کے لیے اپنے اونٹوں پر کجاوے کسنے شروع کر دیے ہیں۔

قسم کی زیادتی کا بلکہ پورے اطمینان وسکون سے اپنی زندگی گزارے گا نہ اس کو آخرت کے نقصان کا کوئی ڈر ہوگا اور نہ اس بات کا کہ اس کو وہاں کوئی تکلیف ہوگی یا اس پر کسی طرح کی ظلم وزیادتی ہو سکے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم میں سے کچھ فرمانبردار ہیں اور کچھ ہم میں سے ظالم وجابر اور نافرمان ہیں تو جو بھی اللہ کے مطیع وفرمانبردار ہوں بس وہی ایسے ہیں کہ جنہوں نے نیکی کا راستہ سوچ سمجھ کر طے کر لیا ہے تو بے شک ایسے لوگ کامیاب ہیں لیکن جو لوگ ظالم اور ناانصاف ہیں پس وہ تو جہنم کا ایندھن ہو چکے کیونکہ احکام خداوندی ٹھکرا دینا اس کی فرمانبرداری سے انحراف کرنا ظلم وسرکشی کا راستہ اختیار کر لینے کا یہی انجام ہو سکتا ہے اور ہمارے پیغمبر ﷺ [1] یہ بھی کہہ دیجیے کہ میری طرف اللہ کی یہ وحی بھی آئی ہے کہ اگر لوگ سیدھے راستے پر رہتے تو ہم ان کو پانی بھر بھر کر خوب پلاتے اور ایمان واطاعت کی بدولت ان کو ظاہری وباطنی برکات سے سیراب کر دیتے اور یہ بھی اس لیے ہوتا کہ ہم ان کو آزمائیں کہ وہ اللہ کے اس انعام کو دیکھ کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں یا مال ودولت کی فراوانی سے سرکشی اور طغیانی پر قائم رہتے ہیں۔

چنانچہ اہل مکہ اس زمانہ میں اپنے اعمال کی نحوست کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا تھے اور طرح طرح کی پریشانیوں اور مصائب کا شکار بنے ہوئے تھے کاش اگر یہ لوگ جنوں کی طرح قرآن کو سن کر اس پر ایمان لے آتے تو یقیناً ان پر رزق اور برکت کے دروازے کھول دیئے جاتے۔

اور اس حقیقت سے کسی کو بھی غافل نہ ہونا چاہیے کہ جو بھی اپنے رب کی یاد سے بے رخی اختیار کرے گا ہم اس کو ڈال دیں گے دشوار گزار چڑھتے ہوئے عذاب میں ایسے شخص کو ہرگز کبھی سکون وچین نصیب نہ ہو سکے گا بلکہ وہ عذاب وپریشانی جس میں وہ مبتلا ہوا اور زائد بڑھتی اور چڑھتی ہی چلی جائے گی اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں [2] یہ عبادتِ خداوندی کی جگہیں صرف اللہ کی عبادت و بندگی کے واسطے بنائی جاتی ہیں ان سے بس اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہیے اور اس عبادت کو ہر قسم کے شرک اور شرک کے شائبہ سے بچانا چاہیے ایسا نہ ہو کہ مشرکین کی طرح خدا کو پکارنے کے ساتھ غیر اللہ اور بتوں کو بھی پکارا جائے لہٰذا اے لوگو! خدا کے ساتھ کسی کو بھی مت پکارو! بس یہی کہو یا اللہ یا رحمٰن نہ کہ مشرکین مکہ کی طرح کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی پکاریں اور یہ دعویٰ کریں ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی ؕ﴾ (الزمر: ۳) اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اپنے اللہ کو پکارتے ہوئے تو قریب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس پر ہجوم کر آئیں اور ازدحام کر لیں ہر طرف سے غول کے غول آکر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ جب بھی آپؐ قرآن کریم کی تلاوت کرتے مؤمنین تو شوق ورغبت میں آپؐ کا ہجوم کر لیتے اور کفار ومشرکین تمسخر ومذاق کے لیے یا یہ کہ جب آپ ﷺ

---

[1] ان الفاظ کے اضافہ سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس سے قبل تک تو جنات میں ان اہل ایمان کا قول اور ان کے پاکیزہ خیالات اور توحید خداوندی کے رنگ میں رچے ہوئے افکار کا ذکر تھا جو بذریعہ وحی ان جنوں کے نقل کیے گئے جو رسول اللہ ﷺ سے قرآن سن کر اس کی حقانیت کے گرویدہ اور اس پر فریفتہ ہوئے اب اس کے بعد اللہ کا فرمان ہے اور ﴿قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ﴾ کے ماتحت اسی پر عطف ہے یعنی ایک تو آپ ﷺ یہ بات اہل مکہ کو بتا دیجیے کہ مجھ پر اس واقعہ اور جنوں کے اس قصہ کی وحی کی گئی ہے اور دوسری بات کی مجھے وحی یہ کی گئی کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستہ پر چلتے' ایمان وہدایت اختیار کر لیتے تو ان پر ہر طرح کی فراخی اور سیرابی واقع کر دیتے۔ ۱۲

[2] حضرت الاستاذ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے مساجد سے وہ اعضاء مراد لیے ہیں جو سجدہ میں زمین پر ٹیکے جاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اعضاء خدا کے بنائے ہوئے ہیں اور اسی کے عطا کردہ ہیں یہ بات قابل برداشت نہیں کہ ان کو خالق کے سوا کسی اور کے سامنے جھکایا جائے ۱۲۔

جنوں کے واسطے تلاوت فرمائیں جن غول کے غول آپ ﷺ کے قریب آ کر جمع ہو جاتے ہیں۔

وجود جن کے بارہ میں فلاسفہ کا خیال

اکثر فلاسفہ جنات کے وجود کا انکار کرتے رہے ان کا قول یہ ہے کہ کائنات و موجودات کا دائرہ محسوسات تک ہی محدود ہے جو چیزیں انسانی ادراکات سے خارج ہیں وہ ان کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ چیزیں محض وہمی تخیلات ہیں۔

موجودہ زمانہ کا یورپ بھی اسی فلسفہ کا قائل ہے اور یورپ کے اس فلسفہ سے بہت سے مسلمان بھی متاثر ہو کر ایسی آیات و روایات کی تاویل یا انکار کرنے لگتے ہیں جو دائرۂ محسوسات سے ماوراء اور بالا ہیں۔

طبیعین کا ایک گروہ جو خدا کا بھی قائل نہیں وہ تمام کائنات اور اس میں واقع ہونے والے جملہ احوال کو کواکب و سیارات کی تاثیر و حرکت کا نتیجہ قرار دیتا ہے آریہ سماج اسی قسم کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن قدیم فلاسفہ و حکماء اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ غیر محسوسات کا بھی وجود ہے اور عالم کی بہت سی اشیاء ایسی ہیں جو حواس کے ذریعہ محسوس و معلوم نہیں ہوتیں اسی بناء پر قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ وجود جن کا قائل تھا اسی طرح مذاہب سماویہ سے تعلق رکھنے والے تمام حکماء بھی روحانیت کے قائل رہے ارواح سفلیہ اور ارواح کی تقسیم ان کی کتابوں اور اقوال سے مفہوم ہوتی ہے عیسائی یہودی بھی جنات کے وجود کے قائل رہے ہر ایک کی زبان میں اس مخلوق جن کا کوئی نہ کوئی نام اور عنوان ملتا ہے موجودہ انجیلوں میں اس قسم کے مضامین ملتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام جنوں کو مریض سے نکالا کرتے تھے۔

جو حکماء اور فلاسفہ جن کے وجود کے قائل ہیں ان کے دو نظریئے ہیں ایک نظریہ کا حاصل تو یہ ہے کہ جن اور ملائکہ نہ اجسام ہیں اور نہ اجسام میں حلول کیے ہوئے ہیں بلکہ جواہر ہیں اور موجود بالذات ہیں پھر ان کے مختلف انواع و اقسام ہیں بعض نیک شریف اور پسندیدہ اخلاق سے متصف ہیں اور بعض جن ان اوصاف سے محروم اس کے برعکس رذیل اور دنیٔ الطبع بد اخلاق ہیں جیسے انسانوں میں نیک و بد اور شریف و رذیل کی تقسیم ہے اسی طرح جنوں میں بھی ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ جن اجسام ہیں مگر اجسام لطیفہ لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے وہ مختلف شکلوں میں متشکل اور ظاہر ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس وجہ سے جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں اور ان کی بھی انسانوں کی طرح خیر و شر کی طرف تقسیم ہے اور بعض اوقات وہ انسانوں کی مجالس میں آتے بھی ہیں۔

جنات اپنی جسمانی لطافت کے باعث فرشتوں کی طرح آسمانوں کی طرف چڑھتے تھے جس کو آنحضرت ﷺ کی بعثت پر ختم کر دیا گیا گویا جن کا وجود حیوان و ملائکہ کے درمیان ایک برزخی مقام رکھتا ہے اسی لیے ان میں دونوں قسم کے احوال پائے جاتے ہیں اشکال مختلفہ میں تشکل فہم و فراست شعور حسن و قبح ملائکہ کا وصف ہے جو ان میں پایا جاتا ہے اور مثلاً کھانا پینا حیات اور غصہ و نرمی نیز توالد و تناسل وغیرہ جو حیوانی اوصاف ہیں اور انسان میں پائے جاتے ہیں اور جسم کے خواص میں سے ہیں تو اس نسبت سے یہ اوصاف بشریہ اور احوال حیوانیہ بھی جنات میں ان کے از قبیل اجسام ہونے کے پائے جاتے ہیں اس لحاظ سے حیوان و انسان اور فرشتوں کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہوتی ہے انسانوں کی طرح ان میں بھی حصول اقتدار کی طلب پائی جاتی ہے تو مخلوق جن کا آسمانوں سے غیب کی خبریں لا کر

کاہنوں کو پہنچانا یا بتوں کے منہ سے مختلف قسم کی آوازیں سنانا اسی طرح درختوں سے صدائیں دینا جیسا کہ بعض اوقات لوگوں کو سنائی دیتا ہے تو یہ سب کچھ اسی لیے ہوتا ہے کہ انسان جنوں کی عظمت کے سامنے اپنا سر جھکالیں اور ظاہر ہے کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ ہے لیکن جس طرح انسان اپنی تدابیر سے لوگوں پر ایسا اثر قائم کر دیتے ہیں کہ وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں نفع ونقصان ان کے قبضہ میں ہے اسی طرح بعض جنات بھی اسی طرح کی باتیں کر کے انسانوں کو اپنا مسخر اور تابع کرنا چاہتے ہیں۔

الغرض قرآن کریم اور احادیث سے جنات کا وجود ثابت ہے اور ان کے احوال بیان فرمائے گئے منجملہ ان کے احوال کے یہ بھی ایک قصہ ہے جس کا سورۂ جن میں ذکر فرمایا گیا۔ تفصیل کے لیے تفسیر روح المعانی قرطبی اور تفسیر مظہری اور تفسیر کبیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی مراجعت فرمائی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں جنات کا قرآن کریم سننا اور اس پر ایمان لانا

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ میں آلام ومصائب اور کفار مکہ کی مخالفت ودشمنی کی ایک طویل مدت گزرنے کے بعد طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ کیا اسی کے ساتھ یہ بات بھی واقع ہوئی تھی کہ ابو طالب کا انتقال ہو چکنے کے باعث اہل مکہ آپ ﷺ کی دشمنی پر اور زائد آمادہ ہو گئے تھے اور آنحضرت ﷺ ابو طالب کے انتقال پر طبعاً افسردہ اور ملول تھے تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ ثقیف کے لوگ شریف الطبع ہوتے ہیں تو بظاہر امید ہے کہ وہ میری بات سنیں گے اور اُمید ہے کہ ایمان لے آئیں ثقیف کے تین بھائی عبد یالیل حبیب اور مسعود جو طائف کے سردار تھے آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے نہایت ہی بے ہودگی کا برتاؤ کیا حتیٰ کہ قبیلہ کے آوارہ اور شریر لوگوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جو شور مچانے اور گالیاں دینے لگے آنحضرت ﷺ نے ان سے بچنے کے لیے ایک باغ میں پناہ لی جو عتبہ اور ربیعہ کا تھا جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں ہے آپ ﷺ نے اس حالت میں پروردگار عالم سے اپنی مظلومیت اور بے سروسامانی کا شکوہ کرتے ہوئے فرمایا:

اللّٰهم انی اشکو الیك ضعف قوتی وقلة حیلتی وهَوَانی علی الناس وانت ارحم الراحمین وانت رب المستضعفین .... الخ

"اے اللہ! میں آپ کی بارگاہ میں اپنی ضعف قوت اور وسائل واسباب کی کمی کا شکوہ کرتا ہوں اور لوگوں کی نظروں میں اپنی خفت کا اے پروردگار آپ ہی ارحم الراحمین ہیں اور آپ ہی کمزوروں کے پالنے والے ہیں۔"

ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کو یہ حال دیکھ کر ترس آیا اور اپنے ایک نصرانی غلام عداس کو انگور کا ایک خوشہ پیش کرنے کو کہا جس پر اس غلام نے ایک طبق میں انگوروں کا ایک خوشہ لے جا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر جب تناول فرمانا شروع کیا تو اس نے حیرت سے دریافت کیا واللہ یہ تو عجیب کلام ہے اور یہاں کے لوگ یہ کلام نہیں پڑھتے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کون ہو کہاں کے ہو اور تمہارا کیا مذہب ہے؟ عداس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جہاں کے رہنے والے اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام بن متی تھے۔ عداس یہ سن کر کہنے لگا آپ ﷺ کو یونس علیہ السلام بن متی کی کیا خبر؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی ہیں اور اللہ کے رسول ہیں اس لحاظ سے میرے بھائی ہوئے۔ اس پر

عداس آپ ﷺ کے قدموں پر گر پڑا۔ آپ کے سر مبارک اور ہاتھ پاؤں کو چوما اس کے بعد آنحضرت ﷺ طائف سے مکہ کی طرف لوٹے واپسی میں جب کہ آپ ﷺ مقام نخلہ پر پہنچے اور آخر شب میں تہجد پڑھنے لگے تو یمن کے مقام نصیبین کے جنوں کا یہ قافلہ اس طرف سے گزر رہا تھا تلاوت کلام اللہ کی آواز سنتے ہی یہ سب رک گئے قرآن کریم سنا اس کی حقانیت کو سمجھا اور اس پر ایمان لائے اور اپنی قوم کی طرف واعظ و ناصح بن کر لوٹے۔ [1] احادیث سے ثابت ہے کہ اس کے بعد جنات کے وفود آپ ﷺ کے پاس آتے رہے اور خود آپ ﷺ بھی جنات کو تبلیغ کے لیے ان کی طرف تشریف لے گئے جس کی تفصیل بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لیلۃ الجن کے قصہ میں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ⑳ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ
تو کہہ میں تو یہی پکارتا ہوں اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کا کسی کو تو کہہ میرے ہاتھ نہیں
لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ㉑ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۵
تمہارا برا اور نہ راہ پر لانا تو کہہ مجھ کو نہ بچاوے گا اللہ کے ہاتھ سے کوئی
وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ㉒ ۙ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ
اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں سرک رہنے کو جگہ مگر پہنچانا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغام دینے
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ㉓
اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا سو اس کے لیے آگ ہے دوزخ کی رہا کریں اس میں ہمیشہ
حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ
یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو ان سے وعدہ ہوا تب جان لیں گے کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں
عَدَدًا ㉔ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ
تھوڑے تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے جس چیز کا تم سے وعدہ ہے یا کردے اس کو میرا رب
اَمَدًا ㉕ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ㉖ ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى
ایک مدت کی حد جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا

---

[1] تفسیر مظہری

مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾										
کوئی	رسول	تو	وہ	چلاتا	ہے	اس	کے	آگے	اور	پیچھے چوکیدار
لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى										
کہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے اور گن لی ہے										
كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾										
ہر چیز کی گنتی۔										

ع ۲ / ۱۲

حکم اعلان توحید واعلان برأت از شرک وفیصلہ برائے عذاب مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ... الٰى... كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾

ربط: سورۂ جن کا مضمون شروع سے معرفت توحید خداوندی اور کلام الٰہی پر ایمان ویقین سے متعلق تھا اسی کے ضمن میں کلام الٰہی اور ایمان ومعرفت سے متاثر ہونے والے جنات کا اپنی قوم کو اللہ رب العزت کی عبادت وبندگی کی طرف دعوت دینے اور فکر آخرت کی ترغیب اور اس کے ثابت کرنے کے لیے دلائل وشواہد پر مشتمل تھا اس کے بعد اب ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ آپ ﷺ تمام عالم کے سامنے یہ اعلان کر دیں کہ میں تو صرف اپنے رب ہی کی عبادت کروں گا اس کی عبادت والوہیت میں میں کسی کو شریک نہیں کرتا کیونکہ شرک ونافرمانی ایک بدترین جرم ہے اور اس جرم کا مرتکب اپنے رب کے عذاب سے کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا تو ارشاد فرمایا۔

کہہ دیجیے اے ہمارے پیغمبر ﷺ میں تو پکارتا ہوں بس اپنے رب ہی کو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں نہ اس کے حقوق میں اور نہ اس کے افعال میں غرض کسی چیز میں بھی کسی کو اس کا شریک نہیں کرتا کہہ دیجیے بے شک میں مالک نہیں ہوں تمہیں نقصان پہنچانے کا اور نہ ہی مالک ہوں اور اختیار رکھتا ہوں راہِ راست پر لانے کا یہ سب کچھ اسی پروردگار وحدہٗ لاشرک لہٗ کے قبضہ اور اختیار میں ہے جس کا یہ ثمرہ بھی ہے کہ اگر میں فرائض رسالت انجام دینے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی کروں اور اس پر میرا خدا گرفت فرمانے لگے تو مجھے کوئی اس کی گرفت سے نہیں بچا سکتا اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی کروں بس میرے اختیار میں تو یہی چیز ہے کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں اس لیے کہہ دیجیے کوئی بھی مجھے اللہ سے نہیں بچائے گا اور ہرگز میں نہیں پا سکتا ہوں اس کے سوا کوئی ہٹنے کی جگہ کہ ایک جگہ سے کسی دوسری ہی جگہ منتقل ہو جاؤں بس اس کے سوا میرا کوئی اختیار نہیں کہ یہ پیغام پہنچا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے یہ احکام ہیں جن کو میں بیان کرتا ہوں اور جن کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں میں اپنی ذمہ داری تو پوری کر چکا اب یہ خوب جان لو کہ جو بھی اللہ اور

اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اس کے واسطے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور اس عذاب سے ان کو کبھی بھی نجات نہ ملے گی یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس وقت وہ جانیں گے کہ کون کمزور ہے اپنے مددگار کے لحاظ سے اور گنتی میں کون کم ہے؟ تو اس وقت ہر ایک کو اپنی قوت و معاونین اور تعداد کا پتہ چل جائے گا اور دنیا میں وہ دعویٰ کرنے والے مغرور و متکبر جو کہا کرتے تھے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو ہماری بڑی طاقت ہوگی اور بڑے مددگار ہوں گے تو وہ سب اپنے آپ کو کمزور اور بے یار و مددگار دیکھتے ہوں گے۔

کہہ دیجیے جب یہ لوگ بڑے ہی غرور و سرکشی کے انداز میں پوچھیں کہ اچھا وہ عذاب کب آئے گا جس کی آپ ﷺ ہمیں دھمکی دے رہے ہیں میں نہیں جانتا کہ قریب ہے وہ عذاب جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے یا میرا پروردگار اس کے واسطے آئندہ کوئی مدت مقرر کرے گا اور جب تک وہ مدت نہیں گزرے گی عذاب نہیں آئے گا رہا یہ امر کہ وہ کتنی مدت ہے اور کون سا وقت ہے؟ سو یہ سب باتیں غیب سے تعلق رکھنے والی ہیں غیب کا جاننے والا تو صرف وہی پروردگار ہے وہ اپنے غیب اور بھید کی کسی کو خبر نہیں دیتا اور اس پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا بجز اس کے کہ جس کو وہ پسند کر لے کسی رسول اور قاصد سے تو جس رسول کو یا فرشتوں میں سے سی فرشتہ کو پسند کرے گا اسی کو وہ اپنا راز اور بھید بتا دے گا یا اسی کے ذریعے وہ اپنا راز اور بھید بطور وحی اپنی پیغمبر پر نازل فرما دے گا اور جب بھی وہ کوئی وحی اور ملکوت سماوات کی کوئی بات اپنے رسول پر نازل کرتا ہے تو اس کی اس قدر حفاظت ہوتی ہے اور پہرے لگا دیئے جاتے ہیں کہ اس میں کسی کو قطعاً کسی آمیزش کی گنجائش نہیں رہتی اور کسی جن وانس کو قدرت نہیں رہتی کہ اس کے قریب بھی پر مار سکے تو اس کی یہ شان ہوتی ہے چلاتا ہے اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی ایک زبردست پہرہ تاکہ وحی الٰہی ہر طرح محفوظ رہے اور پھر پیغمبر خدا جب اس وحی الٰہی کو بیان کرے تو اس میں شک وشبہ کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ تاکہ وہ جان لے اور دیکھ لے۔

ان رسولوں یعنی خدا کے قاصدوں یا پیغمبروں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور پیغامات خداوندی میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی اور کمی وزیادتی نہیں ہوئی اور ہر چیز اسی کی نگرانی میں ہے کسی کی طاقت نہیں وہ ان چوکیوں اور پہروں کو توڑ سکے۔

اور اللہ ہی نے احاطہ کر رکھا ہے ان تمام چیزوں کا جو ان کے پاس ہے اور شمار کر لیا ہے ہر ایک چیز کو گنتی کر کے اس طرح کہ کوئی علم اور کوئی چیز اللہ رب العزت کے احاطہ علمی سے باہر نہیں ہے بس وہی عالم الغیب ہے اور غیب کے خزانے بس اسی کے پاس ہیں جیسے ارشاد فرمادیا ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ کہ خدا ہی کے پاس غیب کے خزانے ہیں اور کنجیاں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

الغرض غیب جاننے والا صرف اللہ ہے اور عالم غیب کی جب کوئی چیز اپنی کسی پیغمبر کو بتاتا ہے اور اس کی وحی کسی فرشتہ کے ذریعے سے بھیجتا ہے تو اس کی حفاظت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ پہرہ اور چوکیاں قائم ہوتی ہیں اور حفاظتی دستے اس وحی الٰہی اور پیغام خداوندی کے ساتھ پوری پوری حفاظت کرتے ہوئے ہوتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی تاکہ جس پیغمبر کو اطلاع دی جارہی ہو بس وہ اسی تک پہنچے۔

———*———

تمام اُمت کا اجماعی فیصلہ کہ عالم الغیب صرف اللہ رب العزت ہی ہے

توحیدِ خداوندی ایمان کی اساس ہے اور توحید جس طرح ذات کے لحاظ سے ہے اسی طرح توحید صفات بھی ائمہ متکلمین نے جہاں شرک کی اقسام کی تحقیق وتفصیل فرمائی ہے اس میں شرک ذات کے علاوہ شرک فی الصفات شرک فی الافعال اور شرک فی الحقوق کو بھی صریح شرک قرار دیا ہے اور واضح طور پر بیان کردیا کہ جس طرح کوئی شخص ذاتِ خداوندی کے ساتھ کسی اور کو شریک مان کر خدا کے ساتھ کسی اور معبود کا قائل ہو تو وہ مشرک ہے اور خارج عن الملۃ ہے اسی طرح اللہ رب العزت کی صفات اس کے افعال اور حقوق میں بھی غیر کو شریک ماننے سے شرک کا مرتکب سمجھا جائے گا مثلاً رازقیت' خالقیت صفاتِ خداوندی میں سے اس کی صفات ہیں تو اگر غیر اللہ کو رازق وخالق سمجھا تو مشرک ہوگا اسی طرح عالم غیب ہونا بھی اللہ رب العزت کی صفت ہے تو اس صفت کو بھی غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا شرک ہوگا۔

قرآن کریم کی متعدد آیات واضح طور پر اس امر کو بیان کر رہی ہیں کہ ﴿لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ سورۂ انعام کی تفسیر میں بھی تفصیل کے ساتھ یہ بات واضح کردی گئی کہ علم غیب خدا کی صفت ہے اور خدا تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں یکتا ہے وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کما ھو باسمائہ وصفاتہ کا یہی مفہوم ہے۔

بالخصوص اس آیت میں اس امر کو نہایت ہی وضاحت سے ظاہر کردیا گیا ہے کہ خدا کے پیغمبر نے جن احوال کی خبر دی اور بظاہر ان سے یہ گمان کیا گیا کہ یہ غیب کی خبر ہے حقیقت میں وہ غیب کا علم نہیں ہے بلکہ وہ خدا کی طرف سے پیغمبر کو مطلع کیا گیا ہے اور اس پر یہ ظاہر کیا گیا اسی چیز کو ان کلمات میں بیان فرمایا جارہا ہے ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى﴾ یعنی یہ اظہار واخبار ہر ایک کو نہیں ہوتا بلکہ جس کو اللہ پسند کرے اس پر ہوتا ہے خواہ اس نوعیت سے کہ وہ فرشتہ ہے اور اس کے ذریعے یہ وحی اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول پر اتارنی ہے یا وہ رسول ہی ہے جس کو بتایا جائے گا تو اس کو کسی طرح بھی غیب کا علم نہیں کہا جاسکتا یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے ہم نے ان باتوں کو پیغمبر خدا کے ذریعہ سے معلوم کرلیا کہ آخرت میں یہ ہوگا اس طرح جنت ہے اس طرح جہنم ہے اس طرح قیامت آئے گی دجال ظاہر ہوگا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے تو یہ امور پیغمبر خدا کے بتانے کی وجہ سے ہم جانتے ہیں اور ان چیزوں کو جان کر ہم علم غیب رکھنے والے نہیں ہوگئے تو اسی طرح ان باتوں کو انبیاء علیہم السلام اللہ رب العزت کے بتانے اور ظاہر کرنے سے جانتے تھے تو یا ایسی ہی جو چیزیں بھی غیب کی اللہ کے پیغمبر نے وحی الٰہی سے معلوم کرکے بتائیں تو وہ علم غیب نہیں بلکہ خدا نے اپنے پیغمبر پر ان کا اظہار کیا ان باتوں کی خبر دی ہے تو علم غیب تو اللہ ہی کو ہے اور اس میں سے جو چاہا اپنے پیغمبر کو بتادیا یہ اظہار غیب اور اخبار غیب ہوا الغرض اس آیت کو دور کا بھی کوئی واسطہ پیغمبر خدا ﷺ کے لیے غیب کا علم ہونے سے نہیں ہے۔

پھر یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اگر بالفرض ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ کا استثناء اس امر پر دلالت کرتا ہے اور معنی یہ ہیں کہ عالم الغیب اللہ ہے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا مگر جس رسول کو اللہ چاہے وہ عالم الغیب ہوجاتا ہے تو پھر اس فرمانے کا مطلب کیا ہوگا ﴿قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ﴾ کہہ دیجیے میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا ابھی اس کی مدت باقی ہے تو ایسے مفروضہ رکھنے والے سے (یعنی جو یہ دعویٰ کرنے والے سے ﴿اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى﴾ کے استثناء سے وہ رسول مراد ہے جو علم غیب رکھتا ہوگا)

پوچھا جائے گا کہ جب وہ رسول مستثنیٰ بھی اس استثناء کے باعث صاحب علم غیب ہوگیا اور اس وجہ سے اس کو مَا کان و ما یکون کا علم حاصل ہوگیا تو پھر اس کا یہ اعلان کیونکر درست ہوا کہ میں نہیں جانتا الخ جس پیغمبر کو اس اعلان کا مامور فرمایا جارہا ہو کہ وہ یہ کہہ دے میں نہیں جانتا۔

اسی کو ان الفاظ کی نا قابل تصور اور بعید از قیاس تاویلات کرکے عالم الغیب ثابت کرنا مضحکہ خیز بات ہے پھر جب کہ قرآن و حدیث کی سینکڑوں نصوص اور واقعات بڑی صراحت سے یہ ثابت کررہے ہوں کہ خدا کے پیغمبر غیب کا علم رکھنے والے نہیں ہوتے بلکہ جس چیز کی ان کو وحی کردی گئی وہ انہوں نے بتائی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کو علم غیب نہیں کہا جاتا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے واسطے غیب کا علم مانا جائے۔

علم غیب کا مفہوم اور اس کی تفصیلات سورۂ انعام میں گزر چکیں حضرات قارئین مراجعت فرمائیں اور یہ تفصیل بھی گزر چکی کہ علم غیب کمالات الوہیت میں سے ہے نہ کہ کمالات نبوت سے اس لیے پیغمبر سے علم غیب کی نفی پیغمبر کی کوئی تنقیص نہیں بلکہ علم غیب ثابت کرنے سے بہت سے کمالات عبدیت و بندگی ختم ہوجاتے ہیں اور یہ کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ کا وہ پیغمبر جس کی سب سے بڑی عظمت و بلندی یعنی واقعۂ معراج کو بیان کرتے ہوئے عبدیت بیان کی گئی جیسے ارشاد ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾ وہ عبدیت ہی کے کمالات سے محروم ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

تم بحمد الله تفسیر سورة الجن والحمد لله علیٰ ذالِكَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۂ مزمل

اس سورۂ مبارکہ میں خاص طور سے نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا وہ عظیم پہلو بیان کیا جارہا ہے جس کو قرآن کریم کی اصطلاح میں انابت الی اللہ تبتل اور انقطاع عن الخلق کی تعبیر سے ادا کیا جاسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی طاعت و بندگی میں انسان کا ہر راحت و آرام اور طبعی تقاضوں کو قربان کردینا اس کی یاد میں راتوں کو جاگنا تلاوت کلام اللہ کی لذت میں ایسا لطف اندوز ہونا کہ ہر جسمانی راحت سے بے نیاز ہوجائے یقیناً تعلق مع اللہ کا بلند ترین مقام ہے۔

اسی وجہ سے سورۃ کی ابتداء ہی ایک ایسی لطیف اور لذیذ نداء الٰہی پر مشتمل ہے جو اللہ رب العزت کی رحمت و مہربانی اور لطف و کرم اور محبت و عنایت کی پوری پوری ترجمانی کررہی ہے اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ مزمل متعین فرمایا گیا جس کے ضمن میں قیام اللیل کی عظمت اور تاثیر و برکت بھی بیان فرمادی گئی ساتھ ہی وحئ الٰہی کی عظمت کا بھی بیان ہے اور یہ کہ اگر مشرکین مکہ اللہ کی وحی پر ایمان نہیں لائے تو آپ ﷺ اس کا غم نہ کریں ان کی طرف سے جو رنج یا تکلیف پہنچے اس پر آپ ﷺ صبر کریں ایسے منکرین و مکذبین کو خدا کی قدرت بتادے گی کہ کامیابی اور غلبہ کن کو حاصل ہوتا ہے اور مجرمین عذابِ خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔

آیاتہا ۲۰ (۷۳) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ (۳) رکوعاتہا ۲

سورۂ مزمل مکی ہے اور اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ

اے جھرمٹ مارنے والے! کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدھی رات یا اس سے

قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ

کم کر تھوڑا سا یا زیادہ کر اس پر اور کھول کھول پڑھ قرآن کو صاف ہم آگے ڈالیں گے تجھ پر

قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ؕ﴿۶﴾

ایک بھاری بات البتہ اٹھان رات کا سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ

البتہ تجھ کو دن میں شغل رہتا ہے لمبا اور پڑھ نام اپنے رب کا اور چھوٹ جا اس کی طرف سب سے

تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾

الگ ہو کر مالک مشرق اور مغرب کا اس بن کسی کی بندگی نہیں سو پکڑ اس کو کام سونپا

وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَ ذَرْنِيْ وَ

اور سہتا رہ جو کہتے رہیں اور چھوڑ ان کو بھلی طرح چھوڑنا اور چھوڑ دے مجھ کو اور

الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ

جھٹلانے والوں کو جو آرام میں رہے ہیں اور ڈھیل دے ان کو تھوڑی سی البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور

جَحِيْمًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ

آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکتا اور دکھ کی مار جس دن کانپے زمین

وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ⑭

اور پہاڑ اور ہو جاویں پہاڑ ریت پھسلتی۔

حکم قیام اللیل وتاکید ترتیل وتحسین در تلاوت کلام اللہ تعالیٰ

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① ... الٰی... كَثِيبًا مَّهِيلًا ⑭﴾

ربط: گزشتہ سورت میں جنوں کا قصہ ذکر فرمایا گیا تھا کہ وہ قرآن کریم کو سن کر کیسے اس پر فریفتہ اور گرویدہ ہوئے اور اس پر ایمان لائے اور ایمان وہدایت کا رنگ ان پر اس قدر غالب آیا کہ اپنی قوم کے واسطے داعی اور ہادی وناصح بن کر لوٹے۔ اب اس سورت میں جو کہ ابتداء نبوت کے زمانہ میں نازل ہوئی اس میں مشرکین مکہ کی بے رخی اور آپ ﷺ کی شان میں توہین وگستاخی کا ذکر کرکے آپ ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے اور ان کی ایذاؤں وزیادتیوں پر صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔

مشرکین مکہ آپ ﷺ کو مختلف القاب سے یاد کرکے تمسخر ومذاق کرتے کوئی آپ ﷺ کو کاہن کہتا' کوئی ساحر وجادوگر تو اس کے بالمقابل اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو ایسے پیارے لقب سے پکارا کہ اس کی حلاوت نے ان تمام کلفتوں اور ذہنی کوفت کا ازالہ کر ڈالا جو مشرکین کے بے ہودہ اور طعن وطنز آمیز عنوانات سے قلب پر واقع ہوئی تھی اور جیسے بحالت رنج وغم کپڑوں میں لپٹ کر کوئی لیٹا ہو آپ ﷺ بھی مشرکین کی ان بے ہودہ باتوں پر کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے کہ وحی الٰہی نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو نہایت ہی انداز ملاطفت میں اس عنوان سے پکارا ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ کہ اے چادر میں لپٹنے والے جس طرح کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ گھر سے کسی بات پر۔ رنجیدہ ہو کر باہر چلے گئے اور مسجد کے صحن میں زمین پر لیٹ گئے آنحضرت ﷺ نے معلوم کرایا کہ علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں معلوم ہونے پر آپ ﷺ قریب تشریف لائے اور شانہ پر دیکھا کہ مٹی لگی ہوئی ہے اس کو اپنے دستِ مبارک سے صاف کرتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے تھے ((قم یا ابا تراب. قم یا ابا تراب)) اے ابوتراب یعنی مٹی میں لتھڑے ہوئے اٹھ جا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پیار وملاطفت کو زندگی بھر یاد کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے خدا کی قسم اس لقب سے مجھ کو پکارا جانا جس قدر محبوب ہے اتنا کسی بھی نام سے مجھ کو پکارا جانا محبوب نہیں تو اسی طرح ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ کا عنوان اللہ رب العزت کی طرف سے اس حال میں جبکہ آپ ﷺ رنج وغم کے عالم میں کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ بارگاہِ خداوندی سے ملاطفت ومحبت کا پیکر اعظم ہے تو فرمایا:

اے چادر میں لپٹنے والے کھڑا رہ رات کو تہجد وعبادتِ خداوندی میں مصروف رہتے ہوئے [1] کسی رات کہ اتفاقاً یا کسی عذر سے نہ ہوسکے تو کوئی حرج نہیں آدھی رات قیام کریں یا اس سے کچھ کم کردیں یا اس پر کچھ زائد کردیں جیسا بھی طبیعت کے نشاط اور ہمت کے لحاظ سے کرسکیں اور آہستگی وحسن صوت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کریں قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے اس لیے اس کی عظمت وادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھیں۔

---

[1] اس ترجمہ میں یہ اشارہ ہے کہ ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ استثناء باعتبار عدد لیل ہے یعنی ہر رات کے لیے یہ حکم ہے لیکن اگر کسی رات قیام اللیل نہ ہوسکے کسی عذر و =

بے شک ہم آپ ﷺ پر ڈال رہے ہیں بہت ہی وزن والا قول یعنی وحی الٰہی جس کی عظمت و ہیبت کا قوائے بشریہ تحمل نہیں کر سکتے یہ تو اللہ کے پیغمبر کو خدا کی طرف سے عطا کردہ قوت حاصل ہوئی ہے وہ اس کا تحمل کر لیتا ہے ❶ بے شک رات کی بیداری بہت ہی سخت ہے نفس کو روندنے کے لحاظ سے اور بہت ہی درست ہے بات کہنے کے لحاظ سے ❷ کہ رات کی بیداری نفس کو چونکہ نہایت شاق ہے اس لحاظ سے وہ نفس کو روندنا اور کچلنا ہوا اور یہ وقت چونکہ رات کی تاریکی اور خلوت کا ہے اس لحاظ سے جو بات بھی زبان سے نکلے گی وہ ذکر و تسبیح ہو یا دُعا و استغفار، اخلاص اور اللہ رب العزت کی طرف خاص توجہ اور رجوع کی کیفیت سے ہی ہوگی پھر یہ وقت اللہ رب العزت

= بیماری کے باعث تو کوئی حرج نہیں۔ بعض مفسرین کی رائے میں ﴿قَلِيلًا﴾ کا استثناء باعتبارِ اوقات و زمان اللیل ہے جس کا بیان اور تفسیر بعد میں اس طرح کی گئی ﴿نِّصْفَهُۥٓ أَوِ ٱنقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ﴾ ۱۲۔

❶ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے، بہت قیمتی اور وزن دار اور اپنی کیفیات و لوازم کے اعتبار سے، بہت ہی بھاری اور گرانبار ہے احادیث میں ہے کہ نزول قرآن کے وقت آپ ﷺ پر بہت گرانی اور سختی گزرتی سردی کے موسم میں بھی آپ ﷺ پسینہ پسینہ ہو جاتے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا فرماتی تھیں کہ نزول وحی کے وقت شدید سردی میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اور اگر آپ ﷺ کسی سواری پر ہوتے تو سواری برداشت نہ کر سکتی ایک مرتبہ آپ ﷺ کی فخذ مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانوں پر رکھی ہوئی تھی اس حالت میں وحی نازل ہونے لگی تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر اس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ ڈرے کہ کہیں ران بوجھ سے چورا چورا نہ ہو جائے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)

❷ بالعموم اہل عرب ﴿نَاشِئَةَ ٱلَّيْلِ﴾ رات کی ساعتوں اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والی گھڑیوں کو کہتے ہیں ناشئۃ اور ناشئ وضع لغت کی رو سے تو پیدا ہونے والی چیز کو کہا جاتا ہے محاورات عرب میں کہتے ہیں نشأت نشأۃ اسی سے انشاء بمعنی پیدا کرنا ہے ابو عبید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ناشئۃ اللیل رات میں رونما اور پیدا ہونے والی چیز کو کہیں گے تو انسان کا نفس بھی سونے کے بعد بیدار ہوا تو گویا کہ وہ دوبارہ پیدا ہوا ہے اس نسبت سے ناشئۃ اللیل قیام اللیل کے لیے استعمال کیا گیا ہے ابن الاعرابی رحمہ اللہ کہتے ہیں اوّل شب سونے کے بعد بیدار ہونے کو ناشئۃ اللیل کہا جائے گا شب میں بیدار ہونے کے بعد روح پر غیبی انوار وارد ہوتے ہیں۔

﴿وَطْـًٔا﴾ واؤ کے فتح کے ساتھ بمعنی روندنا تو اس معنی وضعی کے لحاظ سے یہ ترجمہ کیا گیا کہ "بہت ہی زیادہ سخت ہے نفس کو روندنے کے لحاظ سے۔" محاورات میں بولا جاتا ہے ((اشتدت علی القوم وطاء السلطان)) یعنی قوم پر بادشاہ کی گرفت اور تعدی شدید ہوگئی ہے اس معنی کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کی ایک دُعا میں یہ لفظ وارد ہوا ((اللّٰھم اشدد وطاتك علی مضر)) یعنی اے اللہ تو اپنی گرفت قوم مضر پر سخت کر دے تو جب انسان رات کی وہ نیند جو سب سے زیادہ مرغوب چیز ہوتی ہے قربان کرے گا تو لامحالہ نفس کو شاق ہوگا اور نفس اس طرح روندا جائے گا اس وصف کی عظمت و خوبی کا اندازہ فرمانِ خداوندی ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ ٱلْمَضَاجِعِ﴾ سے بخوبی ہو رہا ہے مجاہد اور ابن ابی ملیکہ رحمہما اللہ وطاۃ کے معنی مواطاۃ یعنی موافقت بیان کرتے ہیں اور اَشَدُّ وَطَاءً کے معنی کرتے ہیں ((اشد مواطاۃ اللسان بالقلب)) کہ رات کی بیداری زیادہ سے زیادہ قلب کے ساتھ زبان کی مطابقت کا وقت ہے اخیر شب کی بیداری اور تہجد کے فضائل کتب احادیث میں کثرت سے ذکر فرمائے گئے ہیں سب سے بڑھ کر یہ نعمت اور شرف کہ تہائی رات باقی رہنے پر اللہ رب العزت آسمانِ دُنیا پر نزول فرما کر اپنے بندوں کو پکاریں کہ ہے کوئی گناہوں سے معافی مانگنے والے کہ میں اس کو معاف کروں ہے کوئی رزق کا طالب کہ میں اس کو رزق دوں، ہے کوئی عافیت مانگنے والا کہ اسے عافیت دوں۔

حضرات عارفین فرماتے ہیں تہجد گزار کے چہرے پر عجیب قسم کا نور نمایاں ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا اس کی قبر میں کبھی اندھیرا نہ ہوگا اس کی مشکلات آسان ہوں گی اور اس کو دنیا کی ہر ایک ظلمت سے نجات ملے گی خواہ وہ ظلمت مصائب و آفات کی ہو یا افکار و فتن کی ہو۔ واللہ اعلم ۱۲

(تفسیر ابن کثیر جلد رابع، تفسیر روح البیان، تفسیر روح المعانی، تفسیر فتح المنان)

کے آسمان دُنیا پر نزول کا اور اپنی بندوں کی طرف خاص عنایت و رحمت کے ساتھ توجہ کا ہوتا ہے تو روحانی برکات سے اور زائد اس کی زبان اور اس کے قول میں درستگی اور اثر پیدا ہوگا۔

بے شک آپ ﷺ کے واسطے دن میں تو بڑی ہی طویل مشغولی ہے تعلیم و تبلیغ دین احکام الٰہی کے بتانے کی اور ان کے مطابق عمل کی تلقین و تربیت پھر کسی فرد یا جماعت کے لیے نہیں بلکہ پوری اُمت اور جملہ عالم کے اس نظام کو بتانے اور چلانے کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اور اس کا انجام دینا کوئی معمولی بات نہیں بلاشبہ یہ بہت بڑی مصروفیت ہے اور ان مصروفیات کی تکمیل کے ساتھ جو کہ اصل مقصد رسالت اور فرائض نبوت ہیں اپنے رب کے ساتھ تنہائی میں مناجات عبادت و دُعا بس رات کے ان ہی حصوں میں ہوسکتی ہے کہ خلوت و یکسوئی کے ساتھ اپنی رب کی عبادت کرلیں اور اس طرح تہجد کے ذریعہ ریاضت اور صفاء باطن کے اعلیٰ مدارج و مراتب طے فرماتے رہیں اور یاد کیجیے اپنے رب کا نام اور تسبیح و تحمید کی صورت میں اسی کا ذکر کرتے رہیے اور تمام شواغل و علائق سے منقطع ہوکر بس اسی کی طرف متوجہ ہوجایئے۔

دنیا اور علائق دُنیا سے منقطع ہوجانے سے انسان کو ذرہ برابر بھی یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ میں اس مادی دنیا میں پھر اپنی زندگی کیونکر بسر کروں گا وہ تو مشرق و مغرب اور کائنات کے ہر ہر گوشہ کا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بس اسی کو اپنا کارساز بنا لیجیے جو ہر مخلوق کو عالم میں پالتا ہے یقیناً وہ اپنی اس بندے کے سارے کام بھی سنوار دے گا بالخصوص جو بندہ دنیا سے کٹ کر اپنے رب کی طرف رخ کر چکا ہے دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنا نفس کے لیے بڑا ہی دشوار کام ہے اور اس میں بڑی رکاوٹیں اور تکلیفیں پیش آئی جیسا کہ آنحضرت ﷺ کو بعثت کے بعد پیش آئیں مشرکین مکہ بڑی دل آزار حرکتیں اور باتیں کرنے لگے تو فرمانِ خداوندی نے ہمت دلائی کہ اور صبر کیجیے ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں اور چھوڑ دیجیے ان کو مناسب طریقہ سے نہ دل میں کینہ رکھیے اور نہ ہی غیظ و غضب ہو اور نہ ہی رنج و فکر بلکہ بڑی ہی خوبی اور حوصلہ کے ساتھ ان سے صرف نظر کرلیجیے اور جھٹلانے والے مالداروں کو میں ایسے تکذیب و تردید کرنے والے متکبر مالداروں سے خود نمٹ لوں گا اور مہلت دیں ان کو کچھ تھوڑی سی حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو دنیا میں عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں ان کی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی یہ لوگ خدا کی گرفت اور عذاب سے نہ دُنیا میں بچ سکیں گے نہ آخرت میں بے شک ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں ہیں اور دہکتی ہوئی آگ ہے اور ایسا کھانا ہے جو حلق میں پھنس جانے والا ہو اور بھی اس کے علاوہ دردناک عذاب، سانپ اور بچھو جن کے زہر سے پتھر بھی چورا چورا ہوجائے جس کی ابتداء اس دن سے ہوجائے گی جب کہ زمین کانپنے لگے گی اور پہاڑ بھی جن کی جڑیں زلزلہ سے کانپ کر ڈھیلی ہوجائیں گی اور زمین پر گر کروہ پہاڑ ہوجائیں گے ریت کے تودے جن پر قدم نہ جمتے ہوں گے۔

بلاشبہ اس وقت کے شدید عذاب کو کسی کی طاقت اس کا قبیلہ اور مال و دولت نہیں ٹلا سکے گی تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان کی بے ہودہ باتوں پر صبر کریں اور انتظار کریں اس عذاب و ذلت کا بھی جو دُنیا میں ان کافروں کے واسطے طے ہے اور آخرت کے اس عذاب کا بھی جس کی شدت اس طرح ہوگی کہ زمین اور پہاڑ بھی لرز جائیں گے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۥ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا جیسے بھیجا فرعون پاس

رَسُولًا ⑮ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا ⑯ فَكَيْفَ

رسول پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو پکڑ وبال کی پھر کیونکر

تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ⑰ السَّمَآءُ

بچو گے؟ اگر منکر ہوگئے اس دن سے جو کر ڈالے لڑکوں کو بوڑھا آسمان

مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ ۚ كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ⑱ إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ

پھٹنا ہے اس میں ہے اس کا وعدہ ہونا یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے

اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ⑲ ع

بنا رکھے اپنے رب کی طرف راہ۔

اتمام حجت خداوندی بر منکرین وکفار بہ بعثت سید الابرار خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا . . . الٰی . . . إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا ⑲﴾

ربط: ابتداء سورت میں حضور اکرم ﷺ کو قیام اللیل کے امر کے ساتھ خدا کے ذکر کی تاکید فرمائی گئی تھی اور یہ کہ منکرین ومشرکین کی ایذاء رسانی پر صبر کریں اور اللہ رب العالمین کی مدد کا انتظار فرمائیں اور اس امر کا کہ خدا کا عذاب مجرمین پر دُنیا اور آخرت میں آ کر رہے گا اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کا ذکر فرما کر کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کو کفار مکہ بالکل ایسا ہی سمجھ لیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا تو اس تاریخی حقیقت سے کفار مکہ کو عبرت حاصل کرنی چاہیے تو ارشاد فرمایا:

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیج دیا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف اپنا رسول بھیجا تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک مستقل شریعت اور کتاب لے کر مبعوث ہوئے اور اسی کے ساتھ وہ اپنے وقت سے نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت بھی سناتے رہے پھر فرعون نے رسول خدا کی نافرمانی کی تو ہم نے پکڑ لیا اس کو بڑی ہی ذلت کی پکڑ کے ساتھ اور وہ باوجود اپنے لشکر، طاقت وقوت اور

مال و دولت کے بھی دریا کی موجوں میں ایسی ذلت کے ساتھ غرق کر دیا گیا کہ تاریخ عالم میں اس سے زیادہ ذلت و بے بسی کی ہلاکت تصور نہیں کی جاسکتی تو جب فرعون جیسا طاقتور رسول خدا کی نافرمانی پر ہلاک کر دیا تو بتاؤ تم کیسے بچ سکو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس دن کے عذاب سے کہ اس کی شدت بچوں کو بوڑھا بنادے گی اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اس دن کی شدت سے بے شک اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے خواہ تم اس کو اپنی شقاوت و بدبختی سے کتنا ہی بعید سمجھو۔

بے شک یہ ایک نصیحت ہے جو تمہیں تاریخی حقیقت اور عبرت ناک انجام کے ساتھ کر دی گئی ہے اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے انسان کے لیے بس یہی کافی ہے کہ اس کو نصیحت کر دی جائے نفع ونقصان سے آگاہ کر دیا جائے اب اس کے بعد وہ اپنی رائے اور سمجھ سے جس راہ کو چاہے اختیار کرلے اگر اس نے اللہ کا راستہ اختیار کر لیا تو اللہ کے فضل و کرم سے نجات وفلاح پائے گا اور اگر دیدہ و دانستہ ہدایت اور حق سے انحراف و نافرمانی کرے تو سزا اور عذاب کا عقلاً مستحق ہوگا اور اللہ رب العزت اس کی نافرمانی پر جو بھی سزا دے وہ اس کا عدل وانصاف ہی ہوگا اس پر اعتراض عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔

یہ سورۃ مبارکہ مکی زندگی کی ابتداء میں نازل ہوئی تھی جب کہ عالم اسباب میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ داعی اسلام پیغمبر ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس بے سروسامانی اور تکالیف و پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ایسا اعلان کیا جاسکتا ہے کہ خدا اپنے رسول کو غالب فرمائے گا اور منکرین کو اسی طرح ہلاک و ذلیل کرے گا جس طرح کہ فرعون اور اس کی جماعت کو کیا گیا مگر تاریخ اسلام نے اللہ رب العزت کے اس فرمان و بشارت کی تصدیق و تکمیل کر دی کہ وہی منکرین بدر میں ذلیل ہوئے حضور ﷺ کو فتح مکہ نصیب ہوئی اور تمام سرداران قریش آنحضرت ﷺ کے سامنے سر جھکائے ندامت اور شرمساری کے ساتھ کھڑے معافی مانگ رہے تھے قوم قریش کی یہ ذلت و پشیمانی اور مغلوبی فرعون اور اس کی جماعت کے دریا میں غرق ہونے سے کم نہ تھی۔

یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا سے متعلق فائدہ

روز قیامت کی شدت وہیبت یہاں پہلے اس عنوان سے ذکر فرمائی گئی ﴿یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ کہ زمین لرزنے لگے گی اور پہاڑ کی بلند چٹانیں ریزہ ریزہ ہو کر زمین کی سطح پر آ گریں گی اور پہاڑ ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے اس کے بعد دوسری تعبیر روز قیامت کی شدت کی اس طرح فرمائی گئی ﴿یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا﴾ کہ وہ دن اپنے طول یا ہیبت و شدت کے باعث بچوں کو بوڑھا بنادے گا۔

بعض ائمہ مفسرین اس کا منشاء اس دن کا طول بیان کرتے ہیں اس بناء پر حق تعالیٰ نے اس دن کی مقدار ﴿کَاَلْفِ سَنَةٍ﴾ ایک ہزار برس کے برابر فرمائی ہے۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت ﴿یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا﴾ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ دن قیامت کا ہوگا اور یہ کیفیت اس وقت ہوگی جب کہ اللہ رب العزت میدان حشر میں آدم علیہ السلام کو فرمائے گا کہ اے آدم علیہ السلام اپنی ذریت میں سے جہنم کا ایندھن نکال لو یعنی جو جہنم میں ڈالے جائیں گے تو آدم علیہ السلام پوچھیں گے کتنے عدد میں کتنے جہنم کے لیے نکالوں تو فرمایا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (۹۹۹) تو یہ سن کر سب

اہل محشر گھبرا جائیں گے کہ ایک ہزار کی تعداد سے صرف ایک آدمی نجات پائے گا باقی جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی جب یہ گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا: "اے مسلمانو! تمہیں بشارت ہو کہ ہزار میں کا ایک تم میں سے ہوگا اور باقی یاجوج ماجوج سے پورے کر دیئے جائیں گے" اور دیگر اُمتوں کے کفار سے جس کا نتیجہ الحمدللہ یہ ہوگا کہ امت محمدیہ حق تعالیٰ کے فضل سے سب کی سب ہی کسی نہ کسی طرح نجات پالے گی اور جہنم کا ایندھن یاجوج و ماجوج و دیگر ملتوں کے کفار سے پورا کر دیا جائے گا اور اگر دیکھا جائے تو کل انسانوں کی تعداد کے لحاظ سے اُمت محمدیہ کا عدد شاید اتنا ہی نکلے یعنی ایک فی ہزار تو اس اعتبار سے حضور اکرم ﷺ کی یہ وضاحت ایک عظیم بشارت ہوگئی۔ فللہ الحمد حمدًا کثیرًا

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ

تیرا رب جانتا ہے تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات اور تہائی رات

وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ

اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے اور اللہ ماپتا ہے رات کو اور دن کو اس نے جانا

اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ

کہ تم اس کو پورا نہ کرسکو گے پھر تم پر معافی بھیجی سو پڑھو جتنا آسان ہو قرآن۔ جانا

اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ

کہ آگے ہوں گے تم میں کتنے بیمار اور کتنے اور پھرتے ملک میں ڈھونڈتے

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا

اللہ کا فضل اور کتنے اور لڑتے اللہ کی راہ میں سو پڑھو جتنا

تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

آسان اس میں سے اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو

حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ

اچھی طرح قرض دینا اور جو آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس

ع ۲ / ۱۴ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰ ع

بہتر اور ثواب میں زیادہ اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم تخفیف در قیام لیل ورخصت برائے ضعفاء ومجاہدین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ . . . الٰی . . . اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰ ع﴾

ربط: گزشتہ آیات میں تہجد اور قیام لیل کا حکم اس کی تاکید اور فضیلت کا بیان تھا اور اسی کے ساتھ اللہ پر توکل و بھروسہ اور دُنیوی مشقتوں پر تحمل وصبر کی تلقین تھی۔ اب ان آیات میں تہجد کے بارہ میں اللہ رب العزت نے جو تخفیف فرمائی اس کا بیان ہے اور یہ کہ فرائض اسلام تو ہر حال میں لازم ہیں سفر وحضر ہو یا صحت وتندرستی لیکن جو عبادات تطوع اور نفل ہیں ان میں اللہ رب العزت نے مریضوں مسافروں مجاہدوں اور ضعیفوں کے لیے رخصت وسہولت رکھی ہے تو ارشاد فرمایا:

بے شک آپ ﷺ کا رب جانتا ہے کہ آپ کھڑے رہتے ہیں تہجد اور عبادت خداوندی میں قریب رات کے دو تہائی حصہ کے اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک گروہ ان لوگوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اسی طرح آپ کا اور آپ ﷺ کے اصحاب کا شوق وجذبہ قیام اللیل اور صلوٰۃ تہجد کا' اللہ رب العزت دیکھ رہا ہے کہ آپ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کبھی آدھی رات کے قریب اٹھ جاتے ہیں اور کبھی اس سے بھی قبل حتیٰ کہ دو تہائی حصہ بیداری میں گزرتا ہے اور کبھی سفر و مرض اور مصروفیت کی وجہ سے ایک تہائی حصہ اور یہ سب احوال درحقیقت ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ﴾ پر عمل کی صورت تھی کہ قیام اللیل کے حکم میں رات کے ٹکڑے جس میں مقدار میں بیان کیے گئے ہیں ان سب پر عمل ہو جائے۔

اور ظاہر ہے اللہ ہی ٹھیک ٹھیک اندازہ رکھتا ہے رات اور دن کا یا اس اندازہ کے لحاظ سے کہ وقت عبادت میں گزرا یا یہ کہ ان ٹکڑوں میں کیسے آثار و برکات ہیں اور وہ عابدین وذاکرین کو کس حد تک مل رہے ہیں آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بطور فرض اس پر عمل پیرا رہے اور اس کی پابندی میں جو بھی جسمانی مشقت ہوئی برداشت کرتے رہے تا آنکہ اللہ رب العزت نے ایک سال بعد حکم تخفیف نازل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا خدا نے جان لیا ہے کہ تم اس کا احاطہ اور عملی پابندی نہیں کر سکتے ہو اس سہولت کے ساتھ جو اللہ نے اپنے دین میں رکھنے کا ارادہ فرمالیا ہے اور کبھی نہ کبھی سابق زمانہ میں کسی سے اس حد اور مقدار کے نباہ نہ ہو سکنے کے باعث کوتاہی بھی ہوئی ہوگی تو اللہ نے تم پر مہربانی کی اور درگزر فرمالیا۔ لہٰذا اب تمہاری راحت اور سہولت کے پیش نظر حکم ہے پڑھ لیا کرو جو کچھ تم کو قرآن میں سے آسان ہو اور یہ پابندی تم سے اس لیے ہٹادی گئی کہ خدا کو معلوم ہے تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے کیونکہ ہر انسان ہمیشہ تندرست نہیں رہتا اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو زمین میں سفر کریں گے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ورزق تلاش کرتے ہوئے تجارت کے لیے حصول علم کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کرنا ہوگا کچھ ہجرت کریں گے کچھ روحانی تربیت کے لیے اولیاء وصالحین کے پاس جائیں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے اور جہاد کے لیے ان کو مشرق ومغرب کا سفر کرنا ہوگا اس لیے اب حکم یہی ہے کہ پڑھ لیا کرو جس

قدر بھی قرآن میں سے آسانی سے پڑھ سکو اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں اور البتہ فرض نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور قرض دیتے رہو اللہ کو قرض حسنہ اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے جس کا وہ تم کو بہترین بدلہ دے گا اور اس طرح تمہارا دیا ہوا تمہیں واپس مل جائے گا اور بڑی ہی برکت اجر وثواب اور اللہ کی خوشنودی کے ساتھ اور یہ بات خوب جان لو جو بھی کچھ تم نیکی کا کام اپنے سے [1] پہلے بھیجو گے یقیناً تم اس کو اللہ کے یہاں پاؤ گے کیونکہ وہ تو بہت ہی بہتر اور عظیم اجر وثواب عطا کرنے والے ہیں اور انسان اپنی طبعی کمزوریوں سے بہت کچھ کوتاہیاں اور غلطیاں کر لیتا ہے تو اللہ سے معافی مانگتے رہو بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے اس کی بارگاہ میں اہل ایمان کے استغفار و توبہ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

فرضیت تہجد اور ایک سال بعد تخفیف کا حکم

سورۂ مزمل کی ان آیات کے ذریعہ ابتداء اسلام میں تہجد کو فرض کیا گیا تھا اور جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہ فرضیت آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے حق میں تھی ایک سال تک اسی طرح اس پر عمل ہوتا رہا تا آنکہ ایک سال گزرنے پر اس سورۃ کا آخری حصہ ﴿عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰى... الخ﴾ سے فرضیت منسوخ کر کے نفل کر دیا گیا۔

ائمہ مفسرین میں سے مقاتل اور ابن کیسان رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ تہجد کو مکی زندگی میں سورۂ مزمل کے نازل ہونے پر فرض کر دیا گیا تھا اور وہ زمانہ پنجگانہ نمازوں کی فرضیت سے قبل تھا (جیسا کہ ظاہر ہے) پھر بعد میں فرضیت منسوخ کر دی گئی البتہ بطور تطوع اور نفل کے اس کی فضیلت قائم و برقرار رہی۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ میں اور امام ابوداؤد، احمد بن حنبل، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ وغیرہ نے سعد بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے بیان کرتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اُم المؤمنین آپ مجھے خلق رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں ارشاد فرمایئے کہ کیا تھا؟ فرمایا کیا تم قرآن کریم نہیں پڑھتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں فرمایا کہ بس نبی کریم ﷺ کا خلق مبارک (یعنی اسوہ اور عادت) قرآن تھا بیان کرتے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں اٹھ کر واپس چلا جاؤں (کیونکہ اس جواب کی جامعیت کے بعد مزید کچھ سوال کی گنجائش ہی نہ رہی تھی) اور یہی سوچا کہ اب آئندہ کسی سے بھی دریافت نہیں کروں گا جب تک میں زندہ رہوں لیکن پھر خیال آیا کہ (خاص طور پر) آنحضرت ﷺ کے قیام لیل کے بارہ میں دریافت کرلوں تو عرض کیا:

---

[1] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش بن ابراہیم حارث بن سوید کی روایت ذکر کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ایکم ماله احب الیه من مال وارثه قالوا یا رسول الله ما منا احد الا ماله احب الیه من مال وارثه ... (الخ)

بتاؤ تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر شخص ایسا ہی ہے کہ اس کو اپنا مال بہ نسبت اپنے وارث کے مال کے زائد محبوب ہے آپ ﷺ نے ذرا سوچ کر کہنے کو فرمایا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو یہی جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا سن لو ہر شخص کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا) اور وارث کا مال وہ ہے جو چھوڑ کر مر گیا۔ آیت مبارکہ میں قرض کا عنوان اللہ کی راہ میں خرچ کی عزت و کرامت پر نہایت واضح طور پر دلالت کر رہا ہے اور یہی وہ عنوان کرامت ہے جو اس آیت میں اختیار کیا گیا ہے۔

اے ام المؤمنین ارشاد فرمایئے آنحضرت ﷺ کے تہجد کے بارہ میں تو فرمایا کہ کیا تم سورۃ ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ نہیں پڑھتے؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا تو بس سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات سے قیام لیل فرض کیا تھا جس کے بعد نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک سال تک قیام لیل کرتے رہے (پوری پابندی کے ساتھ اور اس طرح کہ لازم سمجھتے تھے) اور اللہ رب العزت نے اس سورت کے آخرت حصہ کو بارہ مہینہ تک آسمانوں میں روکے رکھا تا آنکہ سورت کے آخری حصہ یعنی ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ﴾ کو نازل کر کے تخفیف فرمادی اور پھر اس کے بعد قیام لیل نفل کر دیا گیا۔

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ فرضیت کا فسخ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں ہوا آپ ﷺ کے حق میں فرضیت بدستور باقی رہی غالباً ان کی نظر اس آیت پر ہوگی ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ (بنی اسرائیل:۷۹) اور نافلہ کے معنی زائدہ کیے گئے اور مفہوم یہ ہوا کہ صیغۂ امر سے آپ ﷺ کو تہجد کی پابندی کا خطاب اور حکم فرمایا جارہا ہے اور تہجد کی اس پابندی کو یہ فرمایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کے حق میں خاص ہے اور اس کی فرضیت مفروضہ نمازوں سے زائد کی گئی نہ کہ دوسروں کے حق میں۔ دوسروں کے حق میں تو یہ تطوع و نفل کر دی گئی ہے لیکن یہ بات اس وجہ سے قابل تامل ہے کہ یہ حکم ناسخ جب نازل ہوا تو اس وقت پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کا حکم نہیں اترا تھا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے جو جمہور محدثین و مفسرین کی رائے ہے بعض مفسرین کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء سورت سے قیام لیل کی فرضیت ہر ایک کے حق میں نہ تھی فرضیت صرف نبی کریم ﷺ کے حق میں تھی ان کا مطمع نظر بظاہر یہ ہے کہ آیت ناسخہ میں یہ جو فرمایا گیا ﴿وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ﴾ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک گروہ کا یہ معمول ہوا۔ اگر قیام لیل سب پر فرض ہوتا تو یہ فرمایا جاتا ﴿اَلَّذِیْنَ مَعَكَ﴾ لیکن یہ عنوان اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ممکن ہے بلکہ متوقع ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ چند صحابہ رضی اللہ عنہم بھی قیام لیل کرتے ہوں گے باقی جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی جگہوں مکانوں میں کرتے ہوں گے تو اس لحاظ سے ﴿وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ﴾ فرمایا۔

فائدہ: سورۂ مزمل مکی ہے جیسا کہ معلوم ہے اور زکوٰۃ کا حکم مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں نازل ہوا تو اس سورت میں ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ کے ساتھ حکم ﴿وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ نازل ہوا علماء مفسرین فرماتے ہیں کہ اجمالاً نفس فرضیت کا حکم تو مکہ مکرمہ میں نازل ہو گیا تھا نصاب کی تعیین اور تفصیل مدینہ میں نازل ہوئی اس لحاظ سے حکم زکوٰۃ کی فرضیت مدنی زندگی میں بیان کی جاتی ہے۔

نمازوں میں مطلق قراءۃ قرآن کی فرضیت

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں بیان کرتے ہیں آیت مزمل ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ سے حضرات حنفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نماز میں فرضیت مطلق قراءۃ کی ہے جو کچھ آسان ہو خاص طور پر سورۂ فاتحہ فرض نہیں کیونکہ نص کتاب اللہ یا حدِ متواتر سے فرضیت و رکنیت ثابت ہوتی ہے تو جس طرح ﴿ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا﴾ کے کلمات قرآن کریم کی آیات میں رکوع و سجود کی رکنیت ثابت کر رہے ہیں اسی طرح ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ﴾ کی تعبیر نفس قراءت کی فرضیت و رکنیت ثابت کرتی ہے۔ امام شافعی، امام مالک رحمہما اللہ رکنیت و فرضیت فاتحہ کے قائل ہیں حدیث عبادۃ بن الصامت ((لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب... الخ)) اور حدیث ابی ہریرہ ((من صلی صلوٰۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فھی خداج))۔

حضراتِ حنفیہ کی طرف سے اس کے متعدد جوابات اور بیان کردہ مسئلہ کے لیے متعدد دلائل بیان کیے ہیں جن کی تفصیلات شروح فقہ میں مذکور ہیں اصولی طور پر یہ بات واضح ہے جیسا کہ قاضی ابوبکر حصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں بیان فرمایا ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ میں حکم عموم اور اطلاق کے ساتھ ہے اس کو مخصوص کرنا خبر واحد کے ذریعہ سے اصولاً درست نہیں ہے اور یہ قرار دینا کہ ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ میں اجمال ہے اور اس کی توضیح خبر واحد سے ہوئی صحیح نہیں ہے دلالت عربیہ سے یہ عنوان اطلاق ہی کا ہے۔

خبر واحد کو تفسیر وہاں قرار دیا جاسکتا ہے جہاں تعبیر میں از روئے وضع لغت ابہام ہو اور اس طرح اس پر عمل ممکن نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہاں یہ صورت نہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں تو حدیث ((لَا صَلٰوۃَ)) کو ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ کی تفسیر قرار دینے میں خود نص ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ کا ابطال لازم آجائے بایں صورت کہ ایک شخص کو سورۂ فاتحہ کی سات آیات کی تلاوت دشوار ہو اور ممکن نہ ہو اس کے بالمقابل قرآن کی اور کوئی آیت آسان اور ممکن ہو تو ایسی صورت میں لامحالہ یہ لازم آئے گا کہ ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ سے ہم فرضیت ہونے کے قائل نہ ہوں اور ماسویٰ فاتحہ کے دوسری آیات آسان اور ممکن التلاوت ہونے کے باوجود سورۃ فاتحہ کی قراءۃ کا اس کو مامور سمجھیں اس وجہ سے حنفیہ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ نفس قراءۃ ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ رکن اور فرض ہے قراءۃ فاتحہ رکن نہیں علاوہ ازیں یہ بھی اصولی امر ہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی البتہ وجوب کی حد تک خبر واحد سے ثبوت ممکن ہے۔

تفصیل کے لیے شروح حدیث و شروح فقہ کی مراجعت فرمالی جائے نیز یہ مسئلہ اور بحث نفس قراءۃ فی الصلوٰۃ سے متعلق ہے نہ کہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ سے متعلق اس کے لیے آیت ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ کی تفسیر میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اصولی دلائل بیان فرما دیے ہیں وہاں تفصیل ملاحظہ فرمالی جائے۔

الحمد للہ قد تم تفسیر سورۃ المزمّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورۃ المدثر

اس سورت میں خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کی عظمت و برتری کا ذکر کرتے ہوئے دعوۃ اسلام اور پیغام توحید کے لیے مستعد و کمربستہ ہونے کا حکم فرمایا گیا یہی وہ پہلی سورت یا آیات ہیں جو ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ کے نازل ہونے کے بعد نازل ہوئیں انہی آیات کے نزول پر آپ کے دور رسالت کا آغاز ہوا جب کہ اس سے قبل آپ موحیٰ الیہ اور نبی کی حیثیت میں تھے۔

غارِ حرا میں ابتداء وحی اور بعثت کے بعد ایک مدت ایسی گزری جس میں کوئی وحی نہیں اتری آپ صلی اللہ علیہ وسلم منتظر و مشتاق رہتے اور کبھی کبھی شدت شوق و انتظار میں مکہ کی آبادی سے باہر بھی نکل جاتے تا آنکہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آوازیں سنیں کہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

پکار رہا ہے آپ ﷺ نے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا پھر سر بلند فرمایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں آیا تھا ایک کرسی پر ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اس نے آسمان کا کنارا گھیر رکھا ہے اس کو دیکھ کر آپ ﷺ پر رعب طاری ہوا جیسے غارِ حرا میں نزولِ وحی سے ہیبت و کپکپی آپ ﷺ پر طاری ہوئی تھی اسی طرح اس مرتبہ بھی پیش آئی اور آپ ﷺ گھر واپس آکر فرمانے لگے:

((دثرونی دثرونی)). "مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو۔"

اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝﴾۔

نبوت و رسالت کی ذمہ داریوں کے لیے کمر بستہ ہونے کے حکم کے ساتھ چند اور بنیادی اصول بھی اس سورت مبارکہ میں بیان فرمائے گئے صبر و استقامت اور حلم و درگزر کی ہدایت فرمائی گئی اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ ان کے جرم پر ان کو کوئی پکڑنے والا نہیں ہے یقیناً ان کو اپنے اس بے ہودہ کردار اور کفر و نافرمانی کی سزا بھگتنی پڑے گی اور اہل ایمان و طاعت خدا کے انعامات سے سرفراز کیے جائیں گے غرض اسی طرح کے مضامین کے ساتھ قرآن کریم کی عظمت و حقانیت کو بھی بیان فرمایا گیا۔

جن حضرات سے یہ منقول ہے کہ سورۂ مدثر اوّل ما نزل فی القرآن ہے ان کی نظر جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے جس میں اس طرح بیان فرمایا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے فترت وحی یعنی غارِ حرا میں اقراء نازل ہونے کے بعد جو ایک مدت تقریباً پونے تین سال انقطاع وحی کی گزری اس کے بعد سب سے پہلے ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل ہونے والی آیات بیان کی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے باب بدء الوحی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس مجمل روایت کی وضاحت کر دی جس سے سورۂ مدثر کی اوّلیت نزول کا گمان کیا گیا اور یہ اس طرح واضح فرما دیا کہ وھو یحدث عن فترۃ الوحی کہ جابر رضی اللہ عنہ فترت وحی کا قصہ بیان کرکے فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جو آیات سب سے پہلے اتریں اور پھر نزولِ وحی کا سلسلہ پے در پے اور مسلسل جاری ہوا وہ یہ آیات ہیں۔ لہٰذا اب اس بات کی گنجائش نہ رہی کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ سب سے پہلے ﴿اِقْرَاْ﴾ نازل ہوئی یا ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ اور یہی کہا جائے گا کہ یہ امر اجماعی اور متفق علیہ ہے کہ سب سے پہلے وحی غارِ حرا میں ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (العلق:۱) کی ابتدائی پانچ آیات ہیں اور پھر فترت وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اسی کو روایت کر رہے ہیں۔

آیاتها ۵۶ سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ (۷۴) (۴) رکوعاتها ۲

سورۂ مدثر مکی ہے اور اس میں چھپن آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴

اے لحاف میں لپٹے! کھڑا ہو پھر ڈر سنا اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھ

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾ فَإِذَا

اور کتھرے کو چھوڑ دے اور نہ کر کہ احسان کرے اور بہت چاہے اور اپنے رب کی راہ دیکھ پھر جب

نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ

کھڑکھڑاتے وہ کھوکھرا پھر وہ اس دن مشکل دن ہے منکروں پر

غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا

نہیں آسان چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جو میں نے بنایا اکا اور دیا اس کو مال

مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ

پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے اور تیاری کردی اس کو خوب تیاری پھر لالچ

أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾

رکھتا ہے کہ اور دوں کوئی نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف اب اس سے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾

اس نے سوچ کیا اور دل میں ٹھہرایا سو مارا جائیو! کیسا ٹھہرایا؟ پھر مارا جائیو کیسا ٹھہرایا؟

ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ

پھر نگاہ کی پھر تیوری چڑھائی اور منہ تھتھایا پھر پیٹھ دی اور غرور کیا پھر بولا اور

هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾

نہیں یہ جادو ہے چلا آتا اور نہیں یہ کہا ہے آدمی کا اب اس کو ڈالوں گا آگ میں

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾

اور تو کیا بوجھا کیسی ہے وہ آگ؟ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے نظر آتی ہے پنڈے پر

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَ

اس پر مقرر ہیں انیس شخص اور ہم نے جو رکھے ہیں دوزخ پر لوگ اور نہیں فرشتے ہیں اور

مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ
ان کی جو گنتی رکھی سو جانچنے کو منکروں کے تاکہ یقین کریں جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
ملی ہے کتاب اور بڑھے ایمانداروں کو ایمان اور دھوکہ نہ کھاویں جن کو ملی ہے

الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ
کتاب اور مسلمان اور تاکہ کہیں جن کے دل میں روگ ہے اور منکر

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ
کیا غرض تھی اللہ کو اس کہاوت سے یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى
جس کو چاہے اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر وہی آپ اور وہ تو سمجھوتی ہے

لِلْبَشَرِ ㉛ ع
لوگوں کے واسطے۔

حکم اعلان توحید ورسالت سید المرسلین ﷺ
وتہدید ومذمت براعراض مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ ② ... الٰى ... اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ㉛ ع﴾

ربط: سورۂ مزمل کے آخر میں بالخصوص احکام خداوندی کی اطاعت کا حکم فرمایا گیا تھا اور یہ کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اہل ایمان نمازیں قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور حق تعالیٰ کی راہ میں انفاق وایثار سے کبھی بھی گریز نہ کریں یہ تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں ایک قرض حسن ہے جو بڑی ہی برکتوں اور زیادتیوں کے ساتھ قرض دینے والوں کو واپس ملے گا اور دار آخرت کے واسطے بہترین ذخیرہ ہے جو دُنیاوی زندگی میں ہی آخرت کے لیے مہیا کیا جاتا ہے اور وہ خداوند عالم اپنے بندوں کے اعمال پر بہترین اجر وثواب عطا فرمانے والا ہے ان تمام مقاصد کی تکمیل کے لیے اللہ نے اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا اور ان کو جامع شریعت اور کامل ہدایت سے نوازا تو اس منصب سے

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے پیغمبر ﷺ کو منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے خطاب فرما رہے ہیں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴾ اے چادر میں لپٹنے والے کھڑے ہو جایئے اور پوری مستعدی و سرگرمیوں کے ساتھ منصب رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے تیار ہو جایئے پھر لوگوں کو ڈرایئے عذاب آخرت سے اگر وہ خالق کائنات اور رب العالمین پر ایمان نہ لائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کی۔ اور اپنے رب کی کبریائی و عظمت بیان کرتے رہیے تاکہ خداوند عالم کی عظمت و شوکت کو سن کر اور اس کو سمجھ کر منکرین و مشرکین اس کی توحید کی طرف مائل ہو سکیں اور یہ سمجھ لیں کہ شرک و بت پرستی کی وجہ سے جو عذاب خداوندی واقع ہوگا یہ ہمارے بت اس کو دفع نہ کر سکیں گے اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیے اور جب کہ کپڑوں کو بھی نجاست سے پاک رکھنے کی ضرورت ہے تو لامحالہ بدن اور اجزاء بدن کو بھی ہر طرح کی ظاہری اور معنوی عملی اور حسی گندگی سے پاک رکھنا چاہیے اور جب بدن کو بھی ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھنا لازم ہے تو بلا شبہ قلب پر بھی ادنیٰ درجہ کی گندگی عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ نیز کفر و شرک کی ہرگز نہ ہونی چاہیے اور جو حکم آپ ﷺ کو کپڑوں کی پاکی کا دیا جا رہا ہے اس حکم سے اور اس کے نتائج و لوازم سے اے ہمارے پیغمبر ﷺ دوسروں کو بھی آگاہ کر دیجیے۔ ✿

اور گندگی سے دُور رہیے اور سب سے بڑی گندگی شرک و بت پرستی ہے تو اس سے بھی بدستور اجتناب کیجیے جیسے کہ آپ ﷺ اب تک اس سے دُور اور محفوظ ہیں۔ ✿

اور احسان نہ کیجیے اس لیے کہ آپ ﷺ اس کے ذریعہ بدلہ زائد چاہیں کیونکہ انسان طبعی کمزوری یا مال و منال کی حرص کے باعث بسا اوقات احسان اس توقع یا تصور پر کرتا ہے کہ مجھے اس کا بدلہ زائد ملے گا تو آپ ﷺ اس طرح کے تصور سے بھی اپنے قلب کو پاک رکھیے اور اپنے رب ہی کے لیے اس کے دیئے ہوئے پر صابر رہیے صبر و شکر اور قناعت انسانی کمالات میں عظیم تر وصف ہے ان پر آپ ﷺ قائم رہیے۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں شدائد پیش آتی ہی ہیں تو ان چیزوں کو اللہ کے لیے صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہیں پھر جب آواز ہو گی ایک کھوکھری چیز میں اور صور پھونکا جائے گا جس پر قیامت برپا ہو گی تو یہ دن بہت ہی دشوار ہوگا کافروں پر کسی طرح بھی آسان نہ ہوگا بلکہ اس کی دشواری بڑھتی ہی جائے گی چہ جائیکہ اس میں کسی طرح کی سہولت اور آسانی ہو اس لیے اے ہمارے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ اپنے کام میں صبر و استقامت سے لگے رہیے اور منکرین و مخالفین کی عداوت اور سازشوں کی قطعاً فکر نہ کریں۔

پس چھوڑ دیجیے مجھ کو اور اس کو جسے میں نے پیدا ✿ کیا ہے تنہا کہ جس کے ساتھ پیدائش کے وقت کوئی بھی چیز نہ تھی ہر انسان

✿ لباس سے بطور کنایہ حالت اور طرز زندگی بھی مراد لیا جاتا ہے تو اس لحاظ سے کپڑوں اور لباس کی پاکی کا حکم گویا طرز زندگی اور اعمال و اخلاق کی پاکی اختیار کرنے کا حکم ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾ تو اس سے ظاہر ہوا کہ ہر عملی حالت گویا پیکر لباس ہے ۱۲۔

✿ مراد یہ ہے کہ یہ امر کے صیغے انشاء امر کے لیے نہیں بلکہ دوام کے لیے ہیں یعنی مطلوب ان چیزوں کا دوام ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کے ترجمہ میں اس طرح کے الفاظ کا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور اس کے خلاف انشاء امر کے طور پر یہ ترجمہ کپڑے پاک کیجیے سوءِ ادبی شمار فرماتے تھے۔

✿ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے جو اپنے اکلوتے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا مال و دولت اور دنیوی عزت و جاہ ═

ماں کے پیٹ سے اسی طرح پیدا ہوتا ہے کہ مال و اولاد لشکر و سامان کچھ بھی وہ ساتھ نہیں لاتا یہ جو کچھ دُنیا میں انسان کو ملتا ہے وہ خدا کی عطا اور بخشش ہے اس پر مغرور ہونا اس کو زیب نہیں دیتا چنانچہ ایسے انسان کو ہم نے یہ سب کچھ نعمتیں عطا کیں اور بنا دیا اس کے واسطے پھیلا ہوا مال اور دے دیتے ہیں اس کو بیٹے جو مجلس میں حاضر رہنے والے ہوئے اور جمادی اس کے واسطے ایک مسند عزت و ریاست کی خوب اچھی طرح جما دینا پھر بھی وہ اپنی طبعی حرص و لالچ کے باعث طمع کرتا ہے کہ میں اس کو اور بھی دوں گا عزت و سربلندی حتیٰ کہ وہ یہ بھی جرأت کرنے لگا کہ آخرت میں بھی اس کو یہ سب کچھ مل جائے گا جو دُنیا میں ملا ہوا ہے خبردار! ہرگز ایسا نہیں آخرت میں تو کیا وہ تو دُنیا میں بھی دیکھ لے گا کہ کیا ذلیل و خوار ہوتا ہے اس لیے کہ وہ تو ہماری آیتوں کا بڑا ہی مخالف ہے اور بغض و عناد رکھنے والا ہے۔

اب عنقریب میں اس کو چڑھاؤں گا بڑی ہی دشوار چڑھائی پر ذلت و مصائب اور سخت ترین دشواریاں جو پہاڑ کی طرح دشوار گزار ہوں گی اور وہ مشقتیں اور دشواریاں اس سے جھیلی نہ جائیں گی جیسے کہ کوئی انسان کسی دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر نہیں چڑھ سکتا ✿ مگر افسوس شقاوت اور بدبختی کی حد ہوگئی اس نے کچھ سوچا پھر دل میں کچھ ٹھہرایا سو یہ بدبخت ہلاک ہو کہ اس نے کیسی بے ہودہ بات دل میں ٹھہرائی پھر ہلاک و غارت ہو کیسی بات اس نے ٹھہرائی جب کہ اہل قریش نے اس سے کہا آخر کوئی بات تو بتا کہ ہم کس طرح لوگوں کو محمد ﷺ سے بھٹکائیں تو اس نے بڑے ہی انداز تدبر و تفکر سے کچھ سوچا اور پھر دل میں کچھ طے کر کے کہا تھا کہ بس یہ کہو کہ محمد ﷺ ساحر ہیں اور یہ کلام بھی جو سناتے ہیں سحر ہے تو اس نے پھر ایک نگاہ ڈالی اپنی جماعت پر جیسا کہ عیار لوگ جب اپنی مکاری کے جال میں لوگوں کو پھانسنا چاہیں تو دیکھا کرتے ہیں اور نظریں گھمایا کرتے ہیں۔

پھر منہ بنایا تیوری چڑھائی اور ایسا منہ بنایا جیسے کسی ناگوار چیز سے انسان اظہار کراہت کے لیے منہ بناتا ہو پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا اور ایسے انداز یعنی اظہار نفرت و کراہت اور غرور و تکبر کو اختیار کرتے ہوئے پھر بولا بس یہ تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ایک جادو ہے جو نقل در نقل اور نسلاً بعد نسل چلا آتا ہے پہلے بھی اسی طرح جادوگر تھے اور اب یہ بھی اسی قسم کا جادو اس کلام کی شکل میں پیش کر رہے ہیں

═ میں وحید اور یکتا شمار ہوتا تھا قریش مکہ اس کو وحید اور ریحانۃ القریش کہا کرتے دنیوی نعم کی کوئی کمی نہ تھی تجارت اور زمین و باغات کی آمدنی کی حد نہ تھی طائف میں اس کا بہت بڑا باغ تھا جس کے پھل موسم گرما اور سرما ہمیشہ رہتے تھے دس بیٹے تھے جو ہمیشہ باپ کے سامنے رہتے اور اس کی توقیر و تعظیم بڑھاتے رہتے۔

تو اس بدبخت نے اللہ کے انعامات کو ناشکری اور غرور و تکبر میں بدل ڈالا کبھی شکر کی تو کیا توفیق ہوتی شرک اور بت پستی میں منہمک رہا اور آنحضرت ﷺ کی عداوت اور دشمنی زیادہ سے زیادہ کرنے لگا آنحضرت ﷺ کسی وقت قیامت اور بہشت کا ذکر فرماتے تو یہ کہتا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو اور قیامت آئے گی تو وہاں بھی مجھے اسی طرح مال و اولاد اور نعمتیں ملیں گی۔

مفسرین فرماتے ہیں قریش مکہ نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی دعوتِ توحید و ایمان روز بروز قبولیت حاصل کرتی جارہی ہے تو انہوں نے ولید کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ بتاؤ محمد (ﷺ) کی بات کس طرح بے اثر کی جائے اس پر ولید نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو ساحر (جادوگر) کہو چنانچہ خود ہی مکہ کی ہر گلی کوچہ میں یہی کہتا پھرتا کہ محمد تو ساحر (جادوگر) ہے تو اس کے رد میں یہ آیات نازل ہوئیں ولید کی تحقیر و تذلیل سورۂ ن میں ﴿حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ﴾ جیسے کلمات سے فرمائی ہے۔

✿ روایات میں آتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد فوراً یہ بدبخت یعنی ولید بن مغیرہ طرح طرح کی مصیبتوں اور دشواریوں میں مبتلا ہو گیا پے در پے مالی نقصانات پیش آتے رہے تجارت برباد ہو گئی باغات ضائع ہو گئے آخر فقیر ہو کر ذلت کے ساتھ مرا۔ ۱۲ فوائد عثمانی

یہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ایک آدمی کا کہا ہوا ہے نہ کہ وحی اور خدا کا کلام پروردگار عالم اس مکار وعیار اور بد بخت کی یہ باتیں نقل کر کے فرما رہا ہے اچھا میں عنقریب ہی اس بد بخت کو گھسیٹ کر ڈالوں گا جہنم کی آگ میں اور اس کے سارے عناد تکبر اور غرور کا مزا چکھا دوں گا اور اے مخاطب کیا تو جانتا بھی ہے کہ کیسی آگ ہے وہ؟ وہ آگ ایسی ہے نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی بلکہ دوزخیوں کی ہر چیز کو جلائے گی اور کوئی بھی حصہ جلنے سے بچ نہ سکے گا اور پھر اس حالت پر کہ وہ جل بھن گئے ہوں باقی نہ چھوڑے گی بلکہ دوبارہ اصلی حالت پر لوٹا دیا جائے گا تاکہ پھر جلیں اور جلنے کی اذیت کا مزہ چکھتے رہیں جیسے کہ سورۂ نساء میں فرمایا گیا:

﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ (النساء:۵۶)

یہ آگ جھلسنے والی ہوگی بدن کی کھال جس سے ان کے حلیے ہی بگڑ جائیں گے اس جہنم پر اُنیس * فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے احکام اور جہنمیوں کو سزا دینے کی ذمہ داری ادا کرتے ہوں گے اور نہیں بنایا ہے ہم نے جہنم کے نگران مگر فرشتوں کو کہ ان ہی کو جہنم کا داروغہ مقرر کیا گیا ہے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی اس تعداد کو مگر آزمائش کافروں کے لیے کہ ہو کس طرح اس تعداد کو سن کر مذاق اڑائیں گے انکار کریں گے قیل وقال اور حجت بازی کہ اس عدد میں کیا مصلحت ہے لیکن اس کے بالمقابل یہ تعداد اس لیے ہے کہ یقین کر لیں وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی اور ایمان والوں کے ایمان میں اور اضافہ ہو جائے اور کسی قسم کا دھوکہ نہ کھائیں وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی اور وہ جو اہل ایمان ہیں کیونکہ وہ اللہ کی ہر بات پر یقین کریں گے اور اس پر ایمان لائیں گے اور یہ تعداد اس وجہ سے بھی ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ یہ کہیں کہ اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے اس چیز کو مثل بنانے سے اور بطور عدد اس کو بیان کرنے سے اس کی کیا غرض ہے بھلا یہ کیا بات ہے اور کون اس کو مان سکتا ہے اور نہیں جانتا ہے اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ کے رب کے لشکر مگر بس وہی پروردگار اور نہیں ہیں یہ باتیں مگر وعظ ونصیحت دنیا کے انسانوں کے لیے کہ وہ جہنم اور عذاب جہنم اور اللہ کے لشکر اور جہنم پر مقرر انیس کی تعداد میں داروغہ کا ذکر سن

---

* جہنم پر مقرر کردہ فرشتوں کی تعداد انیس بیان کرتے ہوئے یہ فرمانا ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ انیس فرشتے جو داروغہ، جہنم مقرر کیے گئے ہیں تو یہ بحیثیت افسران بالا ہوں گے ہر ایک افسر کے تحت کس قدر عملہ ہوگا یہ تو خدا ہی جانتا ہے یہ اس کے لشکر ہیں جن کو کوئی ہی نہیں جان سکتا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ نے انیس کے عدد کی حکمتیں بڑی عجیب اور لطیف بیان کی ہیں حضرات اہل علم مراجعت فرمالیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جہنم میں مجرموں کے عذاب دینے کے سلسلہ میں انیس قسم کے فرائض ہیں جن میں سے ہر فرض کی انجام دہی ایک ایک فرشتہ کی سرکردگی میں ہوگی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فرشتہ کی طاقت بہت بڑی ہے ایک فرشتہ وہ کام کر سکتا ہے جو لاکھوں آدمی انجام نہیں دے سکتے لیکن ہر فرشتہ کی قوت اور اس کی عملی مصروفیت اسی دائرہ میں محدود کر دی گئی جس کے لیے وہ نامور ہے مثال کے طور پر سمجھ لیجیے کہ ملک الموت لاکھوں انسانوں کی جان ایک آن میں نکال سکتا ہے مگر عورت کے پیٹ میں ایک بچہ کے اندر جان نہیں ڈال سکتا حضرت جبرئیل علیہ السلام چشم زدن میں وحی لا سکتے ہیں لیکن پانی برسانا ان کا کام نہیں جس طرح انسان کی قوتوں کو قدرتِ خداوندی نے محدود کر رکھا ہے کان لاکھوں آوازیں تو سن سکتا ہے لیکن وہ ایک چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتا آنکھیں بے شمار چیزوں کو دیکھ کر نہیں تھکیں گی لیکن وہ ایک آواز بھی سننے پر قادر نہیں اسی طرح جو فرشتہ بھی عذاب پر مقرر ہوگا وہ فرشتہ صرف اسی قسم کا عذاب دے گا جس قسم کے عذاب پر وہ مامور ہے دوسری قسم کا عذاب دینے کی اس کو قطعاً قدرت نہ ہوگی تو اس طرح انیس قسم کے عذاب ہوں گے کوئی ضرب سے عذاب دیتا ہوگا کوئی جلانے سے کوئی توبیخ وملامت سے کوئی زقوم اور صدید وحمیم کے کھلانے اور پلانے پر مقرر ہوگا اس طرح یہ انیس فرشتے اپنے مقرر کردہ عذاب کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب (تفصیل کے لیے تفسیر عزیزی کی مراجعت فرمائیں)

کر عبرت ونصیحت حاصل کریں غضبِ الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے بچیں۔

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ جب یہ آیت ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ نازل ہوئی اور مشرکین نے انیس کا عدد سنا تو مذاق کرنے لگے اور ایک دوسرے سے قہقہے لگاتے ہوئے کہنے لگے یہ انیس ہمارا کیا کرلیں گے ہم تو ہزاروں ہیں اگر کچھ ہوا بھی تو زیادہ سے زیادہ ہم میں سے دس دس ایک ایک کے مقابلہ کے لیے ڈٹ جائیں گے ان میں ایک پہلوان تھا وہ کہنے لگا بھائی سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہوں باقی جو دو رہ جائیں گے ان سے تم نمٹ لینا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ کہ یہ انیس تم جیسی کوئی انسان نہیں بلکہ یہ تو فرشتے ہیں اور فرشتوں کی طاقت کا یہ حال ہے کہ ایک ہی فرشتہ نے قومِ لوط کی پوری بستی کو ایک ہی بازو پر اٹھا کر پٹک دیا تھا۔

ربِ سمٰوات وارض کے لشکر بس وہی جانتا ہے

حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ابن کثیر میں آیت مبارکہ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ حدیث معراج (جو صحیحین میں موجود ہے) سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''البیت المعمور'' کی صفت و کیفیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بیت معمور ساتویں آسمان میں ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوئے ہیں اور پھر ان کو لوٹنے کی نوبت نہیں آتی یعنی ملائکہ کا ہجوم و کثرت اس قدر ہے کہ ان ستر ہزار کے طواف کرنے کے بعد پھر ان کے طواف کی نوبت ہی نہیں آتی تو جس پروردگار کی یہ عظمت وشان ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے فرشتوں کا لشکر کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وہ معروف حدیث تخریج فرمائی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان میں انگشت کے برابر کوئی جگہ ایسی نہیں کہ جہاں کوئی فرشتہ بارگاہ رب العزت میں سربسجود نہ ہو اور فرمایا: اے لوگو! اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا یہ حال ہوجائے کہ تم کثرت سے رونے لگو اور ہنسنا کم کردو اور تم اپنے بستروں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے جنگلوں اور بیابانوں میں نکل جاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے آہ و زاری کرتے ہوئے گڑگڑانے لگو۔

یہ وہی حقیقت ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں واضح کردی گئی ﴿وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝﴾ (الصافات) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت بیان فرمائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز کے لیے تشریف لائے جب کہ جماعت کھڑی ہورہی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تین آدمی بیٹھے ہوئے ہیں جو نماز کے لیے اٹھے نہیں جن میں ایک شخص ابوجحش لیثی تھا آپ نے فرمایا اٹھو نماز کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھو تو ان میں سے دو آدمی تو کھڑے ہوگئے اور تیسرے یعنی ابوجحش نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھڑا ہوں گا جب تک کوئی شخص مجھ سے زیادہ طاقتور بازوؤں والا اور مجھ سے قوی گرفت والا نہ آجائے اور وہ مجھے پٹخ دے اور میرے چہرہ کو مٹی میں روند دے تو بس میں اس وقت ہی اٹھ سکتا ہوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خبیث کو زمین پر دے مارا اور اس کا چہرہ مٹی میں رگڑا وہ شخص عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ قصہ بتایا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے روکا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غصہ میں بھرا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اگر عمر رضی اللہ عنہ اس پر راضی ہوا تو (خیر بہتر ہے) میں تو اے عمر رضی اللہ عنہ یہ چاہتا تھا کہ تم اس خبیث کا سر قلم کر کے میرے پاس لاتے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! میں تم کو بتاتا ہوں خداوند عالم اس ابوجحش کی نماز سے بے نیاز ہے اللہ کے لیے تو آسمانوں میں فرشتے ہمہ وقت عبادت و بندگی میں اس طرح مصروف ہیں کہ ایک لمحہ بھی اس کی بندگی سے خالی نہیں گزرتا آسمانِ دُنیا میں وہ فرشتے ہیں جو ہمہ وقت سربسجود ہیں اور وہ قیامت تک سجدہ سے سر ہی نہیں اٹھائیں گے اور جب قیامت پر وہ اٹھیں گے تو کہتے ہوں گے ((ماعبدناكَ حق عبادَتِكَ)) اسی طرح ہر آسمان پر فرشتوں کی ایک ایک عبادت رکوع و سجود اور قیام اور تسبیح وتحمید کا ذکر فرمایا کہ وہ اسی حالت میں قیامت تک رہیں گے تفصیل تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَآ أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا
سچ کہتا ہوں قسم ہے چاند کی اور رات کی جب پیٹھ پھیرے! اور صبح کی جب روشن ہوئے وہ دوزخ
لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَن شَآءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ
ایک ہے بڑی چیزوں میں ڈراوا ہے لوگوں کو جو کوئی چاہے تم میں کہ آگے بڑھے
أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّآ أَصْحٰبَ
یا پیچھے رہے ہر جی اپنے کیے میں پھنسا ہے مگر
الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾ فِي جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُونَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ
داہنے والے باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا احوال تم کا ہے سے
فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ
پڑے دوزخ میں وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے اور نہ تھے کھلاتے
الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ
محتاج کو اور تھے بات میں دھنستے ساتھ دھنسنے والوں کے اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن
الدِّينِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ أَتٰىنَا الْيَقِينُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِينَ ﴿۴۸﴾
کو جب تک آ پہنچی ہم پر یقین آنے والی پھر کام نہ آوے گی ان کو سفارش کرنے والوں کی

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾

پھر کیا ہوا ہے ان کو سمجھوتی سے منہ موڑتے ہیں جیسے وہ گدھے ہیں بدکے

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا

بھاگے غل کرنے سے بلکہ چاہتا ہے ہر مرد ان میں کہ اس کو ملیں ورق

مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾

کھلے کوئی نہیں! پر ڈرتے نہیں آخرت سے کوئی نہیں یہ تو سمجھوتی ہے

فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ

پھر جو کوئی چاہے یاد کرے اور وہ یاد جبھی کریں کہ چاہے اللہ وہ ہے جس سے

اَلتَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾ ع ۲ ۲۵/۱۶

ڈر چاہیے اور وہ بخشنے کے لائق۔

تنبیہ بر انکار مجرمین و بیان قانون جزاء و سزا در روز قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ ... الى ... هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار و منکرین کی کچھ بے ہودہ خصلتوں اور ان کی نافرمانی کا ذکر تھا اور یہ کہ وہ کس طرح پیغمبر خدا اور وحی الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے اب ان آیات میں ایسے مجرمین و منکرین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ ایسی ذلیل حرکات سے باز آجائیں ساتھ ہی قیامت کے روز جزاء و سزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے اور یہ کہ اہل ایمان کیسی راحتوں اور نعمتوں میں ہوں گے اور کفار و مشرکین جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو ان پر حسرت و ندامت کا کیا عالم ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس وقت حسرت اور پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو ارشاد فرمایا:

خبردار مجرمین و منکرین کو اسی قسم کی لغو اور بے ہودہ باتوں اور حرکتوں سے باز آجانا چاہیے یہ جو کچھ وحی الٰہی سے بتایا جارہا ہے بالکل حق ہے اور قسم ہے چاند کی اور قسم ہے رات کی جب وہ پیٹھ پھیرے اور قسم ہے صبح کی جب کہ وہ روشن ہو بے شک وہ جہنم جس پر انیس فرشتوں کے پہرے اور انتظام کا ذکر کیا گیا ہے ایک بہت ہی بڑی چیز ہے بڑی عظیم الشان چیزوں میں سے جو ڈرانے والی ہے انسان کو ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے چاہے آگے بڑھنا اور سعادت و فلاح کے میدان میں یا یہ کہ وہ پیچھے رہے اور ایمان و تقویٰ کی طرف رخ بھی نہ کرے آگے بڑھنے سے نیکی اور تقویٰ کے عمل کرے گا اور اس کا نتیجہ بہشت اور بہشت کی نعمتیں ہوں گی۔ اور پیچھے ہٹنا

بدی اور برائیوں میں مبتلا ہونا ہوگا اور ظاہر ہے کہ ایمان اعمال اور نیکی یا کفر و نافرمانی اور شقاوت کے نتائج قیامت ہی کے روز سامنے آئیں گے اسی وجہ سے یہ قانون خداوندی ہے کہ ہر ایک انسان اپنی کیے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے ان کاموں میں سے جو بھی شقاوت و معصیت اور بدی کا کام ہو اس کی سزا سے وہ کسی طرح بھی نہیں بچ سکتا۔

مگر داہنے ہاتھ والے جن کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ باغوں میں ہوں گے ہر طرح کی عیش و راحت اور لذتوں میں جو بطور مزاح یا حق تعالیٰ کی نعمتوں میں خوش ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے ہوں گے مجرموں کے بارہ میں کہ وہ لوگ کہاں گئے جو دُنیا میں اپنا فخر و غرور جتایا کرتے تھے اور ایمان و اعمالِ صالحہ کی جزاء اور جنت کی نعمتوں کا انکار کرتے تھے اور یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ قیامت آئے گی اور قیامت میں مجرموں پر خدا کا عذاب ہوگا پھر خود وہ ان مجرموں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دریافت کرتے ہوں گے کس چیز نے تم کو پہنچایا ہے جہنم میں اور تم تو بڑے ہی عقل مند تھے اس دانائی و عقل کے باوجود تم اس ہلاکت و تباہی کے مقام پر کیسے پہنچ گئے بولیں گے ہم نہ ہوئے نماز پڑھنے والوں میں سے اور نہ ہی صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ کی صورت میں مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور بلکہ ہم تو خدا اور رسول کی باتوں میں طعن و تشنیع کرنے والوں کے ساتھ اللہ کے دین میں تمسخر اور اعتراض کرنے میں منہمک رہتے تھے چہ جائیکہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور ہم جھٹلاتے رہے انصاف کے دن روز قیامت کو یہاں تک کہ آ پہنچی ہم پر یقین کی بات کہ قیامت ہی آ گئی اور جن جن باتوں میں شک کرتے تھے اور جھٹلاتے تھے ان پر یقین بھی حاصل ہو گیا حتیٰ کہ مشاہدہ کر لیا کہ یہ ہے وہ جہنم جس سے خدا کے پیغمبر نے ڈرایا تھا تو اس طرح انجام ہوگا ان منکرین و مکذبین کا جو کسی طرح بھی عذابِ خداوندی سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں گے سو ان کو سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ یہ سب کچھ ان منکرین کو بتایا جا رہا ہے جو قریش مکہ میں سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان نہیں لا رہے ہیں تو آخر کیا ہو گیا ان کو جو ہر نصیحت سے بے رخی اختیار کر رہے ہیں بلکہ نفرت اور پیغام نصیحت سے دور بھاگنے کی صورت یہ معلوم ہو رہی ہے کہ گویا یہ بدکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو کسی ہیبت ناک آواز سے بھاگ رہے ہیں تو اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہے کہ نعرۂ حق اعلان توحید اور دعوت ایمان کی صدا نے ان کے قلوب و دماغ میں کھلبلی مچا دی جو کفر و شرک کی گندگیوں سے بھرے ہوئے ہیں عقل و فطرت کے لحاظ سے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اعلان توحید اور دعوت حق سے اعراض کریں اور اس کو قبول نہ کریں اصل روگ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئی ورق دے دیئے جائیں اور نام بنام ہر ایک پر آسمان سے ایک ورق اور صحیفہ آ کر گرے اور اس میں لکھا ہوا ہو کہ اے فلاں بن فلاں خدا تجھ کو کہتا ہے کہ تو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آ ✽ خبردار ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یہ نہیں ہے کہ یہ بات وہ اپنے کسی شک اور تردّد کو دُور کرنے کے لیے کہتے ہیں بلکہ یہ لوگ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں جب اس پر ایمان و یقین ہی نہیں تو کیا خاک ڈریں گے خبردار اے انسان غفلت سے باز آ جا یہ تو ایک نصیحت ہے جو ہمارے پیغمبر نے سب کو کر دی اور یہ پیغام نصیحت سب کو پہنچا دیا اب جس کا دل چاہے اس کو قبول کر لے اور جس کا دل چاہے اس کو ٹھکرا دے اور جو لوگ بھی اس کو قبول کریں گے وہ وہی ہوں گے جن کو اللہ چاہے کیونکہ حق و ہدایت کا

✽ یہ وہی چیز ہے جس کو سورۂ انعام میں فرمایا: ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ کہ اگر ہم آپ ﷺ پر ایک لکھی ہوئی کتاب کاغذوں میں اتار دیتے پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو تب بھی یہی کہتے یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے مطلب یہ کہ بالفرض ان کا یہ مطالبہ اور خواہش بھی پوری کر دی جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔

قبول کرنا پروردگار عالم کی توفیق ومشیت پر موقوف ہے اور وہ ذات خداوند عالم اپنی عظمت و کبریائی اور اپنے جلال و جمال کے باعث لائق ہے ڈرنے کے اور اہل ہے مغفرت کا کہ اپنے لطف وکرم سے بندوں کو معاف کردے اور اپنے انعامات سے نوازے یعنی آدمی کتنا ہی گناہگار ہو لیکن پھر بھی اگر خدا سے ڈر کر تائب ہوجائے گا اور معافی مانگے گا تو خدائے تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہوئے اس کی مغفرت فرمادے گا یہی اس کی شان کریمی سے متوقع ہے۔ ❶

اَللّٰھُمَّ اغفرلنا و ارْحَمْنا وارض عنا وتقبل منا وادخلنا الجنة و نجنا من النار بالخير فانت اهل التقویٰ و اهل المغفرة اٰمين يارب العٰلمين.

تمّ تفسير سورة المدثر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ القیامۃ

سورۂ قیامہ بھی مکی سورتوں میں سے ہے جو مکی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اس کی چالیس آیات اور ۲ رکوع ہیں۔

اس سورت میں احوال قیامت کا کر ہے اور وہ دلائل قاطعہ اور واضح بعث ونشر کے ثابت کرنے کے لیے کر فرمائے گئے جن کو سن کر ہر شخص عقل وفطرت کی رو سے مجبور ہے کہ وہ قیامت اور بعث بعد الموت پر ایمان لائے۔

ایمان بالآخرۃ دین اسلام کی بنیاد ہے تو اس سورۂ مبارکہ میں خاص طور پر قیامت کے احوال بیان کیے گئے اور یہ کہ انسان پر جب سکرات موت طاری ہونے لگتے ہیں تو اس پر کس طرح کی بے چینی اور کرب واقع ہوتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہٗ قیامت برپا فرمائیں گے تو نظام عالم اور آسمان وزمین اور چاند وسورج کس طرح درہم برہم کردیئے جائیں گے خدائے تعالیٰ انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے کس طرح ان کی قبروں سے اٹھائے گا اور کس طرح وہ اپنی عظیم قدرت سے جسم کے اجزائے منتشرہ اور ریزہ ریزہ ہوجانے والی ہڈیوں کو جوڑے گا۔

پھر جب میدانِ حشر میں حاضری ہوگی تو انسان اپنے اعمال پر کیسا پچھتائے گا اور نامۂ اعمال اس کے سامنے ہوں گے اس کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی کتاب اعمال خود پڑھے ان اہم مضامین کو بیان کرتے ہوئے سورت کے اخیر میں پھر ایک بار انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کیا گیا۔

---

❶ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اس آیت مبارکہ کو تلاوت کرتے ہوئے بطور تشریح وتوضیح فرمایا: ((قال ربكم انا اهل ان اتقى فلا يشرك شیء فَاِذَا اتقانی عبدٌ فانا اهل ان اغفرله)). یعنی میں اس کے لائق ہوں جب میرا بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ شریک نہ کیا جائے تو میں مغفرت کردوں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں یہی ہے عربیت کی رو سے یہ ظاہر ہوا کہ اہل التقویٰ میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب ہے اور اهل المغفرة نسبت فاعل کی طرف ہے اور اس روایت میں بیان کردہ کلمات اس طرف بھی اشارہ کررہے ہیں جملہ معطوف علیہا بمنزلہ شرط ہے اور جملہ معطوفہ بمنزلہ جزا ہے۔ ۱۲

آیاتُہا ۴۰ سُوْرَۃُ الْقِیٰمَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۷۵) (۳۱) رکوعاتہا ۲

سورۂ قیامہ مکی ہے اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾

قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں جی کی جو اولاہنا دیتا ہے

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ

کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں؟ کیوں نہیں سکتے ہیں ہم کہ

نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ

ٹھیک کردیں اس کی پوریاں بلکہ چاہتا آدمی کہ ڈھٹائی کرے اس کے سامنے پوچھتا ہے

اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۙ﴿۸﴾

کہ کب ہے دن قیامت کا؟ پھر جب چوندھ لانے لگے تیور اور گہہ جاوے چاند

وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ﴿۱۰﴾

اور اکٹھے ہوں سورج اور چاند کہے گا آدمی اس دن کہاں جاؤں بھاگ کر

كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ؕ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ

کوئی نہیں کہیں نہیں ہے بچاؤ تیرے رب تک اس دن جا ٹھہرنا جتا دیں گے انسان کو

يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ؕ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ﴿۱۴﴾

اس دن جو آگے بھیجا اور پیچھے چھوڑا بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ سوجھ ہے

وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ؕ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ

اور پڑا لاڈالے اپنے بہانے نہ چلا تو اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کہ شتاب اس کو سیکھ لے وہ تو

عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا

ہمارا ذمہ ہے اس کو سمیٹ رکھنا اور پڑھنا پھر جب ہم پڑھنے لگیں تو رہ ساتھ اس کے پڑھنے کے پھر مقرر ہمارا ذمہ ہے اس کو

بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ

کھول بتانا کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو شتاب ملتی اور چھوڑتے ہو دیر آتی کتنے منہ

يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾

اس دن تازے ہیں اپنے رب کی طرف دیکھتے اور کتنے منہ اس دن اداس ہیں

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيْلَ

خیال میں ہیں کہ ان پر وہ ہووے جس سے کمر ٹوٹے کوئی نہیں جس وقت جان پہنچی بانس تک اور لوگ کہیں

مَنْ ۜ سکتة رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾

کون ہے جھاڑنے والا اور وہ اٹکلا کہ اب آیا چھوٹنا اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ࣙالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ ع ۱۷

تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھچ جانا پھر نہ یقین لایا ہے نہ نماز پڑھی پر جھٹلایا ہے

وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ

اور منہ موڑا پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا خرابی تیری! خرابی پر خرابی تیری! پھر خرابی تیری!

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ

خرابی پر خرابی تیری! کیا خیال رکھتا ہے آدمی؟ چھوٹا رہے گا بے قید بھلا

يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾

نہ تھا ایک بوند منی کی جو ٹپکے پھر تھا لہو کی پھٹکی پھر اس نے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى

پھر کیا اس میں جوڑا نر اور مادہ کیا ایسا شخص نہیں سکتا؟

۲ ع ۱۰ ۱۸ اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع

کہ جلا دے مردے۔

احوال روز قیامت مع ذکر مناظر محشر وشدت کرب بوقت مرگ انسانی وحسرت وملال بر محرومی از ہدایت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ﴾ ... الیٰ ... ﴿اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت مدثر میں قیامت کے ظاہری احوال کا ذکر تھا اور یہ کہ قیامت کے قریب کیا کیا واقعات پیش آئیں گے اور قیامت کس طرح برپا ہوگی۔ اب اس سورت میں قیامت کے باطنی احوال بیان کیے جا رہے ہیں اور یہ کہ قیامت قائم ہونے پر انسان پر کیا کیفیات گزریں گی وہ کس طرح بے چین وبدحواس ہوگا نامۂ اعمال کی پیشی نہایت ہی ہیبت ناک اور ہوش وحواس معطل کر دینے والا مرحلہ ہوگا اور اس وقت نافرمان اور فاجر وبدکار انسان کو سوائے ملال وحسرت کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی جس کے صدق اور وقوع پر دلائل قطعیہ قائم ہو چکے اور ہر صاحب عقل انسان پر اس کا ماننا لازم ہو چکا خواہ وہ مانے یا نہ مانے اور قسم کھاتا ہوں میں ملامت کرنے والے نفس کی جس کی ملامت وحسرت کی کیفیات انسان ہر محرومی ونا کامی کے مرحلہ پر محسوس کرتا ہے اور ایسے ہر مرحلہ پر یہ احساس قدرتِ خداوندی اور اس کے دین کی حقانیت کی اعلیٰ اور روشن تر دلیل ہے۔

کیا گمان کرتا ہے انسان یہ کہ ہم اس کے مرنے کے بعد نہیں جمع کر سکیں گے اس کی ہڈیاں؟ ہر گز نہیں اس کا یہ خیال باطل ہے بلکہ ہم تو قادر ہیں اس بات پر کہ اس کی انگلیوں کی پوریاں بھی برابر کر دیں جو انسان کے بدن میں نازل ترین ہڈیاں اور اجزاء ہیں تو جب ہم ایسی نازک اور باریک ہڈیاں اور جوڑ بھی درست کر سکتے ہیں تو پھر تمام اجزاء اور ہڈیوں کا جوڑنا کیا مشکل ہے اصل بات یہ نہیں ہے کہ ہماری قدرت کی نشانیاں اور دلائل واضح نہیں ہوئے بلکہ یہ انسان ارادہ کرتا ہے کہ ڈھٹائی کے ساتھ فسق وفجور کرتا رہے اس سے پہلے اور قیامت کا خیال تک دل میں لانے کے لیے تیار نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قیامت اور حشر ونشر کے تصور سے بھی اس کے عیش وعشرت اور نفس کی لذتوں میں خلل پڑ جائے گا وہ بس یہی چاہتا ہے کہ اعمال کے حساب وکتاب اور جزاء وسزا کے خیال سے لاپروا ہو کر نفس کی خواہشات اور لذتوں میں منہمک رہے اس لیے بطور استہزاء سوال کرتا ہے کب آئے گا قیامت کا دن؟ ایسے مسخرے کو معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کوئی کھیل تماشا نہیں وہ تو ایسی ہولناک ساعت ہوگی جب چندھانے لگے آنکھ تجلیات کی شدت وعظمت سے اور حیرت سے نگاہیں خیرہ ہوں گی سورج سر کے قریب ہوگا اور بے نور ہو جائے چاند گہن لگنے کی طرح اور جمع کر دیا جائے سورج اور چاند کہ نفخ صور کے بعد دونوں کو بے نور کر کے اور آسمان وزمین کا تمام نظام جو شمسی وقمری نظام پر قائم ہے درہم برہم کر دیا جائے اور اس آسمان وزمین کے بجائے دوسرے آسمان وزمین بنا دیئے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ (ابراہیم: ۴۸) تو قیامت کا دن اے سوال کرنے والے انسان ایسا ہیبت ناک دن ہوگا جس میں بدحواسی کا یہ عالم ہوگا انسان کہتا ہوگا۔ کہاں ہے بھاگنے کی جگہ کہ میں ان

پریشانیوں سے بچ نکلوں نہیں ہرگز نہیں خبردار کہیں نہیں بچنے کی کوئی جگہ کوئی طاقت ہی نہیں کہ انسان خدا کی گرفت سے بچ کر نکل سکے۔

بس اے انسان تیرے پروردگار ہی کی طرف اس دن ٹھیرنے کا مقام ہے کہ اسی رب کی عدالت کی حاضری اور پیشی سب کو بھگتنی ہے اور وہیں سب کو پیش ہونا ہے نہ کوئی امکان ہے اور نہ ہی کوئی مکان ہے کہ انسان وہاں پناہ لے سکے ہر انسان کو جتلا دیا جائے گا اس دن جو کچھ اس نے پہلے کیا اور جو کچھ اس نے بعد میں کیا یا جو کچھ اس نے پیچھے چھوڑا۔ نامۂ اعمال پیش ہوگا اور زندگی کا ہر عمل اس کے سامنے ہوگا جس کا نہ انکار کر سکے گا اور نہ اس میں کسی قسم کی حجت بازی ممکن ہوگی اور نامۂ اعمال کی پیشی کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ انسان تو اپنے نفس کو خوب سمجھتا ہوگا اور اس کے بدن کا ہر ہر جز ہر اس عمل کی گواہی دیتا ہوگا جو اس نے کیا ﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ (یٰسین: ۶۵) اگرچہ وہ پیش کرنے لگے اپنے اعذار اور بہانے اور خواہ کچھ ہی بات بنائے حیل وحجت کرے لیکن کچھ کام نہ چلے گا حتیٰ کہ اس کا یہ کہنا بھی ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام: ۲۳) کسی درجہ میں مفید نہ ہوگا۔ اے ہمارے پیغمبر مت [1] حرکت دیجیے آپ ﷺ اپنی زبان کو تاکہ جلدی سے اس کو محفوظ کرلیں آپ ﷺ کو اس محنت و مشقت کی ضرورت نہیں جو آپ ﷺ جبرئیل امین علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی زبان سے بھی وہی کلمات پڑھنے کی مشقت اٹھاتے ہیں بیشک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کردینا آپ ﷺ کے سینہ میں اور اس کا پڑھنا زبان سے اس لیے جب ہم اس کو پڑھیں فرشتہ کی زبان سے تو آپ ﷺ اس کے پڑھنے کی پیروی نہ کیجیے خاموشی سے سنیے اور اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا واضح کرنا اور بتلانا اور آپ ﷺ کے ذریعہ اس کے معانی ومضامین کا دُنیا تک پہنچا دینا۔

یہ مناظر اور حقائق تو اس بات کے واسطے کافی ہیں کہ انسان آخرت اور آخرت میں اعمال کی پیشی کو سمجھ لے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ انسان فکر آخرت سے بالکل ہی لاپرواہ ہو چکا ہے اور یہ اس بناء پر نہیں کہ آخرت اور قیامت کے دلائل واضح نہیں یا انسان کی عقل وفطرت اس

---

[1] صحیح بخاری اور دیگر روایات میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابتداء وحی میں آنحضرت ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جبریل امین علیہ السلام جس وقت اللہ کی وحی لے کر آئے اور وحی آپ ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ ساتھ ساتھ ہر ایک لفظ اپنی زبان سے پڑھنے لگتے اس ڈر سے کہ کہیں کوئی لفظ ذہن اور یاد سے نکل نہ جاوے اور اس وجہ سے آپ ﷺ اپنے اوپر کافی مشقت برداشت فرماتے تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو اس طرح کی محنت ومشقت سے روک دیا گیا اور وعدہ کرلیا گیا کہ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ اس کلام کو آپ ﷺ کے دل میں جمع اور محفوظ کردیں اور پھر آپ ﷺ کی زبان سے اس کی تلاوت وقراءت کرادیں جس کو لوگ سن کر آپ ﷺ سے یاد کرلیں اور یہ بھی ہمارے ذمہ ہے کہ اس کلام کی توضیح وبیان اور اس سے متعلقہ احکام کی تفصیل وتشریح بھی کرادیں اس وجہ سے آپ ﷺ کو چاہیے کہ جب ہم اس کو بزبان فرشتہ پڑھیں تو آپ ﷺ اس کی اتباع کریں یعنی خاموش رہیں اور کان لگا کر سنیں چنانچہ پھر آپ ﷺ ایسا ہی کرتے کہ جبریل علیہ السلام کے وحی لانے پر خاموش رہ کر سنتے اور جب جبرئیل علیہ السلام چلے جاتے تو اسی طرح بلا کسی زبر زیر کے فرق کے آپ ﷺ پڑھنے لگتے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اللہ کی قدرت کا ایک عظیم نمونہ ہے کہ ایک سینہ میں کلام محفوظ کردیا جائے اور پھر اس کو جب چاہو اعادہ کرلو اور زبان سے اسی ترتیب کے ساتھ ظاہر کردیا جائے تو جس طرح خدا کے پیغمبر کے سینہ میں یہ کلام محفوظ ہو رہا ہے اور پھر تلاوت کیا جا رہا ہے اور پڑھا جا رہا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ انسان کے اعمال محفوظ رکھے اور قیامت کے روز ان اعمال کو اسی ترتیب سے جس طرح سے کہ وہ کیے گئے ہیں انسان کے سامنے ظاہر کردے بلکہ ہر انسان کے قلب میں کسی چیز کا محفوظ ہونا پھر اس کا زبان سے اسی ترتیب سے بیان وظاہر کرنا قیامت کے روز اعمال کی پیشی اور گواہی کا نمونہ ہے غرض اس توضیح سے ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ﴾ کا جو شانِ نزول مفسرین نے بیان کیا اور احادیث میں اس کو ذکر کیا گیا اس کا ربط سورۂ قیامہ کے اس مضمون سے اور ماقبل ومابعد آیات سے واضح ہو رہا ہے۔ ۱۲

کو سمجھ نہیں سکتی بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اے لوگو تم پسند کرتے ہو جلدی کی چیز کو جو دنیا میں اسی زندگی میں مل جائے اسی زندگی کی لذتوں اور عیش وعشرت کا خواہاں ہو جس میں انہماک وشغف نے تم کو فکر آخرت سے بے پروا بنادیا اور چھوڑتے ہو آخرت کو اور آخرت کی نعمتوں اور لذتوں کو کاش کہ فکر آخرت نصیب ہوئی اور آخرت کی نعمتوں کی قدرو منزلت کا شعور ہوتا جانتے بھی ہو وہاں کے احوال کیا ہوں گے؟ روزِ قیامت یہ ہوگا کہ کچھ چہرے اس روز تر و تازہ وشاداب ہوں گے جو اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن اداس اور مرجھائے ہوئے بدحواس اور بے رونق ہوں گے جو گمان کرتے ہوں گے اب ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا جو کمر توڑ دینے والا ہو اور ایسی شدت وکرب کی کیفیت محسوس کریں جوان کی کمر ہی توڑ ڈالے۔

خبردار اے غافل انسانو! قیامت کی شدت کا کیا کہنا وہاں کا عذاب وسختی تو کیا برداشت کی جاسکے گی یہ دُنیا میں موت کی گھڑی کچھ دور نہیں اور سفر آخرت کی یہ پہلی منزل ہی اس قدر دشوار گزار ہے کہ انسان اس کا تصور تک بھی نہیں کرسکتا چنانچہ جب انسان کی جان گلے تک پہنچنے لگے اور نزع روح کا وقت آجائی اور تدبیر وعلاج سے مایوسی کے بعد کہا جائے ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا اور وہ سمجھے کہ اب فراق کا وقت ہے دُنیا اور دُنیا کی ہر محبوب چیز سے جدائی کا منظر آنکھوں سے نظر آنے لگے اور کرب و بے چینی کا یہ عالم ہو کہ پنڈلی پنڈلی کے ساتھ لپٹنے لگے تڑپنے کی کیفیت سے جیسے کہ سکرات موت کی سختی سے ایک پنڈلی سے دوسری پنڈلی لپٹ لپٹ جاتی ہے تو ہر انسان کو ایسے سکرات موت کی شدت کو سوچنا چاہیے کہ یہ کیسا کرب اور بے چینی کا عالم ہوگا۔

تو جب آخرت کی یہ پہلی منزل اس قدر شدید ہے کہ بڑے سے بڑے طاقتور انسان برداشت نہیں کرسکتے تو ظاہر ہے کہ قیامت اور محشر کی شدت کا کیا عالم ہوگا اور انسان عجیب ہے کہ آخرت تو کیا موت جو قریب کی چیز ہے اور اس کا منظر روز اس کی نظروں کے سامنے ہے اس کو بھی بھلائے ہوئے ہے تو اے انسان آخر کیوں اس بات کو نہیں سوچتا کہ بس تیرے رب ہی کی طرف گھسیٹ کر تجھے لے جانا ہے اور ہر شخص میدان حشر کی طرف لے جایا جائے گا جیسے جانوروں کو ہنکایا جارہا ہو۔

یہ باتیں بہت کافی ہیں کہ انسان ان پر غور کرکے عبرت ونصیحت حاصل کرے حق اور ہدایت کو تسلیم کرے لیکن افسوس بدنصیب ہے وہ انسان جس نے یقین نہ کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر ایمان لے آتا اور نہ نماز پڑھی اپنے رب کی اطاعت وبندگی کرتے ہوئے۔ ہاں البتہ اس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور منہ موڑا غرور وتکبر سے نافرمانی کرتے ہوئے پھر لوٹا وہ اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا اے مغرور و بدنصیب انسان ہلاکت و بربادی ہو تیرے واسطے پھر ہلاکت و بربادی پھرتباہی ہ تیری اور پھر تباہی ¹ کہ دُنیا میں ذلت ونحوست اور ہلاکت ہو اور پھر آخرت میں بھی عذاب جہنم میں مبتلا ہو آخرت کے عذاب اور قیامت کی شدت سے کون بچ سکتا ہے ہر صاحب عقل کو اس کی فکر اور تیاری میں لگ جانا چاہیے اور جب تک دُنیا میں ہے ان لمحات زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیے تو کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو آزاد ہی چھوڑ دیا جائے گا کہ جو چاہے کرے نیک و بد اور حلال وحرام کا فرق بالائے طاق رکھ کر اپنی خواہشات اور نفس ہی کی پیروی کرتا رہے اور یہ تصور بھی نہ کرے کہ اس کی ذمہ داری کیا ہے اور کس لیے پیدا کیا گیا اور اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتا تو اپنے خالق و مالک کو کیا جواب دے گا ایسا انسان آخر کیوں نہیں قیامت پر ایمان لاتا اور اللہ کی قدرت پر کیوں یقین نہیں کرتا کیا وہ نہیں تھا منے کا قطرہ ٹپکا ہوا رحم میں اور پھر یہ ناپاک قطرۂ منی کس طرح نشوونما پاتا رہا پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا پھر اس کو نشوونما دیا اور بتدریج نہایت ہی تناسب کے ساتھ اعضاء بنائے ہاتھ پاؤں شکل وصورت بنائی اس طرح کہ نطفہ سے خون کا لوتھڑا بنا اور خون کے لوتھڑے کو شکل وصورت

بخشی متناسب اعضاء بنا دیئے پھر اس سے بنائے جوڑے مذکر و مونث کہ کسی نطفہ کو لڑکے کی شکل دے دی اور کسی کو لڑکی بنا دیا اور ظاہر ہے کہ ایک قطرۂ منی سے یہ تصرفات اور تغیرات خود بخود نہیں ہو رہے ہیں اور نہ کوئی عقل والا اس کا دعویٰ کر سکا ہے بلکہ ہر ایک مرحلہ اور حالت بتا رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی بڑے ہی زبردست علیم و حکیم اور قادر و خلاق کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے ورنہ یہ کون سے مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے کہ ایک قطرہ ایسے تغیرات قبول کرتا جا رہا ہے پھر اعضاء بن رہے ہیں شکل و صورت تیار ہو رہی ہے اور اس میں کوئی حمل لڑکے کی شکل اختیار کر رہا ہے تو کوئی لڑکی آخر یہ تفاوت کیوں ہو رہا ہے اور کون یہ صناعی کر رہا ہے اور کون اس گوشت کے لوتھڑے کو شکل و صورت دے کر آنکھ، ناک، کان اور ان میں ادراک کی صلاحیتیں پیدا کر رہا ہے تو کیا ایسا قادر مطلق اور خلاق عظیم قادر نہیں ہے اس بات پر کہ مردوں کو زندہ کر دے اور قیامت کے روز میدانِ حشر میں سب کو جمع کر دے؟ کیوں نہیں ضرور بالضرور اور بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے اور جب کہ ہر انسان کی تخلیق بلکہ ہر گھاس کا تنکا اور زمین کی تہوں میں سے ہر تخم کی روئیدگی بعث بعد الموت کا نمونہ ہے تو قیامت پر ایمان لانے میں کیا تامل ہو سکتا متعدد اسانید سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سورۂ قیامہ کی یہ آخری آیت تلاوت فرماتے تو آپ ﷺ فرماتے ((بَلٰی)) اور بعض روایات میں ہے ((سُبْحَانَکَ بَلٰی)) کہ بے شک اے پروردگار کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔

جیسا کہ سورۂ والتین کے بعد بلٰی وانا علٰی ذٰلِکَ من الشاھدین اور سورۂ مرسلات کے ختم ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ﴾ پر آپ ﷺ یہ فرماتے ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ان آیات کی تلاوت پر ان کلمات کا پڑھنا ایمان و یقین کی تقویت اور اضافہ کا باعث ہے اس لیے احادیث میں آنحضرت ﷺ سے ان کلمات کے پڑھنے کی ہدایت وارد ہوتی ہے۔

نفس کی حقیقت اور اس کی قسمیں

نفس کی حقیقت پر امام غزالی رحمہ اللہ نے مفصل کلام کیا ہے۔

اکثر فلاسفہ اور معتزلہ نفس اور روح کی حقیقت ایک ہی قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات فلاسفہ اجمالاً اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ نفس سے مراد جان یا روح انسانی ہے وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتساب کمالات کے لیے اس کا آلہ ہے اور نفوس انسانیہ اپنی استعداد و فیضان کے لحاظ سے مختلف مراتب اور درجات پر ہوتے ہیں حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے نفوس، نفوس قدسیہ ہوتے ہیں ان کے بعد درجہ اولیاء کرام کا ہے ایسے نفوس کو حق تعالیٰ سے قرب کا مقام حاصل ہونے کے باعث طمانیت و سکون کی نعمت

---

1 یہ کلمات ﴿اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی﴾ کے مفہوم کی توضیح کے لیے ہیں علماء عربیہ سے منقول ہے کہ کلام عرب میں ﴿اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی﴾ ہلاکت و بربادی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں موسیٰ بن ابی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے ﴿اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی﴾ کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا یہ وہ الفاظ تھے جو آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے ابوجہل لعین کے انکار و تکبر اور گستاخی کے مظاہرہ پر نکلے جب کہ وہ انتہائی غرور کے ساتھ آپ ﷺ کی شان میں بدتمیزی اور گستاخی کرتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چلا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کی زبان سے نکلے جبریل امین علیہ السلام ان ہی لفظوں کے ساتھ یہ آیت لے کر اترے ان الفاظ کا تکرار تباہی و ذلت اور عذاب کی شدت پر دلالت کر رہا ہے اور یہ کہ ایسے مغرور و نافرمان کو یہ سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی جہاں جہنم کی شدتیں اور آگ کی لپٹیں ہر ایک جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہوں گی۔

حاصل ہوجاتی ہے جیسے کہ ارشاد ہے ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ تو یہ نفوس مطمئنہ کہلاتے ہیں جو عام مؤمنین و صالحین کے مقام سے بہت بلند تر ہوتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے التمہید میں ایک حدیث نقل کی ہے اسی کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں بھی تخریج فرمایا ہے۔

ان اللّٰه تعالیٰ خلق اٰدم و جَعَل فیه نفسًا وروحًا فَمِن الروح عفافه وفهمهٗ و حلمهٗ وجُودهٗ وسخائهٗ و وفائهٗ..... و من النفس شهوتهٗ وغضبهٗ وسفههٗ وطَيْشهٗ.

”کہ اللہ رب العزت نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس میں نفس بھی رکھا اور روح بھی تو روح سے انسان کی عفت و پاکدامنی اس کا علم وفہم اور اس کا جود وکرم اور وفاء عہد ہے..... اور نفس سے اس کی شہوت اس کا غضب اور برافروختگی ہے۔“

حدیث کا مضمون نفس اور روح مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے دو متضاد اور مختلف قوتیں پیدا کی ہیں ایک قوت اس کو خیر پر آمادہ کرنے والی ہے جس کا نام روح ہے اور دوسری قوت شر پر آمادہ کرنے والی ہے اس کو نفس کہتے ہیں اسی چیز کو متکلمین نے اختیار کیا ہے اور نصوص قرآنیہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے ائمہ محدثین اور حضرات عارفین یہی بیان فرماتے ہیں۔

استاذ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اخلاق حمیدہ کے معدن اور سرچشمہ نفس کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کا سرچشمہ نفس ہے جسم لطیف ہونے میں اگرچہ دونوں مشترک ہیں لیکن ایک طاقت انسانی زندگی کے لیے محرک خیر ہے اور دوسری طاقت محرک شر ہے اسی وجہ سے قرآن کریم نے روح کو امر رب فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵) اور یہی وجہ ہے کہ اخلاق ذمیمہ اور بری خصلتوں کو روح کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ ﴾ (حمٓ السجدۃ:۳۱) اور فرمایا ﴿ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ ﴾ (النساء:۱۲۸) ﴿ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴾ (النازعات:۴۰) تو ان آیات میں شہوت حرص اور ہوا (خواہشات نفس) کو نفس کی طرف منسوب کیا گیا ان مواقع میں کسی جگہ بھی لفظ روح یا ارواح نہیں بولا گیا اسی طرح آیت ﴿ وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ﴾ (البقرہ:۱۳۰) میں بھی سفاہت کو نفس کی طرف منسوب فرمایا علیٰ ہٰذا القیاس ایک حدیث میں یہ فرمانا ((اعدٰی عدوك نفسكَ التی بین جنبیكَ)) کہ اے انسان سب سے بڑا تیرا دشمن وہ تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے تو اس موقعہ پر نفس کو انسان کا دشمن فرمایا کہیں قرآن کریم میں یہ فرمایا ﴿ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (البقرہ:۱۰۹) اور ﴿ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (الفرقان:۲۱) جس سے حسد اور کبر کا نفس کی طرف ہونا بیان فرمادیا۔

علامہ ابن الجوزی نے ”زادالمسیر“ میں سورۂ زمر کی تفسیر میں بیان کیا ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما اِبنُ آدم نفس و روح فالنفس العقل والتمیز والروح نفسٌ والتحریك واذا نام العبد قبض اللّٰه نفسه ولم یقبض رُوحهٗ.

”ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انسان مجموعہ ہے نفس اور روح کا نفس سے تو انسان ادراک وامتیاز کرتا ہے اور روح سے سانس لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے اور جب انسان سوجاتا ہے تو اللہ اس کے نفس کو قبض کر لیتے ہیں مگر روح کو قبض نہیں فرماتے۔“

یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن کریم میں اس طرح فرمایا ﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ

مَنَامِهَا ... الخ﴾ (الزمر: ۴۲) ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان میں روح اور نفس ہے اوران کے درمیان ایک پردہ حائل ہے سوتے وقت اللہ تعالیٰ نفس کو قبض کر لیتے ہیں اور بیداری کے وقت اس کو واپس کر دیتے ہیں اور جب اللہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی کو سونے کی حالت میں موت دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے نفس کو واپس نہیں کرتے اور روح کو قبض کر لیتے ہیں۔

بہرکیف ان تصریحات سے یہی چیز واضح ہے کہ نفس اور روح ایک چیز نہیں اور نفس انسانی زندگی میں شراور برائیوں پر آمادہ کرنے والی قوت کا نام ہوا اسی وجہ سے نفس کی اس اصل خصوصیت اور تاثیر کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ﴾ (یوسف: ۵۳) کہ نفس امارہ بالسوء یعنی بُرائیوں پر خوب آمادہ کرنے والا ہے تو یہ حالت نفس کی اصل حالت ہوئی لیکن اس نفس کو جب تربیت دی جائے اور اصلاح کی جائے تو پھر اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ بُرائی کو بُرائی سمجھے اور اگر بُرائی سرزد ہو جائے تو اس پر انسان شرمندہ ہو اور نفس ملامت کرنے لگے تو یہ نفس لوّامہ ہوا پھر جب تعلیم و تربیت اور ریاضت کے آثار سے قلب لطافت و پاکیزگی حاصل کر لے تو وہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے جس کو آیت مبارکہ ﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ﴾ (الفجر: ۲۷) میں بیان فرمایا گیا۔

نفس کی مثال امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کلب اور کتے کی سی بیان فرمائی اور فرمایا لیکن وہ کلب جو معلم ہو یعنی شکاری کتا تعلیم و تربیت اس کی درندگی کو ختم کر کے اس کے شکار کو حلال اور پاک بنا دیتی ہے جب کہ کسی بھی جانور پر کتے کا منہ مارنا اس کو ناپاک اور مردار بنا دیتا ہے تو اسی طرح نفس تعلیم و تربیت کے بعد جب مطمئنہ ہو جائے گا تو اس کے عمل اور تحریک میں بھی خیر اور پاکیزگی آجائے گی جب کہ اس کے بغیر نفس کی ہر تحریک اور عمل شر ہی شر تھا۔

روح کی بحث سورۂ اسرا کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں مراجعت فرمالی جائے۔

فائدہ: یوم قیامہ کی قسم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا تحقق اور وقوع قطعی اور یقینی امر ہے جو مخبر صادق کی خبر اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا ہے اگرچہ اس کے مخاطب وہ مشرکین تھے جو قیامت کا انکار کرتے تھے لیکن ان کا انکار روز قیامت کے قطعی الثبوت ہونے کے باعث ایسا ہی قرار دیا گیا جیسے کوئی احمق انسان دن کی روشنی میں سورج کا انکار کرے اقسام قرآن کی بحث پہلے گزر چکی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں: "واضح ہو کہ دُنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کو لوگ قسم کھاتے ہیں اپنے معبود کی، کسی معظم و محترم ہستی کی، کسی مہتم بالشان چیز کی، کسی محبوب کی یا نادر شے کی اس کی خوبی اور ندرت جتانے کے لیے پھر بلغاء یہ بھی رعایت کرتے ہیں کہ مقسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ مقسم علیہ کے لیے شاہد ہے جیسے کہ ذوق نے کہا ہے۔

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندۂ احساں سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھا نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کے اٹھ نہ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیے حرام کر دیا لیکن اللہ کی شان بندوں کی شان سے جدا ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع و مہتم بالشان ہوں یا مقسم علیہ کے لیے بطور حجت و دلیل کام دے سکیں یہاں یوم قیامت کی قسم اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے۔ (کذا فی الفوائد العثمانیہ)

تمّ بحمد الله تفسير سورة القيامة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ الدھر

اس سورت کا نام سورۃ الدھر اور سورۃ الانسان حدیث کی رو سے ثابت ہے اس میں دھر کا ذکر ہے اور انسانی تخلیق کا اس وجہ سے یہ دونوں نام مضمون کے ساتھ پوری مناسبت رکھتے ہیں۔

اس سورت میں آخرت اور احوال آخرت کا خصوصیت سے بیان ہے اور تفصیل کے ساتھ آخرت میں ابرار و متقین کو جن انعامات سے نوازا جائے گا ان کا ذکر ہے سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرتِ عظیمہ کے بیان سے ہے کہ کس طرح وہ اپنی قدرت سے انسان کو ایک ناپاک قطرہ (نطفہ) سے وجود عطا فرماتا ہے۔

اور اس ناپاک قطرہ پر کیا کیا تغیرات و احوال گزرتے ہیں جن کے بعد یہ انسان عدم سے ہستی میں آتا ہے اس قدرتِ عظیمہ کے ذکر سے مقصود انسان کو اپنے مقصدِ حیات کی طرف توجہ دلانی ہے اور اس مقصد کی تکمیل پر انسان کو کیا کیا نعمتیں اور راحتیں آخرت میں میسر آئیں گی ان کا بیان ہے۔

پھر سورت کے خاتمہ پر قرآن کریم کے نزول کا ذکر ہے اور اس کے اوامر و نواہی کی اطاعت کی ترغیب اور نافرمان و سرکشوں سے احتراز و اجتناب کا حکم اور یہ کہ ذکرِ خداوندی ہی انسان کی ہدایت اور فلاح کا ضامن ہے۔

رکوعاتہا ۲	سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ (۷۶) (۹۸)	آیاتہا ۳۱

سورۂ دہر مکی ہے اور اس میں اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①

کبھی ہوا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جو نہ تھا کچھ چیز تکرار میں آتی

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا

ہم نے بنایا آدمی ایک بوند کے لچھے سے پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا سنتا

بَصِيْرًا ② اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

دیکھتا ہم نے اس کو سجھائی راہ یا حق ماننا یا ناشکر ہم نے رکھی ہیں

لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ

منکروں کو زنجیریں اور طوق اور آگ دہکتی البتہ نیک لوگ پیتے ہیں

كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ ⑤ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ

پیالہ جس کی ملونی ہے کافور ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں بندے اللہ کے

يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ

چلاتے ہیں اس کی نالیاں پوری کرتے ہیں منت اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کے

شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ⑦ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا

برائی پھیل پڑے گی اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور بن باپ کے لڑکے کو

وَّ اَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا

اور قیدی کو۔ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہنے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلہ نہ چاہیں

شُكُوْرًا ⑨ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ⑩ فَوَقٰىهُمُ

شکر گزاری ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے ایک دن اداس سے سختی کے پھر بچایا ان کو

اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۚ ⑪ وَ جَزٰىهُمْ بِمَا

اللہ نے برائی سے اس دن کی اور ملائی ان کو تازگی اور خوش وقتی اور بدلہ دیا ان کو اس پر کہ وہ

صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ۙ ⑫ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ

ٹھہر رہے باغ اور پوشاک ریشمی لگے بیٹھیں اس میں تختوں پر نہیں دیکھتے

فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ۚ ⑬ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ

وہاں دھوپ نہ ٹھہر اور جھک رہیں ان پر اس کی چھاویں اور پست کر

قُطُوۡفُهَا تَذۡلِيۡلًا ﴿۱۴﴾ وَ يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ اَكۡوَابٍ

رکھے ہیں اس کے گچھے لٹکا کر اور لوگ لیے پھرتے ہیں ان پاس باسن روپے کے اور آبخورے جو ہو رہے

كَانَتۡ قَوَارِيۡرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيۡرَا۠ مِنۡ فِضَّةٍ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا ﴿۱۶﴾ وَ

ہیں شیشے شیشے روپے کے ماپ رکھا ان کا ماپ اور

يُسۡقَوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنۡجَبِيۡلًا ﴿۱۷﴾ عَيۡنًا فِيۡهَا تُسَمّٰى

ان کو وہاں پلاتے ہیں پیالہ جس کی ملونی ہے سونٹھ ایک چشمہ ہے اس میں اس کا نام کہتے ہیں

سَلۡسَبِيۡلًا ﴿۱۸﴾ وَ يَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۚ اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ

سلسبیل اور پھرتے ہیں ان کے پاس لڑکے سدا رہنے والے جب تو ان کو دیکھے

حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ نَعِيۡمًا وَّ مُلۡكًا

خیال کرے کہ موتی ہیں بکھرے اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت

كَبِيۡرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّ اِسۡتَبۡرَقٌ ز وَّ حُلُّوۡۤا

بڑی اوپر کی پوشاک ان کی کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے اور ان کو پہنائے ہیں

اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا

کنگن روپے کے اور پلائی ان کو ان کے رب نے شراب جو دل کو دھو دے یہ

كَانَ لَكُمۡ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۲۲﴾ ع

ہے تمہارا بدلہ اور کمائی تمہاری نیگ لگی۔

ع ۱ ۲۲ ۱۹

ابتداء ہستی انسان در عالم وعطاء صلاحیت برائے فرق درمیان حق وباطل
مع ذکر انعامات ابرار ومتقین وتعذیب مجرمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ... اِلٰى... سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۲۲﴾﴾

ربط: گزشتہ سورۂ قیامہ میں احوال قیامت کا ذکر تھا اور ان منکرین کا دلائل وحقائق کے ساتھ رد تھا جو روز آخرت کے بارہ میں شکوک و شبہات اور اعتراضات کرتے تھے۔ اب اس سورت میں قدرتِ خداوندی کا بیان ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے ایک ناپاک قطرہ کو انسانی وجود بخشتا ہے انسان کا کتم عدم سے ہستی میں آجانا اللہ رب العزت کی عظیم تر دلیل ہے پھر یہ کہ اس انسان کے سامنے دونوں راستے ہدایت اور گمراہی کے واضح کر کے رکھ دیئے گئے اس کو ہوش وحواس شعور وادراک اور عقل کی صلاحیتیں پوری طرح عطا کر دی گئیں۔ اب اگر وہ حق وہدایت کا راستہ اختیار کرے گا تو خدا کے عظیم انعامات کا مستحق ہوگا اور اگر عقل وفطرت کے تقاضوں کو فراموش کر کے گمراہی کا راستہ اختیار کرے گا تو خدا کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ ابرار ومتقین کی جزائیں اور انعامات کیا ہوں گے اور فساق وفجار اور مجرمین کیسی ذلت میں مبتلا ہوں گے؟ آگے اس کی تفصیلات ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

کیا نہیں گزرا ہے انسان پر ایک ایسا وقت زمانہ میں سے کہ وہ نہیں تھا ایسی چیز جو قابل ذکر ہو اس کا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے ایک قطرۂ منی سے جو ملی ہوئی ہے عورت کی منی سے یا وہ مخلوط ہے مختلف قسم کی غذاؤں سے اور ان کا جوہر وخلاصہ ہے جس کو ہم لوٹاتے پلٹاتے رہے پھر ہم نے اس کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے بعد اس کے کہ نطفہ سے خون کا جما ہوا ٹکڑا بنایا پھر اس کو گوشت کا لوتھڑا پھر اس کی شکل وصورت اور اعضاء کی ساخت کی اور اس میں جان ڈالی حس وحیات اور ادراک وشعور کی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا اور اس بناء پر ہر انسان میں اللہ نے فطری استعداد اور صلاحیت کے علاوہ عقل وفکر کا مادہ رکھا ہے بے شک ہم نے انسان کو دکھا دیا راستہ حق اور ہدایت کا اب اس کے بعد یا تو وہ شکر گزار رہے اپنے پروردگار کا اور اس کا فرمانبردار یا ناشکری کرنے والا ہے۔

نیکی اور تقویٰ کا راستہ بتانے اور اس کو اختیار کرنے کے لیے عقل وفہم اور ادراک وشعور عطاء کرنے کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری اور عطا کردہ نعمتوں کا شکر گزار ہوتا لیکن افسوس اس انسان کی بدنصیبی پر کہ ان فطری دواعی اور تقاضوں کو ٹھکرا کر خدا کا نافرمان اور ناشکر گزار رہا ظاہر ہے نافرمانوں اور مجرموں پر جرم کی سزا جاری کرنی چاہیے تو اس بناء پر بے شک ہم نے تیار کر رکھی ہیں نافرمانوں کے واسطے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ اور بلاشبہ ایسے نافرمان جنہوں نے رسم ورواج اور اوہام کی زنجیروں میں اپنے آپ کو جکڑے رکھا اور غیر اللہ کی پرستش کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالا اور حق نیز حق پرستوں کے خلاف عداوت ودشمنی اور بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑکاتے رہے وہ اسی کے مستحق ہیں کہ طوق وسلاسل میں جکڑے جائیں اور دہکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں مگر ان کے بالمقابل مطیعین وفرمانبردار اللہ کے انعامات اور اعزاز واکرام کے مستحق ہوں گے اس وجہ سے بے شک نیکوکار لوگ پئیں گے ایسے جام سے جس کی ملاوٹ کافور ہوگی اور جنت کا یہ کافور نہایت ہی لذیذ وخوشگوار اور خوشبو سے مہکتا ہوگا یہ ایک خاص چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص برگزیدہ بندے پیتے ہوں گے اس طرح کہ وہ اللہ کے خاص بندے بہاتے ہوں گے اس چشمہ کو بہت سی نالیوں اور نہروں کی صورت میں کہ جہاں چاہیں گے اس شراب طہور کی نالیاں اور جدول بہتے چلے جائیں گے یہ اللہ کے برگزیدہ بندے وہ ہیں جو پورا کرتے ہیں اپنی نذر کو جو بھی اللہ کے لیے وہ نذر مان لیں کسی خیر کے حاصل ہونے پر یا کسی مصیبت اور تکلیف کے ٹلنے پر اور ان کے ایمان وتقویٰ کا یہ عالم ہے ڈرتے ہیں اس دن سے جس کی مصیبت اور برائی پھیلنے والی ہے کہ کوئی گنہگار اس کی تکلیف وشدت سے نہیں بچ سکتا اور کوئی بھی اس کی ہیبت وپریشانی سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا جو آسمان وزمین کو محیط ہوگی ان لوگوں میں ایمان وتقویٰ اور فکر آخرت کے ساتھ ایثار و

ہمدردی کا یہ جذبہ ہے کہ کھلاتے ہیں کھانا اس کے محبوب ❁ و مرغوب ہونے کے باوجود ہر مسکین و یتیم اور قیدی کو جو کسی بھی مصیبت میں گرفتار ❁ ہو انتہائی مروت اور اخلاص کے جذبہ سے یہ سب کچھ کرتے ہیں ان غرباء مساکین اور یتامیٰ کو کہہ دیتے ہیں اے لوگو! ہم کھلاتے ہیں تم کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے ہم نہیں چاہتے ہیں تم سے کسی قسم کے بدلہ کو تم ہمیں اس کا کوئی مالی بدلہ دو یا ہماری توقیر و تعظیم کرو اور ہم نہیں چاہتے ہیں تم سے شکر گزاری کہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو ہم تو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کی سختی اور ہیبت سے جو سخت اداسی اور چہروں کی گھٹن کا سبب ہوگا اس طرح کہ انسان کا چہرہ اس کلفت اور کوفت سے بگڑا ہوا نظر آنے لگے پیشانی سکڑ کر اوپر ہو جائے اور آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں تو یہ مخلصین اپنی اس ہمدردی و اعانت اور انفاق پر غرور تو کیا بلکہ ڈرتے ہوں گے ایسے ہیبت و جلال کے دن سے (جو ہر ایک انسان کو اس طرح مرعوب و بدحواس بنا دینے والا ہوگا) معلوم نہیں ہمارا یہ عمل ہمارا یہ صدقہ قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ ❁

یقیناً ایسے لوگ خداوند عالم کی طرف سے بڑے ہی اعزاز و اکرام کے مستحق ہیں جس کے باعث بس خدا نے ان کو بچا دیا اس دن کی تکلیف و برائی سے اور یہ فیصلہ کر دیا کہ عطا کر دے گا ان کو تازگی اور سرور جو ان کے چہروں پر برس رہا ہوگا اور مسرت و خوشی سے ان کے چہرے جگمگا رہے ہوں گے اور ان تمام نعمتوں اور کرامتوں کے علاوہ دیدار خداوندی سے شاداں و فرحاں ہوں گے اور بدلہ دے گا اللہ ان کو اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا دُنیا کی شدتیں برداشت کیں خواہشات نفس کو روکا اور شکر و قناعت کرتے ہوئے غرباء و مساکین

❁ ﴿عَلٰى حُبِّهٖ﴾ کی ضمیر اکثر حضراتِ مفسرین کی رائے میں طعام کی طرف ہے اسی لحاظ سے یہ ترجمہ کیا گیا اور حب مصدر بمعنی محبوب بھی آتا ہے اس وجہ سے محبوب ہونے کے باوجود لفظ کی تصریح کر دی اور ساتھ ہی لفظ مرغوب کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا گیا کہ مراد یہ ہے کہ جس وقت انسان کو اس کھانے کی رغبت و ضرورت ہے یا وہ اس کا محتاج ہو اس وقت کھلانا اور زائد فضیلت اور کمال کی صفت ہے گویا یہ اس آیت کا مفہوم ہو گیا ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کیا کہ ائمہ مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی تصریح آیتِ مبارکہ ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ اور ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ میں ہے۔

بعض مفسرین نے ﴿حُبِّهٖ﴾ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے یعنی علیٰ حب اللہ تعالیٰ جس سے اخلاص اور آخرت کے اجر و ثواب کی غرض کی طرف اشارہ کیا گیا یعنی دنیا میں اس کا کوئی عوض نہیں چاہتے ہوں گے۔

❁ لفظ ﴿اَسِيْرًا﴾ کے ترجمہ میں ''مصیبت میں گرفتار'' کا لفظ بڑھا کر یہ اشارہ کیا گیا کہ اس اسیر و قیدی سے صرف وہی قیدی مراد نہیں جو جیل خانہ میں قید ہو بلکہ عام ہے خواہ یہ ظاہری اور حسی قیدی ہو یا معنًا قیدی ہو یعنی مصائب و آلام میں گرفتار ہو۔

سعید بن جبیر اور حسن بصری رحمہم اللہ سے منقول ہے قیدی سے اہل اسلام مراد ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے قیدیوں سے مراد وہ قیدی بھی ہیں جو مشرکین میں سے مسلمانوں کی قید میں ہوں۔ چنانچہ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بدر کے قیدیوں کو بہتر سے بہتر کھانا کھلانا شروع کر دیا اور بعض تو ان کو اپنے ساتھ کھلاتے حالانکہ وہ مسلمان نہ تھے اسیر کے مفہوم میں مقروض بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی ایک طرح قید ہیں۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد غلام ہیں اور متعدد احادیث میں غلاموں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

❁ یہ تشریح گویا اس آیت مبارکہ کے مضمون کے مطابق ہو سکے گی جو ارشاد فرمایا ﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ کہ بہت کم رات کا حصہ ہوتا ہے کہ اس میں وہ لیٹیں پوری رات ہی ان کے پہلو بستر سے جدا رہتے ہیں اور اس انہماک فی العبادۃ کے باوجود حالت یہ ہوتی ہے کہ جب سحر کا وقت ہونے لگتا ہے تو خدا سے معافی مانگتے ہوتے ہیں۔ ۱۲

پر ایثار کیا ایک وسیع باغ کا جس کے پھل اور رزق سے ان کی زندگی عیش و راحت کی ہوگی اور ریشمی پوشاک کا کہ زندگی کے عیش و راحت اور ہر لذت کے ساتھ لباس کی یہ عظمت ان کو اور زیادہ بلندی و تقرب کا مقام بخشنے والی ہوگی اطمینان و سکون کا یہ عالم ہوگا کہ تکیہ لگاتے ہوں گے اپنی مسندوں پر جو مزین اور مرصع تخت ہوں گے وہاں آرام و راحت کی یہ شان ہوگی کہ ادنیٰ کلفت اور تعب کا نام و نشان بھی نہ ہوگا چنانچہ نہیں دیکھتے ہوں گے وہاں دھوپ اور گرمی اور نہ ہی شدید سردی بلکہ وہاں کا موسم معتدل ہوگا نہ دھوپ کی تمازت ہوگی اور نہ ٹھٹھر جس سے انسانی بدن کو تکلیف ہوا کرتی ہے اور آرام و راحت نیز نعمتوں کی فراوانی کا یہ عالم ہوگا جھکے ہوئے ہوں گے ان پر اس کی سائے اور نیچے کر دیئے گئے ہوں گے اس کے خوشے لٹکا کرتا کہ جب بھی اہل جنت کسی پھل اور خوشہ کے لینے کا ارادہ کریں بلا تکلف ہاتھ بڑھا کر لے لیں اور گھمائے جاتے ہوں گے ان پر برتن چاندی کے اور آبخورے جو معلوم ہو رہے ہوں گے شیشے چمک اور لطافت میں درحقیقت ① وہ شیشے ہی ہوں گے چاندی کے جن کا اہل جنت اندازہ کریں گے اندازہ کرنا کہ جس قدر چاہیں گے ان آبخوروں اور جام میں شراب طہور سما جائے گی کم و زائد طبیعت کے تقاضا اور خواہش کے مطابق وہ بھر جاتے ہوں اور یہ اس لیے کہ اہل جنت کو کسی طرح بھی طبعی گرانی نہ ہو جیسا کہ انسان کو دنیا میں پیش آتی ہے مثلاً پیاس کی زیادتی پر گلاس چھوٹا ہو اور طبعی خواہش پوری نہ ہونے پر ذہنی کوفت ہوتی ہے یا کسی وقت تھوڑی مقدار کی خواہش ہے لیکن منہ کے سامنے ایک بہت بڑا لبریز پیالہ آجائے تو اس طرح کی معمولی اُلجھنوں سے بھی وہ بے فکر ہوں گے جیسا چاہیں گے اور جتنا چاہیں گے وہ جام شراب طہور سے بھرے ہوں گے اور پلائے جائیں گے وہ لوگ ایک اور جام ② جس میں ملا ہوگا زنجبیل (سونٹھ) جو ایک چشمہ ہے جنت میں جس کا نام لیا جاتا ہوگا سلسبیل اہل جنت اس نام سے اس چشمہ کا ذکر کرتے ہوں گے اور اعزاز و اکرام کا یہ عالم ہوگا کہ گشت کرتے ہوں گے ان کے سامنے خدمت گزار لڑکے جو ہمیشہ اپنے حسن و جمال پر قائم رہیں گے جو حسن و جمال اور لطافت و صفائی میں ایسے خوش منظر ہوں گے کہ اے دیکھنے والے جب تو ان کو دیکھے تو ان کو یہ سمجھے کہ یہ تو زمین پر بکھرے ہوئے خوبصورت موتی ہیں اور جنت کا حال کیا بیان کیا جائے اللہ اکبر! بس یہ ہے کہ جب تو وہاں نظر ڈالے تو دیکھے گا تو بہت ہی عظیم نعمتیں اور بڑا ہی عظیم الشان ملک ہے کہ ان نعمتوں کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور نہ وہاں کی اس سلطنت کی شان و شوکت کا کوئی تصور ہو سکتا ہے اور ان اہل جنت پر ریشمی لباس ہوں گے سبز رنگ کے نہایت ہی قیمتی گاڑھے ریشمی کپڑے بھی مزید ہوں گے تاکہ باریک لطیف اور دبیز ہر قسم کے لباس استعمال کریں جو ان کی عظمت و وقار کو اور بلند کرنے والے ہوں گے اور پہنائے جائیں گے ان کو

---

① ترجمہ میں ان الفاظ کا اضافہ اس لیے کیا گیا کہ عربیت کی رو سے قواریر کے بعد دوسری دفعہ قواریر ماقبل سے بدل اور بمنزلہ بیان ہے۔ ۱۲

② یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ ہے یہاں دوبارہ ﴿كَاْسًا﴾ نکرہ کی صورت میں استعمال کیا جانا غیر الاولیٰ کی نوعیت سے ہے تو ایک قسم جام کی وہ ہوگی جس کی شراب طہور کافور کے ساتھ ملی ہوگی اور اس کی خوشبو سے مہکتی ہوگی دوسری قسم شراب طہور کی وہ ہوگی جس میں زنجبیل ہوگی اور کوئی تعجب نہیں کہ جنت کے کھانوں سے قبل جو شراب طہور دی جائے وہ کافور کی خوشبو اور تاثیر کے ساتھ کھانوں اور پھلوں کی خواہش کو پیدا کرنے والی ہوتا کہ بھوک اور اشتہاء کی حالت میں جنت کے اطعمہ کھائے جائیں کیونکہ ہر لذیذ طعام اور پھل کی لذت خواہش اکل پر موقوف ہے کھانے کی خواہش کے بغیر لذیذ سے لذیذ کھانا بھی مرغوب نہیں ہوتا اور کھانوں سے فراغت کے بعد ضرورت ہے کہ معدہ سے غذا کا انہضام ہوتا کہ طبیعت پر گرانی واقع نہ ہو تو اس وجہ سے یہ بعد کی شراب طہور زنجبیل والی ہوگی سبحان اللہ کیسا عجیب تناسب رکھا گیا: ((اللّٰهم اجعلنا منهم وارزقنا بفضلك وكرمك من نعماءِ الجنة وَاسقنا من كوثر و سلسبيل)) آمین یارب العالمین۔

کنگن چاندی ✿ کے تاکہ ریشمی اور قیمتی لباس کی آرائش کے ساتھ زیور سے ان کو مزین کر دیا جائے اور یہ زیور جنت کی شان کے مناسب ہوگا اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اللہ کے حکم کی اطاعت میں اس قسم کی آراستگی وزینت سے دنیا میں پرہیز کیا تھا اور صبر کیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ اس نوع کی تمام زینتیں جنت میں حسًا بھی عطا فرمادے گا اور پلائے گا ان کو ان کا پروردگار ایک خاص جام شراب طہور کا جو دونوں قسم کے جام کے علاوہ ہوگا جن کا ذکر پہلے ہو چکا اور ہو سکتا ہے کہ تمام نعمتوں کے بعد یہ خاص جام محبوب حقیقی کی طرف سے ایک خاص اعزاز کے ساتھ عطا کیا جائے جو خوشبو اور لطافت ولذت کے ساتھ طہوریت کا وصف بھی رکھتا ہوگا اور یہ طہوریت ایسی کامل اور مؤثر ہوگی جو اپنے پینے والے کو بھی ہر گندگی اور کدورت سے پاک وصاف کر دے اس کا گھونٹ پیتے ہی قلب وبدن پاک وصاف ہو جائے اور پسینہ نکلے جس کی مہک مشک کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہوگی اور اس جام طہور کا نوش کرنے والا اس کی تاثیر سے ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ (الاعراف: ۴۳) کا مصداق اکمل ہو جائے گا اہل جنت کے سامنے شراب طہور کو پیش کرتے ہوئے کہا جاتا ہوگا اے جنتیو! بے شک یہ ہے بدلہ تمہارے ایمان واعمال صالحہ کا اور تمہاری کوشش اور عملی جدوجہد قابل قبول ہوئی اور محنت کارآمد ہوئی اور تمہارے رب کی بارگاہ میں اس کو سراہا گیا ✿ جس کو سن کر جنتی اس قدر خوش ہوں گے کہ ان کی یہ خوشی جنت کی لذت سے زیادہ خوشگوار ہوگی۔

نسل انسانی کا عدم سے وجود میں آنا

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ سے واضح طور پر یہ بیان فرمادیا گیا کہ نسل انسانی نہ اپنے مادہ کے لحاظ سے اور نہ ہی اپنی اس صورت وضعیہ کے ساتھ ہمیشہ سے تھی بلکہ اس پر ایک وقت گزرا ہے کہ اس کا کوئی وجود اور نام ونشان ہی نہ تھا اس کا سلسلہ پیدائش تخلیق آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اس کے بعد نسل انسانی بصورت توالد وتناسل بڑھتی رہی جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا﴾ (الحجرات: ۱۳) اور فرمادیا ﴿الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً﴾ (النساء: ۱) بہرکیف اس کی پیدائش کی یہ ابتداء ہے یہی عقیدہ جملہ اہل کتاب کا ہے اور بعض دیگر مذاہب بھی اس کے قائل ہیں۔

حکماء یونان اور فلاسفہ نوع انسانی کو قدیم زمانی کہتے ہیں دہریہ بھی مادہ کے قدیم ہونے کا قول اختیار کرتے ہوئے اوضاع فلکیہ اور تاثیر نجوم سے تجردات وانقلابات کے قائل ہیں یہ تمام باتیں محض اوہام اور تخیلات ہیں جن کو فلسفیانہ رنگ دے کر بیان کیا گیا حقیقت بس وہی ہے جو خداوند عالم خالق کائنات نے بیان کر دی۔

بہرکیف اس آیت شریفہ سے صاف طور پر واضح ہے کہ انسان کوئی ایسی ہستی نہیں کہ جس کی خلقت اور پیدائش کی ابتداء نہ ہو اور وہ ہمیشہ سے اسی طرح چلا آیا ہو جیسا کہ فلاسفہ کا قول ہے کہ انسانی ہستی کی کوئی ابتداء نہیں اور وہ ہمیشہ سے پیدا ہوتا چلا آرہا ہے یعنی یہ سلسلہ ہمیشہ سے ہے کہ نطفہ سے انسان اور انسان سے نطفہ پیدا ہوتا ہے اور اس سلسلہ کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہاء ہے اور نہ اس

✿ ایک آیت میں ہے کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا﴾ ممکن ہے کہ اہل جنت کے درجات کے لحاظ سے بعض کو سونے کے اور بعض کو چاندی کے دیئے جائیں۔ ۱۲

✿ یہ وہی مضمون ہے جو آیت مبارکہ ﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ صدق اللہ العظیم میں بیان فرمایا گیا۔ ۱۲

طریقہ کے خلاف پیدائش ہو سکتی ہے۔

حق جل شانہ نے اس آیت میں اور دیگر آیات قرآنیہ میں فلاسفہ کے اس قول کی تردید کی ہے اور یہ فرمایا ہی کہ ان کا یہ قول بالکل غلط ہے بلکہ ایک وقت ایسا تھا کہ انسان کا نام ونشان بھی نہ تھا ہم نے اپنی قدرت سے اس سلسلہ کا اس طرح آغاز فرمایا کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو ﴿حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا پھر اس میں روح ڈالی اس کے بعد ان کے بائیں پہلو سے ان کی بیوی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا بعد ازاں ہم نے یہ سلسلہ جاری کر دیا کہ ایک ناپاک اور گندے پانی یعنی قطرۂ منی سے انسان کو پیدا کرتے ہیں یہ ہماری قدرت ہے ہمارے سوا کسی میں قدرت نہیں کہ پانی کے ایک ناپاک اور بدبودار قطرہ سے ایسی زیبا شکل بنا سکے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

دہد نطفہ را صورتے چوں پری　　　　کہ کردست برآب صورت گری

غرض یہ کہ انسان ابتداء میں معدوم تھا اور اس کو کسی قسم کا عقلی یا حسی وجود حاصل نہ تھا پھر خدا ہی نے اس کو وجود کا خلعت پہنایا انسان خود بخود وجود میں نہیں آ گیا جیسا کہ فلاسفہ اور دھریہ کہتے ہیں کہ نوع انسانی اور صورت انسانی کا ظہور مادہ اور نیچر (فطرت) اور اس کے حرکت کا رہین منت ہے مسلمان یہ کہتا ہے کہ مادہ تو ایک بے شعور چیز ہے جو علم اور ادراک اور ارادہ واختیار سے بالکل عاری اور کورا ہے اس کی غیر شعوری اور غیر ارادی اور غیر اختیاری حرکت سے یہ ذی شعور اور ذی علم اور ذی عقل انسان کس طرح وجود میں آ گیا اور ایک گونگے اور بہرے مادہ (ایتھر اور نیچر) سے سمیع وبصیر اور متکلم یعنی سننے والا اور دیکھنے والا اور بولنے والا کیسے پیدا ہو گیا جس کمال اور جمال کا وجود خود اس مادہ کی ذات میں نہیں وہ کمال وجمال دوسروں کو کیا دے سکتا ہے کیا ایک برہنہ اور نادار اور بھوکا فقیر بھی کسی کو امیر اور مالدار بنا سکتا ہے مادہ پرستوں کو بھی اس کا اقرار ہے کہ مادہ میں کسی قسم کا کمال نہیں اور کوئی فیلسوف اور کوئی حکیم آج تک اس بات کا قائل نظر نہیں آیا کہ جس نے مادہ اور عناصر میں علم اور ادراک اور ارادہ اور اختیار کو تسلیم کیا ہو بلکہ تمام مادیین اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ جو افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں وہ بے شعور اور بے اختیار صادر ہوتے ہیں۔

اب غور تو کیجیے کہ رحم مادر میں جب نطفہ قرار پکڑتا ہے اور لڑکا یا لڑکی بنتا ہے تو ماں کو بھی خبر نہیں کہ میرے پیٹ میں کیا صنعت گری ہو رہی ہے اور نقاش قدرت میرے شکم میں کیا کیا نقش ونگار کر رہا ہے لڑکا بنا رہا ہے یا لڑکی اور ظاہر ہے وہ نطفہ تو ایک قطرۂ آب ہے اسے تو کچھ بھی خبر نہیں اب حیرت کہ مجھ میں کیا تغیرات اور انقلابات ہو رہے ہیں۔

معدے میں غذا ہضم ہو رہی ہے اور کیا کیا ہو رہا ہے مگر معدے کو کچھ خبر نہیں اب حیرت کا مقام ہے کہ انسان میں تو حسن وجمال بھی ہو اور فضل وکمال بھی ہو اور عقل وادراک بھی ہو اور وہ چیز یعنی مادہ جس کو منکرین خدا اس انسان کا بلکہ سارے عالم کا خالق سمجھتے ہیں اس میں یہ تمام صفات کمال بالکلیہ نیست ونابود ہوں کیا عقل سلیم اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو ایسی چیز عطا کر دے جس کا خود اس کی ذات میں نام ونشان نہ ہو ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ کیسی زبردست اور با اختیار حکیم وعلیم نے انسان کو یہ کمالات عطا کیے ہیں وہی خدا اور واجب الوجود ہے اور وہی ذات بابرکات واہب الوجود ہے جس نے انسان کو وجود عطا کیا ہے اور وہی اس کے وجود کا رب اور مربی ہے جس کی عنایت اور رحمت کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ یہ انسان محتاج ہے اسی کو ہم اللہ اور خدا کہتے ہیں۔

افسوس اور صد افسوس ہے ان محرومین عقل پر جواب بھی یہ سمجھیں کہ کوئی واجب الوجود اور واہب الوجود نہیں بلکہ اس بے شعور

مادہ کے طبعی تاثیرات سے تمام کارخانۂ عالم چل رہا ہے اس صورت حال پر بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح بت پرست بے جان پتھروں کے سامنے سر جھکائے ہوئے ان کو معبود بنائے ہوئے ہیں اسی طرح یہ مادہ پرست ایک بے جان اور بے شعور مادہ کو اپنا صانع اور مدبر اور مربی سمجھے ہوئے ہیں کیا یہ رونے کا مقام نہیں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اس لحاظ سے قرآن کریم میں جتنے مضامین بت پرستوں کے حق میں نازل ہوئے ہیں وہ سب ان دہریوں اور منکرین خدا پر صادق آتے ہیں۔

ڈارون کا عجیب وغریب نظریہ

انیسویں صدی عیسوی میں سرزمین مغرب میں ایک مادی فلسفی شخص گزرا ہے جس کا نام ڈارون تھا اس نے اپنی فلسفیانہ تحقیقات میں ایک یہ انکشاف کیا کہ انسان اصل میں بندر تھا بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتے کرتے بالآخر انسان بن گیا۔

مغربیت سے مرعوب اذہان نے بلا دلیل اور بغیر اس کے کہ اپنی عقل اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اس نظریہ کو قبول کرلیا اور اس کو پھیلانا شروع کردیا حالانکہ اس پر آج تک نہ کوئی دلیل عقلی پیش کی جاسکی اور نہ ہی کوئی دلیل تجربی۔

ہر صاحب عقل ادنیٰ تعقل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ نظریہ صرف ایسا شخص ہی پیش کرسکتا ہے جو فاتر العقل ہو اور ایسا شخص ہی اس کو قبول بھی کرسکتا ہے، سمجھنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار انواع واقسام کی مخلوقات پیدا کی ہیں جانوروں میں گدھا، کتا، خنزیر، سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے، چرند پرند غرض حیوانوں میں بروبحر اور فضاء کی یہ بے شمار مخلوقات ہیں ہر ایک کی طبیعت اور فطرت بالکل جدا ہے یہ کہنا کہ فلاں حیوان یعنی بندر ترقی کرکے انسان بن گیا ایسی ہی مہمل بات ہے جیسے یہ کہا جائے کہ فلاں کیڑا مکوڑا ارتقائی مدارج طے کرکے مرغا بن گیا اور پھر اس مہمل تخیل کو تھیوری کہنا اور بھی خلاف عقل بات ہے۔

کیا اس تھیوری کے قائلین اس کا جواب دیں گے کہ یہ ارتقاء صرف ایک نوع حیوان میں کیوں ہوا دیگر حیوانات اس سے کیوں محروم رہے؟

پھر یہ بھی بتائیں کہ نوع حیوان کے علاوہ نباتات وجمادات بھی ہیں ان میں یہ ارتقائی مراحل کیوں نہیں واقع ہوئے ایک نوع کا ارتقاء اسی کی حدود میں محدود رہتا ہے ایک گھاس کا تنکا ارتقاء کے بعد تناور درخت تو ہوسکتا ہے لیکن پہاڑ نہیں بن سکتا علیٰ ہٰذا القیاس زمین کی سطح پر ابھرنے والا ٹیلا پہاڑ تو ہوجائے گا لیکن وہ کوئی اور نوع کی شکل اختیار کرکے اس میں تبدیل ہوجائے یہ ناممکن اور خلاف عقل ہے۔

پھر یہ نظریہ رکھنے والے یہ بتائیں بالفرض اگر بندر نے ارتقاء کرکے انسانی پیکر اور وضع اختیار کرلی تو یہ ارتقاء نوعی تھا یا ارتقاء فرد تھا ظاہر ہے کہ چند بندروں کے ارتقاء کا تو مسئلہ بھی نہیں نوع من حیث النوع کے ارتقاء کا دعویٰ ہے تو اصولاً یہ بات ہے کہ کوئی بھی چیز تغیر وتبدل قبول کرنے کے بعد اپنی پہلی صورت کو چھوڑ دیتی ہے تو یہ کس قسم کا ارتقاء ہوا کہ دنیا میں بندر بھی موجود اور ارتقائی شکل اختیار کرنے والے انسان بھی موجود (تفصیل کی گنجائش نہیں) بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ دُنیا میں بہت سے مہمل اور خلاف عقل نظریات ظاہر

ہوئے ہیں لیکن ایسا مہمل اور خلاف عقل اور مضحکہ خیز نظریہ کوئی بھی سننے میں نہیں آیا کہ اچھے خاصے عقل وفہم اور شعور وتدبر رکھنے والی اشرف المخلوق حسن وجمال اور کمالات وفضائل کے جوہر سے آراستہ انسانوں کو بندر کی اولاد تجویز کر دیا جائے۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

غرض عقل اور فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ اسی پر ایمان لایا جائے جو رب العالمین نے انسانی تخلیق کے بارے میں فرمادیا کہ:
﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً﴾ (النساء:۱) اور ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ﴾

صدق الله العظيم ونحن على ذالك من الشاهدين والموقنين وعلى ذالك آمنا وعليه نحيى و نموت و نبعث عند رب العالمين.

عجب بات ہے کہ اس نظریہ کے قائلین ایک طرف تو بندر کے ترقی کر کے انسان بن جانے کو تسلیم کرتے ہیں دوسری طرف جب قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے واقعات میں ان کے نافرمان افراد کے مسخ کے واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا تو اس کو خلاف فطرت اور خلاف عقل کہہ کر رد کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کو تو سہولت سے یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو ضرور ایسا ہونا چاہیے کہ انسان تنزل کر کے بندر بن جائے بلکہ یہ شکل تو آسان ہے بہ نسبت پہلی صورت کے کیونکہ ان کے قانون کے مطابق یہ صورت تو کل شیء یرجع الی اصلہ کے تحت آسکتی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۚ ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

ہم نے اتارا تجھ پر قرآن سہج سہج اتارنا سو تو راہ دیکھ اپنے رب کے حکم کی اور

لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۚ ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ

کہا نہ مان ان میں کسی گناہگار یا ناشکر کا اور یاد کر نام اپنے رب کا صبح اور

اَصِيْلًا ۚ ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ

شام اور کچھ رات میں سجدے کر اس کو اور پاکی بول اس کی بڑی رات تک

هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں شتاب ملنے والی اور چھوڑ رکھا ہے اپنے پیچھے ایک دن بھاری

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ

ہم نے ان کو بنایا اور مضبوط باندھی ان کی گروہ بندی اور جب ہم چاہیں بدل لاویں ان کی طرح کے لوگ

تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۲۹﴾ وَ

بدل کر یہ تو سمجھوتی ہے پھر جو کوئی چاہے کر رکھے اپنے رب تک راہ اور

مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۳۰﴾

تم نہ چاہوگے مگر جو چاہے اللہ بے شک اللہ ہے سب جانتا حکمت والا

يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا

داخل کرے جس کو چاہے اپنی مہر میں اور جو گنہگار ہیں رکھی ہے ان کو مار

اَلِيۡمًا ﴿۳۱﴾ ع

دُکھ کی

عظمت کلام رب العالمین وتاکید بر پابندی احکام ودوام ذکر و بندگی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ... الٰی... عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۳۱﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں انسانی تخلیق کا ذکر تھا اور یہ کہ اس کو عقل وفہم کی صلاحیتوں سے آراستہ کر کے ہدایت وگمراہی کا فرق بتا دیا گیا لیکن اس کے بعد اس کی بدنصیبی ہے کہ وہ عقل وشعور کو بالائے طاق رکھ کر گمراہی میں پڑ جائے اس کے بالمقابل سعادت وکامیابی ہے ان انسانوں کی جو خدا کو پہچان کر اس کی عبادت و بندگی میں مصروف ہو گئے ساتھ ہی ہر دو گروہ کے احوال بھی بیان کر دیئے گئے۔ اب ان آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور احکام ہدایت کا کامل مجموعہ ہونا بیان کیا جا رہا ہے اور یہ کہ اللہ کے احکام کی پابندی اور اس کے ذکر و تسبیح میں مصروف رہنا اور عبادت کا دوام ہی انسان کی نجات کا ذریعہ ہے اور آخرت کی کامیابی اور ابدی زندگی کی راحت اسی میں مضمر ہے اور یہ کہ انسان کی یہ بہت بڑی غلطی اور چوک ہے کہ دُنیا کی محبت میں آخرت برباد کر دے تو ارشاد فرمایا:

بے شک ہم نے اتارا ہے آپ ﷺ پر قرآن نہایت ہی محفوظ طریقہ پر اتارنا کہ ہر وحی اور آیت کے نزول کے ساتھ ایک پہرہ ہوتا ہے اور فرشتوں کی مکمل حفاظت ہوتی ہے جس کے بعد ممکن نہیں ہو سکتا کہ اس میں کوئی پر بھی مارے اس کتاب الٰہی قرآن میں انسانی ہدایات کے جامع احکام نازل کیے گئے جن کی اطاعت وپیروی انسان کو سعادت وکمال کے اعلیٰ مقام تک پہنچانے والی ہے اگر کوئی قوم اس کتاب الٰہی پر ایمان نہیں لاتی اور اس کے احکام نہیں مانتی تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ اس پر بے چین ومضطرب نہ ہوں بس آپ ﷺ انتظار کریں اپنے رب کے حکم کا اور اس کے فیصلہ کا جو اس نے حق کی فتح اور اپنے پیغمبر کی کامیابی کا کر رکھا ہے اور اس راہ میں مخالفت کرنے والے اگر مخالفت کرتے ہیں تو کرنے دیجیے آپ ﷺ کسی عارضی اور ظاہری مصلحت کے خیال سے ان میں سے کسی بھی نافرمان اور ناشکر گزار کی موافقت ہرگز نہ کیجیے۔ حق لوگوں پر خود واضح ہو جائے گا یہ مجرمین اگر آپ ﷺ سے چکنی چپڑی باتیں کریں یا دُنیا

کی دولت کا لالچ دیں تو ہرگز ان کی طرف توجہ بھی نہ دیجیے آپ ﷺ کے رب نے جو فیصلہ کر رکھا ہے بس اسی کا انتظار کریں اور ذکر کرتے رہیں اپنے رب کے نام کا صبح وشام [1] اور رات کے حصوں میں سے کچھ حصہ میں بھی بس اسی کے لیے سربسجود رہیے اور اسی کی تسبیح و پاکی بیان کرتے رہیے رات کے طویل حصہ تک شب کی تنہائی اور سکون میں ذکر اللہ کی حلاوت اور اس کے باطن پر عجیب کیفیت محسوس ہوگی اور اہل اللہ اس وقت وہ لذت محسوس کریں گے کہ دنیا کی کوئی لذیذ سے لذیذ چیز بھی اس سے زیادہ محبوب و پسندیدہ [2] نہیں ہوسکتی محبوب رکھتے ہیں جلدی حاصل ہونے والی چیز کو یعنی دنیا اور دنیا کی راحت ولذت اور چھوڑ رہے ہیں اپنے پیچھے ایک بہت ہی بھاری دن کو جس کی ہیبت وگرانی کسی سے برداشت نہ ہوگی غفلت ولا پروائی سے اس دن کو بھلا دیا اور موجودہ لذتوں میں منہمک ہوکر عذاب خداوندی کو دعوت دے رہے ہیں کس ظلم کی بات ہے کہ اپنے خالق کو بھلا دیا جائے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور مضبوط بنائے ہیں۔ ان کے جسم کے تمام جوڑ تو جس قدرت وحکمت سے ہم نے ان کو پیدا کیا ان کے جسم کی ہڈیاں اور جوڑ بڑی خوبی اور حکمت سے بنائے اسی قدرت سے ہم سب کچھ کرسکتے اور ان کو فنا کرکے جب چاہیں ان کے بدلے ان جیسے لوگ لے آئیں ہمیں اس ارادہ سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور یہ ظاہر ہے کہ جب ہم مجرمین ونافرمانوں کو ہلاک کرکے ان کی جگہ دوسروں کو لائیں گے تو وہ ان جیسے مجرم ونافرمان نہیں ہوں گے بلکہ وہ مطیع وفرمانبردار ہوں گے بہرحال یہ ایک پیغام نصیحت ہے جو ہم نے بڑی وضاحت سے دُنیا کو پہنچا دیا اب جس کا دل چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کرلے اس کی اطاعت وبندگی کا اور جس کا دل چاہے گمراہی اختیار کرلے اور اصل راز یہ ہے کہ ہدایت وگمراہی قدرت کی طرف سے انسانوں کے لیے طے کردی گئی ہی اس لیے تم نہیں چاہو گے کوئی چیز مگر وہی جو اللہ چاہے اللہ بے شک سب کچھ جاننے والا بڑی ہی حکمتوں والا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے وہ اپنی استعداد و صلاحیت سے بتوفیق خداوندی ہدایت کا راستہ اختیار کرلیتے ہیں اور رہا ظالموں کا معاملہ؟ جو اپنی کجروی اور عقل وفطرت کے تقاضوں کو ٹھکرا کر گمراہی اختیار کرلیں اور نہ کسی ہادی کی بات کو سنیں اور نہ حق کو سمجھیں تو ان کے واسطے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے بس مرنے کی دیر ہے جسم سے روح نکلتے ہی ان مجرموں کو اپنا انجام نظر آجائے گا اور جس عذاب کا انکار کرتے تھے اس کی گرفت سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

فائدہ: سورت کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ نیست ونابود تھا پھر اس کو حق تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا کہ ایک قطرۂ منی کو مختلف ادوار ومراحل سے نشوونما عطا کیا ہوش وحواس ادراک وشعور کی صلاحیتوں کے ساتھ اسے پیدا کیا اور اس کے سامنے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے گئے کہ یہ ہدایت کا راستہ ہے اور دوسرا گمراہی کا اب اس کے بعد جو انسان اپنی فطری صلاحیت سے ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ آخرت میں جنت اور انعامات خداوندی کا مستحق ہے اور جو دیکھتی آنکھوں ہلاکت

---

[1] صبح وشام سے مراد ہمہ وقت ہے کیونکہ یہ اوقات خصوصیت سے انسان کے غفلت یا آرام یا کاروبار یا کھیل تماشے کے ہوتے ہیں تو ان کو اہمیت کے لحاظ سے ذکر کردیا گیا اور ﴿مِنَ الَّيْلِ﴾ سے بظاہر تہجد کی نماز مراد ہے اور تہجد کے ساتھ تسبیح اور ذکر خداوندی کی تاکید اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ذاکرین کو تہجد کے علاوہ رات کا طویل حصہ ذکر وتسبیح میں گزارنا چاہیے۔ ۱۲

[2] چنانچہ مشہور ہے اهل الليل فى ليلهم هم الذين اهل العيش فى عيشهم کہ راتوں کو بیدار رہنے والے عابدین وذاکرین کو ذکر اللہ سے وہ لذت محسوس ہوتی ہے جو عیش پرستوں کو اپنے عیش وعشرت میں نصیب نہیں ہوسکتی۔ ۱۲

وگمراہی کا راستہ اختیار کرلیتا ہے تو بس اس کے واسطے دردناک عذاب ہی ہونا چاہیے جو اس کے رب نے تیار کر رکھا ہے تو اس طرح سورت کا آغاز اور سورت کی انتہاء باہم نہایت ہی مربوط واقع ہوئی ہے اور یہ ربط قرآن کریم کے اعجاز اور کمال بلاغت کی دلیل ہے۔

تمّ بحمدالله تفسير سورة الدهر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورۃُ المرسلات

سورت المرسلات مکیہ ہے اور دیگر مکی سورتوں کی طرح یہ بھی عقیدۂ توحید آخرت اور بعث بعد الموت جیسے مضامین کی تحقیق و تفصیل پر مشتمل ہے اس کے دو رکوع اور پچاس آیات ہیں۔

سورت کی ابتداء ملائکہ اور چلنے والی ہواؤں کی قسم سے کی گئی اور فرشتوں میں ان کا ذکر فرمایا جو مختلف انواع واقسام کے تکوینی امور پر مامور ہیں مضمون مقسوم علیہ قیامت کا وقوع ہے جس کو ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ﴾ ''لَوَاقِعٌ'' کے عنوان سے بیان فرمایا گیا اسی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا کہ قیامت کے وقوع پر کائنات عالم کا نظام کس طرح درہم برہم کردیا جائے گا اگرچہ اس کو اجمالاً بیان فرمایا اثبات قیامت کے مضمون کے ساتھ توحید خداوندی اور اس کے دلائل ذکر کیے گئے اور دلائل قدرت اور توحید رب العالمین سے اعراض و بے رخی کرنے والوں پر وعید کا سلسلہ بیان اخیر سورت تک جاری رکھا گیا اور یہ کہ قیامت کے روز ان کا حال نہایت ہی برا ہوگا ان مجرمین کی ذلت کی کوئی حد نہ ہوگی اور حقارت ونفرت کے ساتھ ان کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا یہ کہتے ہوئے کہ دیکھ لو یہ ہے وہ جہنم جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

اختتام سورت پر ان اعمال اور بدترین خصلتوں کا بھی ذکر فرما دیا گیا جو کفار کی فطرت میں رچی ہوئی تھیں اور یہ بھی واضح کردیا گیا کہ کافروں کو دنیوی نعمتوں کو دیکھ کر کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے یہ تو خدا کی طرف سے ان کو ڈھیل دی جارہی ہے اور ایک طرح کا امتحان ہے اس لیے اہل ایمان اور حق پرست لوگوں کو کسی قسم کے شبہ میں نہ پڑنا چاہیے۔

رُكُوْعَاتُهَا ٢	(٩٨) سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ (٧٦)	آيَاتُهَا ٣١

سورۂ مرسلات مکی ہے اور اس میں پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ ﴿۱﴾ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ ﴿۲﴾ وَّالنّٰشِرٰتِ

قسم ہے چلتی باؤں کی دل کو خوش آتی پھر جھونکا دینے والیاں زور سے پھر ابھارنے والیاں

نَشْرًا ۙ ﴿۳﴾ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۙ ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ ﴿۵﴾ عُذْرًا اَوْ

اٹھا کر پھر پھاڑنے والیاں بانٹ کر پھر فرشتے اتارنے والوں کی سمجھوتی الزام اتارنے کو یا

نُذْرًا ۙ ﴿۶﴾ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۭ ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ ﴿۸﴾ وَاِذَا

ڈر سنانے کو مقرر جو تم سے وعدہ ہوا سو ہونا ہے پھر جب تارے مٹائے جاویں اور جب

السَّمَاۗءُ فُرِجَتْ ۙ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۭ ﴿۱۱﴾

آسمان میں جھروکے پڑیں اور جب پہاڑ اڑائے جاویں اور جب رسولوں کا وعدہ ٹھہرے

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۭ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۚ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ

کس دن کی ان کو دیر ہے اس فیصلہ کے دن کی اور تو کیا بوجھا؟ کیا ہے فیصلہ کا

الْفَصْلِ ۭ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۭ ﴿۱۶﴾

دن؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم کھپا نہیں چکے اگلے

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ

پھر ان کے پیچھے بھیجتے ہیں پچھلے ہم یہی کچھ کرتے ہیں گناہگاروں سے خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۙ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ

جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے؟ پھر رکھا اس کو

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۙ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۙ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ڰ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾

ایک جمے ٹھہراؤ میں ایک وعدہ مقرر تک پھر ہم کر سکے سو کیا خوب سکت والے ہیں

وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۙ ﴿۲۵﴾ اَحْيَاۗءً

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی جیتوں کو

وَّ اَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّ جَعَلۡنَا فِیۡهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً

اور مردوں کو اور رکھے اس میں بوجھ کو پہاڑ اونچے اور پلایا تم کو پانی

فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ

میٹھا پیاس بجھاتا خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی چلو دیکھو! جو چیز تم

تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِیۡلٍ وَّ

جھٹلاتے تھے چلو ایک چھاؤں میں جس کی تین پھانکیں نہ گھن کی اور

لَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ کَالۡقَصۡرِ ﴿۳۲﴾ کَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ

نہ کام آوے تپش میں وہ آگ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل جیسے وہ اونٹ ہیں

صُفۡرٌ ﴿۳۳﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا یَوۡمُ لَا یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾

زرد خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی یہ وہ دن ہے کہ نہ بولیں گے

وَ لَا یُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَیَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۳۷﴾

اور نہ ان کو حکم ہو کہ توبہ کریں خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی

هٰذَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۚ جَمَعۡنٰکُمۡ وَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ کَیۡدٌ

یہ ہے دن فیصلے کا جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو پھر اگر کچھ داؤ ہے تمہارا تو

فَکِیۡدُوۡنِ ﴿۳۹﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۰﴾ ع اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ ظِلٰلٍ ع ۲ ۲۱

چلا لو مجھ پر خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی جو ڈر والے ہیں وہ چھاؤں میں ہیں

وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ وَّ فَوَاکِهَ مِمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۴۲﴾ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـئًۢا بِمَا

اور ندیوں میں اور میوے جس قسم کے جی چاہے کھاؤ اور پیو رچ سے بدلہ

کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ

اس کا جو کرتے تھے ہم یونہی دیتے ہیں بدلہ نیکی والوں کو خرابی ہے اس دن

لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ

جھٹلانے والوں کی کھالو اور برت لو تھوڑے دنوں تم مقرر گنہگار ہو خرابی ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی اور جب کہیے ان کو نوو نہیں نوتے

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی اب کس بات پر اس کے بعد یقین لاویں گے۔

ع ۲ ۱۰ ۲۲

اعلان پراگندگی نظام عالم برائے تکمیل وعدۂ قیامت وبربادی مجرمین وانعام والطاف برمؤمنین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ ... الی ... فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں انسانی ہستی کا بیان تھا کہ کائنات کی تخلیق اور دُنیا میں انسانوں کی آبادی اس طرح پیش آئی کہ ایک وقت تھا کہ انسان کا کوئی وجود ہی نہ تھا اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کو عدم سے وجود بخشا اور اسی کے لیے یہ کارخانہ عالم قائم کیا جیسے کہ فرمان ہے ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرہ:۲۹) اور ظاہر ہے کہ تخلیق انسان اور نظام کائنات قائم کرنے کی غرض ہے اللہ کی عبادت و بندگی ہے جس پر انسانوں کے دو گروہ بٹ گئے ایک گروہ اہل ایمان واطاعت کا ہوا دوسرا گروہ نافرمان ومجرمین کا تو اب اس سورت میں نظام عالم درہم برہم کر دینے کا ذکر ہے اور یہ کہ رب العالمین نے قیامت کا جو وعدہ کیا ہے وہ کس طرح پورا ہوگا اس کے لیے ان احوال کو بیان فرمایا جا رہا ہے جو قیامت کے واسطے مبادی ہوں گے اور ان کے پیش آنے پر کائنات کا یہ جملہ نظام درہم برہم کر دیا جائے گا ارشاد فرمایا:

قسم ہے ان خوشگوار ہواؤں کی جو جاری ہیں لطافت و نرمی کے ساتھ جن کے لطیف جھونکوں سے مخلوق کی زندگی اور ان کے منافع وابستہ ہیں [1] پھر قسم ہے ان تیز وتند آندھیوں کے جھونکوں کی جو اکھاڑ پھینکنے والی ہوں درختوں اور عمارتوں کو اکھاڑ پھینکنے کی شدت کے ساتھ

---

[1] ترجمہ میں ان الفاظ کا اضافہ عرفًا کے معنی لغوی وعرفی کے پیش نظر کیا گیا اور اس امر کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ لفظ عربیت کے لحاظ سے تمیز ہے المرسلات کے لیے اور مقصد وغرض بھی ایسے نرم ولطیف اور خوشگوار ہوا کے جھونکوں کے واسطے۔

اس موقعہ پر خداوندِ عالم نے جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہیں: ① المرسلٰت ② العاصفات ③ الناشرات ④ الفارقات اور ⑤ الملقیات۔

سورۂ والمرسلات میں اختیار کردہ الفاظ قسم کی تشریح

ان پانچ چیزوں کی مراد اور ان کے مصداق کے متعلق ائمہ مفسرین نے متعدد اقوال بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کیے ہیں اعمش رحمۃ اللہ علیہ =

پھران ہواؤں کی جو بلندی تک لے جانے والی ہوں کسی چیز کو اٹھا کر وہ بخارات ہوں یا گردو غبار یا بادل ہوں جن کو ہوائیں بلندی تک لے جائیں اور فضا میں پھیلا دیں اور جہاں حکم خدا ہو وہاں پہنچا دیں پھران ہواؤں کی جو پھاڑ دینے والی ہوں نباتات یا پھل اور پھولوں کو

== ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کرتے تھے کہ ان سے ملائکہ اور فرشتے مراد ہیں لیکن اس کے بالمقابل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب ان آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا ان سے مراد ہوائیں ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وقتادہ رحمہما اللہ سے بھی یہی منقول ہے ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ایک جماعت پانچوں کو فرشتوں کے معنی پر محمول کرتی ہے دوسری جماعت سب کو ہواؤں پر منطبق کرتی ہے۔

ملائکہ۔ مصداق ہونے کی صورت میں اس طرح ترجمہ ہوگا قسم ہے ان فرشتوں کی جو بھیجے جاتے ہیں (حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف) نیکی اور بھلائی کے لیے اس لیے کہ وہ وحی الٰہی لے کر آتے ہیں اور اللہ کی وحی ہی دین ودُنیا کی خیر اور فلاح کی ضامن ہے پھران فرشتوں کی جو کھاڑ پھینکنے والے ہیں کہ وہ عالم میں تغیر وتبدل اور ہنگامہ وتہلکہ جیسی باتوں کے لیے مامور ہیں پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلا دینے والے ہیں یعنی ایسی جماعت جو مثلاً قحط وارزانی صحت وبیماری جیسی چیزوں کو عالم میں پھیلانے پر مامور ہے پھران فرشتوں کی جو فرق کردینے والے ہیں عالم میں فرق کردینا حق وباطل' ضعف وقوت' نور وظلمت' حرارت وبرودت اچھے برے اور نفع ونقصان جیسے امور میں اور ایک جماعت فرشتوں کی نظام عالم کی تدبیر میں اسی پر مامور ہے پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو ڈالنے والے ہیں ذکر یعنی وہ فرشتے جو تدبیر عالم میں اس پر مامور ہے کہ تکمیل مخلوق کے بعد ان میں ذکر الٰہی ڈالتے ہیں۔ خواہ وہ ذکر غیر اختیاری طور پر اس مخلوق میں ڈالتا ہو جیسے کہ نباتات اشجار واحجار طیور وبہائم اور حشرات سبکی فطرت اور سرشت میں ذکر ڈالا گیا چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ اور ارشاد ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ﴾ غرض ہر مخلوق ذکر الٰہی کر رہی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا:

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است

ولے داند دریں معنی کہ گوش است

یا وہ ڈالنا اس طرح ہو کہ مخلوق اپنے ارادہ اور اختیار سے اس ذکر میں مصروف ہو یہ نوعیت ذوی العقل یعنی انسانوں کے لیے ہے یا جن وملائکہ کے لیے کہ فرشتے ان کے دل میں ذکر کا القاء کرتے ہیں اور فرشتے ہی لوح محفوظ سے اللہ کے ذکر تسبیح وتحمید اور اس کی طاعت وعبادت کے احکام لے کر آتے ہیں اور پھر اللہ کے بندے (فرشتوں اور جنوں میں سے اہل ایمان) وہ ذکر کرتے ہیں اور ان احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور وحی الٰہی جو ان فرشتوں کے ذریعہ اتری اس سے انسانوں کے عذر اور حیلے بہانے ہی ختم کردیے گئے اور عذاب آخرت سے ڈرایا بھی گیا بہرکیف یہ دونوں قسم کا ذکر فرشتوں ہی نے مخلوق میں لا کر ڈالا تو ان فرشتوں کی ان کلمات میں قسم کھائی گئی تو اس نوعیت سے ان پانچوں کلمات سے فرشتوں کی ان قسموں کا بیان ہوا جو نظام عالم اور تدبیر خلائق میں ان اُمور پر مقرر ہیں جن میں تکوین عالم اور عالم کی ہر موجود چیز کی ابتدائی حالت پھر اس کی قوت وکمال تک پہنچنے کی نہایت پھر ممکنات کے اکتساب خیر وشر اور اس کے بعد کی حالت پھر بقاء عالم کے اسباب اور ہر شے کی نشوونما کی کیفیت کہ عالم عدم سے عالم ظہور تک کیا کیا صورتیں اور تغیرات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ اور غرض دار آخرت کی تیاری اور اس کے ضمن میں اہل عقل کے لیے اتمام حجت اور عذاب آخرت سے ڈرانا غرض یہ انواع واقسام ہیں جو تدبیر عالم میں فرشتوں کے ذریعہ مخلوقات میں جاری ہیں۔

یہ ترجمہ تو اس تقدیر پر ہوا کہ فرشتے مراد ہوں اور اگر ہوائیں مراد ہوں تو پہلی چار قسموں کا مطلب ترجمہ میں ظاہر کردیا گیا اب اس صورت میں ﴿فَالْمُلْقِیٰتِ ذِكْرًا﴾ بھی ہوا پر محمول ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہوائیں جو ذکر اور وحی کو لوگوں کے کانوں میں ڈالنے والی ہیں کیونکہ آواز کا کانوں تک پہنچانا ہوا ہی کا کام ہے جیسے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا:

تو اس دوسرے قول کے پیش نظر ہوا کی ان پانچ قسموں کو قسم کھانے کے لیے اس بناء پر مخصوص کیا گیا کہ ہوا کا عالم کی بقاء وفناء اور کاروبار میں عجب دخل==

یا بادلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہ ان ہی جھونکوں نے زمین کی تہوں کو شق کر کے زمین میں دبے ہوئے تخم اور بیج کو سبزہ کی شکل میں رونما کیا اور ان ہی جھونکوں نے پھولوں کی کلیاں شگفتہ بنائیں اور انہی ہواؤں نے خوشوں کو پھاڑ کر پھل نمودار کیے اور ان ہی ہواؤں نے بادلوں کو پھاڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور پھر مختلف جانبوں میں پھیلا یا پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو اتار کر لاتے ہیں اللہ کی وحی کو عذر ختم کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے کہ کافروں اور نافرمانوں کے لیے کوئی عذر کی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہمیں تو خبر نہ تھی یا ڈرانے کے لیے عذاب آخرت سے کہ اگر کسی کو علم بالا حکام ہو تو ہو لیکن اس کو خوف خدا نہیں اور آخرت کے عذاب کا ڈر نہیں تو فرشتوں نے اللہ کی وحی اتار کر حیلے اور معذرت کا دروازہ بھی بند کر دیا اور اس وحی الٰہی میں خوف خدا اور عذاب آخرت کا سامان بھی مہیا کر دیا اور ہر ذکر اور وحی خداوندی میں ان دونوں باتوں میں سے ضرور ایک نہ ایک چیز موجود ہے اس سے خلو ممکن نہیں البتہ یہ دونوں چیزیں بہت سی جگہ مجتمع ہو کر بھی پائی جاتی ہیں۔ ❶ آگاہ ہو جاؤ اے لوگو! بے شک بس اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم سے جس چیز کا وعدہ کیا گیا وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے اور وہ قیامت ہے آخرت میں میدان حشر کی پیشی حساب و کتاب اور جزاء وسزا جیسے جملہ احوال ہیں جن میں جنت و جہنم بھی ہے بلا شبہ ان میں سے ہر ایک بات واقع ہو کر رہے گی اور ان کے وقوع میں شبہ کرنے والے کو دیکھ لینا چاہیے کہ عالم میں

= ہے سننا، دیکھنا، چھونا، چکھنا، سونگھنا سب کچھ ہوا پر ہی موقوف ہے آواز بھی ہوا کے ذریعے متکیف ہو کر کان پر پہنچتی ہے دیکھنے میں بھی شعاع بصریہ شے مرئی اور مبصر تک رسائی کرتی ہے کیونکہ عنصر لطیف ہے تو جب کہ کوئی حائل نہیں تو ہوا بھی شعاع بصریہ کے نفوذ کا ذریعہ ہے علیٰ ھذا القیاس دیگر ادراکات کا بھی یہی حال ہے نیز ہوا ہی سے ہر جاندار کی حیات وابستہ ہے تو اس عظمت کے پیش نظر ہواؤں کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا قسم ہے ان ہواؤں کی جو نرم و لطیف اور خوشگوار جھونکوں کی صورت میں چلتی ہیں پھر ان ہواؤں کی جن کے تیز و تند جھونکے درختوں اور سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو اکھاڑ پھینکے اور سمندر میں طوفان برپا کردیں گویا یہ ہوائیں تلاطم اور انقلاب برپا کرنے والی ہیں پھر فا کا لفظ لا کر یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ہر چیز کے دو وصف ہوتے ہیں تو وہی ہوائیں جو ابتداء میں نرم و لطیف ہوتی ہیں وہی شدت اختیار کر کے طوفان و تلاطم بھی برپا کر دیتی ہیں پھر ان ہواؤں کی قسم جو عالم میں بکھیرنے اور پھیلانے والی ہیں کہیں بادلوں کو پھیلا رہی ہیں کہیں سردی گرمی کو کہیں صحت و مرض کو کہیں رطوبت و یبوست کو حتیٰ کہ آوازوں کو پھر قسم ان ہواؤں کی جو جدا کرتی ہیں اور فرق کرتی ہیں حتیٰ کہ غلہ کو گھاس کے تنکوں اور پانی کو کدورت سے نیز اجزاء نباتیہ کو اجزاء حیوانیہ سے جدا کرنا اسی ہوا کا کام ہے پھر یہی ہوا ہے جو مغروروں اور سرکشوں کے اجسام کے اعضاء کو مرنے کے بعد پارہ پارہ کر کے اڑانے اور جدا کرنے والی ہے کہ سر کہیں اور جسم کہیں الغرض یہ ہوا ہی تمام عالم میں جمع و تفریق اور تالیف و انتشار کا کرشمہ دکھا رہی ہے تو یہ ناشرات و فارقات ہوائیں انقلاب و تغیر اور اشیاء عالم کی پراگندگی اور ان کے اجتماع کو ظاہر کر کے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی ہیں اور پھر اخیر میں ان ہواؤں کی قسم کھائی جو ذکر الٰہی اور وحی خداوندی عالم میں پھیلانے والی ہیں تو اس طرح مخاطب کے ذہن میں ان احوال و اُمور کا جو قیامت کا نقشہ بڑی سہولت سے ہر مخاطب کے سامنے لا سکے ہیں جواب قسم میں قیامت کا واقع ہونا بیان فرمایا ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ﴾ اے انسانو! جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بے شک ہو کر رہے گی۔

حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اول چار قسمیں ہواؤں کی ہیں اور پانچویں قسم فرشتوں کی ہے ہم نے ترجمہ میں اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے پانچویں قسم کے ساتھ فرشتوں کا ترجمہ کیا واللہ اعلم بالصواب۔

تفصیل کے لیے روح المعانی تفسیر عزیزی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائیں ۱۲۔

❶ ان کلمات کا اضافہ اس بات کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ ﴿عُذْرًا اَوْ نُذْرًا﴾ میں او انفصال حقیقی کے لیے نہیں ہے اور نہ مانعۃ الجمع ہے بلکہ یہ بطریق قضیہ منفصلہ مانعۃ الخلو ہے کہ ہر وہ ذکر جس کا فرشتوں نے القاء کیا ہے اس میں کسی جگہ عذر و معاذیر کو ختم کرنا ہے تو کسی جگہ عذاب سے ڈرانا ہے یہ دونوں باتیں کبھی علیحدہ علیحدہ پائی جاتی ہیں اور کہیں کسی ذکر اور وحی میں دونوں مجتمع اور موجود ہوتی ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کوئی نہ ہو۔

چلتی ہوئی ہواؤں میں دن رات قیامت بعث بعد الموت اور فناء و بقا کے نمونے موجود ہیں جن کو ہر انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے تو پھر کون ہے جو اس روز قیامت کے آنے میں شبہ کرے جان لینا چاہیے کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا جب کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں گے اور پھٹ کر ان میں دریچے اور جھروکے جیسے نظر آنے لگیں گے اور جب کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ① کر کے اڑا دیئے جائیں گے حتیٰ کہ روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے اور جب کہ رسولوں کو ایک وقت مقرر کر کے ساتھ متعین و مقرر کر دیا جائے گا جو یکے بعد دیگرے اپنی اپنی امتوں کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں پیش ہوں گے اور پھر رسولوں سے بھی سوال ہوگا اور ان کی امتوں سے بھی پوچھا جائے گا ② یہ ہے قیامت! اور قیامت کے وقت پیش آنے والے احوال اور جانتے بھی ہو اے لوگو! کس دن کے واسطے ان چیزوں کو مؤخر اور ایک طے شدہ وقت کے لیے موقت کیا گیا ہے یہ سب کچھ اس دن کے لیے جو ہر بات اور ہر چیز میں آخری اور دوٹوک فیصلہ کا دن ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ دن اسی وقت برپا کر دیتا اور ابھی ہر چیز کا فیصلہ ہو جاتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس کو موخر کیا جائے اور اے انسان تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے یہ فیصلہ کا دن مت پوچھو کہ یہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس کی ہیبت و شدت کی کوئی حد نہیں اور جھٹلانے والوں کے لیے اس روز سخت مصیبت و تباہی کا سامنا ہوگا اور یکا یک ایسی ہولناک صورت سامنے آ جائے گی کہ ہوش و حواس پراگندہ ہوں گے اور حسرت و ندامت ان منکرین پر مسلط ہوگی۔ بس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے یہ منکرین و مکذبین سمجھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں اس قدر وسیع دنیا ہلاک ہو جائے گی اور کس طرح ہم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور نسل انسانی نیست و نابود ہو کر کس طرح زندہ کی جائے گی کہاں جہنم اور عذاب جہنم اور کیسی جنت اور جنت کی نعمتیں تو منکرین و مکذبین کو کیا یہ معلوم نہیں ہم ان سے پہلے کتنوں کو ہلاک کر چکے ہیں پھر ہم ان کے بعد لاتے رہے بعد والوں کو تو موت و ہلاکت اور پہلوں کے دنیا سے نیست و نابود ہو کر پچھلوں کا آنا کوئی عجیب بات نہیں ہماری قدرت کا یہ سلسلہ تاریخ قدیم سے چلا آ رہا ہے جس کو یہ دیکھتے رہے ہیں تو پھر انہوں نے یہ کیسے خیال کیا تھا کہ ہم دنیا کے انسانوں کو فنا کر کے دوبارہ قیامت کے روز ان کو نہیں اٹھائیں گے ہم ایسا ہی کرتے ہیں مجرمین کے ساتھ کہ ان پر جرم کے سبب عذاب نازل کیا ان کو ہلاک کر کے پھر دوسری قوم کو لے آئے تو اب ہم نے قیامت کے روز سب مجرموں کو جمع کر لیا تا کہ ان کو عذاب دیں اور سب اہل ایمان کو بھی جمع کر لیا تا کہ مجرمین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ایمان و یقین والوں کے واسطے کیسے کیسے انعامات ہیں پس ہلاکت و بربادی ہے جھٹلانے والوں کے لیے آخر انکار کرنے والوں نے کیوں قیامت کا انکار کیا اے انسانو! کیا ہم نے پیدا نہیں کیا ہے تمہیں ایک حقیر پانی سے ③ نطفہ منی سے پھر کیا نہیں رکھا ہے ایک محفوظ ٹھیراؤ کی جگہ میں یعنی رحم مادر میں

---

① جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً﴾ اور ارشاد ہے ﴿وَیَسْأَلُونَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا﴾۔ ۱۲

② یہ وہی مضمون ہے جو ﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ﴾ میں ذکر فرمایا گیا۔

③ اس موقعہ پر جس اہم اور عظیم الشان مضمون کے لیے خداوند عالم نے پانچ چیزوں کی قسم کھائی اور ان قسموں پر اصل مدعیٰ اور مقصد کو واضح فرمایا وہ مقصد و مدعیٰ ﴿إِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ﴾ ہے کہ قیامت جس کا وعدہ کیا گیا ہے وہ برحق ہے اور صادق ہے اور بلاشبہ قیامت واقع ہو کر رہے گی تو اس کے ثابت کرنے کے لیے مُجملہ دلائل یہ بھی ایک اہم دلیل بیان کی گئی ﴿أَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ یعنی انسانی تخلیق کا یہ سلسلہ یقیناً اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کی دلیل تو ہے ہی لیکن اس نظام قدرت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا بھی پورا پورا نمونہ موجود ہے کہ کس طرح خداوندِ عالم نے ایک قطرہ میں انسان کے تمام جسم اور اعضاء جسم کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ سر سے پاؤں تک کے جملہ اعضاء بطور جوہر اس ایک قطرہ میں ہیں پھر صرف یہی نہیں =

جہاں اس نطفہ نے نہایت ہی محفوظ طریقہ سے نشوونما پایا اعضاء کی ساخت ہوئی شکل وصورت بنی اس میں حیات وروح کو ڈالا یہ سب کچھ اس کے معین کردہ وقت تک کے لیے ہوتا ہے جو مدت حمل ہے اس وقت پر انسان ان تمام تدریجی مراحل کو طے کر کے دنیا میں آتا ہے تو ہم نے ایک وقت کا اندازہ کر دیا ہے اور طے کر لیا ہے بس ہم بہت ہی اچھے انداز سے وقت مقرر کرنے والے ہیں کہ کیسی خوبی سے ایک نطفہ کے لیے تدریجی مراحل سے نشوونما مقدر کر کے اس کو انسانی شکل میں پیدا کیا جبکہ انسانی عقل وفکر کے محدود دائرہ میں سوچنے والا انسان تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ حقیر سا قطرہ اتنی مدت کے بعد بہترین اعضاء کی ساخت شکل وصورت حیات وادراک اور عقل وشعور کی تمام صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہو جائے گا تو بس اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ انسان مرنے اور ہلاک ہونے کے بعد دوبارہ قیامت کے روز زندہ ہو کر اٹھے گا رہا یہ امر کہ وہ قیامت کب آئے گی تو یہ ایک مقرر کردہ وقت ہے جو اللہ نے اپنی ایسی ہی حکمت بالغہ اور کاملہ سے مقرر کر رکھا ہے جیسا کہ ہر نطفہ کی پیدائش کا اس نے اپنی حکمت [1] سے وقت مقرر کیا اور اس میں مہلت رکھی پس ہلاکت وبربادی ہے اس دن انکار کرنے والوں کے لیے تو کیا یہ تمام چیزیں اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ وہ خداوند عالم قیامت قائم کرنے پر قادر ہے اور ان منکرین کا یہ کہنا کہ "ہم مٹی میں ملنے کے بعد جب کہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر کیونکہ ہم دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں" نہایت ہی لغو اور مہمل بات ہے ان کو دیکھنا چاہیے کہ کیا ہم نے نہیں بنایا ہے زمین کو جو سمیٹنے والی ہے زندوں کو اور مردوں کو جس پر زندہ بھی آباد ہیں اور مردے بھی اسی میں مرنے کے بعد دفن ہیں اس طرح زندوں کو بھی اسی خاک سے حیات وزندگی ملی اور مر کر بھی اسی میں چلے گئے تو جس خاک سے انسانوں کی نشوونما ہے اسی خاک میں ملنے والے انسانوں کے اس میں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے پر کیا تعجب ہے کیوں نہیں اس بات کو دیکھ کر کہ ہر دانہ زمین میں بو دیئے جانے کے بعد جب کہ وہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ اور بظاہر مٹی ہی بن جاتا ہے کس طرح اگ رہا ہے قیامت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ نہیں سمجھتے تو جب زمین میں دفن ہو چکنے کے بعد ہر دانہ اور تخم دوبارہ پیدا ہو رہا ہے تو کیوں نہیں انسان زمین میں مل کر اور خاک ہو کر دوبارہ پیدا ہو سکتے تو جس قادر مطلق کی قدرت کے یہ نمونے دن رات نظروں کے سامنے ہیں اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ عالم کو فنا کر کے قیامت قائم کر دے اور اس زمین میں ہم نے بنائے ہیں ایسے جم جانے والے بوجھل پہاڑ جن کی چوٹیاں بلند ہیں جو اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہیں کھاتے تو یہ زمین کس قدر مضبوط ہے کہ اس نے اپنے اوپر ایسے وزنی پہاڑوں کو اٹھا رکھا ہے جن کی بلند چوٹیاں بادلوں سے بھی اوپر تک پہنچی ہوئی ہیں اور اسی زمین اور پہاڑوں سے چشمے جاری کر کے تم کو میٹھا پانی پلایا جو پیاس بجھانے والا ہے پانی کے یہ سیال چشمے مضبوط زمین اور سخت چٹانوں سے جاری ہو کر خدا کی عظیم قدرت کا نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں تو

= کہ اجزاء بدنیہ بلکہ ہر شخص کی عادات خصلتیں مزاج شکل وصورت حتیٰ کہ آواز اور طرز گفتگو جیسی کیفیات بھی اس میں جمع کر دی ہیں۔ چنانچہ اسی ذریعہ سے یہ ساری صفات اور کیفیات اولاد میں منتقل ہوئی ہیں تو اس طرح بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کہ بس سمجھ لو ایسے ہی خداوند عالم انسانوں کے مرنے کے بعد ان کے اجزاء بدنیہ سمیٹ کر اٹھا لے گا خواہ وہ کسی بھی حالت کو اختیار کر چکے ہوں اور انسانی اجزاء کا جمع کر کے اٹھانا اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک قطرۂ منی میں تمام اجزاء بدن اور اوصاف وعادات جمع کر کے اس کو دوبارہ ایک انسانی شکل وصورت میں پیدا کیا جائے تو اس طرح ﴿ أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّآءٍ مَّهِينٍ ﴾ کا مضمون ﴿ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ﴾ کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر مرتب کیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

[1] ان کلمات سے اشارہ کیا گیا کہ آیت ﴿ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ﴾ کا تعلق ہر دو مدتوں کی تقدیر اور تعین سے ہے یعنی مدت حمل کی تقدیر تو جس طرح مدت حمل کی تقدیر اللہ کی حکمت کاملہ پر مبنی ہے اسی طرح قیامت کی مدت بھی اللہ نے اپنی حکمت کاملہ سے طے کر رکھی ہے اور وہ اسی پر واقع ہوگی۔ ۱۲

جو خداوندِ عالم اپنی قدرت کاملہ کے یہ متضاد نمونے دکھلا رہا ہے اور موت وحیات اور سختی ونرمی کے مناظر پیش کر رہا ہے کیا وہ خدا میدان حشر میں نرمی و سختی اور نجات و ہلاکت کے مناظر نہیں دکھلا سکتا؟ نیز جس کے قبضہ میں تمام اسباب حیات ہیں اور وہ پہاڑوں کے سینہ میں معدنیات پانی کے چشمے اور بے شمار چیزیں جمع کرنے والا ہے اس پروردگار کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد زمین میں دفن ہونے کے بعد ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد ابدان کو اور ان اجسام کو جو ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں اڑ رہے ہوں یا پانی کی موجوں میں بہہ رہے ہوں ان کو اپنی قدرت بالغہ سے سمیٹ کر جمع کر لے اور دوبارہ میدانِ حشر میں اٹھا لے ان حقائق اور مناظر قدرت کو دیکھ کر تو کسی کی یہ مجال نہ ہونی چاہیے کہ انکار کرے لیکن افسوس کہ پھر بھی بہت سے انکار کرنے والے انکار کرتے ہیں پس ہلاکت وتباہی ہے انکار کرنے والوں کے لیے بہر کیف قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے اور خداوندِ عالم جس کی قدرت کے یہ عظیم کرشمے نظروں کے سامنے ہمہ وقت موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی کو مجال نہیں کہ قیامت کا انکار کر سکے تو جب قیامت قائم ہوگی مردوں کو ان کی قبروں سے اٹھایا جا رہا ہوگا آفتاب کی تپش سے لوگوں کے دماغ کھول رہے ہوں گے اہل ایمان کے لیے سایہ عرش ہوگا اور مجرمین ومنکرین بدحواسی کے عالم میں ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا چلو اس چیز کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے وہ نامۂ اعمال کی پیشی اور میزان اعمال پر حاضری اور جہنم کے کناروں پر قائم کردہ پل پر سے گزرنا ہے اس اعلان پر منکرین وکفار بے چینی سے گریہ وزاری کرنے لگیں گے تو پھر ان کو کہا جائے گا اچھا چلو ایک ایسے سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں [1] ایک طرف اشارہ کر کے کہا جائے گا دور سے ظاہر ہوگا کہ وہ ایک سایہ ہے جس کی تین شاخیں ہیں فرشتوں کے اس اعلان پر وہاں پہنچیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے نہ تو وہ سایہ ہوگا ڈھانکنے والا جس میں کوئی ٹھنڈک اور چین ہو اور نہ ہی وہ جہنم کی لپٹوں اور شعلوں سے بچانے والا ہوگا بلکہ وہ سایہ تو درحقیقت جہنم سے اٹھنے والا دھواں ہوگا اور قعرِ جہنم سے اٹھنے والے سیاہ شعلے ہوں گے جو پہاڑوں کی بلندی کی طرف اوپر کی جانب بلند ہوتے ہوں گے اور دُور سے محسوس ہوگا کہ وہ کوئی سایہ ہے۔

وہ جہنم پھینکتی ہوگی ایسے شعلے اور انگارے جو محل کی طرح بلند ہوں گے دیکھنے میں ایسا محسوس ہوگا گویا وہ اُونٹ ہیں زرد رنگ کے کہ ابتداء میں وہ انگارے اور شعلے محل کی بلندی کے بقدر قعرِ جہنم سے بلند ہوتے ہوں گے پھر ان میں سے ٹوٹ ٹوٹ کر چنگاریاں ایسی نظر آئیں گی جیسے زرد رنگ کے اونٹ ہوں یہ ہے وہ عذاب جو آخرت میں مجرمین ومنکرین کے لیے ہوگا افسوس ہلاکت وبربادی ہے اس دن

---

[1] یہ تین شاخوں والا دھواں اس طرح ہوگا دائیں بائیں اور سر پر محیط گویا ہر طرف سے گھیرنے والا ہوگا بظاہر اس کی حکمت یہ ہوگی کہ عالم آخرت میں انسان کے اعمال عالم مثال میں حقائق موجودہ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں تو یہ ان کے اعمال فاسدہ اور عقائد باطلہ کی تاریکی ہوگی جو ہر طرف سے ان کو محیط ہوگی اور دھوئیں کی شکل میں ظاہر ہو رہی ہوگی۔

حضراتِ عارفین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین لطیفے ہیں جن کی اصلاح اس کو مقام ملکیت تک پہنچا دیتی ہے اور اس کا فساد اس کو شیاطین کے زمرے میں شامل کر دیتا ہے ایک بائیں طرف جو لطیفہ قلب ہے جس کا فساد قوت غضبیہ کو حد سے بڑھا کر ظلم وسرکشی پر آمادہ کرتا ہے دوسرا دائیں طرف ہے جس کا فساد قوتِ شہویہ کو بڑھاتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان فسق وفجور اور بدکاریوں میں پڑ جاتا ہے کیونکہ جگر معدن خون ہے اور یہی شہوتوں کا سرچشمہ ہے تیسرا لطیفہ دماغ ہے جو قوت ادراکیہ کا خزانہ اور معدن ہے تو پہلے دو لطیفوں کا فساد عملی خرابیوں کا باعث ہے اور تیسرے لطیفہ کا فساد عقائد باطلہ کا سبب ہے اس طرح اعمال خبیثہ اور عقائد باطلہ ان لطائف کی خرابی پر مرتب ہوئے تو اس مناسبت سے یہ اعمال خبیثہ اور عقائد جہنم کے دھوئیں اور شعلوں سے ظاہر ہونے والے سایہ کی تین شاخوں کی شکل میں نمایاں ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب (روح المعانی۔ فتح المنان)

انکار کرنے والوں کے لیے اس دن کی شدت اور عذاب کی سختی کا کیا حال بتایا جائے یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے اور اگر اس سے قبل روزِ محشر کچھ بولے بھی ہوں وہ بے سود تھا اور نہ ان کو اجازت ہوگی کہ وہ کوئی معذرت پیش کریں اور توبہ کریں پس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ان منکرین نے جو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں میں جس طرح حیل وحجت اور عذر و معذرت سے کام چل جاتا ہے شاید میدان حشر میں اسی طرح ہم کچھ حیلے بہانے یا معذرت وتوبہ کرکے چھوٹ جائیں گے نہیں ہرگز نہیں وہاں نہ تو بولنے کی سکت ہوگی اور نہ کوئی معذرت وتوبہ قبول ہوگی۔ بہرحال یہ ہے فیصلہ کا دن جس میں حق و باطل نیکی و بدی اور ایمان و کفر کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر عمل کا انجام سامنے ہوگا مؤمنین جدا ہوں گے اور مجرمین و منکرین جدا ہوں گے ایک گروہ نجات و کامیابی پر شاداں وفرحاں ہوگا تو دوسروں کے چہروں پر ذلت وحقارت اور پریشانی و پشیمانی برس رہی ہوگی غرض ہر چیز کا فرق سامنے ہوگا اور ہر عمل کا فیصلہ ہو رہا ہوگا جمع کر دیا ہے ہم نے تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ سب کو اکٹھا کرکے پھر الگ الگ کر دیں اور آخری فیصلہ سب کو سنا دیں تو اے مجرمو! اگر کوئی تدبیر کرسکتے ہو تو کرلو وہ تدبیر میرے مقابلہ میں اور آجائیں وہ گستاخ بھی جو کہا کرتے تھے دوزخ کا ذکر (اور ان پر مقرر انیس فرشتوں کو) سن کر کہ ''سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا'' باقی دو سے تم نمٹ لینا بس ہلاکت و تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ظاہر ہے کہ سب کچھ مصائب اور عذاب کی شدت و سختی اور میدانِ حشر کی پریشانی منکرین و مکذبین کے لیے ہے جو ان کے کفر و نافرمانی اور سرکشی کا نتیجہ ہے لیکن ان کے بالمقابل اہل ایمان وطاعت کامیاب و کامران ہوں گے اللہ رب العزت کی نعمتوں اور اس کی رضاء وخوشنودی سے سرفراز ہوں گے۔ جن کی راحت ونعمتوں کا یہ حال ہوگا کہ بے شک تقویٰ اور ایمان والے نہایت ہی راحت و سکون کے ساتھ جنت کے سایوں میں اور چشموں میں جن سے پانی اور دودھ کی نہریں بہتی ہوں گی اور ہر قسم کے میوے اور پھلوں میں ہوں گے جس قسم کے بھی وہ چاہیں غرض ہر طرح کا آرام وسکون عزت اور ہر قسم کی نعمتیں ہوں گی اور ان کو کہہ دیا جائے گا کھاؤ اور پیو مزے سے خوب بلا کسی روک ٹوک کے یہ سب کچھ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے دُنیا کی زندگی میں بیشک ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیکی کرنی والوں کو مگر اس کے برعکس ہلاکت و تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے یہ مجرمین و مکذبین جو دنیا کی لذتوں اور عیش وعشرت میں مست تھے اور آخرت کو انہوں نے بھلا رکھا تھا ان کو دُنیا میں ہی اس وقت بتا دیا گیا تھا کھالو اور مزے اڑالو تھوڑے دنوں تک یقیناً تم مجرم ہو اور تم کو یہ چند دن اور قلیل مدت گزرنے پر معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا انجام کس قدر برا ہے افسوس! ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے دنیا کی زندگی نے ان مجرموں کو ایسا سرکش و نافرمان بنا دیا تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ جھک جاؤ [1] اللہ کے سامنے تو نہیں جھکتے تھے اور کسی طرح خدا کے سامنے سرنگوں ہونے اور عبادت و بندگی کے لیے تیار نہ ہوئے جس کا یہ انجام دیکھ لیا جس ہلاکت و بربادی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے قرآن حکیم نے کس قدر واضح دلائل بیان کر دیئے جن کے بعد خدا اور آخرت پر ایمان لانے میں کوئی تردد ہی نہ رہنا چاہیے لیکن انکار کرنے والے اب بھی اگر ایمان نہیں لائے تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات ہوگی جس پر وہ ایمان لائیں گے اور اس پر یقین کرکے آخرت کو مانیں گے نہ تو قرآن کے بعد اب کوئی اور کتاب نازل ہوگی اور جو دلائل وحقائق ذکر کیے گئے ان کے بعد احاطۂ تصور میں مزید کسی دلیل اور تحقیق کا امکان نہیں اور نہ ہی خاتم الانبیاء والمرسلین جناب

---

[1] لفظ ارکعوا کا ترجمہ ''جھک جاؤ'' اس لفظ کے معنی لغوی کے لحاظ سے کیا گیا اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ یہاں رکوع کو رکوع اصطلاحی کے معنی پر محمول کیا جائے۔ ۱۲

رسول اللہ ﷺ کے بعد اور کوئی نبی مبعوث ہوگا کہ یہ توقع کر لی جائے کہ شاید کسی اور پیغمبر کے کسی معجزہ کو دیکھ کر یا دلیل کو سن کر مان لیں اور ایمان لے آئیں بہر حال جو بدنصیب بھی ان قرآنی دلائل وحقائق کے باوجود ایمان سے محروم رہے تو اس کے بعد کوئی توقع نہیں کہ وہ کسی اور بات پر ایمان لا سکے گا۔

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ اعاذنا الله منه ووفقنا من فضله وكرمه للايمان والثبات على الدين فيارب ثبتنا على الاسلام وعلىٰ ملة نبيّنا ﷺ توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين غير خزايا ولا مفتونين آمين برحمتك ياارحم الراحمين.

آیت وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کے تکرار کی حکمت

سورۃ المرسلات میں یہ آیت مبارکہ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ دس جگہ ارشاد فرمائی گئی تکرار آیات قرآنیہ کی حکمت سورۃ الرحمٰن میں ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ میں بیان کر دی گئی وہ تو ہر جگہ اور جو بھی آیات قرآن کریم میں بار بار ہیں ان پر منطبق ہوئی ہے یہاں یہ آیت دس بار مکرر ہے بعض عارفین کے کلام سے یہاں اس کے تکرار کی مزید ایک خاص حکمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

سورۃ المرسلات میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے اسی ضمن میں دس مرتبہ ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ کا اعادہ کر کے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرین قیامت دس وجوہ سے ہلاکت و بربادی میں ہیں تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت و بربادی کی یہ وعید بیان فرما دی گئی جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جائے کہ انسان میں قدرت خداوندی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے اور ان کے فساد سے شقاوت و بدبختی اور ہلاکت و بربادی سے اول قوت نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دارومدار ہے کافروں اور منکرین قیامت نے اس کو بگاڑ رکھا تھا متعدد وجوہ سے اول ذاتِ خداوندی کا شرک کر کے دوم صفاتِ خداوندی میں بیہودہ اور لغو خیالات اور من گھڑت تصورات باطلہ قائم کر کے سوم فرشتوں کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مالک و مختار ہیں چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دُنیا ہی تک محدود ہے نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت پنجم قضاء وقدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور ان کے اوامر وہدایات سے سرتابی تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوت نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں دوسری قوت شہویہ جس کی خرابی افراط و تفریط ہے افراط کے باعث انسان بہائم کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے تو یہ دونوں عیب منکرین قیامت میں تھے تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور درندوں سے بڑھا دیتا ہے اور اس کی وجہ سے ظلم وتعدی کی کوئی حد نہیں رہتی اور تفریط انسان میں سے حمیت وغیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بے حرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو دو خرابیاں یہ ہوئیں اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے تو ہر ایک خرابی لے بالمقابل ایک بار فرمادیا گیا: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ واللہ اعلم بالصواب۔

تمّ بحمد الله تفسير سورة المرسلات

الحمد للہ ۲۹ ویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ النبا

آیاتھا ۴۰ سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ (۷۸) (۸۰) رکوعاتھا ۲

سورۂ نبا مکی ہے اور اس میں چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③

کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ وہ بڑی خبر۔ جس میں وہ کئی طرف ہو رہے ہیں۔

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ

یوں نہیں! اب جان لیں گے۔ پھر بھی یوں نہیں! اب جان لیں گے۔ ہم نے نہیں بنائی زمین

مِهٰدًا ⑥ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ⑦ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ⑧ وَّجَعَلْنَا

بچھونا؟ اور پہاڑ میخیں؟ اور تم کو بنایا جوڑے جوڑے۔ اور بنائی

نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ⑨ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ⑩ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ⑪

نیند تمہاری دفع ماندگی۔ اور بنائی رات اوڑھنا۔ اور بنایا دن روزگار کو۔

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ⑫ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ⑬ وَّاَنْزَلْنَا

اور چنی تم سے اوپر سات چنائی مضبوط۔ اور بنایا ایک چراغ چمکتا۔ اور اتارا

مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ⑭ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ⑮ وَّجَنّٰتٍ

نچڑتی بدلیوں سے پانی کا ریلا۔ کہ نکالیں اس سے اناج اور سبزہ۔ اور باغ

اَلْفَافًا (۱۶) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا (۱۷) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

پتوں میں لپٹ رہے۔ بیشک دن فیصلے کا ہے ایک وقت ٹھہر رہا۔ جس دن پھونکیں نرسنگا،

فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا (۱۸) وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (۱۹) وَّسُيِّرَتِ

پھر چلے آؤ جٹ جٹ۔ اور کھولا جاوے آسمان تو ہو جاویں دروازے۔ اور چلائے جاویں

الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا (۲۰) اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (۲۱) لِّلطَّاغِيْنَ

پہاڑ تو ہو جاویں ریتا۔ بیشک دوزخ ہے تاک میں۔ شریروں کا

مَاٰبًا (۲۲) لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (۲۳) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (۲۴)

ٹھکانا۔ رہتے ہیں اس میں قرنوں۔ نہ چکھیں وہاں کچھ مزا ٹھنڈک کا۔ اور نہ ملے کچھ پینا۔

اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا (۲۵) جَزَآءً وِّفَاقًا (۲۶) اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ

مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ بدلہ ہے پورا۔ وہ تھے توقع نہ رکھتے

حِسَابًا (۲۷) وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا (۲۸) وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا (۲۹)

حساب کی۔ اور جھٹلائیں ہماری آیتیں مکرا کر اور ہر چیز ہم نے گن رکھی لکھ کر۔

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (۳۰)

اب چکھو کہ ہم بڑھاتے نہ جاویں گے تم پر مگر مار۔

گستاخی مجرمین بصورت سوال ومطالبہ روز قیامت وذکر قانون جزاء وسزا مع دلائل قدرت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (۱) ... الٰى ... فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (۳۰)﴾

ربط: سورۂ نباء مکی سورت ہے جس کی چالیس آیات اور دو رکوع ہیں۔ اس سے قبل سورۃ المرسلات میں حق تعالیٰ شانہٗ نے بڑی ہی قوت وعظمت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا وہ یقیناً برپا ہو کر رہے گی۔ اس کے لیے خداوند عالم نے ہواؤں اور فرشتوں کی قسم کھا کر نہ صرف یہ کہ وقوع قیامت کا اعلان فرمایا بلکہ احوال قیامت بھی ذکر کر دیئے گئے کہ جب نظام عالم درہم

برہم ہوگا تو زمین و آسمان اور چاند سورج اور کواکب کا کیا حال ہوگا۔ اب اس سورت میں مجرمین و منکرین قیامت کے معاملہ میں جس گستاخی سے سوال کرتے تھے یا یہ مطالبہ کہ قیامت کب آئے گی اور کیوں نہیں قیامت واقع ہوئی بیان کر کے ان کا رد اور ان پر تنبیہ کی جارہی ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزاء و سزا کا قانون بھی بیان فرمایا جارہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

کس چیز کے بارے میں یہ لوگ ایک دوسرے سے سوال کررہے ہیں۔ آخر کس بات کی تحقیق و تفتیش مقصود ہے کیا ان میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ جس چیز کو آپس میں ایک دوسرے سے بطور استہزاء و مذاق پوچھ رہے ہیں۔ اس کی حقیقت سمجھ لیں؟ نہیں ہرگز نہیں یا یہ کہ وہ جو پیغمبر خدا اور مؤمنین سے سوال کررہے ہیں اور بطور تمسخر کہہ رہے ہیں کہ جناب وہ قیامت کب آئے گی۔ دیر کیوں ہورہی ہے اور اب تک کیوں نہیں آئی۔ اے مخاطبو! جانتے بھی ہو کہ یہ کیسی چیز کا سوال کررہے ہیں۔ یہ پوچھ رہے ہیں ایک بہت ہی عظیم الشان خبر اور ہیبت ناک بات کو جس میں وہ خود مختلف ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہرگز قیامت نہیں آئے گی کوئی اس کو مانتا ہے کوئی کہتا ہے کہ عذاب و ثواب روح پر ہوگا۔ بدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کسی کا خیال ہے کہ بدن بھی اٹھایا جائے گا تو جس چیز میں خود یہ اختلاف کررہے ہیں۔ اس کے بارہ میں اس طرح کا سوال یا مطالبہ یا اس کا مذاق نہایت ہی لغو اور بیہودہ بات ہے۔ خبردار ہو جاؤ اب عنقریب ہی یہ لوگ جان لیں گے پھر خبردار ہو جاؤ ضرور یہ لوگ جان لیں گے کہ قیامت کیا ہے اور اس کے ہولناک مناظر کیسے ہیں یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ آخر ان کو اس بارہ میں کیا تردد اور شبہ ہے۔ ہماری قدرت تو ہر چیز پر غالب ہے تو کیا نہیں بنایا ہے ہم نے زمین کو بستر انسانوں کے لیے جس پر وہ آرام کرتے ہیں۔ اور اسی پر ان کا اُٹھنا بیٹھنا اور لیٹنا ہے۔ اور کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کے لیے پہاڑوں کو میخیں جنہوں نے لرزتی ہوئی اور کانپتی ہوئی زمین کو میخوں کی طرح قائم ہو کر ساکن بنا دیا۔ ✽ اور ہم نے پیدا کیا ہے تم کو جوڑے بنا بنا کر یعنی مرد و عورت تا کہ مرد عورت کو اپنا جوڑا بنا کر اس کے ذریعے سکون حاصل کرے جیسا کہ آیت ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا﴾ میں فرمایا۔ یا طرح طرح کی شکلیں اور صورتیں بنائیں۔ اچھی بری یا انسانوں میں بعضے نیک اور بعضے بد۔ وغیرہ تو اس طرح اے انسانو! تم کو تقابل اور جوڑے کی شکل میں بنایا ہے۔ اور بنایا ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور بدن کی راحت کا ذریعہ اور دن بھر کی محنت و مشقت کے بعد تکان و تعب سے سکون حاصل کرنے کا سامان اور بنا دیا رات کو تمہارے واسطے اوڑھنا جو لباس کی طرح تم کو اپنے میں چھپا لیتی ہے اور لباس کی طرح انسان کے بدن کو راحت و آرام پہنچاتی ہے اور لباس پردہ بھی ہے تو رات کی تاریکی میں ہر کام چھپا ہوا رہتا ہے۔ رات کی تنہائیوں میں خدا کی عبادت کرنے والے لوگوں کی نگاہوں سے مستور۔ اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو کچھ بدنصیب رات کے پردہ میں چھپ کر جرائم و معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غرض رات کا پردہ مخلوق کے عیب و ہنر کو خالق کے سامنے عیاں کرنے کا بھی سامان ہے۔ اور بنایا ہے دن کو روزی کا ذریعہ کہ اس میں ہر ایک کسب معاش اور روزی کمانے میں مصروف ہوتا ہے اہل سعادت کسب معاش یا کسب فضائل کے لیے رات کے آرام کو عملی قوتوں کے لیے مستعد اور توانا بناتے ہیں۔ لیکن اہل شقاوت اور غافلوں کی زندگی بس اسی طرح گزر جاتی ہے۔ دن کا وقت روزی کمانے میں اور رات کا وقت آرام و راحت یا عیش و عشرت میں گزر جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی قدرت انسانوں کی نظروں کے سامنے ہمہ وقت ظاہر ہے اور بنایا ہے ہم نے تمہارے اوپر سات

✽ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا فرمایا وہ حرکت کرنے لگی اور لرزنے لگی۔ تو پہاڑ پیدا فرمائے اور پہاڑوں کو زمین کے مختلف حصوں اور جانبوں میں میخوں کی طرح گاڑ دیا، جس پر زمین ساکن ہوگئی۔ ۱۲

آسمانوں کو مضبوط چھت کی طرح جو تمہارے سروں پر قائم ہے جو مدت دراز گزرنے کے باوجود نہ بوسیدہ ہوئے اور نہ ہی ان میں کوئی رخنہ پیدا ہوا۔ تو جس خدا نے یہ آسمان اپنی حکمت وقدرت سے بنائے اس کی قدرت وحکمت کو سمجھنا چاہیے اور اس سے اپنی زندگی کا رشتہ قائم کر کے اپنے شب و روز فکر آخرت میں گزارنے چاہئیں نہ کہ غفلت اور محض دنیا کمانے میں۔

اور بنایا ہم نے سورج کو ایک دہکتا ہوا چراغ۔ پھر اس سورج کے نور سے چاند اور تاروں کو نور بخشا۔ اور اس جہان میں بندوں کے لیے جو بھی راحت کے اسباب اور رزق کے سامان تھے وہ مہیا کیے اس طرح کہ اتارا ہم نے بادلوں سے برستا ہوا پانی۔ فلاسفہ اور حکماء خواہ اس کے کچھ بھی اسباب بیان کریں لیکن ان اسباب کی یہ کارفرمائی بھی ایک عظیم قدرت کا کرشمہ ہے کہ کس طرح بادلوں سے بارش چھوٹی چھوٹی بوندوں کی شکل میں برستی ہے۔ پھر زمین اس کو جذب کرتی ہے تاکہ ہم اس کے ذریعے پیدا کریں ہر قسم کا غلہ اور سبزہ اور اگائیں گنجان باغات جن میں طرح طرح کے پھل اور میوے لگتے ہیں۔ غلوں اور سبزوں سے انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان بنایا اور ان ہی چیزوں سے عیش وعشرت اور راحت ولذت کے جملہ اسباب پیدا کیے پانی بھی ایک زمین بھی ایک ہر ایک کی خاصیت اور طبیعت بھی واحد ہے لیکن دیکھو کہ غلوں، پھلوں اور پھولوں کے کس قدر مختلف اور کیسے [1] متفاوت ذائقے اور متضاد خاصیتیں ہیں۔ یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں۔ پھر یہ کہ یہ رزق پیدا کر کے ہر ایک کو خواہ کوئی مؤمن ہو یا کافر نفع اُٹھانے کی اجازت دے دی لیکن یہ سب کچھ صرف اس جہان میں ہے۔ برخلاف آخرت کے کہ وہاں کی نعمتیں راحتیں اور باغات اور پھل و پھول مؤمن کے ایمان اور اعمالِ صالحہ اور اعتقادات صحیحہ ہی ہوں گے جو ان صورتوں میں اہل ایمان کے سامنے آئیں گے اور دُنیا میں انسان کے عقائد خبیثہ کفر وشرک اور بداعمالیاں آخرت میں شجر زقوم۔ حمیم وغساق (کھولتا ہوا گرم پانی زخموں سے بہنے والا خون راد اور پیپ) بن کر اہل جہنم کا رزق ہوگا۔ یہی وہ جزاء وسزا ہے جو یوم الفصل میں ہر ایک کو ملے گی۔ چنانچہ فیصلہ کا یہ دن ایک متعین کردہ وقت ہے جس میں اس کا امکان نہیں کہ مقدم ومؤخر ہو سکے۔ یہ دن وہ ہوگا جب صور پھونکا جائے گا جس پر دُنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور تمام دُنیا الٹ پلٹ کر نیست ونابود ہو جائے گی۔

پھر تم آؤ گے جوق در جوق [2] میدانِ حشر میں اپنے رب کے سامنے اعمال کی پیشی کے لیے اور رب العالمین کی عدالت میں حاضری ہوگی۔ اور آسمان کھول دیئے جائیں گے۔ پھر جس میں کھولنے کے بعد دروازے ہو جائیں گے جیسے کوئی مضبوط اور مستحکم گول چھت میں دراڑیں پڑ جائیں اور پھر وہ چھت منہدم ہو جائے۔ ایسے ہی کچھ آسمانوں کے پھٹنے اور ان میں شگاف پڑنے یا دروازوں کے کھل

---

[1] جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝﴾ جس کی تفسیر سورۂ رعد میں گزر چکی۔ لفظ معصرات کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما بادلوں سے فرماتے تھے۔ مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما بیان کرتے ہیں کہ "ماء ثجاج" مسلسل برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔

[2] اَفْوَاجًا جمع فوج کی ہے جس کا ترجمہ جماعت اور ٹولیوں کے لفظ سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ عنوان بالکل اسی طرح ہے جو دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا﴾ تو ہو سکتا ہے کہ یہ افواج ہر ایک پیغمبر کی امت ہو لیکن اس لحاظ سے کہ یہ خطاب ہے اہل مکہ کو ہے اس وجہ سے اس کا مفہوم یہی زیادہ واضح ہے کہ جماعتوں اور پارٹیوں کی صورت میں ان مجرمین کو لایا جائے گا اور اس کی صورت بظاہر یہ ہوگی کہ مختلف قسم کے عقائد باطلہ اور مختلف قسم کی بدکاریوں میں پڑنے والوں کو گروہوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس لحاظ سے مختلف اور متعدد ٹولوں کی شکل میں محشر میں ان کی حاضری ہوگی۔

جانے کا حال ہوگا۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیئے جائیں گے تو وہ ہو جائیں گے ریت کے ذرات جو فضا میں اڑ رہے ہوں گے یہی وہ پہاڑ تھے جن کو زمین کی سطح پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا تھا تا کہ وہ ٹھہری رہے۔ تو جب یہ میخیں ہی ختم ہو جائیں گی تو وہ زمین کہاں ٹھہری رہے گی جو ان کے ذریعہ قائم تھی تو اس طرح آسمان و زمین سب ہی درہم برہم ہو جائیں گے اور جب آسمان و زمین ہی نہ رہیں گے تو دُنیا کا وجود کیا باقی رہے گا چنانچہ نیست و نابود ہو جائے گی۔ اور اس طرح عالم آخرت قائم ہو جائے گا۔ جہاں مجرمین و نافرمانوں کو نظر آئے گا کہ بیشک جہنم تاک میں ہوگی اور منتظر ہوگی۔ سرکشوں اور مجرموں کی کہ کب یہ مجرمین و منکرین اور نافرمان میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ جہنم ان کی منتظر ہوگی ان کا ٹھکانا بننے کے لیے جس میں یہ ٹھہرنے والے ہوں گے بڑی ہی طویل مدتوں تک ✿ جس کے طول کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور ابدال آباد اسی میں رہیں گے۔ ان بدنصیبوں کے لیے آرام و راحت کا کیا تصور ہوسکتا ہے بلکہ ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت ان کے مقدر میں ہوگی اس طرح کہ نہیں چکھ سکیں گے اس جہنم میں کوئی مزا ٹھنڈک کا اور نہ ہی ٹھنڈے پانی کا۔ نہ جگہ سکون اور ٹھنڈک کی ہوگی ✿ اور نہ لباس اور نہ ہی طعام اور پانی۔ کچھ نہ ہوگا بجز کھولتے ہوئے گرم پانی اور زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ کے یہ بدلہ ہوگا پورا پورا۔ جو ان کی بداعمالیوں شہوت پرستی اور عیش و عشرت میں زندگی گزار دینے کا پورا پورا اور عین مطابق بدلہ ہوگا شہوت و حرص اور دُنیا کی آگ ان کے دلوں میں بھڑکا کرتی تھی۔ قیامت میں اسی کے مطابق کھولتا ہوا پانی ملے گا اور دُنیا میں عملی زندگی فواحش و بدکاری میں گزاری تھی جن کی غلاظت و گندگی زخموں سے بہنے والے خون اور پیپ سے کم نہ تھی تو کھولتے ہوئے پانی کے ساتھ یہ جمع کر دیا جائے گا۔

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ کوئی توقع نہ رکھتے تھے۔ حساب و کتاب کی اور اس امر کو تسلیم نہ کرتے تھے کہ قیامت اور روز جزاء آنے والا ہے اسی اعتقاد باطل میں مبتلا رہ کر انہوں نے اپنی قوت نظریہ بھی ضائع کی اور قوتِ عملیہ کو ہدایت کے بجائے گمراہی میں صرف کیا۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا خوب جھٹلانا جس میں انہوں نے کسی طرح کسر نہ اٹھا رکھی۔ آیاتِ خداوندی کا بھی انکار کیا۔

✿ "بڑی ہی طویل مدتوں تک" لفظ احقابا کا ترجمہ کر کے یہ ظاہر کیا گیا کہ احقاب کسی محدود اور متناہی مدت کے لیے نہیں بولا گیا ہے بلکہ ایسی طویل مدت مراد ہے جس کی کوئی حد اور انتہاء ہی نہ ہو۔
اگرچہ نفس لغت میں حقب جس کی جمع احقاب ہے، کے معنی بعض اہل لغت نے مخصوص و معین طویل مدت کے ذکر کیے ہیں مثلاً کسی نے ایک ہزار برس یا اس سے زائد کہا۔ مگر سعید رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا کہ احقاب وہ مدت ہے جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔
نافع رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم اہل نار جہنم سے ہرگز نہ نکل سکیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اس میں پڑے رہیں گے۔ اَحْقَابًا یعنی مدت دراز اور راوی نے اس کی بھی تفسیر کی ہے۔ لہٰذا اہل لغت نے اس کے معنی میں کوئی مدت بیان کیے ہیں تو اس سے یہ وہم کرنا درست نہیں کہ شاید اہل جہنم کسی مدت کے گزرنے کے بعد جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تصور کیونکر ممکن ہے جب کہ خلود نار کی تصریح قرآن کریم نے متعدد آیات میں بڑی ہی وضاحت سے فرما دی حتیٰ کہ یہ فرما دیا گیا: ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ اور ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا﴾ اور ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ وغیرہ وغیرہ تو ان آیات کے بعد اس طرح کا کوئی تصور ممکن ہی نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲

✿ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں نیند کو بھی بیان کیا ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ نیند کی راحت تو کیا نصیب ہوگی۔ اس کا مزا بھی چکھنا نصیب نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ نیند کی حالت انسان کے لیے سکون اور ٹھنڈک کا باعث ہے۔ ۱۲

احکام خداوندی کی بھی تعمیل نہ کی اور دلائل قدرت اور اللہ کی نشانیوں کو بھی نہ مانا۔ ایسے مجرموں کو تکذیب و نافرمانی کر کے بے فکر نہ ہونا چاہیے ان کو جان لینا چاہیے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ کر نہیں جاسکتے۔ اور ہر چیز کا ہم نے احاطہ کر رکھا ہے اس طرح کہ وہ ایک طے شدہ لکھی ہوئی چیز ہے۔ تو ہم مجرمین کے ہر جرم کو بھی جانتے ہیں اور اس کی سزا کا وقت بھی ہم نے طے کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت ہوگا۔ اس لیے جب وہ عذاب اور سزا اپنے مقرر وقت پر آئے گی تو ان کو کہا جائے گا پس چکھ لو۔ عذاب کا مزا اور یہ توقع نہ کرو کہ شاید یہ عذاب کسی وقت کم ہو جائے گا نہیں ہرگز نہیں۔ تو ہم نہیں بڑھائیں گے۔ تمہارے واسطے کوئی بھی چیز بجز عذاب کے کہ لحظہ بہ لحظہ عذاب اور دکھ بڑھتا ہی جائے گا۔ اور دم بدم جہنم کی شدت اور مصیبت بڑھتی ہی جائے گی جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ اے مجرمو! جوں جوں احکام خداوندی نازل ہوتے تم کو وعظ و نصیحت کی جاتی تو اسی کے ساتھ تمہاری شقاوت و سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا تو آج روز قیامت اسی کی مطابقت و مناسبت سے لحظہ بہ لحظہ عذاب میں زیادتی اور شدت ہی ہوتی جائے گی۔

فائدہ: حضرت ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت کیا اہل جہنم کے لیے کون سی آیت سب سے زائد شدید ہے فرمایا: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: جب جہنمی تمنا کریں گے یا اس بات کی درخواست کریں گے کہ کم از کم یہ عذاب ہی کچھ کم کر دیا جائے تو اس پر اعلان ہوگا ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ آپ نے یہ آیت تلاوت کر کے فرمایا اس کے بعد تو اہل جہنم کی شدت و پریشانی کی کوئی حد ہی باقی نہ رہے گی اور حسرت و ویل کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾

بے شک ڈر والوں کو مراد ملنی ہے۔ باغ ہیں اور انگور۔ اور نوجوان عورتیں ایک عمر سب کی

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ

اور پیالہ چھلکتا۔ نہ سنیں گے وہاں بکنا اور نہ مکرانا بدلہ ہے

رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ

تیرے رب کا دیا حساب سے۔ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ ہے بڑی مہر والا،

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

قدرت نہیں کہ کوئی اس سے بات کرے، جس دن کھڑی ہو روح اور فرشتے قطار ہو کر۔

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ

کوئی نہیں بولتا، مگر جس کو حکم دیا رحمٰن نے، اور بولا بات ٹھیک۔ وہ دن ہے

الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا

تحقیق، پھر جو کوئی چاہے بنا رکھے اپنے رب کے پاس ٹھکانا۔ ہم نے خبر سنادی تم کو ایک آفت

قَرِیْبًا ۚۖ یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَ یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ

نزدیک کی، جس دن دیکھ لیوے آدمی، جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے اور کہے منکر کسی طرح

كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

میں مٹی ہوتا۔

ع ۲

انعامات وراحت واکرام وعزت برائے اہل ایمان وتقویٰ واصحاب ہدایت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ ... الی ... یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں قیامت اور روز حساب کی شدت اور مجرمین کی بدحالی اور شدت کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اہل ایمان وتقویٰ پر کیسے کیسے عظیم انعامات ہوں گے اور ان کو روز آخرت کیسا اعزاز واکرام ہوگا بیان ہے فرمایا۔

بے شک تقویٰ والوں کے لیے طرح طرح کی کامیابی اور حیات جاودانی کی سعادت وخوشی نصیب ہوگی جب وہ دیکھیں گے ہر مراد ان کی پوری ہورہی ہے اور ہر طرح کی نعمت ان کو حاصل ہے۔ باغات ہوں گے اور ہر قسم کے پھل اور بکثرت انگور ہوں گے جو دوسرے جملہ اقسام کے پھلوں میں اہل جنت ان کے خوشوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ ذائقوں سے اہل جنت دنیا میں آشنا تھے۔ اب وہ جنت کی شان عظمت کے مطابق ان کو حاصل ہوں گے اور ثمرات وفواکہ کی لذتوں کے ساتھ انگور کی بیلوں کا سایہ بھی کس قدر خوش گوار اور فرحت بخش ہوگا۔ کھانے پینے کی ان تمام لذتوں کے علاوہ ان کے واسطے جنت میں نوجوان اٹھان والی عورتیں ہوں گی جو عمر میں ایک دوسرے کے برابر ہم سن ہوں گے وہ نوجوان دوشیزائیں بھی اور یہ ایمان وتقویٰ والے مرد بھی تاکہ ہم عمری کے باعث عیش وتنعم کا لطف کامل نصیب ہو۔ اور جام ہوں گے چھلکتے ہوئے۔ شرابِ طہور کے ایسے لبریز جام جن کا دور چل رہا ہوگا پھر سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ نہیں سنیں گے ان باغوں میں کوئی لغو بے ہودہ بات اور نہ ہی کوئی جھوٹ اور فریب۔ کیونکہ یہ جنت کی شراب طہور ہوگی اور اس کا کسی طرح بھی کوئی برا اثر دماغ وشعور پر ہرگز واقع نہ ہوگا۔ اس لیے وہاں ایذا اور مار پیٹ یا بے ہودہ اور لغو باتیں جیسے دنیا کی شراب میں پیش آتی ہیں قطعًا نہ ہوں گی اور نہ ہوی کوئی رنج اور تکلیف دہ بات ہوگی کہ جس کو جھٹلایا جائے بلکہ وہ شرابِ طہور تو محبت الٰہی کا مظہر ہوگی اور اس کا خمار درجات کی بلندی اور قرب الی اللہ اور معرفت رب اور اس کی ذات وصفات میں انہماک وانشراح کا سرور ہوگا۔ جیسے دُنیا کی نعمتوں کو آخرت کی عظیم پایہ نعمتوں سے کوئی سروکار نہیں صرف اسمی اشتراک ہوتا ہے اسی طرح لفظ خمر اسمی اشتراک کے باعث ہے۔ ورنہ تو شراب دُنیا اور آخرت کی شراب طہور میں زمین وآسمان کا فرق ہے بلکہ پورا پورا تقابل اور تضاد ہے۔

بہر کیف یہ سب نعمتیں اور اعزاز و اکرام اے مخاطب بدلہ ہے تیرے رب کی طرف سے تیرے اعمالِ حسنہ اور ایمان وتقویٰ کا۔ اور ذات رب کی تو شان ربوبیت جیسے ایک دانہ کو اگا کر اسے نشوونما عطا کرنے والی ہے اور ہر مخلوق کو پال کر اس کے کمال اور منتہیٰ تک پہنچاتی ہے اسی طرح وہ بندہ کی ہر نیکی کو پالنے والی اور نشوونما کے انتہائی مراتب تک پہنچانے والی ہے یقیناً جو بطور عطاء اور بخشش ہی ہے۔ کیونکہ انسان اگر اپنی تمام زندگی بھی عبادت وطاعت میں گذار دے تب بھی اللہ کے انعامات میں ایک نعمت کا بھی حق ادا نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ جملہ بے پایاں نعمتوں کا لہٰذا آخرت کی نجات اور وہاں کی تمام راحتیں بخشش ہی بخشش ہے پورے پورے حساب کے ساتھ تاکہ بندہ کے معیار طاعت اور اعمال کی عظمت وخوبی کے مطابق اس پر جزاء اور انعامات ہوں۔ جو رب ہے، آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بڑی ہی رحمت والا ہے تو جس طرح اس رب السماوات والارض نے اپنی شان ربوبیت سے آسمانوں وزمین کی ہر چیز کو عدم سے وجود بخشا اور پھر ہر چیز کے بقاء کے بہترین اسباب پیدا فرمائے اور ہر ایک چیز کو بڑی ہی حکمت اور خوبی سے حد کمال تک پہنچایا۔ وہی رب اپنے بندوں کے اعمال کو باقی رکھے گا اور ان کو نشوونما فرما کر حد کمال یعنی مرتبہ انعام واکرام تک پہنچائے گا۔ اور یہ سب کچھ اس کی بے پایاں رحمتوں کا نتیجہ ہے۔ جس رب کی رحمت وعنایت کے ساتھ عظمت وکبریائی کی یہ شان ہے کہ لوگوں کو قدرت نہ ہوگی اس سے بات کرنے کی۔ حتی کہ روز حساب حق تعالیٰ کی اس شان عظمت وجلال سے انبیا علیہم السلام تک بھی ہیبت زدہ ہوں گے اور ہر ایک یہ کہتا ہوگا۔ ((نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا ✽ اِلٰی غیری ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلهٗ ولن یغضب بعدهٗ))۔ یہ ہیبت وجلال اور عظمت کی شان بالخصوص اس دن ہوگی جب کہ روح ✽ اور فرشتے کھڑے ہوں گے صف بستہ وہ بات نہیں کرسکیں گے اس کے جلال کی وجہ سے بجز اس کے کہ جس کو وہ اللہ رحمٰن اجازت دیدے بس وہی بول سکے گا وگرنہ سب دم بخود اور مرعوب ومبہوت ہوں گے اور وہ کہے گا درست اور صحیح بات یہ ممکن ہی نہ ہوگا کوئی غلط اور لغو بات کرے یہ ہے وہی دن برحق۔ جس کا واقع ہونا بھی قطعی اور یقینی ہے اور اس دن میں حق اور باطل کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ اس کے بعد اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی طرف ٹھکانے حاصل کرنے کا راستہ اختیار کرلے۔ اسی میں اس کی فلاح ونجات ہے۔

اے انسانو! بس خبردار ہو جاؤ ہم نے ڈرا دیا ہے تم کو ایک قریب ہو جانے والے عذاب سے جو نہایت ہی قریب ہے جس کے آنے میں اب کوئی دیر نہیں۔ اور اصل قیامت تو جب بھی آئے۔ ویسے ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ جس قدر ہر انسان کے ساتھ اس کی موت قریب ہے، بالکل قیامت بھی اس سے اسی قدر قریب واقع ہوئی۔ یہ وہ دن ہوگا جب انسان دیکھ لے گا کہ اس نے خود آنے سے پہلے کیا عمل کر کے بھیجا ہے اور کافر انتہائی حسرت وندامت سے کہتا ہوگا۔ اے کاش میں خاک ہو چکا ہوتا اور اس

✽ یہ الفاظ اس آیت مبارکہ ﴿جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً﴾ میں لفظ رب اور لفظ ﴿عَطَآءً﴾ کی حکمت اور نکتہ کی وضاحت کے لیے ہیں۔ ۱۲۔

✽ یعنی مجھے تو آج اپنی فکر پڑی ہے میرے سوا تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ میرا رب آج اس قدر غضب وجلال میں ہے کہ ایسا جلال نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا۔ یہ حدیث شفاعت کا مضمون ہے جبکہ ہر پیغمبر شفاعت سے انکار کر دے گا اور آخری نوبت خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ ﷺ پر پہنچے گی اور آپ ﷺ شفاعت کریں گے۔ ۱۲۔

✽ روح سے مراد بعض مفسرین روح اعظم لیتے ہیں جس سے بے شمار روحوں کا انشعاب ہو یا روح القدس اور جبریل امین علیہ السلام اور کسی نے روح سے ہر روح انسان مراد لیا ہے۔ ۱۲۔

صورت حال میں یہاں میدان حشر کی پیشی کی نوبت نہ آتی۔ [1]

تمّ تفسیر سورۃ النبا بحمداللہ عزوجل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ النازعات

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کے مضامین بھی عقیدہ توحید کے بیان اور اس کی تثبیت پر مشتمل ہیں۔ اور اُصولِ دین کی تحقیق کے پیش نظر اس سورت میں اثبات رسالت بعث ونشر کے لیے دلائل وشواہد ذکر فرمائے گئے اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ قیامت کے روز شدت واضطراب کا نا قابل تصور عالم ہوگا اہل ایمان وتقویٰ کامیاب وکامران ہوں گے اور مجرمین ومشرکین کے لیے عذابِ جہنم ہوگا۔

اس مقصد عظیم کو تاریخی حقائق سے ثابت کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اجمالاً بیان کر دیا گیا۔ جب کہ فرعون اپنے غرور وسرکشی میں اس حد تک پہنچا کہ خود اپنے رب ہونے کا دعویٰ کیا تو خداوندِ عالم نے اس کے غرور ونخوست کو کس طرح پامال کیا۔ اور اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو کیسی عظیم کامیابی اور غلبہ عطا فرمایا۔ ان احوال کو دلائل قدرت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے پھر سورت کے اختتام پر بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت فرمایا جس کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے۔

آیاتھا ۴۶	(۷۹) سُوۡرَۃُ النّٰزِعٰتِ مَکِّیَّۃٌ (۸۱)	رکوعاتھا ۲

سورۂ نازعات مکی ہے اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

[1] مسند عبد بن حمید اور بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قیامت کے روز حق تعالیٰ جب انسانوں کے اعمال کا حساب لے کر فارغ ہو جائے گا۔ اپنی شانِ عدل اور یوم الحساب کے تقاضے کی تکمیل کے لیے حیوانات کا حساب لیا جائے گا۔ ان کے نیک وبد کا اور باہمی مظالم کا۔ اور جب ان کا حساب ہو جائے گا تو ان کو حکم ہوگا کہ تم خاک ہو جاؤ (کیونکہ حیوانات مکلف نہیں ہیں اور جنت وجہنم ان کے لیے نہیں جن وانس کے لیے ہے) تو وہ سب خاک اور نیست ونابود ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ اے کاش ہم بھی اسی طرح خاک ہو جاتے۔
بعض عارفین خاک ہونے کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ میں تواضع کر لیتا اور خدا کے سامنے سر جھکا لیتا۔ افسوس کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننے سے انکار کیا اور تکبر وغرور کے ساتھ سرکشی اور نافرمانی کرتا رہا۔ ۱۲۔ (روح المعانی ج ۴)

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی، ڈوب کر۔ اور بند چھڑا دینے والوں کی، کھول کر۔ اور پیرنے والوں کی، پیرنے پر۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾

پھر آگے بڑھتے دوڑ کر۔ پھر کام بناتے حکم سے۔ جس دن کانپے کانپنے والی۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا

اس کے پیچھے دوسری۔ کتنے دل اس دن دھڑکتے ہیں۔ ان کے تیور

خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا

نوے (خوفزدہ) ہیں۔ لوگ کہتے ہیں، کیا ہم پھر آویں گے اُلٹے پاؤں؟ کیا جب ہو چکیں ہم

عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِيَ

ہڈیاں کھوکھری؟ بولے تو تو یہ پھر آنا ٹوٹا ہے۔ سو وہ تو

زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۘ﴿۱۵﴾

ایک جھڑکی ہے۔ پھر تبھی وہ آ رہے میدان میں۔ کچھ پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی؟

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

جب پکارا اس کو اس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ۔ جا فرعون کے پاس،

طَغٰى ۖ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۙ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ

اس نے سر اُٹھایا۔ پھر کہہ تیرا جی چاہتا ہے کہ تو سنورے۔ اور راہ بتاؤں تجھ کو تیرے رب کی طرف،

فَتَخْشٰى ۚ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۖ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۖ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ

پھر تجھ کو ڈر ہو۔ پھر دکھائی اس کو وہ بڑی نشانی۔ پھر جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر چلا پیٹھ پھیر کر

يَسْعٰى ۖ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۖ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۖ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ

تلاش کرتا۔ پھر سب کو جمع کیا، پھر پکارا۔ تو کہا، میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر۔ پھر پکڑا اس کو اللہ نے،

ع ۲۶ ۳ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰى ۝۲۵ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۲۶ ع

سزا میں پچھلی کے اور پہلی کے۔ بے شک اس میں سوچ کی جگہ ہے، جس کو ڈر ہے۔

ہیبت واضطراب درروز محشر وفلاح وکامرانی اہل ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ ... الیٰ ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۲۶﴾

ربط: سورۂ نبا میں منکرین قیامت کا قیامت کے بارہ میں معاندانہ سوال اور تمسخر کا ذکر تھا اور ان کے جواب درد کے بعد روز محشر کی حاضری کی کچھ کیفیات ذکر کی گئی تھیں۔ اب اس سورت میں بالخصوص قیامت قائم ہونے پر جو اضطراب و بے چینی قلوب پر وارد ہوگی۔ اور بدحواسی کا عالم لوگوں پر ہوگا اس کا بیان ہے۔ جزاء وسزا اور مؤمنین ومجرمین کا فرق بھی بیان کیا جارہا ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت حق کو کس طرح باطل پر غلبہ اور کامیابی عطا فرماتا ہے؟ اس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کا ذکر ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے مغرور ومتکبر کو ایمان کی دعوت دی اور خدا نے اپنے پیغمبر کو کامیاب فرمایا۔ اور فرعون کو ہلاک کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

قسم ہے ان فرشتوں کو جو گھسیٹ ❶ لانے والے ہیں غوطہ لگا کر جو کافروں کی رگوں میں گھس کر ان کی روح کو سختی کے ساتھ ان

---

❶ ﴿وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا﴾ یہاں بھی پانچ قسموں سے تاکید واہتمام کرتے ہوئے اصل مدعیٰ یعنی قیامت کا ہولناک منظر واقع ہونے کا ذکر فرمایا گیا: نازعات، ناشطات، سابحات، سابقات، مدبرات یہ پانچ کلمات ذکر فرما کر جواب قسم ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ بیان فرمایا۔ ان کلمات کی تفاسیر میں حضرات مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ یہ ستارے ہیں عطاء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں السابقات یہ وہ گھوڑے ہیں جو میدانِ جہاد میں دوڑتے ہیں اور عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ السابحات پانی کی سطح پر تیرنے والی کشتیاں ہیں۔ کسی نے نازعات اور ناشطات سے ہوائیں مراد لی ہیں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نازعات کی تفسیر ستارے سے بیان کرتے ہیں لیکن جمہور مفسرین اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان پانچوں کمالات کو فرشتوں پر محمول کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار فرمایا۔

فرشتوں کی قسموں کو طرف اشارہ ہونے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ خداوند عالم نے قیامت برپا ہونے اور میدان حشر میں حاضری کے مضمون کو بیان اور ثابت کرنے کے لیے فرشتوں میں اپہلے ان فرشتوں کی قسم کھائی جو کافروں کی روحوں کو سختی اور شدت سے جسم کی رگوں سے گھسیٹ کر نکال لیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ کافر کی نزع روح کی شدت ایسی ہوتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹوں دار سلاخ ڈال کر کھینچی جائے تو جس کیفیت کے ساتھ روئی کے اجزاء کو اپنے ساتھ لیے نکلے گی تو اسی طرح کافر کی رگیں نزوع روح سے متاثر ہوتی ہیں اور فرشتوں میں سے ان کو اس مقام پر مقدم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ کلام کے اصل مخاطب منکرین قیامت ہیں تو ان ہی فرشتوں کی قسم مقدم فرمائی جو کافروں اور منکروں کی روح قبض کرنے والے ہیں اس کے بالمقابل پھر ان فرشتوں کی بھی قسم کھائی جو مؤمن کی روح بڑی ہی سہولت سے نکال لیتے ہیں جیسے کہ پیشانی کے پسینہ کا قطرہ ٹپک جائے۔ پھر ان فرشتوں کی جو مؤمنین کے اعمال بارگاہ رب العزت میں لے جانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اور پھر ان کی جو تکوینی نظام پر ہواؤں۔ بادلوں اور غلوں کے اگانے۔ احوال صحت ومرض اور عافیت وحوادث اور منافع ومضار جیسے امور کی تدبیر پر مامور ہیں تو ان جملہ انواع واقسام کے فرشتوں کی قسم کھا کر مخاطب کے سامنے اور اس کے ذہن میں ان جملہ احوال کی عظمت کو ظاہر کرنا ہے پھر جبکہ مخاطب کا ذہن ان عظمتوں سے لبریز ہو چکا ہو تو پھر قیامت جیسے عظیم دن کے واقع ہونے کا بیان فرمایا گیا۔ ۱۲

کے بدن سے نکالتے ہیں۔ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کھول دینے والے ہیں گرہ کو سہولت کے ساتھ کھول دینا جو فرشتے اہل ایمان کی ارواح سہولت سے قبض کر لیتے ہیں اور روح کی گرہ بدن سے نہایت ہی راحت اور نرمی سے کھول دیتے ہیں۔ پھر ان کی جو تیرنے والے ہیں تیزی کے ساتھ تیرتے ہوئے جو فرشتے روحوں کو زمین سے لے کر آسمانوں پر چڑھنے والے ہیں ان کا تیزی سے جانا گویا پانی کی سطح پر تیر رہے ہیں پھر ان فرشتوں کی جو سبقت کرنے والے ہیں آگے بڑھ کر جو تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں اور ان ارواح کے بارہ میں جو حکم خداوندی ہوتا ہے اس کے لیے دوڑتے ہیں۔ پھر ان کی جو عالم تکوین کے اُمور میں ہوائیں ہو یا بادل چاند سورج اور ستارے تدبیر وانتظام میں لگے ہوئے ہیں ہر کام کے لیے۔ جیسا بھی حکم خداوندی ہوا آسمانوں میں یا زمین میں فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ بے شک قیامت آنی ہے اور وہ دن ایسا عظیم الشان ہوگا جب کہ لرزنے والی چیز لرز رہی ہوگی۔ وہ زمین ہے کہ اس پر زلزلہ طاری ہوگا اور پہاڑ اپنی چوٹیوں سے گر رہے ہوں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑتے ہوں گے جس کے پیچھے لگی ہوگی ایک پیچھے لگنے والی چیز جو زمین اور پہاڑوں کے زلزلہ اور کانپنے کا ایک مسلسل بھونچال ہوگا جو پچھلے نفخ صور کے بعد دوسرے صور کے پھونکنے سے شروع ہوگا۔ اس روز کتنے ہی دل ہوں گے جو اضطراب و بے چینی سے دھڑکتے ہوں گے۔ ذلت وندامت کی وجہ سے ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ہمت نہ ہو سکے گی کہ نگاہ اوپر کر کے دیکھ سکیں۔ کہتے ہوں گے کیا ہم لوٹا دیئے جائیں گے الٹے پاؤں کہ قبر میں جانے کے بعد کیا پھر یہ ممکن ہے کہ ہم دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے اور اس طرح ہم کو محشر میں حاضری دینی ہوگی کیا یہ بات ممکن ہوگی جب کہ ہم ہو چکیں گے کھوکھری ہڈیاں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قبر میں جانے کے بعد اور جب کہ انسان کی ہڈیاں بھی کھوکھری ہو چکی ہوں تو تمسخر اور تحقیر کے انداز میں کہنے لگے بس پھر تو یہ لوٹنا بہت ہی خسارہ کی بات ہوگی۔ یہ مشرکین ومنکرین تو اس معاملہ کو بہت ہی عظیم اور ہیبت ناک سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہماری قدرت کے سامنے تو اس کی عظمت اور اہمیت نہیں بس یہ تو ایک دفعہ کی ایک چیخ ہوگی جو صور پھونکنے کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ جس پر فوراً ہی وہ سب میدان حشر میں نظر آ رہے ہوں گے پیشی کے لیے بارگاہ خداوندی میں اور جو مغرور ومتکبر انسان خدا کی بات سننے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے وہ ایک ہی آواز میں ذلت وخواری کے ساتھ سر جھکائے نظریں نیچی کیئے حاضر ہوں گے اور حیرت و بدحواسی کے عالم میں منتظر ہوں گے کہ اب ان کے بارے میں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ اس شدت واضطراب اور بے چینی کے احوال سننے والے مخاطب تو کیوں نہیں قیامت اور روز محشر کی حاضری مان لیتا۔ تیرا رب تو بڑی ہی قدرت والا ہے تو کیا تجھ کو خبر نہیں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی جب کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس کے رب نے پکارا وادی مقدس مقام طویٰ میں۔ جہاں کوہ طور پر اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کی اور اس میں یہ فرمایا۔ جاؤ فرعون کی طرف اس کو خدا پر ایمان لانے کی دعوت دو بے شک وہ بہت ہی سرکش ہو چکا ہے۔ اس کو خدا پر ایمان لانے کی تلقین کرنا پھر کہاں کیا تو نہیں چاہتا کہ تو پاک ہو جائے۔ کفر ونافرمانی اور غرور وتکبر کی گندگی سے اور کیا نہیں چاہتا کہ میں تجھے راستہ بتاؤں تیرے رب تک پہنچنے کا پھر تو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ معرفت اور خوف خداوندی سے اپنی زندگی سنوار لے۔ کیونکہ انسانی زندگی کی اصلاح اور اس کی ہر خوبی معرفت الٰہی اور خشیتِ خداوندی پر موقوف ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر پیغام خداوندی اور دعوتِ ایمان کی ذمہ داری ادا کی اور حجت وبرہان قائم کرنے کے لیے اس کو بہت بڑی نشانی دکھائی جو عصا کا معجزہ تھا مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی اور پھر پیٹھ پھیر کر چلا کوشش کرتے ہوئے پھر سب جادوگروں کو جمع کیا اور جب سب جمع ہو گئے تو پھر پکار کر کہا تا کہ سب مرعوب ہو جائیں میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب موسیٰ علیہ السلام کہاں سے آ گیا اور کس نے اس کو بھیجا اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزہ

عصانے اژدھا بن کر جادوگروں کے ظاہر کیے ہوئے تمام سانپوں کو نگل لیا۔ باوجود یہ کہ وہ جادوگر جو مقابلہ کے لیے آئے تھے ایمان لے آئے اور ایمان پر ایسی استقامت و پختگی حاصل ہوئی کہ فرعون کی ہر دھمکی کا مقابلہ کیا اور دُنیا میں انسان کو پیش آنے والی ہر بڑی سے بڑی اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے (جیسا کہ تفصیل سے گذر چکا) مگر فرعون نافرمانی اور سرکشی سے باز نہ آیا تو پھر پکڑ لیا اللہ نے اس کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی سزا میں دنیا میں یہ سزا دی کہ پانی میں ڈبو دیا اور آخرت کی یہ سزا ہے کہ وہاں نارِ جہنم میں ہمیشہ جلے گا بے شک اس تمام قصہ میں عبرت کا بہت بڑا سامان ہے اور سوچنے کا مقام ہے ہر اس شخص کے لیے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو خداوندِ عالم کا یہ انتقام کس قدر شدید ہے اس نے ایسے مغرور و متکبر کو جو اپنی ربوبیت کا اعلان کرتا ہو اس طرح ذلیل و عاجز کر کے دُنیا کے سامنے اس کی ہلاکت اور اپنے پیغمبر کی کامیابی ایک عظیم تاریخ بنا کر رکھ دی تا کہ ہر مغرور و متکبر جو اللہ کا اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہو اس سے عبرت حاصل کر سکے۔

راجفہ اور رادفہ کی تفسیر

رجف کے معنی لغت میں جھڑ جھڑا دینے کے ہیں تو قیامت برپا کرنے کے لیے نفخ صور دو مرتبہ ہو گا۔ جیسے ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾ (الزمر: ۶۸) تو پہلی مرتبہ جو صور پھونکا جائے گا اس سے زمین اور پہاڑوں پر زلزلہ طاری ہو جائے گا اس لیے اس کو راجفہ کہا گیا اور دوسرا صور اس کے پیچھے ہو گا جیسے کہ کوئی چیز کسی کے پیچھے لگی ہوئی اس لیے اس کو رادفہ فرمایا گیا۔ قرب قیامت کی خبر دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((جَاءَتِ الراجفة تتبعها الرادفة جاء الموت بما فيه)). [1]

جامع ترمذی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو اٹھ جاتے اور فرماتے (اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو اور اس کو یاد کرو) بس سمجھ لو کہ جھڑ جھڑا دینے والی چیز راجفہ آ چکی اور اس کے پیچھے لگی ہوئی رادفہ (جو قیامت برپا کرنے والی ہے) اور (جان لو کہ) مدت (سامنے) آ چکی ہے مع اپنی تمام کرب و بے چینی کی حالت کے۔

فائدہ: حافرہ کی تفسیر میں مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ سے منقول ہے کہ یہ قبور ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ عکرمہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ بیان فرماتے تھے کہ حافرہ حیات بعد الموت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین انکار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے ﴿ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴾ کہ کیا ہم دُنیا میں مرنے کے بعد پھر دوبارہ کسی زندگی میں اٹھائے جائیں گے۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے جب کہ ہماری ہڈیاں بھی پرانی ہو کر کھوکھلی ہو چکی ہوں گی۔ تو اس پر رد فرمایا اور تنبیہ کی گئی ایسے منکرین کو سن لینا چاہیے کہ ﴿ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴾۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔ ۱۲

ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾

کیا تم مشکل ہو بنانے یا آسمان؟ اس نے وہ بنایا۔ اونچی کی اس کی بلندی، پھر اس کو صاف کیا۔

وَ اَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾

اور اندھیری کی رات اس کی، اور کھول نکالی اس کی دھوپ۔ اور زمین کو اس پیچھے صاف بچھایا۔

اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَ مَرۡعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَ الۡجِبَالَ اَرۡسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا

نکالا اس سے اس کا پانی اور چارا۔ اور پہاڑوں کو بوجھ رکھا۔ کام چلانے کو

لَّكُمۡ وَ لِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى ﴿۳۴﴾ يَوۡمَ

تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے۔ پھر جب آوے وہ بڑا ہنگامہ۔ جس دن

يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا

یاد کرے آدمی جو کمایا۔ اور نکال رکھی دوزخ، جو چاہے دیکھے۔ سو جس نے

مَنۡ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الۡجَحِيۡمَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ﴿۳۹﴾

شرارت کی۔ اور بہتر سمجھا دنیا کا جینا سو دوزخ ہی ہے ٹھکانا۔

وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ

اور جو کوئی ڈرا اپنے رب پاس کھڑے ہونے سے، اور روکا جی کو چاؤ سے۔ سو

الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ﴿۴۱﴾ يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا ﴿۴۲﴾

بہشت ہی ہے ٹھکانا۔ تجھ سے پوچھتے ہیں، وہ گھڑی، کب ہے ٹھہراؤ اس کا؟

فِيۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِكۡرٰٮهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنۡتَهٰٮهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرُ

تو کس بات میں ہے اس کے مذکور سے؟ تیرے رب تک ہے پہنچ اس کی۔ تو تُو ڈر سنانے کو ہے، اس کو

مَنۡ يَّخۡشٰٮهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَهَا لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً

جو اس سے ڈرتا ہے۔ ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اس کو، کہ دیر نہیں لگی ان کو، مگر ایک شام

ع ۲

اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

یا صبح اس کی۔

اعلان خداوندی بقدرت کاملہ وعاجزی وپستی کائنات پیش عظمت الٰہی

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ... الی ... اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں خداوندِ عالم نے اپنی شانِ حاکمیت عظمت وجلال کا ذکر کرتے ہوئے قیامت اور قیامت کے احوال بیان فرمائے تھے۔ اور یہ کہ کائنات کا یہ سارا نظام دم کے دم میں درہم برہم ہوجائے گا۔ زمین وآسمان اور پہاڑ چاند سورج اور ستارے غرض سب ہی ختم کردیئے جائیں گے اور دلوں کا اضطراب وبے چینی کا عالم ناقابل تصور ہوگا تو اب ان آیات میں حق تعالیٰ شانہٗ اپنی قدرت کاملہ کا اعلان فرمارہے ہیں۔ اور یہ کہ کائنات کی کوئی طاقت اور قوت خداوندعالم کی عظمت وکبریائی کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ارشاد فرمایا:

اے منکرو! بتاؤ کیا تم ہو زیادہ سخت پیدا کرنے کے لحاظ سے یا آسمان [1] یقیناً ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق سے بہت بڑھ کر عظیم اور اہم ہے اور اس کی قدرت کاملہ کا واضح ثبوت ہے تو جو ذاتِ رب العالمین آسمان جیسی عظیم چیز پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے اس کی قدرتِ عظیمہ سے یہ بات کیونکر بعید ہوسکتی ہے کہ وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ قیامت میں اٹھائے اور زندہ کرے۔

پھر آخر ان کافروں کو کیوں تردّد ہے۔ حالانکہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی پروردگار نے اس آسمان کو بنایا اس کی بلندی کو کس قدر اُونچا کیا پھر اس کو ہموار اور برابر بنایا کیسا مضبوط کس قدر اونچا اور کیسا برابر اور ہموار کہ کسی جگہ سے کوئی فرق نہیں۔ پھر اس کا نظام کیسا باقاعدگی سے جاری ہے چاند سورج کا طلوع وغروب اور ستاروں کی رفتار اور لیل ونہار کی تبدیلی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی غرض یہ سارا نظام فلکیات ایسا محکم ومنظم ہے کہ ہر ایک دیکھنے والا اس کے صانع وخالق کی حکمت اور کمال قدرت پر یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا تو جس ذات نے ایسی عظیم مخلوق پیدا کردی اس کو کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ ان کو قیامت میں اٹھالے یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے اور اس نے تاریک کردیا اس کی رات کو اور نکالا اس کے دن کو سورج کے طلوع اور اس کی روشنی سے جوکہ کواکب وسیارات کے نظام ہی کے کرشمے ہیں اور آسمانوں سے ہی ان سب چیزوں کا تعلق ہے۔ اور زمین کو اس کے بعد بچھایا [2] جس سے اس کا پانی نکالا اور سبزہ

---

[1] یہ مضمون بعینہ وہی ہے جو آیت مبارکہ ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ میں ارشاد فرمایا گیا۔

[2] اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلق ارض آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہے اور سورۂ حٰمٓ سجدہ میں خلق ارض کو مقدم بیان فرمایا گیا اور زمین۔ اور زمین پر پیدا کی ہوئی چیزوں کی تخلیق کے بعد ارشاد فرمایا گیا ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ اس اشکال کی توضیح اور جواب اس مقام پر ذکر کردیا گیا۔ مراجعت فرمالی جائے۔

پہاڑوں کا زمین میں گاڑنا۔ حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ میں بروایت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس طرح مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت نے جب زمین کو پیدا کیا تو زمین لرزنے لگی۔ اللہ نے اس پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا جس سے زمین ٹھہر گئی۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی شدت وسختی =

بھی اُگایا۔ چشموں اور نہروں کو جاری کر کے سبزے غلے پھل اور پھول اور طرح طرح کی غذائیں پیدا کیں اور پہاڑوں کو قائم کر دیا زمین کی سطح پر ایسی مضبوطی سے کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتے۔ اے انسانو! تمہارے واسطے سامان زندگی بنا کر اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے ظاہر ہے کہ اگر یہ نظام قدرت قائم نہ کیا جاتا تو کہاں سے انسان کھاتے اور کہاں سے جانوروں کو چارہ ملتا۔ لوگ کیسے اپنی زندگی کے کاروبار کرتے اور کس طرح اس میں یکسانیت و تسلسل قائم کرتے۔ اگر دن کی روشنی اور رات کی تاریکی و سکون نہ ہوتا۔ غرض آسمان اور زمین اور اس میں پیدا کی ہوئی ہر ایک چیز اللہ رب العزت کی قدرت و حکمت کی عظیم نشانی ہے تو جب رب العالمین یہ سب کچھ انتظامات کر رہا ہے کیا وہ انسان کی بوسیدہ ہڈیوں کو جوڑ کر دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک و تردد یا انکار انسان کی بڑی ہی غفلت اور بھول ہے جس سے یقیناً اس کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ چونکے گا۔ چنانچہ جب آ جائے گی وہ چورا چورا کرنے والی بہت بڑی ہیبت ناک چیز تو وہ دن ہوگا ایسا کہ انسان یاد کرے گا ہر اس چیز کو جو اس نے کمائی ہے اور زندگی کا ہر عمل اس کو یاد آ جائے گا اور اس وقت سوائے پچھتانے کے اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا اور جہنم ظاہر کر دی جائے گی ہر اس کے لیے جو دیکھ رہا ہوگا۔ اور اس کو ایسے منظر عام پر لایا جائے گا کہ بلا کسی حائل اور رکاوٹ ہر ایک کو نظر آ رہی ہوگی۔ بہر حال جس کسی نے سرکشی کی اور دُنیا کی زندگی کو اس نے بہتر سمجھا اور اسی کو آخرت پر ترجیح دی۔ حتیٰ کہ آخرت کو بھلا دیا تو بس دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ جس سے اس کو کسی طرح بھی چھٹکارا میسر نہ ہوگا۔ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ سوچنے لگا کہ کیا منہ لے کر اپنے رب کے سامنے حاضر ہو سکوں گا اور میدان حشر میں کس طرح کھڑا ہو سکوں گا۔ اس اعتقاد و تخیل اور خوف خدا کے اثر سے اس نے اپنے نفس کو روکے رکھا ہر خواہش سے تو بلا شبہ جنت اس کا ٹھکانا ہے کیونکہ نفس اور اس کی خواہشات ہی انسان کو اللہ کے احکام کی اطاعت و پیروی سے روکنے والی چیز ہے۔ اس لیے جب یہ صاحب ایمان خشیت و تقویٰ سے معمور خداوند عالم کی اطاعت و فرماں برداری کرتا رہے گا تو لامحالہ اللہ کے فضل و کرم سے جنت کا مستحق ہوگا۔

انسانی سعادت اور اس کی عقل و فطرت کا تقاضا یہ[1] ہے کہ وہ ان حقائق کو سمجھے اور ان پر ایمان لائے۔ لیکن کفار مکہ کی

= پر تعجب ہوا اور پوچھنے لگے اے پروردگار کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے زیادہ بھی کوئی طاقت ور چیز ہے اللہ نے فرمایا ہاں لوہا ہے۔ تو لوہے کی شدت پر فرشتوں نے پوچھا: اے رب! اس سے زیادہ کوئی چیز تیری مخلوق میں شدید ہے فرمایا ہاں! اور آگ پیدا کر کے دکھادی گئی۔ فرشتوں نے اس پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا اے رب کیا اس سے زیادہ کوئی طاقت ور چیز ہے جواب میں فرمایا ہاں! اور پانی پیدا کر دیا۔ اس پر بھی وہی سوال ہوا تو جواب دیا گیا ہاں اس سے بھی بڑھ کر ایک سخت اور طاقت ور چیز۔ ہوا ہے فرشتوں نے اس پر بھی تعجب کرتے ہوئے عرض کیا یا رب کیا اس پر بھی بڑھ کر کوئی طاقت ور چیز ہے جواب دیا گیا: نعم ابن آدم یتصدق بیمینہ لا تعلم شمالہٗ ماتنفق بیمینہ کہ اس سے طاقتور چیز انسان کا وہ صدقہ ہے جو اس طرح دے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے۔
اس مضمون کی تفصیل کے لیے ناچیز کی کتاب "منازل العرفان فی علوم القرآن" کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲

[1] ظاہر ہے کہ جو شخص اس خیال کو اپنے قلب و دماغ میں رچا لے گا وہ کسی بھی معصیت اور برائی میں مبتلا نہیں ہو سکتا اور یہ وصف بلا شبہ انسان کی طغیانی و سرکشی کی ضد ہے اور قوت نظریہ کی اصلاح و تکمیل ہے اور ﴿نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ نفسانی خواہشات سے بچنے کا نام ہے اس لحاظ سے یہ وصف اس کی قوت عملیہ کی اصلاح و تکمیل ہے اور ان ہی دو قوتوں کی اصلاح انسانی سعادت ہے لہٰذا ایسے انسان کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔
بعض مفسرین بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت ﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى... الخ﴾ کا مصداق عامر بن عمیر تھا جو نہایت ہی بدکار اور =

شقاوت و بدنصیبی کی کوئی حد نہ تھی انحراف و سرکشی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اے ہمارے پیغمبر یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب آئے گا وقت اس کے قائم ہونے کا اور کب وہ ظاہر ہوگی تو کس فکر میں پڑے ہو آپ اس کا وقت بتانے کے بارہ میں یہ آپ ﷺ کا کام ہی نہیں کہ آپ یہ بتائیں یا یہ سوچیں کہ ان کے سوالوں کا کیا جواب دوں اور کیا وقت ان کو بتاؤں آپ کے رب ہی کی طرف اس کی نہایت ہے وہی جانتا ہے کہ کب آئے گی اور خواہ اس کا کسی سے سوال کیا جائے ان جملہ سوالات کا منتہیٰ اسی کی ذات ہے اور اس کا علم صرف اسی کو ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ (لقمان: ۳۴) آپ تو بس آخرت اور عذابِ آخرت سے ڈرانے والے ہیں اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت اور قیامت کو مانتا ہی نہیں وہ کیا خاک عذابِ آخرت سے ڈرے گا۔ حالانکہ جب قیامت واقع ہوگی ایسا محسوس ہوگا جب یہ اس کو دیکھیں گے گویا کہ نہیں ٹھہرے ہیں دُنیا میں یا مرنے کے بعد سے اس وقت اٹھنے کے زمانہ تک مگر صرف ایک شام یا اس کی صبح۔ بعث بعد الموت کے بعد یہ لوگ [1] دُنیوی زندگی کو صرف ایک صبح و شام کے بقدر ٹھیرنا تصور کریں گے کہ مرنے کے بعد بس اتنا ہی تھوڑا سا وقت گذرا ہے جس طرح کہ سو کر بیدار ہونے والا شخص محسوس نہیں کر سکتا کہ نیند کی حالت میں اس پر کتنا طویل وقت گذرا ہے بس یہی لگتا ہے کہ آنکھ لگی تھی اور اب کھل گئی۔

مسئلۂ آخرت اور بعث بعد الموت

مسائل اعتقاد اور علوم نظریہ میں قرآن کریم نے مسئلۂ آخرت اور بعث بعد الموت نہایت ہی اہتمام اور بڑی ہی تحقیق اور بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول، آخرت پر ایمان و یقین ہی پر موقوف ہے سورۂ بقرہ کی ابتداء ہی میں قرآن کریم کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں یہ فرمایا کہ یہ کتاب ان لوگوں کے واسطے ذریعہ ہدایت ہے جو تقویٰ اور ایمان بالغیب یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی وحی پر یقین رکھتے ہوئے فرائض اسلام کی تعمیل و تکمیل پر آمادہ و مستعد ہیں۔ اسی کے ساتھ ان لوگوں کی یہ صفت بیان کی گئی۔

﴿ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴾ (البقرۃ) "اور آخرت پر وہی یقین و ایمان رکھتے ہیں۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ ایمان باللہ والرسول، ایمان بالآخرت سے منفک اور جدا نہیں بلکہ ایمان باللہ والرسول کا دار و مدار ایمان بالآخرۃ ہی پر ہے۔ ''آخرت اور یوم آخرت'' قرآن کریم نے متعدد مواقع پر دونوں ہی عنوان اختیار کیے ہیں۔ عالم آخرت کا

== دُنیا پرست تھا اور دوسری آیت یعنی ﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ... الخ ﴾ کا مصداق اسی کے دوسرے بھائی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے جو تارک الدنیا اور پیکر زہد و تقویٰ تھے۔ اور غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور صورت حال یہ تھی کہ کفن کے واسطے ایک چادر بھی ایسی نہ تھی کہ سارا بدن ڈھانکا جا سکے۔ ۱۲

[1] یہ کلمات اس آیت کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہیں جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ لوگ قیامت میں اٹھنے کے بعد دُنیوی زندگی کو اس قدر مختصر محسوس کریں گے کہ گویا یہ صرف ایک شام یا صبح کے بقدر دنیا میں رہے ہیں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کو بیان کرتے ہیں ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی بیان کیا۔ اور بعض ائمہ مفسرین فرماتے ہیں مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کو اس قدر قلیل مدت سمجھیں گے کہ گویا انہوں نے صرف ایک صبح یا شام گذاری ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔ ۱۲

آغازِ دُنیا اور دارِ دُنیا کا آخری دن ہے اس وجہ سے یوم آخرت کہا جاتا ہے حق تعالیٰ نے انسانی زندگی دو عالموں سے متعلق فرمائی ہے۔ ایک زندگی ولادت کے بعد سے اس کے مرنے تک ہے۔ اور دوسری زندگی موت کے بعد مبعوث اور دوبارہ اٹھنے کے بعد سے جنت وجہنم کی لازوال حالتوں تک۔ پہلی زندگی کو دُنیا کہا گیا اور دنیا لغت کے اعتبار سے قریب تر چیز کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی انسان کو پہلے حاصل ہوئی ہے اس لیے اس کا نام دُنیا ہوا اور مرنے کے بعد مبعوث ہونے پر جو زندگی ہے وہ بعد میں ہے تو اس کو عقبیٰ اور آخرت فرمایا گیا۔ اسی اعتبار سے دُنیوی زندگی کو (النشأۃ الاولیٰ) یعنی پہلی پیدائش اور اُخروی زندگی کو (النشأۃ الاخریٰ) یعنی دوسری اور آخری پیدائش فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حیاتِ انسانی کے ان دونوں ادوار کو الاولی اور الآخرۃ جیسے متقابل عنوان سے قرآن کریم تعبیر کرتا ہے۔ ﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝﴾ (الضحیٰ: ۴)۔

مفسرین کی ایک جماعت اس آیت کی مراد یہ بھی بیان کرتی ہے کہ آخرت کی زندگی اور اس کی نعمتیں و دنیوی زندگی اور اس کی راحتوں سے زائد بہتر ہے۔ بعض حضرات علماء نے آسمان وزمین کے پھٹ جانے اور چاند و سورج اور ستاروں کے ٹوٹ جانے اور شب و روز کا نظام درہم برہم ہونے کو جو آخرت قرار دیا وہ اس لحاظ سے کہ یہ امور یوم آخرت کا مبداء و آغاز ہیں ورنہ اصل یوم آخرت تو وہ ہے جب دوبارہ نفخ صور کے بعد تمام انسان اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ رب العزت کے روبرو حاضر کر دیے جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝۶۸﴾ (الزمر)

"اور (جس روز کہ) صور پھونکا جائے گا تو بیہوش ہو کر گر پڑیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر دوبارہ اس میں صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ سب کھڑے ہو جائیں گے درانحالیکہ وہ دیکھتے ہوں گے۔"

تو دوبارہ نفخ صور پر جب مخلوق مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی، اس وقت دُنیا اور حیاتِ دُنیاوی کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا اور پھر اس دن کے بعد نہ کبھی رات آئے گی اور نہ رات کے ختم ہونے پر دوسرا دن آئے گا۔

دُنیا تو اس جہان کی صفت حیات کا نام ہے جب حیات ہی باقی نہ رہے گی تو دُنیا کا وجود کیونکر رہے گا۔ اہل حق کا اجماع ہے کہ انسان دُنیا میں ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اور جب مرجاتا ہے تو پھر کبھی اس کو دوبارہ دُنیا کی حیات حاصل نہیں ہوتی۔ اور دنیا کی جب تمام ضروریات ختم ہو جائیں گی اور جو چیزیں دُنیا میں ہیں وہ فنا ہو جائیں گی تو اس وقت حشر اموات ہوگا بس اسی کا نام آخرت ہے۔

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۴۸﴾ (ابراہیم)

"وہ دن جب کہ یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور اسی طرح آسمانوں کو بھی اور سب لوگ اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہوں گے (اور نکل کھڑے ہوں گے)۔"

اسی روز کو حق تعالیٰ شانہٗ کے دربار میں حاضری اور پیشی کا دن فرمایا گیا۔

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (المطففین: ۶)

”کہ اس دن لوگ کھڑے ہوئے ہوں گے رب العالمین کے سامنے۔“ ❶

قیام قیامت اور یوم آخرت کو قرآن نے ”الساعۃ“ کے عنوان سے تعبیر کیا۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ﴾ (الاعراف: ۱۸۷)

”یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے ہیں اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی ظاہر کرے گا اس کے وقت پر وہ بہت ہی بھاری ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تمہارے سامنے نہیں آئے گی مگر اچانک۔“

اس روز جب کہ اوّلین و آخرین میدانِ حشر میں حیران و پریشان کھڑے ہوں گے اور ہر ایک مبہوت و بدحواس اور کرب و بے چینی میں مبتلا ہوگا کہ اچانک رب العالمین اور احکم الحاکمین نہایت ہی عظمت و جلال کے ساتھ بندوں کے فیصلہ کے لیے نزولِ اجلال فرمائیں گے۔ ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ اسی منظر کو ان کلمات نے بیان کیا۔

﴿وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ﴾ (الفجر)

”اور (اے مخاطب) تیرا رب (فیصلہ کے لیے) آئے گا۔ اور فرشتے جوق در جوق قطار در قطار کھڑے ہوں گے۔“

جبریل امین علیہ السلام اور تمام ملائکہ مقربین اور عالم سمٰوٰت وارضین کے فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اور خداوندِ عالم کی عظمت و جلال اور ہیبت سے کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام بھی حیران و متفکر ہوں گے۔ سب سے پہلے حق تعالیٰ شانہٗ

---

❶ اسی یوم کا نام یوم الفصل بھی ہے جیسا کہ فرمایا گیا ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ﴾ اور ﴿اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ کہ یہ فیصلہ کا دن ہے اے لوگو! ہم نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو جمع کرلیا ہے۔ اسی کے بارے میں ارشاد ہے ﴿اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ کہ تم سب کا اللہ ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ یہ ایک وعدہ ہے برحق اور پختہ۔ اسی بنا پر قیامت کو ”یوم موعود“ بھی فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۙ وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۙ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ؕ﴾ قیام قیامت کے کچھ احوال ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝﴾ (الکہف)

ترجمہ: ”اور جس دن کہ ہم پہاڑوں کو سرکا دیں گے (اور ان کو دوڑائیں گے کہ دیکھنے والا ان کو روئی کے گالوں کی طرح محسوس کرتا ہوگا) اور اے مخاطب! تو زمین کو دیکھے گا ایک کھلا ہوا میدان جس میں تمام مخلوق جمع ہوگی) اور سب کو اکٹھا کریں گے اس طور سے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب اللہ کے سامنے قطار در قطار پیش کیے جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ بیشک تم ہمارے پاس آئے ہو اسی طرح (برہنہ) جیسے کہ ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا بلکہ تم تو یہ سمجھتے تھے کہ تمہارے واسطے (حاضری کا) ہم نے کوئی وقت ہی مقرر نہیں کر رکھا ہے اور (لوگوں کے سامنے) نامہ اعمال رکھ دیئے جائیں گے تو اس وقت اے مخاطب تو مجرموں کو دیکھے گا کہ وہ ڈر رہے ہوں گے۔ اور کہتے ہوں گے ہائے افسوس ہماری بدبختی! کیا ہوا اس کتاب (نامہ اعمال) کو کہ اس نے کوئی بھی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ایسا نہیں چھوڑا کہ اس کو اس کتاب نے لکھ نہ لیا ہو اور سب لوگ اپنے ان تمام اعمال کو سامنے موجود پائیں گے جو انہوں نے کیے اور اے مخاطب تیرا رب کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ ۱۲

کی طرف سے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو خطاب فرمایا جائے گا۔

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ (المائدہ:۱۰۹)

"جس دن کہ اللہ تعالیٰ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر ان سے فرمائے گا (بتاؤ) تم کو کیا جواب دیا گیا (تمہاری امتوں کی طرف سے) عرض کریں گے اے پروردگار (ظاہر میں جو جواب دیا گیا وہ تو معلوم ہے لیکن) حقیقت کا ہمیں علم نہیں بے شک چھپی ہوئی باتوں کا تو ہی خوب جاننے والا ہے۔"

علماء متکلمین نے لکھا ہے کہ یوم حشر، صرف اجساد وابدان ہی کا حشر اور جمع نہیں ہے بلکہ اس روز تمام مخلوق کے ابدان واجسام کے جمع کرنے کے ساتھ انسانوں کے تمام اعمال وافعال اور احوال بھی جمع کر لیے جائیں گے۔ اعمالِ صالحہ اور سیئہ ہر ایک اس کے سامنے موجود ہوں گے اور وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہوگا اور جب انسان یہ دیکھے گا کہ اس کی ایک ایک بات اور ہر ہر حرکت سامنے آ رہی ہے تو مایوسانہ جذبات اور حسرت وملال کے ساتھ کہے گا:

﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ ﴾ (الکہف:۴۹)

ایمان بالآخر اور حشر ونشر اور بعث جسمانی، دین کے بنیادی اصول میں سے ہے جس طرح کوئی شخص خداوندِ عالم اور اس کے رسول پر ایمان لائے بغیر مؤمن نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح قیامت اور روز قیامت پر ایمان لائے بغیر شریعت کے نزدیک وہ شخص مؤمن کہلانے کا کسی طرح بھی مستحق نہیں۔

کفار مکہ اور مشرکین قریش خاص طور پر دو چیزوں کا بڑی شدت سے انکار کرتے تھے۔ ایک آنحضرت ﷺ کی رسالت اور دوسرے قیامت کا۔ وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور قیامت قائم ہوگی ہر چند دلائل وبینات کے مشاہدہ کے بعد بھی یہی کہتے کہ۔

﴿ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ ﴾ (الانعام)

"اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ ہماری دُنیاوی زندگی ہے۔ (اسی میں ہماری حیات وموت ہے) اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔"

بلکہ کفار مکہ تو بعث بعد الموت کے بیان پر استہزاء تمسخر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

﴿ هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ ﴾ (السباء ۷، ۸)

"کہ کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ نہ بتائیں جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ تم جب کہ ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے (مرنے کے بعد) تو پھر تم کو یقیناً ایک نئی پیدائش کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ کیا یہ بات اللہ پر جھوٹ بہتان نہیں ہے یا یہ کہ اس شخص کو کچھ سودا (جنون) ہے۔"

حق تعالیٰ شانہٗ نے اس مسئلہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بار بار دہرایا اور فرمایا:

﴿ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ... الخ ﴾ (الجاثیہ:۲۶)

"کہ خدا ہی تم کو حیات و زندگی عطا کرتا ہے پھر وہی تم کو مارتا ہے اور پھر وہی تم کو قیامت کے روز جمع کرے گا۔ جس میں کوئی شبہ نہیں۔"
مسئلہ بعث بعد الموت میں تردّد کرنے والوں کو قرآن کریم نے ایک نہایت سادہ معقول اور فطری انداز میں سمجھایا۔

﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۳ ﴾ (الاحقاف)

"کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا تو کیا وہ اس پر قادر ہوگا کہ مردوں کو زندہ کردے؟ بیشک وہ خداوند عالم ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔"

یعنی جب ایک چیز کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود اور ظہور میں لانے پر قادر ہے اور کائنات کو عدم محض سے پیکر وجود اسی نے عطا کیا تو اس کے اعادہ اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے میں تردد پیدا کرنا خلاف عقل ہے حالانکہ کسی شے کے ایجاد سے اس کا اعادہ سہل اور آسان ہوتا ہے تو ایسے لوگ عقل و شعور سے کس قدر بعید ہیں کہ خالق کائنات کے لیے مخلوق کو دوبارہ قیامت میں اٹھانے کا انکار کرتے ہیں کفار مکہ کا یہ سوال قرآن کریم نے نقل کر کے یہی استدلالی جواب ارشاد فرمایا:

﴿ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝۷۸ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝۷۹ ﴾ (یٰسٓ)

"(کافروں نے) کہا کون ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکی ہوں گی (اے پیغمبر ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ وہی خدا ان کو دوبارہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

انسان کو اس کی تخلیق اور اطوارِ تخلیق کے نمونے ذکر کرتے ہوئے اوہام و شکوک کی ظلمتوں سے نکال دینے کے لیے اس مسئلہ کو ایسے دلنشین انداز میں دلائل کے ساتھ بیان فرمایا کہ اس کو سن کر کوئی بھی صحیح العقل انسان ادنیٰ تردّد اور شبہ کی گنجائش نہیں پائے گا۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْــــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ۙ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ ﴾ (الحج)

"اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں شک اور تردّد میں پڑے ہوئے ہو تو (تم اس پر کیوں نہیں غور کرتے کہ) بیشک ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد ہم نے (ان کی نسل کو) نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کے لوتھڑے (بوٹی) سے جو نقشہ بنی ہوئی ہے اور بدوں نقشہ بنی ہوئی ہے تا کہ ہم اپنی قدرت کھول کر دکھلا دیں تم کو اور پھر ٹھہرائے رکھتے ہیں ہم تم کو پیٹ میں جب تک بھی ہم چاہیں مدت معینہ تک پھر ہم نکالتے ہیں تم کو ایک بچہ ہونے کی صورت میں۔ پھر یہ کہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی کی قوت اور زور تک۔ اور تم میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جن کو قبض کر لیا جاتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو ارذل عمر یعنی عمر کے آخری حصہ تک لوٹا یا جاتا ہے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ سمجھنے اور جاننے

کے بعد بھی کسی چیز کو نہیں سمجھتا (قوی بیکار ہو جانے سے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ خراب اور خشک پڑی ہے۔ پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو تروتازہ ہوگئی اور ابھری اور اگانے لگی قسم قسم کے رونق کی چیزیں (پھل اور پھول) یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ بیشک اللہ ہی قادر مطلق اور ذات برحق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یقیناً وہی ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے ولا ہے اور قیامت بیشک آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور یقیناً وہ پروردگار دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا ان مردوں کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں۔"

مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کو یہ دھوکہ لگ رہا ہے کہ انسان کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ اس کو زندگی کس طرح دی جائے گی تو انسان کو چاہیے کہ خود اپنی پیدائش۔ پیدائش اطوار پر اور بجز زمین پر بارشوں کے برسنے کے بعد طرح طرح کے سبزے اور شادابیوں کے اگنے کے مناظر دیکھ کر یقین کرلے کہ پس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی دوبارہ حیات و زندگی عطا فرمائے گا جب زمین میں ہر تخم اور بیج ڈالے جانے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر زمین کے اجزاء میں اس طرح خلط ملط اور حتیٰ کہ ذرہ خاک بن کر بھی پھر وہی تخم ایک درخت کی صورت میں زمین پر نمودار ہو رہا ہے تو اسی طرح اگر انسان کی ہڈیاں اس کا گوشت پوست بھی خواہ زمین میں مل کر خاک ہو چکا ہو یا ہواؤں میں اس کے ذرات اڑ رہے ہوں یا پانی میں بہہ رہے ہیں تو ان سب اجزاء کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندگی دے دے تو کیا عجب ہے۔ زمین پر اگنے والا ہر درخت اور گھانس کا تنکا بعث بعد الموت کا ایک کامل ترین نمونہ ہے۔

اس سائنسی دَور میں اگر فضا میں منتشر شدہ آوازیں ضبط کی جاتی ہیں۔ تو یہ بات مادہ پرست انسان تسلیم کرنے سے کیوں تردّد کرتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی قدرت کاملہ سے انسانی اجسام اور ان کے پراگندہ اجزاء حتیٰ کہ مٹی اور پانی میں تحلیل شدہ گوشت و پوست کو بھی جمع کر کے دوبارہ مبعوث فرمادے گا۔

مسئلہ بعث بعد الموت سے متعلقہ یہ مضامین اگرچہ گزشتہ حصہ تفسیر میں متعدد مواقع میں گذر چکے لیکن مزید تحقیق کے طور پر ان مضامین کا پھر یہاں ایک مرتبہ اعادہ کر دیا گیا۔ بہر کیف یہ اعادہ افادہ سے خالی نہیں۔

عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی موت وحیات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ "تقریر دلپذیر" میں عالم جسمانی کی حقیقت اور اس کی حیات و ممات پر ایک تفصیلی بحث کے دوران فرماتے ہیں:

"عالم جسمانی بھی انسان کی طرح مختلف اجزاء سے مرکب ہے اور جس طرح انسان کی ہیئت ترکیبی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس کی حیات مستعار محض ہے اور چند روزہ ہے اور اس کے بعد موت ہے اسی طرح اس عالم پر بھی ایک وقت موت کا آنے والا ہے اور جیسے انسان پر مختلف دور گزرتے ہیں۔ طفولیت و شباب اور پیری اور پھر موت اسی طرح عالم کے لیے بھی طفولیت و شباب اور بڑھاپے کا زمانہ ہے اس کے بعد اس کو فنا ہے اور یہ قیام قیامت کا وقت ہے اس وقت مجموعہ عالم کا قبض روح ہوگا اور اس کی حیات ختم ہو جائے گی آسمان و زمین پھٹ جائیں گے اور عالم کا تمام شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔"

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے انسان ایسے متضاد اجزاء یعنی عناصر اربع آب و خاک و آتش و ہوا سے مرکب ہے کہ باہم

ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ ہر ایک کا مزاج دوسرے کے مخالف ہے ایسے ہی یہ سارا عالم بھی اشیاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر سے مرکب ہوا ہے۔ انسان کے اجزاء قدر مختلف المزاج اور مختلف التاثیر نہیں۔ جتنا کہ عالم کے اجزاء مختلف المزاج اور مختلف التاثیر ہیں اور جب ہر چیز کا مزاج اور اس کی تاثیر علیحدہ ہے تو لامحالہ ایک دوسرے کا دشمن ذاتی اور مخالف اصلی ہوگا اور جب کبھی کسی جز کا ذرا بھی غلبہ ہوگا تو مزاج عالم میں ضرور فساد آئے گا اور جو اعتدال اس سے قبل تھا وہ باقی نہ رہے گا اور یہ حالت عالم کے لیے بمنزلہ مرض کے ہوگی جیسے انسان میں جب کوئی مرض آتا ہے تو وہ کسی خاص جز کے غلبہ ہی کی وجہ سے آتا ہے مثلاً جب آگ کا غلبہ ہوتا ہے تو بخار آتا ہے جب پانی کا غلبہ ہوتا ہے تو زکام اور فالج اور وجع المفاصل جیسے امراض ظاہر ہوتے ہیں اور جب خاک کا غلبہ ہوتا ہے تو یبوست (خشکی) کی وجہ سے خارش پیدا ہوتی ہے اور ہوا کی زیادتی سے ورم اور ریاحی درد پیدا ہوتے ہیں۔

آدمی کا بدن فقط چار اجزا سے مرکب ہے جب ان چاروں کے غالب ومغلوب ہونے سے ہزاروں امراض پیدا ہوتے ہیں تو عالم جو کہ بے شمار اجزا سے مرکب ہے ان کے غالب ومغلوب ہونے سے تو لاکھوں امراض پیدا ہونے چاہئیں۔

آسمان اس عالم کا سر ہے اور آگ سینہ ہے اور ہوا پیٹ ہے اور زمین اس کے پاؤں ہیں اور پانی بمنزلہ ہاتھ کے ہے اور شمس وقمر بمنزلہ آنکھ کے ہیں اور پہاڑ بمنزلہ ہڈیوں کے اور اشجار بمنزلہ بال اور روئیں کے ہیں۔

غرض جیسے ایک انسانی جسم پر موت وفنا کا طاری ہونا نظام قدرت ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے نظام کائنات میں بھی یہ مقدر فرمایا ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ تمام عالم دُنیا بھی انسانی جسم کی طرح امراض۔ آفات ومصائب اور بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہوتے زوال وفنا کا راستہ اختیار کرلے گا اور اسرافیل علیہ السلام کا نفخ صور عالم دُنیا کے اس طویل وعریض اور وسیع جسد عنصری کو درہم برہم کر ڈالے گا۔ ❶

مسئلۂ بعث اور معاد ابدان

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے "کتاب الروح" میں فرمایا: مسئلۂ بعث اور معاد ابدان ایک ایسا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس پر تمام مذاہب وادیان سماویہ پر ایمان رکھنے والوں کا اتفاق ہے خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ۔

جلال الدین الدوانی رحمہ اللہ نے بھی مسئلۂ بعث کے ثبوت پر دلائل ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ اس پر تمام اہل ملل (یعنی سماویہ) کا اجماع ہے اور قرآن کریم کی ایسی واضح اور صریح نصوص سے مثلاً آیت ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (یٰسین:۷۹) ثابت ہے کہ کسی بھی فلسفی کو تاویل کی گنجائش نہیں۔ ❷

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت تخریج کی کہ عاص بن وائل (جو مشرکین میں سے ایک بہت بڑا سرغنہ تھا) ایک سوکھی ہوئی ہڈی لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس کو چورا چورا کر کے کہنے لگا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ اس کو بھی زندہ کرے گا بعد اس کے یہ ریزہ ریزہ ہو چکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اللہ رب العزت اس کو زندہ کرے گا اور اس کے بعد تجھ کو عذاب

---

❶ تقریر دلپذیر بحوالہ علم الکلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا یہ مقالہ عجیب حقائق ومعارف کا خزانہ ہے۔ اہل علم اصل کی طرف مراجعت فرمائیں۔

❷ شرح عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۱۵۱۔

دے گا۔اس واقعہ پر قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ اَوَ لَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴾ (یٰس)

"کیا نہیں دیکھا انسان نے اس بات کو بیشک ہم ہی نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر نا گہاں وہ کھلم کھلا خصومت کرنے والا ہو گیا ہے۔"

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حق یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ حشر جسمانی کا انکار جمع ہونا ممکن ہی نہیں ان ہی دلائل ونصوص کے پیش نظر جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔اور علیٰ ہذا القیاس قدم عالم کا قول جس کے قائل فلاسفہ ہیں، حشر جسمانی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔

بہرکیف اُصولِ شریعت اور بیان کردہ دلائل سے یہ ظاہر ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام بندوں کو مع ان کے ابدان اور اجزاء اصلیہ کے زندہ کر کے اٹھائے گا اور ان کو محشر کی جانب لے جایا جائے گا تا کہ ان کے اعمال کی جزاء وسزا کا فیصلہ ہو اس طرح سے آخرت اور حشر جسمانی پر ایمان لانا کتاب اللہ سنت رسول اللہ۔اور اجماعِ امت وسلف سے ثابت ہے جس کے استحالہ پر عقلی دلیل قائم نہیں کی جاسکتی۔اوّل تو اجزاء بدنیہ معدوم نہیں ہوتے بلکہ ان کا استحالہ اور تغیر ہو جاتا ہے دوسری صورتوں میں جس طرح کہ لکڑی جلنے کے باوجود معدوم نہیں ہوتی بلکہ وہ راکھ اور کوئلہ کے شکل کی طرف مستحیل ہوتی ہے لیکن بالفرض معدوم بھی قرار دے لیا جائے تب بھی کوئی عقلی دلیل محال ہونے پر قائم نہیں کی جاسکتی۔کیونکہ جب دلائل ظاہرہ اور حجج قاہرہ سے یہ ثابت ہے کہ حق تعالیٰ ایجاد معدوم پر قادر ہے اور یہ ساری کائنات اس کا ثبوت ہے تو اعادہ معدوم پر وہ کیونکہ قادر نہ ہوگا یہی وہ حقیقت ہے جس کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا گیا۔

﴿ کَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُهٗ ؕ ﴾ (الانبیاء:۱۰۴)

"جس طرح ہم نے مخلوق کو اوّل مرتبہ ایجاد کیا اسی طرح ہم اس کا اعادہ بھی کریں گے۔"

علامہ سفارینی رحمۃ اللہ علیہ بعث جسمانی کے مسئلہ پر بحث کے دوران عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔فرمایا: جو لوگ سمندر میں غرق ہو جائیں اور ان کے گوشت پوست سمندر کی مچھلیاں کھا جائیں اور ان کی ہڈیاں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے پھر ان ہڈیوں کو سمندر کی موجیں ساحل پر ڈال دیں اور پھر اسی طرح کچھ عرصہ پڑی رہیں یہاں تک کے بوسیدہ ہو جائیں۔اور پھر اس جگہ پر اُونٹوں کا گذر ہو وہ اس کو کھالیں اور مینگنی کر دیں۔پھر کچھ عرصہ بعد کوئی قافلہ اس جگہ آ کر ٹھہرے اور ان مینگنیوں کو قافلہ کھانا پکانے کے لیے جلالے تا آنکہ یہ آگ بجھ کر راکھ ہو جائے اور اس راکھ کو ہوائیں اڑا کر دُور دراز میدانوں تک منتشر کر دیں تو بھی نفخ صور ہوتے ہی یہ سب مردے جن کی ہڈیوں کی راکھ اس طرح منتشر و پراگندہ ہو چکی ہے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور ان میں اور قبروں سے ان مردوں کے اٹھنے میں کوئی فرق نہ ہوگا جن کے ابدان قبور میں ابھی صحیح وسالم ہیں۔

شیخ مرعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خداوندِ عالم انسانوں کے ان تمام اجسام کو بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا جن کے ٹکڑے درندوں کے پیٹوں۔زمین کی تہوں اور سمندر کی موجوں اور بحری جانوروں کے مونہوں میں ہیں ہر ایک ٹکڑے کو اللہ اپنی قدرت سے سمیٹ کر یکجا کر دے گا اور ان کو زندہ کر کے اُٹھائے گا۔یہی وہ حقیقت ہے جو ایک حدیث کے مضمون سے واضح اور ثابت ہوتی ہے۔

((عَنۡ ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ قال رجل لم یعمل خیرًا قط لا هله وفی روایة رجل اسرف عَلٰی نفسه فلما حضرهُ الموت اوصٰی لبنیهِ اذا مات فحر قوه ثم اذروانصفهٗ فی البرّ وَنصفهٗ فِی

البحرِ فواللّٰہ لئن قدر اللّٰہ علیہ لیعذّبنہٗ عذاباً لا یعذبہٗ احدًا من العٰلمین. فلما مات فعلوا ما امرھم فامر اللّٰہ البحر فجمع مافیہ وامر البرّ فجمع ما فیہ ثم قال لہٗ لِمَ فعلت ھذا. قال من خشیتك یا رب وانت اعلم. فغفرلہٗ)). (صحیح بخاری، مسلم، بحوالہ مشکوۃ المصابیح)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک ایسے شخص نے جس نے کوئی خیر کا کام نہیں کیا تھا، اپنے گھر والوں کو بطور وصیت یہ کہا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ایسے شخص نے کہ اس نے اپنے اوپر بہت ہی تعدی (زیادتی) کی تھی تو جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو پہلے اس کو جلا دینا پھر اس کی راکھ نصف تو ہوا میں اُڑا دینا اور نصف سمندر میں بہا دینا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر خدا تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گیا تو ایسا عذاب دے گا کہ جہان والوں میں کسی کو ایسا عذاب نہ دے گا۔ الغرض جب وہ شخص مرگیا تو اس کے حکم کے مطابق گھر والوں نے معاملہ کیا لیکن اللہ رب العزت نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے جو اجزاء ہیں وہ جمع کرلے۔ چنانچہ اس نے جو کچھ اس میں تھا جمع کر لیا پھر سمندر کو حکم دیا کہ اس میں جو کچھ ہے وہ جمع کرلے اس نے بھی راکھ کے وہ تمام اجزا جمع کرلیے (جو سمندر میں بہہ رہے تھے اس طرح اللہ رب العزت نے اس کو زندہ کر کے اٹھایا اور فرمایا اے بندے! یہ تو نے کس لیے کیا۔ عرض کیا! اے میرے پروردگار تیرے خوف سے تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی اس خشیت اور عذاب خداوندی کے ہیبت پر مغفرت فرمادی۔“

معاد جسمانی اور حشر ابدان پر عقلی شواہد

علامۃ الدہر شیخ حسین آفندی رحمہ اللہ مسئلہ بعث و معاد اور حشر جسمانی پر محققانہ کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مسئلۂ بعث اور آخرت مقتضائے عقل کے عین مطابق اور سراپا حکمت و مصلحت ہے کیونکہ آخرت کا خوف اور جزا و سزا کی فکر ہی انسانی زندگی اور عالم کو برے اعمال و افعال ظلم و تشدد خیانت مکر و فریب فواحش و منکرات سے بچانے والی چیز ہے۔ اگر انسانی اذہان اس فکر و خوف سے خالی ہو جائیں تو پھر نہ قتل و خونریزی میں کسی کو کوئی تامل ہوگا نہ اعمال و اخلاق اور معاشرت کے مفاسد و تباہیوں کی کسی کو پرواہ ہوگی۔ حتی کہ اگر کوئی بڑی سی طاقت ور حکومت اور زائد وقار بادشاہ بھی ہو تو تب بھی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد صرف اسی حد تک اپنے جرائم سے رک سکتے ہیں جہاں تک ان پر حکومت کے نگران حکام قائم اور مسلط ہیں ایسے افراد جس کسی بھی مرحلہ پر گرفت اور نگرانی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی دیکھیں گے۔ فوراً اسی ظلم و ستم قتل و غارت گری اور مجرمانہ روش کو اختیار کرلیں گے۔ رات کی تاریکیوں خلوتوں اور ایسے بیابانوں میں جہاں اس پر کسی انسان کی نگاہ نہ پڑ سکتی ہو۔ بے راہروی سے باز رکھنے والی طاقت صرف خوفِ خداوندی اور یوم الحساب (آخرت) کا اندیشہ ہی ہے علیٰ ہذا القیاس محاسن افعال اور بھلائیوں کا حصول بھی اس پر موقوف ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ نظام عالم کی تکمیل اور درستگی بعث و معاد پر ایمان اور دار آخرت کے شوق و خوف کے بغیر ممکن نہیں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر مسئلہ معاد تسلیم نہ کیا جائے تو انسان بجائے اشرف المخلوقات ہونے کے حیوانات سے بھی زائد خسیس اور کم درجہ ہو جائے گا کیونکہ حیوانات عقل و ادراک کی صلاحیتوں سے محروم ہیں۔ وہ ہر قسم کے کرب و غم سے آزاد ہیں برخلاف انسان کے کہ وہ طرح طرح کے افکار اور پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے کبھی ماضی کے احوال پر نظر کر کے وہ غم اور ملال میں مبتلا ہے۔ تو کسی وقت مستقبل کے فکر اور اندیشہ سے اس کی جان گھلی جارہی ہے۔

رہا جسمانی لذتوں اور راحتوں کا سوال؟ سو اس میں حیوان و انسان کوئی امتیاز نہیں رکھتا جس طرح ایک انسان لذیذ غذاؤں اور قسم قسم کے پھلوں کو لذت و رغبت سے کھاتا ہے۔ حیوانات اسی لذت و رغبت سے گھاس اور چارہ کھاتے ہیں جیسے حضرت انسان اپنے عالیشان مکانوں میں آرام و راحت حاصل کرتا ہے۔ جانور چرند پرند اپنے اپنے اصطبل گھونسلوں، آشیانوں اور بلوں میں آرام حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ نجاست کا کیڑا نجاست کو اسی لذت سے کھاتا ہے جیسے نوع بشر میں لذیذ غذائیں استعمال کی جاتی ہوں تو اگر آخرت کے مسئلہ سے صرف نظر کر لی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ انسان بہت ہی خسارہ اور نقصان میں پڑنے والی مخلوق ہے کہ جسمانی لذتوں اور راحتوں میں تو یہ عام حیوانات ہی کے برابر رہا اس کے بعد امتیاز و خصوصیت کا یہ طغرا ملا کہ طرح طرح کے افکار و آلام اور ہموم و غموم کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے جس میں حاکم و محکوم امیر و غریب بوڑھا اور جوان، مرد و عورت غرض سب برابر کے شریک ہیں۔ گویا اس کے عقلی و فکری کمالات نے بجائے کسی عظمت و برتری کے اور مصیبت و ذلت میں ڈال دیا تو انسان کے اس عقلی کمال اور ادراکی صلاحیتوں کے ساتھ اگر مسئلۂ معاد ہی نہ ہو اور نہ اُخروی سعادت کا حصول ہو تو وہ تمام عملی اور اخلاقی کمالات، زہد و تقویٰ، صبر و قناعت، خدمت خلق، ایثار و ہمدردی جیسی تمام خوبیوں سے محروم رہے گا۔ مسئلۂ عقاب و ثواب کے بغیر انسانی زندگی کسی طرح بھی حیوانی زندگی سے کوئی برتری اور امتیاز حاصل نہیں کر سکتی بلکہ ان محیر العقول انسانی کمالات کے باوجود انسان اپنی زندگی کو اگر صرف اسی حد تک محدود کر دے جن حدود میں حیوانات محدود ہیں تو بلاشبہ یہ چیز اس کو زیادہ سے زیادہ خسیس و ذلیل بنا دینے والی ہوگی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے منکرین آخرت کو انعام (چوپایوں) کے درجہ میں بلکہ ان سے بھی زائد حقارت و پستی کے مقام میں شمار کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (الفرقان: ۴۴)

"کچھ نہیں ہیں یہ کافر مگر چوپاؤں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں راہ سے۔"

کیونکہ چوپائے بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اس کو محسن سمجھتے ہیں کسی نہ کسی درجہ میں نفع و ضرر کو جانتے ہیں اگر ان کو کھلا چھوڑ دو تو چراگاہ کی طرف پہنچ جاتے ہیں جہاں ان کو غذا اور پانی مل جاتا ہے۔ لیکن یہ منکرین آخرت اور کافر نہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں نہ اپنے محسن کو سمجھتے ہیں اور نہ اپنے نفع و نقصان کی تمیز کرتے ہیں اور جس عقل و فہم سے یہ خدا کو پہچان کر بے شمار دینی اور دُنیوی کمالات اور سعادتیں حاصل کرتے اس کو معطل رکھ کر اپنے واسطے ابدی ہلاکت اور تباہی کا سامان مہیا کیا بھلا بتایا جائے کہ اس سے زیادہ اور کون سا بدعملی کا مقام ہو سکتا ہے۔ ❶

اثبات قیامت اور حشر و نشر سے تمام قرآن کریم از اوّل تا آخر بھرا ہوا ہے یہ مضامین مندرجہ ذیل ایک سو ایک سورتوں میں مذکور ہیں۔

البقرة ۔ العمران ۔ المائدة ۔ انعام ۔ الاعراف ۔ یونس ۔ ھود ۔ ابراھیم ۔ الحجر ۔ النحل ۔ بنی اسرائیل ۔ الکھف ۔ مریم ۔ طٰہٰ ۔ الانبآء ۔ الحج ۔ المؤمنون ۔ النور ۔ الفرقان ۔ النمل ۔ القصص ۔

---

❶ مسئلۂ معاد اور بعث بعد الموت کی تفاصیل کے لیے اہل علم کتب علم الکلام کی مراجعت فرمائیں۔ شرح عقیدہ السفارینی میں علامہ رحمہ اللہ نے تفصیل سے کلام فرمایا ہے اور "الرسالۃ الحمیدہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ" میں علامہ حبر طرابلسی رحمہ اللہ نے نہایت ہی حکیمانہ انداز سے تفصیل بیان کی ہے۔ کتاب علم الکلام تالیف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی اردو زبان میں مسائل کلامیہ کا ایک بلند پایہ مجموعہ ہے۔

الروم ۔ لقمان ۔ السجدۃ ۔الاحزاب ۔ السبا ۔ یٰسٓ ۔ والصافات ۔صٓ ۔ الزمر ۔ المؤمن ۔حٰمٓ السجدۃ ۔ الشوریٰ ۔ الزخرف ۔ الدخان ۔ الجاثیۃ ۔ الحقاف ۔ قٓ ۔ الذاریات ۔الطور ۔ النجم ۔ القمر ۔ الرحمٰن ۔ الواقعۃ ۔ المجادلہ ۔ الممتحنۃ ۔ التغابن ۔ التحریم ۔ الملك ۔ القلم ۔ الحاقۃ ۔ المعارج ۔ المزمل ۔ المدثر ۔ القیٰمۃ ۔ المرسلت ۔ النبا ۔ النّٰزعٰت ۔ عبس ۔ التکویر ۔ الانفطار ۔ الانشقاق ۔ الطارق ۔ الغاشیہ ۔ الفجر ۔ التین ۔ العٰدیات ۔ القارعۃ ۔ وغیرہ۔

مضامین قیامت اور حشر و نشر پر مشتمل سورتوں کی تعداد۔ ۶۸۔

مضامین قیامت اور حشر و نشر پر مشتمل آیات کی تعداد ۱۶۹۔

اور یہ تعداد ان آیات کی ہے جن میں یہ مضامین قصداً اہمیت و تفصیل اور دلائل کے ساتھ ذکر کیے گئے۔ ان کے علاوہ جن میں ان مضامین کا تبعاً و اشارۃً یا ضمناً ذکر آیا وہ آیات بھی سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ عبس

اس سورت میں خاص طور پر عقیدہ رسالت کا اثبات اور لوازم رسالت کا بیان ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت بھی ذکر فرمائے جارہے ہیں اور ان دلائل کی روشنی میں قیامت اور بعث بعد الموت کو ثابت کرنا ہے جس کے ضمن میں یہ بھی فرما دیا گیا کہ قیامت کی ہول اور دہشت کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان دوسرے سے بیگانہ ہوگا۔ اور اس کو صرف اپنی ہی فکر و پریشانی ہوگی۔ ان مضامین میں خاص طور پر اس امر کو بھی بیان فرمایا گیا کہ اہل ایمان (خواہ وہ دُنیا کی نظروں میں) کتنے ہی کم درجہ اور ضعیف ہوں لیکن ان کی دلجوئی اور مدارات ایمان کا تقاضا ہے ان کو دُنیا پر فوقیت اور برتری دینی چاہیے۔ بلکہ اہل دُنیا اور متکبر مال داروں سے اعراض اور بے رخی اختیار کرنی چاہیے۔

رکوعاتہا ۱	(۸۰) سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ (۲۴)	آیاتہا ۴۲

سورۂ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝۱ أَنْ جَآءَهُ الْأَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝۳

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا۔ اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے؟ شاید کہ وہ سنورتا۔

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝٤ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝٥ فَاَنْتَ لَهٗ

یا سوچتا تو کام آتا اس کے سمجھانا۔ وہ جو پروا نہیں کرتا۔ سو تو اس کی فکر میں ہے۔ اور تجھ پر

تَصَدّٰى ۝٦ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝٨ وَ

گناہ نہیں کہ وہ نہیں سنورتا۔ اور وہ جو آیا تیرے پاس دوڑتا۔ اور

هُوَ يَخْشٰى ۝٩ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝١٠ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَنْ شَآءَ

وہ ڈرتا ہے۔ سو تو اس سے تغافل کرتا ہے۔ یوں نہیں! یہ تو سمجھوتی ہے۔ پھر جو کوئی چاہے

ذَكَرَهٗ ۝١٢ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝١٣ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝١٤ بِاَيْدِيْ

اس کو پڑھے لکھی ہے ادب کے ورقوں میں۔ اونچے دھرے ستھرے۔ ہاتھوں میں

سَفَرَةٍ ۝١٥ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝١٦ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ۝١٧ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

لکھنے والوں کے۔ جو سردار ہیں نیک۔ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے؟ کس چیز سے

خَلَقَهٗ ۝١٨ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝١٩ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝٢٠

بنایا اس کو۔ ایک بوند سے۔ بنایا، پھر اندازہ رکھا اس کا۔ پھر راہ آسان کر دی اس کو۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝٢١ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝٢٢ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ

پھر اس کو مردہ کیا، پھر قبر میں رکھوایا۔ پھرجب چاہا اس کو اُٹھا نکالا۔ کوئی نہیں! پورا نہ کیا

مَآ اَمَرَهٗ ۝٢٣ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ۝٢٤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ

جو اس کو فرمایا۔ اب نگاہ کرے آدمی اپنے کھانے کو۔ کہ ہم نے ڈالا پانی

صَبًّا ۝٢٥ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝٢٦ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝٢٧ وَّعِنَبًا

اوپر سے۔ پھر چیرا زمین کو پھاڑ کر۔ پھر اُگایا اس میں اناج۔ اور انگور

وَّقَضْبًا ۝٢٨ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝٢٩ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝٣٠ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝٣١

اور ترکاری۔ اور زیتون اور کھجوریں۔ اور باغ گھن کے۔ اور میوہ، اور دوب۔

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ

کام چلانے کو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا۔ پھر جب آوے وہ غل۔ جس دن

يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾

بھاگے مرد اپنے بھائی سے۔ اور اپنے ماں باپ سے۔ اور اپنی ساتھ والی سے اور بیٹیوں سے۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ

ہر مرد کو ان میں سے اس دن ایک فکر لگا ہے، جو اس کو بس ہے۔ کتنے منہ اس دن

مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾

روشن ہیں۔ ہنستے خوشیاں کرتے۔ اور کتنے منہ اس دن ان پر گرد پڑی ہے۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع ۵ ۴۲

چڑھی آتی ہے ان پر سیاہی وہ لوگ وہی ہیں جو منکر ہیں ڈھیٹھ۔

ترغیب ملاطفت با ضعفاء مؤمنین واستغناء وبے نیازی از اہل دُنیا و متکبرین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ﴿۲﴾ ... الی ... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں قیامت اور احوال قیامت کا ذکر تھا۔ اور بعث بعد الموت کا مضمون بیان کرتے ہوئے آخر سورت میں نجات و کامیابی کا یہ معیار بیان کیا گیا کہ وہ خشیت و تقویٰ۔ فکر آخرت اور نفس کو خواہشات سے روکنا ہے۔ یہی انسان کی عزت و عظمت ہے اس کے برعکس غرور و تکبر اور سرکشی خدا کی نظر میں نہایت ہی بدترین اور ذلیل خصلت ہے تو اس سورت میں یہ بیان فرمایا جار ہا ہے کہ اہل ایمان کے ساتھ ملاطفت اور دلجوئی کا برتاؤ کرنا چاہیے اور ان کے مقابلہ میں کسی بھی مصلحت سے دنیادار اور مغرور و سرکش انسانوں کو ترجیح نہ دینی چاہیے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک روز آنحضرت ﷺ بعض سرداران قریش کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اور آپ ﷺ کو یہ اُمید و طمع تھی شاید یہ لوگ اسلام لے آئیں اور یہ بھی خیال تھا کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کے قبیلے اور ان کے ماتحت لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔ اسی دوران عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی جو قدیم الاسلام تھے آگئے اور آنحضرت ﷺ سے کچھ دریافت کرنے لگے اور آپ ﷺ چاہتے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کچھ ٹھہر جائیں۔ تاکہ میں وہ بات جو قریش کے کسی سربرآوردہ سے فرما رہے تھے) وہ پوری کرلوں اور اس وجہ سے آپ پر کچھ گرانی واقع ہوئی اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ نہ کی بلکہ گرانی کے آثار بھی چہرہ پر ظاہر ہوئے۔ آپ ﷺ نے یہ سوچا کہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہیں ان کے بعد میں بھی بتایا جاسکتا ہے اور تعلیم کے مواقع

ان کے بعد میں بہت مل سکتے ہیں اس لیے آپ ﷺ اسی شخص کی طرف متوجہ رہے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰی﴾۔ ارشاد فرمایا:

تیوری چڑھالی ترش روئی اختیار کی اور منہ موڑا اس بات پر کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور اے ہمارے مخاطب تمہیں کیا خبر ہے شاید وہ سنور جاتا آپ ﷺ کی توجہ اور اس کے سوال کا جواب دینے سے یا وہ غور و فکر کرتا تو پھر اس کا کام آتا سمجھانا اور آپ ﷺ کی بات سے تزکیہ و پاکی اور اس طرح کی بہت سے فوائد حاصل ہو جاتے۔ جس سے آپ نے اعراض کیا۔ اور بے رخی کرتے ہوئے اس پر کچھ گرانی محسوس کی لیکن اس کے بالمقابل جس شخص نے بے نیازی اور لاپرواہی برتی بس آپ اسی کی فکر میں لگے رہے۔ اس خیال سے کہ شاید یہ ہدایت قبول کر لے حالانکہ یہ شخص اپنے غرور و تکبر سے آپ سے بے نیازی برت رہا ہے اور وہ نابینا طالب حق تھا۔ طلب صادق لے کر آپ ﷺ کے پاس آیا تھا گو یہ طالب حق شکستہ حال تھا لیکن درحقیقت توجہ اور التفات کا یہی مستحق تھا اور اسی کو آپ کی توجہ اور نصیحت کا فائدہ پہنچ سکتا تھا برخلاف اس مغرور و سرکش کے جو اس بات کا ارادہ ہی نہیں رکھتا کہ حق اور ہدایت قبول کر لے۔

رہا آپ ﷺ کا یہ جذبہ اور شوق کہ اگر یہ ہدایت قبول کر لے گا تو بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے تو یہ ضروری نہیں کہ ایسا ہو ہی جائے اور آپ پر تو اس بات کا کوئی الزام نہیں کہ وہ راہ راست پر کیوں نہیں آتا اور اپنی زندگی نہیں سنوارتا وہ تو اپنے غرور اور شیخی میں آپ ﷺ کی بات بات کی پرواہ تک بھی نہیں کرتا اور بہرحال وہ شخص جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ انتہائی تڑپ اور طلب صادق کر لے کر اور حال یہ ہے کہ وہ ڈر رہا ہے کہ ملاقات میسر ہوتی ہے یا نہیں پھر وہ چونکہ نابینا ہے ڈر رہا ہے کہ کسی چیز سے ٹکرا کر کہیں گر نہ پڑوں یا یہ کہ آپ کی طرف جاتا دیکھ کر دشمن اس پر ٹوٹ نہ پڑیں تو جو ضعیف و معذور مؤمن صادق ان جذبات و کیفیات کے ساتھ آرہا ہے پس آپ اس سے زیادہ بے رخی کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہی شخص زیادہ التفات و توجہ اور عنایات و ملاطفت کا مستحق ہے۔ اس سے امید ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کی ہدایات سے منتفع ہو اور آیندہ اسی کے ذریعے اسلام کی ترقی اور عظمت ہو۔ [1] بہرحال آگاہ ہو

---

[1] چنانچہ یہی نابینا بزرگ جنگ قادسیہ میں زرہ پہنے اور جھنڈا ہاتھ میں لیے جہاد میں شریک ہوئے اور بالآخر اسی معرکہ میں شہادت پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

ان کلمات میں بارگاہِ خداوندی سے اپنے پیغمبر پر محبت بھرے عتاب سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ایک شکستہ حال مؤمن صادق کی دلجوئی مقصود ہے اور اس انداز تعبیر سے اسلام کی تعلیم و تبلیغ کرنے والوں کو یہ سبق سکھانا ہے کہ وہ کسی وقت بھی محض اپنے ذہنی افکار اور تمناؤں کے پیش نظر اہل ایمان اور ضعفا مخلصین سے اعراض و بے رخی نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک روز آنحضرت ﷺ عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام اور عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے گفتگو فرما رہے تھے۔ اور بڑی ہی توجہ سے ان کی جانب منہمک تھے اور آپ ﷺ کو حرص تھی کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کر لیں ناگہاں عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بڑی ہی بیقراری کے ساتھ مجلس میں پہنچ گئے اور قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کرنے لگے: علمنی یا رسول اللہ مما علمك الله کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے وہ سکھا دیجیے جو اللہ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اعراض فرمایا یہ بار بار اسی بات کو دہراتے رہے تو آنحضرت ﷺ نے اسی جذبہ کے باعث ناگواری سے ان کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور ان ہی سردارانِ قریش کو سمجھاتے رہے۔ آنحضرت ﷺ جب اس مجلس سے فارغ ہو کر جانے لگے تو وحی کے آثار شروع ہوئے آپ ﷺ اپنا سر جھکا کر بیٹھ گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں راوی بیان کرتے ہیں اس کے بعد ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جب کبھی بھی آتے آپ ﷺ ان کا بہت اکرام فرماتے اور ایک روایت میں ہے یہ فرماتے، یہ تو وہ ہے جس کے معاملہ میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا۔

جائیے بس یہ ایک نصیحت ہے جس کا دل چاہیے اس کو پڑھ لے یہ پیغام نصیحت بہت ہی عزت والے صحیفوں اور ورقوں میں لکھا ہوا ہے جو نہایت ہی بلند اور پاکیزہ ہیں ایسے قاصدوں اور فرشتوں کے ہاتھوں میں جو بہت ہی بلند رتبے والے نیکوکار ہیں۔

وحی الٰہی کے یہ صحیفے نہایت صاف ستھرے عزت وکرامت کے ساتھ اللہ کے فرشتے لوح محفوظ سے لے کر اترتے ہیں پھر ان علوم وہدایات پر عمل کرنے والوں کے اعمال وافعال عزت وعظمت کے ساتھ آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچتے ہیں اور یہ اعمال واوصاف اپنے عالمین کو عزت وعظمت کی بلندیوں پر بھی پہنچاتے ہیں جیسے کہ ارشاد ہے ﴿اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ﴾ (الفاطر:۱۰) غرض یہ تذکرہ لانے والے بھی بلند۔ خود وہ بھی بلند پایا اور جوان پر عمل پیرا ہوں وہ بھی بلند مرتبہ اعمال بھی بلند پایا حتیٰ کہ جن اوراق پر لکھا جائے وہ بھی قابل تعظیم وتکریم اور بلند جگہ پر اٹھا کر رکھنے کے مستحق ہیں تو ایسی عظمت وعزت والی نصیحت اور ہدایت کو تو چاہیے کہ ہر انسان قبول کرے۔ مگر افسوس کہ مغرور وسرکش انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں ہوتا۔ ہلاک ہو یہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے غرور وسرکشی کی کوئی حد نہیں۔ کیا یہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتا کیا یہ نہیں سوچتا کہ کسی چیز سے اس کو پیدا کیا ہے؟ اس کو اپنی حقیقت کو پہچاننے کے لیے جان لینا چاہیے۔ اس کے رب نے منی کے ایک قطرہ سے اس کو پیدا کیا ہے جو ایک ناپاک اور حقیر قطرہ تھا جس میں کوئی حسن شعور عقل وادراک اور شکل وصورت حسن وجمال کچھ بھی نہ تھا مگر پھر اس پروردگار نے اس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کی ساخت کو ایک خاص اسلوب اور بہترین انداز سے اس کو بنایا کہ کوئی چیز بے تکی اور غیر مناسب نہیں بلکہ احسن تقویم اور بہترین پیکر جسمانی اور اعلیٰ ترین قالب اس کو عطا کیا پھر رحم مادر میں اس کو جسمانی تصویر تخلیق کے بعد آسان کر دیا۔ اس کے واسطے راستہ۔ سہولت کے ساتھ پیدائش ہوگئی۔ اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی کی ہر راہ آسان کر دی۔ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اسباب فراہم کر دیئے تاکہ وہ بر وبحر پر حکمرانی کر سکے اور منافع کونیہ سے منتفع ہو سکے ہدایت وفلاح کے اصول بتا دیئے۔ خیر کے کاموں کی تلقین کر دی گئی اور ہر شئے سے آگاہ کر دیا گیا تاکہ وہ زندگانی کا ہر راستہ سہولت سے طے کرے [1] پھر اس پروردگار نے اس کو موت دی جب کہ اس کے لیے مقدر کی ہوئی زندگی پوری ہوگئی جس کے بعد قبر میں اپنے احکام وہدایات کے مطابق اس کو دفنایا۔ تاکہ زندوں کے سامنے اس کی لاش کی بے حرمتی نہ ہو پھر جب چاہے گا اس کو اٹھا لے گا۔ غرض یہ سب کچھ اس قدرت سے ہے قطرہ منی سے لیکر مرنے کے بعد قبر سے اٹھنے تک کے تمام مرحلے صرف اللہ ہی کی قدرت سے ہیں اور ابتداء سے لے کر اس انتہاء تک کا ہر دور اور مرحلہ خداوند عالم کی قدرتِ کاملہ کا عظیم نمونہ ہے اور ظاہر ہے کہ جس ذات کی قدرت عظیمہ سے تخلیق کے یہ عظیم مرحلے طے پا رہے ہیں اس کو قطعاً ذرہ برابر بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ قیامت میں دوبارہ اٹھا لے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان تمام دلائل وحقائق کے باوجود انسان اپنے رب کی فرماں برداری نہ کرے خبردار اس انسان نے پورا نہیں کیا وہ کام جس کا اسے حکم دیا۔ نہ اپنے مالک کا حق پہچانا اور نہ کوئی حکم بجالایا۔

---

[1] ان کلمات سے ﴿ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَهٗ﴾ کی دونوں تفسیروں کی طرف اشارہ ہے اگرچہ بالعموم مفسرین اس کا مفہوم ولادت کی آسانی بیان فرماتے ہیں لیکن الفاظ کی دلالت دوسرے مفہوم کو بھی حاوی ہے۔ ۱۲۔ (واللہ اعلم)

نظام قدرت وربوبیت کے کرشمے

اس صورتِ حال میں اکہ انسان اپنے رب کی قدرت وعظمت کو پہچانتا ہے اور نہ ہی اس کے حکم کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہے بس اس آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ کس طرح خداوندِ عالم اپنی قدرت سے رزق پیدا کرتا ہے اور کیسی عجیب اور کامل قدرت سے انسان کی روزی کے تمام اسباب مہیا کرتا ہے جو اس نوعیت سے دُنیا کی نظروں کے سامنے ہے کہ ہم نے ڈالا پانی اوپر سے زمین پر برستا ہوا۔ بادلوں سے بارش برسائی پھر ہم نے زمین کو شق کیا اس کو چیر کر کہ جو دانہ زمین کہ تہہ میں دبا دیا گیا تھا زمین کی سطح کو چیر کر گھانس کے تنکے کی شکل میں اس کو ہم نکالتے ہیں۔ ورنہ دُنیا کی کیا طاقت تھی کہ اس باریک اور کمزور گھانس کو زمین کی تہہ میں سے نکال لاتی۔

پھر ہم نے اُگائے اس میں دانے اور مختلف انواع کے غلے اور انگور اور سبزیاں اور زیتون اور کھجوریں جن سے مخلوق کی روزی ان کی راحت اور عیش وعشرت وابستہ ہے اور اسی بارش اور آسمان سے برسنے والے پانی سے ہم نے پیدا کیے۔ وہ باغ جو درختوں سے بھرے ہوئے ہیں اور قسم قسم کے پھل اور مختلف قسم کے گھاس جو سامان زندگی اور نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے تمہارے واسطے اور تمہارے چوپاؤں کے واسطے۔ تو دیکھو اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے یہ تمام سامان زندگی جس پر انسان کی حیات وبقا ہے اور انسانوں کے کام آنے والی جانوروں کے واسطے پیدا کیا اس پر چاہیے تھا کہ انسان نظر کرتا۔ اور اس سے اپنے خالق کو اور اس کے انعامات کو پہچان کر اس کی اطاعت وفرماں برداری میں لگ جاتا۔ مگر کس قدر بدنصیبی ہے اس انسان کی جو ان تمام باتوں سے غافل رہ کر اپنی زندگی گذار دیتا ہے اور سوچتا ہی نہیں کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے لیکن جب آ جائے گی وہ کان پھاڑ دینے والی چیخ اور وہ صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن ایسا ہوگا بدحواسی اور بے چینی کا ہر ایک انسان بھاگتا ہوگا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور حتیٰ کہ اپنی بیوی سے جو اس کی رفیقہ حیات اور زندگی کی ساتھی رہی ہے اور اپنے بیٹوں سے جو دُنیا میں اس کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب تھے ان سب علائق سے انسان بیگانہ ہو جائے گا اور ہر شخص کے لیے اس دن ایک ایسی حالت ہوگی جو اس کو ہر ایک سے بے نیاز کر دینے والی ہوگی ہر ایک کو اپنی فکر لگی ہوگی نہ احباب واقارب کی طرف توجہ کرے گا اور نہ ہی زندگی میں جو محبوب تر افراد تھے ان کی طرف رخ کرے گا۔ وہ دن یوم الحساب ہوگا۔ ہر شخص کو زندگی کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو اس دن کچھ چہرے روشن ہنستے ہوئے خوشیاں مناتے ہوں گے اور اپنے رب کے انعام اور اپنی مغفرت پر فرحاں وشاداں ہوں گے اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے جن پر ذلت وسیاہی برس رہی ہوگی۔ کفر ونافرمانی کی کدورت اور بداعمالیوں کی سیاہی نحوست ان کے چہروں کو ڈھانکے ہوگی بے شک یہی تو ہیں کافر اور بڑے ہی بے حیا لوگ جو حد درجہ ڈھٹائی سے خدا کی نافرمانی کرتے رہے۔ نہ کبھی خدا سے ڈرے اور نہ مخلوق سے شرمائے۔ بے حیائی، تکبر وسرکشی میں زندگی گذارنے کا بس یہی انجام ہو سکتا تھا کہ روز قیامت ان کے چہرے سیاہ غبار آلود ہوں گے اور ان پر ذلت برس رہی ہوگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعوذبِكَ مِنَ الكفر والفسوق والعصيان توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين الّذين وجوههم مسفرةٌ ضاحِكَةٌ مستبشرة. آمين يارب العالمين

فقر اور درویش دراصل عنایت و توجہ خداوندی کے مظہر ہوتے ہیں

بظاہر یہ کلام عتاب تھا لیکن درحقیقت اس بات پر تنبیہ تھی کہ منکسرۃ القلوب یعنی شکستہ دل فقراء اور مساکین پر حق تعالیٰ کی تجلی اغنیاء سے کہیں زائد ہے اور فقیروں پر حق تعالیٰ کی توجہ اور عنایت بادشاہوں سے زیادہ ہے بادشاہوں پر حق تعالیٰ کی تجلی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ دائم نہیں ہوتی اور فقراء سے خدا کی رحمت اور عنایت کبھی دور نہیں ہوتی اس لیے اشارہ فرمایا دیا کہ فقراء کی دلجوئی کو اغنیاء کی دلجوئی پر مقدم رکھو۔

نکتہ: جب کوئی امیر کسی فقیر اور درویش کے پاس آتا ہے تو وہ اپنی شان وشوکت کو ترک کر کے آتا ہے تو شریعت نے اس کی دلجوئی کے لیے بحق زیارت اس کا اکرام اور احترام واجب کیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: ((اِذا جائکُمْ کریم قوم فاکرموہ)) ''جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اکرام کرو۔'' اور تبسم اور کشادہ پیشانی کے ساتھ اس سے پیش آؤ۔

تو اس واقعہ ﴿عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى﴾ میں جو اغنیاء پہلے سے آئے بیٹھے تھے ان کا بحق زیارت اکرام ہو چکا تھا اور اس کا وقت گذر چکا تھا اب آنے والے کا حق زیارت زیادہ اہم اور مقدم تھا اور یہ آنے والا منکسرۃ القلوب میں سے تھا جو تجلی الٰہی اور عنایت ربانی کا خاص محل اور مورد ہے وہ زیادہ التفات کا مستحق تھا۔ اور اس کا اکرام ان گزشتہ آنے والے اغنیاء کے اکرام سے زیادہ اہم ہے۔

جو غنی آپ کے پاس آیا ہے وہ اپنے اصلی منصف کو چھوڑ کر آیا ہے اور اس کی یہ نیاز مندانہ حاضری اس کی عارضی تواضع ہے اور فقیر جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے وہ اپنے اصلی منصب کے ساتھ آیا ہے۔ فقر اور تواضع اس کا اصلی اور ذاتی منصب ہے اور اس کا دائمی مقام ہے۔

حسب ارشادِ خداوندی ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (النحل:۱۲۵) آپ ﷺ نے اغنیاء کو اپنی بارگاہِ عالی میں جگہ دی اور ان کو حکمت اور موعظت حسنہ حق کی دعوت دی۔ ان کا حق ادا ہو گیا وہ اس سے زیادہ کے مستحق نہیں اور یہ آنے والا درویش تو بارگاہِ خداوندی کے سکان میں سے ہے اور فی الحال آنے والے سرداران قریش کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دعوتِ حق کے دسترخوان سے کوئی لقمہ اٹھا بھی لیں گے یا نہیں۔ واللہ اعلم۔ (من افادات حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلوی رحمہ اللہ)

اثبات قیامت کے لیے دلائل آفاق وانفس

قرآن حکیم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ دلائل توحید وخالقیت حشر ونشر اور بعث بعد الموت کا مضمون ثابت کرنے کے لیے دلائل کی دونوں قسموں کا احاطہ کر دیتا ہے کسی موقعہ پر اجمال سے اور کسی موقعہ پر تفصیل سے جن کی تحقیق پہلے گزر چکی یہاں بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے مسئلہ حشر ونشر اور بعث بعد الموت ثابت کرنے کے لیے دلائل انفس کے ذیل میں انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی موت وحیات کے مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد دلائل آفاق کے طور پر ﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ﴾ سے کائنات میں اللہ رب العزت کی قدرت کے جو عظیم نمونے دنیا کے نظروں کے سامنے ہیں ان کو بیان فرمایا۔ تاکہ قرآن حکیم کا یہ مدعیٰ اور مقصد بخوبی واضح اور ثابت ہو جائے۔ مقصود انسان کے غرور وتکبر کا ابطال اور اپنی قدرت کاملہ کا اثبات تھا، جو ان دلائل سے پوری طرح ثابت ہو گیا۔

اموات کے لیے قبر اور دفن قانونِ فطرت ہے

''قبر'' لغت کے اعتبار سے زمین میں کھود کر بنائے ہوئے گڑھے کو کہا جاتا ہے۔ مگر اصطلاح شریعت میں ''قبر'' عالم برزخ کا نام ہے۔ یعنی وہ محل اور حالت جو انسان کے مرنے کے بعد سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے تک کی ہے۔ نزع روح کے بعد وہ جسم انسانی کسی بھی جگہ ہو خواہ زمین میں دفن کر دیا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے یا آگ میں جل جائے یا کوئی جانور اس کو کھا جائے یا جسم کے ذرات ہواؤں میں اُڑ جائیں غرض ہر حالت اور مکان برزخ ہے اور اسی برزخی حالت یا محل کو شریعت قبر کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے اسی بناء پر ہر میت سے مرنے کے بعد نکیرین کے سوال کا ذکر احادیث میں آتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سوال ہر ایک میت سے ہوتا ہے اور مرنے کے بعد انسان کی لاش بسا اوقات ان حالتوں میں واقع ہوتی ہے۔

''قبر'' چونکہ اصل فطرت انسانی کا ایک قانون اور مقرر کردہ طریقہ ہے۔ جیسے کہ ہابیل و قابیل کے قصہ میں گذر چکا کہ نسل انسانی میں پہلا قتل اور موت کا واقعہ پیش آیا اور قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا اور اب تک انسان کو یہ معلوم نہ تھا کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی لاش کا کیا کیا جائے تو حق تعالیٰ نے انسان کے سامنے اپنی ہدایت اور اس قانون فطرت کی تشریح و توضیح کا عجیب انداز اختیار فرمایا: ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ﴾ (المائدہ:۳۱) ایک کوا بھیجا جو اپنی چونچ میں ایک مردہ کوّا اٹھائے ہوئے تھا اس نے مردہ کوے کو زمین پر رکھ دیا پھر چونچ سے زمین کھودنے لگا اور گڑھا کر کے اس میں مردے کو چھپا دیا اور پھر پروں سے اس پر مٹی ڈال دی تو یہ منظر دیکھ کر قاتل بھائی اپنے قصور فہم پر افسوس کرنے لگا کہ میں تو اس کوے سے بھی زیادہ غافل و عاجز رہا کہ اتنا ہی سمجھ جاتا جتنا کہ اس نے سمجھا اور اسی طرح میں بھی اپنے بھائی کو زمین کے اندر دفن کر دیتا۔ غرض اس فطری امر کو خداوندِ عالم نے اس نوعیت سے نسل انسانی کے لیے ظاہر اور مشروع فرما دیا۔

تاریخی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دور قدیم میں انسان کی لاشیں جانوروں کی طرح باہر پھینک دی جاتی تھیں جن کو چیل کوے کھا جاتے تھے ظاہر ہے کہ اس میں انسان کے پیکر جسد کی بے حرمتی بھی تھی اور اس کا تعفن سے لوگوں کو اذیت بھی پہنچتی اور امراض بھی پھیلتے تو خداوندِ عالم کے اس تکوینی امر سے اور قبر میں دفن کے طریقہ سے انسان کی حرمت بھی باقی رہی۔ گندگی اور امراض سے بھی تحفظ کا سامان ہو گیا۔

پارسی اور مجوسی قوم میں بھی یہی رواج ہے کہ وہ اپنے مردوں کی لاش اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں البتہ اتنا کرتے ہی ایک احاطہ گہرا سا کنوئیں کی شکل کا بنا دیتے ہیں اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے۔ اس احاطہ میں مردہ کو چھوڑ کر چلے آتے ہیں۔ پھر گدھ چیل اور کوے اس کو نوچ نوچ کر کھا جاتے ہیں۔ بس ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے قوم مجوس میں اس جگہ کو ''دخمہ'' کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں مردوں کو جلانے کی رسم ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کیونکہ ان کے مذہب کی بہر حال اصل بنیاد خدا کی کتاب تورات و انجیل ہے تو اس وجہ سے وہ مسلمانوں کی طرح اپنے مردوں کو دفناتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا جو بھی طریقے انسان کی لاش کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں عقل و فطرت کے خلاف انسانی عظمت کو سراسر پامال کرتے ہیں جب کہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات سے دُنیا کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ مردوں کے جسم کا احترام زندوں کے جسم کی

طرح ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

ہندوؤں کا یہ خیال کہ آگ میں جلا دینا زمین میں دفن کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور یہ کہ آگ جلا کر مردہ کو پاک کر دیتی ہے عقل وفطرت کے خلاف ہے۔

انسان کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا تو مناسب یہی ہے کہ مرنے کے بعد مٹی میں ہی دفنا دیا جائے۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا:

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ (طٰہٰ:۵۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ التکویر

یہ سورت بھی مکیہ ہے اور تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔ عبداللہ بن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اس سورت کی انتیس آیات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کو یہ منظور ہو کہ وہ قیامت کا منظر اپنی آنکھ سے دیکھ لے تو اس کو چاہیے کہ وہ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ سورتوں کی تلاوت کرے۔ [1] ان دونوں سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے کہ قیامت اس طرح برپا ہوگی۔

گزشتہ سورت عبس کا مضمون اس پر ختم کیا تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پروانہ ہو گی۔ ہر شخص دوسرے سے بھاگتا اور بے گانہ ہوگا تو اس مناسبت سے ان دونوں سورتوں میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا جا رہا ہے۔ ایک قیامت کی حقیقت۔ دوسری وحی اور رسالت کی حقیقت اس سورت کے یہ دو اہم اور عظیم موضوع ہیں جس پر از اوّل تا آخر جملہ مضامین دائر ہیں۔

رکوعاتہا ۱	(۷) سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۸۱)	آیاتہا ۲۹

سورۂ تکویر مکی ہے اور اس میں اُنتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

[1] جامع ترمزی، ابن کثیر، طبرانی۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿٢﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ

جب سورج کی دھوپ تہ ہو جاوے۔ اور جب تارے میلے ہو جاویں۔ اور جب پہاڑ

سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَ

چلائے جاویں۔ اور جب بیائی اونٹنیاں چھٹی پھریں۔ اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑے۔ اور

اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ

جب دریا جھونکے جاویں۔ اور جب جیوں کے جوڑ بندھیں۔ اور جب بیٹی جیتی گاڑدی کو

سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَ اِذَا

پوچھے۔ کس گناہ پر ماری گئی۔ اور جب کاغذ کھولے جاویں۔ اور جب

السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾

آسمان کا چھلکا اتارے۔ اور جب دوزخ دھکائی جاوے۔ اور جب بہشت پاس لائی جاوے۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ

جان لو جی جو لے کر آیا۔ سو قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جاتے۔ سیدھے چلتے دبک

الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَ الَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ اِنَّهٗ

جانے والوں کی۔ اور رات کی جب اس کا آٹھان ہو۔ اور صبح کی جب دم بھرے۔ مقرر

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿١٩﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ

یہ کہا ہے ایک بھیجے ہوئے عزت والے کا۔ قوت رکھتا، تخت کے مالک پاس درجہ پایا۔ سب کا مانا، وہاں کا

ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿٢١﴾ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢٢﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾

معتبر ہے۔ اور یہ تمہارا رفیق کچھ نہیں دیوانہ۔ اور اس نے دیکھا ہے اس کو کھلے کنارے آسمان کے

وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿٢٥﴾

اور غیب کی بات پر نہیں بخیل۔ اور یہ کہا نہیں کسی شیطان مردود کا۔

فَاَیۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ ﴿۲۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ

پھر تم کدھر چلے جاتے ہو؟ یہ تو ایک سمجھوتی ہے جہان کے واسطے۔ جو کوئی چاہے تم میں کہ

اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ ﴿۲۸﴾ وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ ع

سیدھا چلے۔ اور تم جبھی چاہو کہ چاہے اللہ جہان کا صاحب۔

ہولناک مناظر روزِ قیامت وپیشی اعمال وفیصلہ جزا وسزا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ﴿۱﴾ ... الٰی ... اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾

ربط: سورۂ عبس کا مضمون دراصل اثبات قیامت کے موضوع ہی پر مشتمل تھا اور مقصد بیان یہ تھا کہ انسان کی سعادت وفلاح اور عزت وعظمت اپنی زندگی اپنے پروردگار کے ساتھ وابستہ رکھنے اور فکر آخرت میں ہے اس کے برعکس وہ مغرور ومتکبر جو نہ خدا پر ایمان لاتا ہے اور نہ ہی اس کو آخرت کی فکر ہے وہ خدا کی نظروں میں ذلیل وحقیر اور سعادت کی فکر میں لگے رہنے والا انسان ہی بارگاہِ رسالت میں ہر عزت واکرام کا مستحق ہے۔ آخر میں قیامت کے روز کی پریشانی اور بدحواسی کا عالم بیان کیا گیا کہ ہر شخص دوسرے سے بے نیاز ہوگا۔ اس کو اپنی پڑی ہوگی اس مناسبت سے اب اس سورت میں وہ ہولناک مناظر اور حوادث ذکر فرمائے جا رہے ہیں جو روز قیامت پیش آئیں گے اور یہی حوادث تخریب عالم کا ذریعہ ہوں گے۔

چنانچہ اس سورت کی ابتداء ان ہولناک مناظر کے ذکر سے کی گئی جو قیامت کے وقت پیش آئیں گے کہ چاند سورج اور ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اڑنے لگیں گے اور زمین شق ہو کر جو کچھ اس میں ہوگا اگل دے گی۔ الغرض تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کے وہ خاص احوال اور اوصاف بیان کیے گئے جو وحی الٰہی کے نزول پر پیش آئے تھے۔ اور اسی کے ساتھ مشرکین ومنکرین کی محرومی وبدنصیبی بھی ذکر کر دی گئی جو وحی الٰہی اور پیغمبر خدا ﷺ سے اعراض وانحراف کی وجہ سے ان پر مسلط ہوئی۔

ارشاد فرمایا: جس وقت کہ سورت کی شعاعیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گے اور اس طرح آفتاب بے نور ہو کر ٹکی کے مانند رہ جائے گا اور جب کہ ستارے بے نور ہو جائیں گے یا ٹوٹ کر ہوا میں اڑتے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے اور جبکہ پہاڑ چلا دیئے جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں اُڑنے لگیں گے اور جب کہ دس مہینہ کی گابھن اُونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی جو ابھی بیانے کے قریب ہیں اور دودھ دینے والی ہیں اور عرب کی نظروں میں سب سے قیمتی اور قابل قدر مال ہے ان کی طرف بھی کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو۔ اور جب کہ وحشی جانور جو انسانوں سے وحشت کرتے ہیں اور انسان کو دیکھ کر ہی بھاگ جاتے ہیں۔ شہر اور آبادی میں جمع ہو

جائیں ❁ گے اور آ گھسیں گے، انسانوں اور پالتو جانوروں میں مل جائیں گے۔

اور جس وقت سمندر گھولا دیئے جائیں گے اور ان میں اس طرح اُبال اٹھ رہا ہو جیسے کھولتے ہوئے پانی میں اُٹھتا ہو یا سمندروں کا پانی شدت گرمی کے باعث دھواں اور آگ بن جائے جو درحقیقت خداوند ذوالجلال کے غضب وقہر کے آثار ہوں گے اور جس وقت کہ تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے ❁ جائیں گے کافر کافر کے ساتھ اور مسلمان مسلمان کے ساتھ اور بدعمل بدعمل کے ساتھ اور نیکوکار نیکوکار کے ساتھ اور جبکہ زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کی پاداش میں ماری گئی۔ ❁

اور ظاہر ہے کہ وہ معصوم بچی جو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردی گئی کیا گناہ اور جرم کرسکتی ہے جس کو عرب کے لوگ دورِ جاہلیت میں اپنے واسطے عار سمجھتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی اس کو زندہ زمین میں دفن کردیا کرتے تھے تو یہ سوال ان کے جرم کو ثابت اور نمایاں کرنے کے لیے ہوگا اور جب کہ تمام صحیفے اور نامہ اعمال کھول کر رکھ دیئے جائیں گے کہ ہر ایک کو اپنا نامۂ اعمال جو اس کے سامنے ایک کتاب منشور کی صورت میں نظر آ رہا ہوگا اور جس وقت کہ آسمان کا جرم اس سے کھینچ لیا جائے گا۔ جیسا کہ کسی جانور کو ذبح کرکے اس کی کھال کھینچ لی جائے اور اس کے بعد اس کے تمام اعضاء گوشت ہڈیاں اور رگیں نظر آنے لگتی ہیں تو اسی طرح آسمان کے کھل جانے سے اس کے اُوپر کے تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی جب کہ اس سے قبل کسی انسان کو نظر نہیں آسکا تھا کہ آسمان کے اُوپر کیا ہے۔

اور جس وقت کہ دوزخ دہکائی جائے گی اور زور وشور سے اس کی لپٹیں سمندر کی موجوں کی طرح تھپیڑے مار رہی ہوں گی اور جب کہ جنت قریب کردی جائے گی۔ اہل ایمان وتقویٰ کے جس کو نزدیک سے دیکھ کر اہل جنت فرحت ومسرت محسوس کرنے لگیں گے تو اس وقت جب یہ تمام احوال رونما ہو رہے ہوں گے تو ہر انسان جان ❁ لے گا کہ اس نے پہلے سے کیا بھیجا ہے اور کیا لے کر وہ میدانِ حشر

❁ بعض مفسرین نے ﴿حُشِرَتْ﴾ کا ترجمہ مارنے کے بعد اٹھانے کا بھی کیا ہے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے "ابھی چند سال ہوئے گنگا جمنا میں سیلاب آیا تھا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک چھپر بہتا جارہا ہے اس پر آدمی بھی ہیں اور سانپ اور بچھو بھی اس سے لپٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی تعرض نہیں کررہا۔"

❁ بعض ائمہ مفسرین نے اس آیۃ میں اجسام کو روحوں کے ساتھ جوڑنے کی مراد بھی بیان کی ہے۔

❁ جاہلیت کے زمانہ اہل عرب بچی کی پیدائش کو عار سمجھتے تھے اور جب کسی کے یہاں بچی پیدا ہوتی وہ اس کو زندہ زمین میں دبا دیتا تھا۔ اکثر اہل عرب جہاں اور عمل واخلاقی گندگیوں میں مبتلا تھے ان میں یہ بھی ایک ظالمانہ انسانیت سوز عیب تھا۔ چند ایک نفوس تاریخ میں بیشک ایسے ملتے ہیں جن کو اس مذموم فعل سے نفرت تھی۔ جیسی زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ ان کے تذکرہ میں ہے کہ بتوں پر جانوروں کے ذبح کرنے کو بھی شدت سے منع کرتے تھے اور اس طرح اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی معصوم بچی زمین میں نہ دبائی جائے تو وہ تلاش میں رہتے جس کے یہاں بچی پیدا ہوتی اس سے جاکر کہتے بھائی تو اس کو دفن نہ کر میں اس کو پالتا ہوں تو اس کو پالتے جب وہ بڑی ہوجاتی تو اس کی شادی کردیتے تفصیل کے لیے صحیح بخاری۔ تاریخ ابن کثیر اور طبقات کی مراجعت فرمائیں۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ﴾ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اپنی چند بیٹیاں زندہ درگور کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جرم کا کفارہ میں (اگرچہ یہ زمانہ جاہلیت میں ہوا اور تم اسلام بھی لے آئے) تم غلام آزاد کرو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اُونٹوں والا ہوں (غلام میرے پاس نہیں ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ایک بچی کے لیے ایک اُونٹ ذبح کرو، اور اس کو صدقہ کردو۔

❁ ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ﴾ جواب ہے ان اُمور مذکورہ کا جو ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ سے یہاں تک بیان کیے گئے اور یہ بارہ اُمور ہیں جن میں ہر ایک کو اس کی اہمیت اور عظمت کے باعث لفظ ﴿اِذَا﴾ کے ساتھ بیان کیا گیا۔ ۱۲

فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) اور دوسرا واسطہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو صفات ایسی ... ہیں اور بلند پایہ ہیں کہ ان کے ... بعد ...

میں حاضر ہوا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں نیکیاں کی تھیں یا برائیاں۔ تو اس طرح ہر انسان اپنے کیے ہوئے عمل اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوگا۔

الغرض یہ سب باتیں دلائل و شواہد ہیں اس امر پر کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور اپنی عملی زندگی میں اس کی فکر اور تیاری کرے۔ ان دلائل و شواہد کی حقانیت میں کسی طرح تردد کی گنجائش نہیں پس قسم کھاتا ہوں میں ان ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جانے والے ہیں۔ سیدھے چلنے والوں کی جو سیدھے [1] چلتے چلتے کبھی اُلٹے چلنے والے ہوتے ہیں پھر سورج کی شعاعوں میں آکر چھپ جانے والے ہیں اور قسم ہے رات کی جب وہ ڈوبنے لگے اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے اور اپنی روشنی پھیلا دے۔ بے شک یہ قرآن یقیناً قول ہے ایک بھیجے ہوئے۔ قاصد کا جو بری ہی عزت والا ہے جو اللہ کے پیغامات لے کر اس کے رسول کے پاس آتا ہے بڑی ہی قوت والا ہے عرش والے پروردگار کے یہاں بڑے ہی اونچے درجے والا ہے اور یہ قاصد جبریل امین علیہ السلام ہیں جس کی اطاعت کی جاتی ہے ملکوت سمٰوٰت میں وہ تمام ملائکہ کے سردار ہیں پھر وہ قاصد بڑا ہی امین و معتمد ہے۔ خدا کے اس قاصد نے ان تمام باتوں کی خبر خدا کے پیغمبر کو بذریعہ وحی دی۔ یہ باتیں اور بیان کردہ ہولناک حوادث کسی عقلی استدلال یا سائنسی تحقیق کا نتیجہ نہیں کہ اس میں کوئی شخص اختلاف کرنے لگے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے جو ایسی عزت و کرامت والا فرشتہ اور معتمد قاصد لے کر اللہ کے پیغمبر کے پاس آیا ہے اور تمہارا یہ صاحب اے قریش مکہ کوئی دیوانہ نہیں ہے۔ جیسے کہ تم میں سے بعض بیہودہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہیں۔ العیاذ باللہ۔ بلکہ ان کے پاس یہ سب باتیں اللہ کا قاصد لے کر آیا ہے اور اس پر خدا کے پیغمبر کو یقین کامل ہے محض یقین ہی نہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اس پیغمبر نے تو خدا کے اس قاصد کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے [2] آسمان کے کھلے کنارہ پر اور یہ قاصد غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی سے ملکوت السمٰوٰت اور آخرت کی جو باتیں انسانی ادراک سے غائب ہیں اور ان پر ایمان لانا ہی ایمان ہے۔ جیسے کہ ﴿الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ میں ظاہر کر دیا گیا تو ان سب باتوں کو اللہ کا یہ قاصد پورا پورا پہنچا دیتا ہے اور قاصد کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ پیغام مکمل اور پوری طرح پہنچا دے۔ اور جب آپ نے اللہ کے اس قاصد کو دیکھ لیا تو اب کسی قسم کے تردد اور شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی اس لیے کہ وہ کسی شیطان مردود کا کہا ہوا نہیں ہے۔ جب یہ سب باتیں واضح اور ثابت ہیں کہ قرآن کریم حق و صداقت کا مجموعہ ہے اور اس میں کسی قسم کے

---

[1] ﴿خُنَّسِ الْجَوَارِ الْکُنَّسِ﴾ ستاروں کے احوال یا ان کے نام ہیں بروایت حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ اس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہم سے بھی منقول ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ پانچ ستارے ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ محیرہ کہتے ہیں۔ یعنی زُحل، مشتری، مریخ، زہرہ و عطارد ان ستاروں کی عجیب حیرت ناک رفتار ہے یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو ''الجوار'' (یعنی جاری رہنے والے اور چلنے والے) کہا گیا۔ اور کبھی چلتے چلتے الٹے ہو جاتے ہیں اس لحاظ سے ''الخنس'' کہا گیا۔ کیونکہ خنس لغت میں لوٹنے کو کہا جاتا ہے اور کبھی یہ غائب ہو جاتے ہیں اس بنا پر ان کو ''الکنس'' کہا گیا جو کنس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ستر اور پوشیدگی کے ہیں یہ ستارے مغرب سے مشرق کو چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوئی اور کبھی ٹھٹک کر الٹے پھر جاتے ہیں۔

بعض مفسرین ان کلمات کی مراد ستاروں کے علاوہ اور کچھ بیان کی ہے تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی اور تفسیر حقانی کی مراجعت فرمائی جائے۔ ۱۲

[2] یعنی شرقی کنارہ کے پاس اس کی اصلی صورت میں نہایت واضح طور پر دیکھ لیا اور یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ اللہ کا فرشتہ ہے اور یہی اللہ کی وحی لے کر آتا ہے تو اب کیا تردد ہو سکتا ہے کہ شبہ کیا جا سکے کہ شاید کسی جن یا شیطان کا قول ہے اس وجہ سے آیاتِ قرآنیہ کو کسی کاہن کا قول کہنا جیسا کہ کفار مکہ کہتے تھے بعید از عقل ہے اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کیا شیطان ایسی پرہیز گاری اور تقویٰ کی باتیں بتائے گا؟ ۱۲۔

وہم اور تخیل کی گنجائش نہیں تو پھر اے لوگو! تم کدھر چلے جا رہے ہو اور راہ حق سے بھٹک رہے ہو یہ تو بس ایک نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لیے اس کا ہر مضمون ایک ایک لفظ ہدایت و نصیحت اور ایسا مکمل دستور العمل ہے جس سے سعادت دارین وابستہ ہے ہر اس شخص کے لیے تم میں سے جو یہ چاہے کہ سیدھا چلے عناد اور کجروی اختیار نہ کرے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے تم کوئی چیز نہیں چاہو گے بجز اس کے کہ جو اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا چاہے اور فیصلہ کرے اس کے فیصلہ اور ارادہ کے بغیر تو ایک پتہ بھی درخت سے نہیں گر سکتا۔ اس لیے تمہیں بھی چاہیے کہ خدا کی طرف رجوع کرو اور اسی سے توفیق مانگو یہی طریقہ ہر نصیحت اور ہدایت سے منتفع ہونے کا ہو سکتا ہے۔

شمس و قمر کی قسموں سے مضمون کی مناسبت

قرآنِ کریم کے اسلوب بیان میں یہ اسلوب بھی نہایت ہی بلند ترین اور معجزانہ اسلوب ہے کہ مخلوقات خداوندی کی قسموں کے ساتھ کوئی مضمون ان قسموں پر مرتب کیا جائے۔ جیسا کہ گزشتہ تفصیلات سے یہ ثابت ہو چکا کہ ہر قسم کے ساتھ جواب قسم کے مضمون میں مناسبت اور ربط ہوتا ہے یہاں بھی شمس و قمر کے بے نور کر دینے اور پہاڑوں کو اُڑانے اور سمندروں کے دہکانے وغیرہ وغیرہ کی قسموں پر حشر و نشر اور قیامت برپا ہونے کا مضمون بڑی ہی قوی مناسبت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وحی الٰہی کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے بھی ایک بلند پایہ اور عظیم تر درجہ رکھتا ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، ٹھہرنا، لوٹنا، اور پھر چھپ جانا ایک نمونہ ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام پر بار بار وحی آنے کا ایک مدت دراز تک اس کے نشان باقی رہنے پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہونے کا اور رات کا آنا اس تاریک دور کا نمونہ ہے جو خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے گزرا کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہیں رہی تھی جس طرح رات میں سیاہ و سپید کا فرق نہیں معلوم ہوتا مگر رات کے بعد جب صبح صادق سانس لیتی ہے اور دم بھر کر اپنی روشنی تمام عالم میں پھیلا دیتی ہے تو بالکل اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت جہالت و گمراہی کی تاریکیوں کو پھاڑ کر عالم میں ہدایت کا نور پھیلا دینے والی ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام ستاروں کی طرح تھے مگر آپ ﷺ کی رسالت ایک آفتاب عالم بن کر عالم کے سامنے درخشاں ہوئی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے یہ دو شعر بھی نقل فرمائے۔

فانّہٗ شمسُ فضلٍ ھم کواکبھا — یظھرن انوار ھا للنّاس فی الظلمِ

حتی اذا طلعت فی الکون عمّ ھُداھا — لِلغلمین واحییت سائر الْاُھمِ

بعض ائمہ مفسرین کا قول ہے کہ ستاروں کو سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے اور واپس جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گذرنا اور صبح کا آنا قرآن کریم کے ذریعہ ظلمت کفر کے دور ہو جانے اور نور ہدایت کے پوری طرح پھیل جانے کی مشابہ تو اس طرح ان قسموں کے ساتھ مضمون قیامت اور وحی الٰہی کی حقانیت کا ثبوت پوری طرح مربوط ہے اور ان میں مناسبت واضح ہے۔

ان آیات ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ﴿۲۱﴾﴾ میں جبریل امین علیہ السلام کی صفات کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا اس میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) اور دوسرا واسطہ پیغمبر عربی ﷺ دونوں کو صفات ایسی عظیم اور بلند پایہ ہیں کہ ان کے علم کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ

قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا۔ کسی روایت کی صحت تسلیم کرنے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ مرتبہ کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو اور جس سے وہ روایت کرے اس کے پاس عزت وحرمت کے ساتھ رہتا ہو بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت پر اعتماد کلی رکھتے ہوں اور اس وجہ سے اس کی بات بے چون و چرا مانتے ہوں تو یہ تمام صفات جبریل امین علیہ السلام میں موجود ہیں وہ کریم عزت وکرامت والے ہیں اور ظاہر ہے عزت وکرامت والا وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ وطہارت کا وصف رکھتا ہے۔ بقانون ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳) اور بڑی ہی قوت والے ہیں حفظ وضبط کی صلاحیت اعلیٰ واکمل رکھتے ہیں اور رب العرش کے یہاں ان کا مرتبہ نہایت ہی عزت وقرب کا ہے جس کے باعث ملکوت سمٰوٰت میں وہ فرشتوں کے سردار ہیں اور سب فرشتے ان کی بات اور حکم مانتے ہیں۔ ان کے امین ومعتبر ہونے میں کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تو ایسے فرشتہ کے ذریعے یہ قرآن نازل ہوا اور اللہ کے بندوں تک پہنچا اور جس رسول کے ذریعے دُنیا کو یہ قرآن پہنچا آئندہ اس رسول خدا کی صفات واحوال کا بیان فرمادیا گیا۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ خدا کے ایسے عظیم پیغمبر نے یہ کلام پہنچایا ہے جو صدق وامانت اور عقل و دانش کا پیکر ہے۔ ایسی صورت میں قریش مکہ اور مخالفین کا ان کو یہ کہنا کہ یہ دیوانہ یا کاہن ہیں بلاشبہ خود ان کہنے والوں کی دیوانگی اور پاگل پن کی دلیل ہے۔ (فوائد شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ)

ابطال جبر وقدر

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ میں انسان کے لیے ارادہ اور مشیت کا اثبات فرمایا جارہا ہے اور اس کے ساتھ یہ واضح کی جارہا ہے کہ انسان کا ارادہ اور مشیت اللہ کی مشیت اور اس کی تقدیر کے مطابق اس کی تابع ہے اس کی توفیق ہی سے ہدایت اختیار کرتا ہے۔ اور ہر انسان قضاوقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے البتہ بات صرف اتنی ہے کہ قضاوقدر اس سے جو کچھ کراتی ہے وہ اس کے ارادہ اور اختیار کے توسط سے کراتی ہے۔ اینٹ پتھر کی طرح نہیں ہے کہ اس کو کوئی حرکت دے رہا ہو اور خود اس میں کسی طرح کا شعور وادراک اور ارادہ واختیار نہ ہو تو بندہ اسی ارادہ اور اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے ثواب وعتاب کا مستحق ہوتا ہے تو اس آیت ﴿لِمَنْ شَآءَ﴾ سے جبر کا ابطال ہوگیا۔ اور ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ سے قدر کا ابطال اور فرقہ قدریہ کا رَد ہوگیا۔ اور ظاہر ہوگیا کہ انسان نہ تو فاعل مختار ہے اور نہ مجبور محض بلکہ جبر وقدر کے بین بین ہے۔ مسئلہ کی تفصیل پہلے گذر چکی۔

آیاتھا ۱۹	سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ (۸۲)	رکوعاتھا ۱

سورۂ انفطار مکی ہے اور اس میں اُنیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَ إِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَ إِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان چر جاوے۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب دریا

فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ إِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ

بہہ پڑیں۔ اور جب قبریں اٹھائی جاویں۔ جان لیوے جی جو آگے بھیجا اور

أَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴿۶﴾ الَّذِي

پیچھے چھوڑا۔ اے آدمی! کاہے سے بہکا تو اپنے رب کریم پر؟ جس نے

خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾ كَلَّا

تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا پھر تجھ کو برابر کیا۔ جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔ کوئی نہیں!

بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ﴿۹﴾ وَ إِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا

پر تم جھوٹ جانتے ہو انصاف ہونا۔ اور تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ سردار

كَاتِبِينَ ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۱۲﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۱۳﴾ وَ

لکھنے والے۔ جانتے ہیں جو کرتے ہو۔ بے شک نیک لوگ آرام میں ہیں۔ اور

إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۱۴﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَ مَا هُمْ

بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں۔ پیٹھیں گے (پہنچیں گے) اس میں انصاف کے دن اور نہ ہوں گے

عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿۱۶﴾ وَ مَآ أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ أَدْرَاكَ

اس سے چھپ رہنے والے۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا ہے دن انصاف کا؟ پھر جب تجھ کو کیا خبر ہے؟

مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَ الْأَمْرُ

کیسا ہے دن انصاف کا؟ جس دن بھلا نہ کر سکے کوئی جی کسی جی کا کچھ۔ اور حکم

يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿۱۹﴾ ع

اس دن اللہ کا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُورۃُ الانفطار

حوادث ارض وسماء شمس وقمر برقیام قیامت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ ... الی ... وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ۝﴾

سورۂ انفطار بھی مکی سورتوں میں سے ہے جس کی انیس آیات ہیں۔ اس کا مضمون بھی سورۂ تکویر کی طرح نظام عالم کے درہم برہم ہونے۔ قیامت کے وقت انقلابات کونیہ کے برپا ہونے پر مشتمل ہے پھر یہ کہ روز محشر ابرار ونیکوکار لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ اور فساق و فجار کس طرح عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے۔

سورت کی ابتداء میں یہ ظاہر کیا گیا کہ قیام قیامت پر آسمانوں کا نظام اس طرح درہم برہم کر دیا جائے گا کہ آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور سمندر آگے سے دہکا دیئے جایں گے اور مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اس وقت ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے زندگی میں کیا کیا ہے اور پھر چاہے وہ کتنا ہی انکار کرے لیکن اس کے انکار سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

جب کہ آسمان شق ہو جائے اور جب ستارے ٹوٹ کر گرنے لگیں اور جب سمندر ابلنے لگیں اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں اور اس طرح آسمان و زمین کا نظام تباہ ہو جائے تو ہر انسان جان لے گا۔ اس نے اپنے سے پہلے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑا ہے یا اس نے زندگی میں پہلے کیا کام کیا اور بعد میں کیا کیا۔ ہر عمل اور ہر چیز اس کے سامنے آ جائے گی ان حقائق کو پیش نظر رکھنے کے بعد تو اس بات کا امکان نہیں رہتا کہ انسان کو اپنے پروردگار اور اس کی قدرت اور روز جزاء۔ حساب وکتاب کے بارہ میں کسی قسم کا شبہ یا دھوکہ باقی رہے لیکن افسوس اے انسان کس چیز نے تجھ کو تیرے رب کریم کے بارہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جس رب کریم نے تجھ کو بنایا ہے عدم سے تجھ کو وجود میں لیا۔ پھر تجھ کو ٹھیک کیا۔ پھر تجھ کو برابر کیا کہ اعضاء جسمانی ٹھیک ٹھیک بنائے اور ان میں ایک بہترین تناسب اور اعتدال رکھا کہ انسان کے بدن کا کوئی حصہ بے جوڑ اور غیر مناسب نہیں اور ان کو وضع و ہیئت بڑی ہی دقیق اور بلند پایہ حکمتوں پر مبنی ہے۔ پھر مزاج و اخلاط میں تناسب رکھا۔ یہ تمام باتیں اس کا موجب تھیں کہ انسان اپنے رب کو اور اس کے انعامات کو پہچانتا۔ اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتا۔ لیکن افسوس بہت سے انسان غفلت و جہالت کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے اور انہوں نے اس میں اپنی ساری عمر برباد کی سو ایسے لوگوں کو سن لینا چاہیے۔ خبردار بار یہ نہیں ہے کہ خالق کائنات اور تمہارے رب کی ربوبیت کوئی پوشیدہ چیز ہے بلکہ تم تو جھٹلاتے ہو انصاف کے ہونے کو اور روز جزاء یعنی قیامت قائم ہونے کو اور کہتے ہو کہ انسان کی بس یہ زندگی ہے اسی میں اس کو رہنا ہے۔ اور جو کچھ کر لیا وہ بس گذر گیا اب نہ بعد میں زندہ ہونا ہے اور نہ ہی کیے ہوئے اعمال کی کوئی جزاء وسزا ہے۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں جو بڑے ہی عزت والے اعمال کے لکھنے والے ہیں جو جانتے ہیں ہر وہ بات جو تم کرتے ہو۔ اس لیے ہر ایک کے عمل کا بدلہ قیامت کے روز اس کو ملے

گا اعمال خیر کی جزاء جنت کی نعمتیں ہیں اور اعمال شر کی سزا عذاب جہنم اور خدا کی ناراضگی ہے۔ یہی قانون خداوندی ہے جو طے ہو چکا بس اس کی رو سے بے شک نیک لوگ بہشت کی نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار بے شک دوزخ میں ہوں گے جس میں وہ داخل ہوں گے انصاف کے دن اور روز محشر ہر ایک ہمارے سامنے موجود ہوگا تو وہ گنہگار لوگ اس جہنم سے دور ہونے والے نہ ہوں گے نہ بھاگ کر اس سے دور ہو سکیں گے اور نہ داخل ہونے کے بعد اس سے نکل سکیں گے بلکہ ہمیشہ وہیں رہنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کیا ذلت اور مصیبت ہو سکتی ہے اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کہ کیا ہے انصاف کا دن کتنا ہی سوچا جائے اور غور و فکر کیا جائے۔ اس کی ہیئت اور عظمت کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا پھر بھی سوچ لے جانتا ہے کیا ہے انصاف کا دن؟ اے انسان تو نہ جان سکتا ہے اور نہ اس تک تیری رسائی ہو سکتی ہے بس یہ سمجھ لے وہ دن ایسا ہوگا کوئی انسان کسی انسان کے لیے کسی بھی چیز کا مالک نہ ہوگا اور کوئی کسی کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے گا اس دن تمام رشتے ناطے اور تعلقات و روابط قطع ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کسی کے لیے بولنے کی بھی مجال نہ ہوگی اور ہر فیصلہ اس دن اللہ ہی کے لیے ہوگا ہر ایک نفسی نفسی پکارتا ہوگا نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا اور نہ ہی فدیہ اور عوض قبول ہوگا۔ ہاں بس وہی شفاعت کر سکے گا جس کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا: ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝﴾ (طٰہٰ:۱۰۹)

دُنیا کے بادشاہوں کے ہاں وسائل و ذرائع اور سفارش کام آجاتی ہیں لیکن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں یہ سب رشتے ناطے بیکار اور بے اثر ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کسی شخص کو قیامت کا منظر دیکھنا ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ سورۂ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اور سورہ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ﴾ اور ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ کی تلاوت کرے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت باسناد احمد بن حنبل بشر بن جحاش القرشی کی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز دیوار پر تھوکا اور اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے اے ابن آدم تو مجھے کہاں عاجز کر سکتا ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے اس تھوک جیسے حقیر پانی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے یہاں تک کہ جب میں نے تجھ کو برابر اور متناسب اعضاء کے ساتھ بنایا تو اے انسان تو اپنے لباس (دو چادروں) میں اکڑ کر چلنے لگا حالانکہ زمین میں تیرے دفن ہونے کی جگہ ہے۔ تو نے مال خوب جمع کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے انکار کیا تا آنکہ جب تیرا سانس حلق تک پہنچنے لگا تو کہنا شروع کیا۔ اب میں صدقہ کرتا ہوں حالانکہ اب کہاوقت رہا ہے۔ صدقہ کرنے کا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

مغرور نافرمان انسان کو خلاق و رب العالمین کی ایک دھمکی

آیت مبارکہ ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ﴾ میں انسان غرور اور غفلت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے اس امر سے نہایت ہی بعید ہے اور یہ بات اس کے واسطے قابل حیرت ہے کہ وہ اپنے رب کے معاملہ میں دھوکہ میں رہے اس کو نہ پہچانے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری سے غرور و تکبر اختیار کرے۔ اس کو اللہ نے عقل و فطرت کی صلاحیت سے نوازا ہے اور مخلوق میں خالق کا رابطہ اور تعلق فطری امر ہے لیکن اس کے باوجود اس کی سرکشی و نافرمانی بلا شبہ قابل حیرت ہے بعض ائمہ مفسرین بیان فرماتے ہیں کہ ''انسان'' سے یہاں کافر مراد ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور انکار قیامت پر اصرار و دلیری اور گناہوں کا ارتکاب اور سزا سے

بے پرواہ ہو کر شتر بے مہار بنے رہنا اللہ سے اس کا غرور ہے اور یہ کہ دھوکہ میں وہ مبتلا ہے۔ عطاءؒ سے منقول ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئیں اس نے آنحضرت ﷺ سے گستاخی کی مگر خدا نے دُنیا میں سزا نہ دی تو یہ غرور و تکبر میں اترانے لگا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت اسود بن شریق کے بارہ میں نازل ہوئی جس نے آنحضرت ﷺ کو ستایا تھا۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں الانسان سے ہر ایک کو خطاب ہے خواہ وہ کافر ہو یا مؤمن گنہگار ہو یا بدکار تو بطور تنبیہ سب کو یہ خطاب فرمایا جا رہا ہے تا کہ کوئی بھی متنفس اس طرح کی روش اختیار نہ کرے اور آسمان عدالت سے کسی وقت غفلت نہ برتے اگر کسی وقت بشری کوتاہی کرے اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر نادم و شرمندہ ہو کر تائب ہو یہ نہیں کہ عیسائیوں کی طرح یہ سمجھ کر مطمئن ہو جائے کہ بس یسوع مسیح علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکے ہیں۔ اب ہم کو کسی بھی گناہ کی سزا بھگتنی نہیں پڑے گی اور نہ یہودیوں کی طرح یہ سمجھے کہ بس حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں سے ہونا کافی ہے۔ اور اگر کسی گناہ کی کچھ سزا بھی ملے تو بس چند روز کی ہوگی۔ جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ یا ان جہلاء کی طرح دھوکہ میں نہ پڑے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے بزرگ اور غوث و قطب ان کو بخشوا دیں گے اور ان کو نہ کسی فرض کے ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی معصیت سے ان کو کچھ نقصان ہوگا اور نہ ہی روافض و شیعہ کی طرح یہ اعتقاد قائم کرلے کہ بنی فاطمہ پر آگ حرام ہے خواہ وہ کچھ بھی کریں ان کو قطعاً سزا نہ ہوگی ایسے فاطمیوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ نے خود اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ:

((یا فاطمہ بنت محمد انقذی نفسک من النّار فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئًا)).

"کہ اے فاطمہ محمد (ﷺ) کی بیٹی تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا (بغیر ایمان و عمل) میں اللہ کے یہاں تجھے ذرہ برابر بھی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔"

الغرض یہ اعتقادات اور تخیلات دھوکہ ہی ہیں رب کریم کے معاملہ میں ہر انسان کو اس قسم کے دھوکہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

آیتِ مبارکہ میں رب کے ساتھ کریم کی صفت جمع کرنے میں ایک نہایت ہی لطیف اشارہ ہے وہ خداوندِ عالم کی شان ربوبیت جس کا تقاضا ہر مرحلہ پر مخلوق کو پالنا اس کی ضرورتوں طبعی تقاضوں کو پورا کرنا ہے وہ اس امر کی مقتضی ہے کہ اس سے کسی طرح کی غفلت نہ برتی جائے اور نہ ہی تکبر و غرور کی روش اختیار کرنی چاہیے پھر جب کہ وہ کریم بھی ہے اور اس کا کرم بار بار انسان کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے اس کی یاد تازہ کرتی ہے اس کے انعامات و احسانات انسانی فطرت کو اس سے تعلق و محبت اور اس کی اطاعت و بندگی پر آمادہ کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی و عتاب سے ڈراتے ہیں۔ تو حیرت ہے کہ پھر بھی انسان غافل رہے اور غرور و تکبر ہی کرتا رہے اور ہر طرح کی معصیت و نافرمانی کرنے پر بھی اُمیدیں قائم رکھے اور اسی گھمنڈ میں رہے کہ اس کا انجام بہت اچھا ہوگا اس تصور پر تو خداوندِ عالم نے اہلِ کتاب کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد ہے ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ﴾ اور فرمایا ﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ کہ ان اُمیدوں اور آرزوؤں سے کام نہیں چلے گا۔

ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اگر قیامت میں مجھ سے کہا گیا ﴿مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾ تو میں کہہ دوں گا غرّنی کرم الکریم کہ کریم کے کرم نے مجھے دھوکہ میں ڈالا غرض اس لطیف عنوان سے انسان کی طبعی کمزوری کو نمایاں کر دیا گیا تا کہ اس عیب سے انسان

اپنے آپ کو بچائے اور اس عیب سے اپنی زندگی کو پاک رکھے جو انسان کو حیوان سے بھی بدتر کردینے والی ہے۔ بس یہ حقیقت ہے۔

لطف حق باتو موا سا ہا کند چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ المطففین

سورۂ مطففین جس کو سورۂ التطفیف بھی کہا جاتا ہے مکیہ ہے۔ اس میں چھتیس آیات ہیں۔ ضحاک و مقاتل رحمۃ اللہ علیہما۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔

عبداللہ بن الزبیر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ یہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے آخری سورت ہے اس کے بالمقابل ایک جماعت ائمہ مفسرین کی اس کو مدنی سورت کہتی ہے۔ چنانچہ حسن اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور اس وقت نازل ہوئی جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ لیکن قول اوّل راجح اور قوی ہے۔

گزشتہ سورتوں میں آخرت اور بعث ونشر کے مضامین ذکر فرمائے گئے تھے اور اس ضمن میں اعتقاد وایمان کے اصول واضح اور متعین کرنا تھا۔ اب اس سورت میں ایمان بالآخرۃ کی بنیاد پر معاملات کی اصلاح مقصود ہے اور انسانی معاشرہ کو خیانت جھوٹ اور حق تلفی کی گندگیوں سے پاک کرنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ حقوق العباد میں خیانت وہ بدترین جرم ہے کہ انسان اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

آیاتها ۳۶	(۸۳) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ (۸۶)	رکوعاتها ۱

سور تطفیف مکی ہے اور اس میں چھتیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾

خرابی ہے گھٹانے والوں کی۔ وہ کہ جب ماپ لیں لوگوں سے، پورا بھر لیں۔

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ

اور جب ماپ دیں ان کو یا تول دیں تو گھٹا کر دیں۔ کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ؟ کہ ان کو

مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۴ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۵ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۶

اٹھنا ہے۔ ایک بڑے دن میں۔ جس دن کھڑے رہیں لوگ، راہ دیکھتے جہاں کے صاحب کی۔

كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِىۡ سِجِّيۡنٍ ۝۷ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سِجِّيۡنٌ ۝۸

کوئی نہیں! لکھا گنہگاروں کو پہنچا بندی خانہ میں۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیسا بندی خانہ؟

كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ۝۹ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝۱۰ الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ

ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ جو جھوٹ جانتے ہیں

بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۝۱۲ اِذَا تُتۡلٰى

انصاف کا دن۔ اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے، جو بڑھ چلنے والا گنہگار ہے۔ جب سنائیے

عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۳ كَلَّا بَلۡ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

اس کو ہماری آیتیں، کہے نقلیں ہیں پہلوں کی۔ کوئی نہیں! پر زنگ پکڑ گیا ہے ان کے دلوں پر،

مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝۱۴ كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ۝۱۵

وہ جو کچھ کماتے تھے۔ کوئی نہیں! وہ اپنے رب سے اس دن روکے جاویں گے۔

ثُمَّ اِنَّهُمۡ لَصَالُوا الۡجَحِيۡمِ ۝۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ

پھر مقرر وہ پیٹھنے (پہنچنے) والے ہیں دوزخ میں۔ پھر کہیے گا، یہ ہے جس کو تم

تُكَذِّبُوۡنَ ۝۱۷

جھوٹ جانتے تھے۔

وعید بر اتلاف حقوق وخیانت در وزن وپیمائش

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ﴾ ❶ ... الی ... ﴿كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ﴾

---

❶ المطففین۔ تطفیف سے ماخوذ ہے جس کے معنی کنارہ اور جانب میں ہونے کے ہیں طفف لغت میں کنارہ کو کہا جاتا ہے اور کمی کرنے کو بھی کہتے ہیں محاورات میں کہا جاتا ہے طف الاناء جب کہ برتن کو پورا نہ بھرا جائے بلکہ بھرنے کے قریب ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ ===

ربط : ماقبل سورتوں میں وعید وتنبیہ تھی عقائد کی خرابی اور گمراہی پر اور اس کی بنیاد ایمان باللہ اور فکر آخرت کے وصف سے محرومی پر ہوتی ہے تو اب اس سورت میں ایمان بالآخرنہ ہونے کے ثمرات میں سے معاملات کی خرابی اور لین دین میں خیانت اور دھوکہ کا ذکر کیا جارہا ہے تو ارشاد فرمایا۔

ہلاکت وبربادی ہے ان لوگوں کے لیے جو گھٹانے والے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جب ناپ کرلیں لوگوں سے تو پورا پورا بھرلیں اور جب ناپ کردیں دوسروں کو یا تول کردیں تو گھٹا کردیتے ہیں اگر چاہیں اپنا حق کسی سے پورا وصول کرلینا کوئی مذموم بات نہیں لیکن یہ بدترین خصلت ہے کہ اپنا حق وصول کرنے میں تو ذرہ برابر رعایت وچشم پوشی نہ کریں لیکن دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں خیانت و کوتاہی کریں۔ یقیناً انسان اس حرکت پر صرف اس وجہ سے آمادہ ہوتا ہے کہ اس کو آخرت اور آخرت میں محاسبہ اور بدلہ کا کوئی خیال نہیں۔ کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے ہیں اس بات کا کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک بہت بڑے دن کے واسطے جہاں ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ وہ دن ایسا ہوگا کہ لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے ❶ سامنے اور ہر ایک بے چینی وبیقراری کے عالم میں منتظر ہوگا کہ اس کی پیشی کا کیا انجام ہوتا ہے اور حساب وکتاب کے بعد اس کے بارہ میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ خبردار! انسان کو ہرگز دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے محاسبہ ہونا ہے اور فیصلہ کے بعد بس یہی ہے کہ بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے سجین ❷ وہ ایک لکھا ہوا فیصلہ ہے جو جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں مجرمین کے لیے عذاب ومصائب اور دہکتی ہوئی آگ کا طبقہ

زجاج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں مطفف پیمانہ اور ترازو میں کمی کرنے والے کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اس میں سے کچھ مقدار دھوکہ کی صورت میں کم کردیتا ہے اسی کو بخس کہتے ہیں "اکتیال" کا مفہوم کوئی چیز ماپ کرلینا اور کال یکیل کوئی چیز ماپ کر دوسرے کو دینا۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خمس بخمس کہ پانچ گناہوں کی سزا پانچ مصیبتوں کی شکل میں انسان پر واقع ہوتی ہے جو شخص عہد شکنی کرتا ہے۔ خدا اس پر اس کے دشمن مسلط کردیتا ہے جو اللہ کا قانون چھوڑ کر دوسرے قانون پر فیصلے کرتے ہیں۔ ان میں فقر واحتیاج آجاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور زنا عام ہوجائے تو اس پر طاعون اور ایسے ہی دوسرے وبائی امراض مسلط ہوجاتے ہیں اور جو ناپ تول میں کمی کریں ان پر قحط واقع ہوتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا ہے۔ (قرطبی)

اور ایک روایت میں ہے کہ جس قوم میں مال غنیمت میں خیانت اور چوری ہونے لگے اللہ تعالیٰ اس کا رعب دشمنوں کے دل سے نکال دیتا ہے اور خود دشمنوں کا ڈر ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ (ملاحظہ کریں تفسیر مظہری)

❶ ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کی تفسیر میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز لوگوں کی جب رب العالمین کے سامنے پیشی ہوگی تو سورج سروں کے قریب ایک میل کے بقدر ہوگا اور شدت کرب سے پسینہ بہتا ہوگا کسی کے گھٹنوں تک ہوگا کسی کے اس سے اوپر اور کوئی اپنے پسینہ میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا۔

❷ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہ مقام ساتویں زمین کے نیچے ہی جو اسفل السافلین کا مصداق ہوگا۔ سجن کے معنی اصل میں قید خانہ کے ہیں یہ کافروں کی ارواح کا قید خانہ ہے۔ اکثر احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم کا ایک طبقہ ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ارواح مؤمنین علیین اور ملاء اعلیٰ میں چلی جاتی ہیں تو اس کے برعکس فساق وفجار کی ارواح سجین میں ہوں گی جو تنگ وتاریک مقام ہے اور وہاں رنج وغم اور کرب واضطراب کے سوا کچھ نہیں آگ کی لپٹیں اور سانپ بچھو ڈستے ہوں گے۔

ابن ماجہ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نیک اور ایماندار شخص کی روح قبض ہونے والی ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے جن پر اللہ کا نور برستا ہوتا ہے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑی ہی نرمی سے روح کو خطاب کرتے ہیں نکل چل

ہے یا وہ دفتر ہے جہاں ان مجرمین کے نام لکھ کر حوالہ کر دیئے جائیں گے۔ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے جو انکار کرتے تھے ہمارے انصاف کے دن کا اور ہر چند دلائل کے باوجود وہ روزِ محشر اور قیامت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس روز انصاف کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو بڑا ہی سرکش حد سے بڑھ جانے والا گناہگار ہے جس کی حالت یہ ہے کہ جب بھی اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ تو نقل کیے ہوئے قصے ہیں پہلے لوگوں کے ان کے حقائق ومعارف اور دلائل وشواہد کو تسلیم کرنے کی بجائے ان کو گذرے ہوئے افسانے اور واقعات کہہ کر ٹلا دیتا ہے خبردار ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں اس وجہ سے قلب کا ادراک ماؤف ہو گیا اور وہ صلاحیت کھو بیٹھے ہیں کہ ان حقائق کو سمجھیں۔ خبردار یہی لوگ ہیں وہ جو اپنے رب سے پردہ میں رکھے جائیں گے ان کو کبھی حق تعالیٰ کا دیدار نہ ہو سکے گا اور بارگاہِ رحمت سے ان کو دور ہی روک دیا جائے گا پھر یہ دوزخ میں گرنے والے ہوں گے اور جہنم میں جھونک دینے کے ساتھ پھر ان کو یہ کہا جائے گا دیکھ لو یہی ہے وہ جس کا تم انکار کرتے تھے اور اس کو جھٹلاتے تھے۔ اب تم اپنے اعمال کی بدولت اسی جہنم میں جھونکے جا رہے ہو اور تم اس حقیقت پر یقین کرنے کے لیے مجبور ہو جس کی تکذیب کرتے رہے اور وحی الٰہی کا مذاق اڑاتے رہے۔

معاملات میں عدل وانصاف اور امانت

مادی زندگی اور دُنیا کی حرص ولالچ میں مبتلا ہونے والا انسان اس مرض میں مبتلا ہوتا ہے کہ جس شکل سے بھی ممکن ہو کچھ مالی منفعت حاصل کر لے اور اس مرض کے باعث نہ وہ کسی پر ظلم وتعدی سے گریز کرتا ہے نہ عزت وآبرو کا لحاظ۔ زندگی کے ہر مرحلہ پر وہ خیانت اور جھوٹ ہی کے ذریعہ اپنا یہ ناپاک مقصد حاصل کرتا رہتا ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تجارتی اُمور اور لین دین میں یہی روش اختیار کیے ہوئے تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب نصیحت کی اور فرمایا:

﴿وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝﴾ (ھود)

تو بدنصیب قوم نے جواب دیا ﴿يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ﴾ (ھود:۸۷)

جیسے کہ تفصیل سے گذر چکا۔

مگر دُنیا کی محبت میں غرق ہونے والے انسان کو آخرت کی گرفت اور دُنیا کے عذاب سے بےفکر نہ ہونا چاہیے۔

= خدا کی رحمت ومغفرت وباغ وبہار اور عیش وراحت کی طرف تو فوراً ہی وہ روح نشاط وفرحت کے ساتھ نکل کر ان کے ساتھ عالم بالا کی طرف چلی جاتی ہے جہاں ملائکہ ہوتے ہی اور جس طرف سے وہ روح گذرتی ہے اس کی مہک اور خوشبو اس جگہ کو معطر کر دیتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تو بڑی تعظیم سے اس کا نام بتا دیا جاتا ہے۔ برخلاف فاسق وکافر کی روح کے کہ بڑی ہی سختی اور ذلت سے نکالی جاتی ہے اور جہاں سے بھی اس کا گذر ہوتا ہے فرشتے اس کی بدبو اور گندگی سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کس قدر خبیث اور گندی روح ہے تو پھر اس کو سجین میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اس کی تشریح آیت ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ کے تحت گذر چکی۔

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾

کوئی نہیں! لکھا نیکوں کا ہے اوپر والوں میں۔ اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہیں اوپر والے؟

كِتٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾

ایک دفتر ہے لکھا۔ اس کو دیکھتے ہیں فرشتے نزدیک والے۔ بیشک نیک لوگ ہیں آرام میں۔

عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾

تختوں پر بیٹھے دیکھتے۔ پہچانے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی

يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتٰمُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

ان کو پلائی جاتی ہے۔ شراب مہر میں دھری۔ جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اور اس پر چاہیے ڈھوکیں (رغبت کریں)

الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾

ڈھوکنے (رغبت کرنے) والے۔ اور اس کی ملونی اوپر سے پڑی۔ ایک چشمہ، جس سے پیتے ہیں نزدیک والے۔

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا

وہ جو گنہگار ہیں وہ تھے ایمان والوں سے ہنستے۔ اور جب ہو نکلتے

بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾

ان پاس آپس میں سین (اشارے) کرتے۔ اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر، پھر جاتے باتیں بناتے۔

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هٰؤُلَآءِ لَضَآلُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَآ أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ

اور جب ان کو دیکھتے کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں۔ اور ان کو بھیجا نہیں ان پر

حٰفِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى

نگہبان۔ سو آج ایمان والے منکروں سے ہنستے ہیں۔

ع ۱ ۳۶ ۸ الْأَرَآئِكِ يَنظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں۔ اب بدلہ پایا منکروں نے جیسا کرتے تھے۔

کرامت وعزت برائے مؤمنین مطیعین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ . . . الی . . . مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مجرمین اور خیانت کرنے والوں پر وعید تھی۔ اب ان آیات میں اہل ایمان اور مخلصین پر ہونے والے انعام وکرام کا ذکر ہے کہ وہ کیسی عزت کے ساتھ جنت میں اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ ارشاد فرمایا:

ہرگز نہیں! ایسا کہ نیک اور بد کا انجام ایک ہی طرح ہو۔ یہ جو کچھ سزائیں ذکر کی گئیں فساق وفجار اور مکذبین کی تھیں۔ اس کے برعکس بلاشبہ نیکوکاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہوگا اور وہی ان کا ٹھکانا بھی ہے اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے علیین۔ وہ ایک لکھا ہوا دفتر اور طے شدہ بلند وعظیم مقام ہے جس کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ مقرب فرشتے اس کو دیکھتے ہیں بڑی ہی عزت واحترام کی نظر سے اور اس کے گرد حاضر ہوتے ہیں جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور اللہ رب العزت نے مقربین کی ارواح کے لیے اسی کو مستقر بنایا ہے۔ بے شک نیک لوگ بڑی ہی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اپنی مسندوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے۔ نہایت ہی فرحت وسرور کے ساتھ تمام مناظر بہشت اور رب العالمین کا بھی دیدار کرتے ہوں گے جب بھی اہل بہشت کو دیدارِ خداوندی سے نوازا جاتا ہوگا۔ اے دیکھنے والے جب تو ان کو دیکھے تو جان لے گا آرام اور راحتوں کی تازگی اور شادابی ان کے چہروں میں۔ ان کے چہروں پر مست و اطمینان کی شادابی نمایاں ہوگی ان کو پلایا جاتا ہوگا خالص شراب طوہر سے جو سربمہر ہوگی جس پر کسی طرح کا گرد وغبار اور ہوا کا بھی اثر نہ ہو گا جس کی مہر مشک ہوگی یہ ہیں وہ نعمتیں اور راحتیں جو علیین میں نیکوکار لوگوں کو حاصل ہوں گی۔

اور حقیقت یہی ہے بس ایسی ہی چیز میں رغبت کرنے والوں کو رغبت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے مسابقت کرنی چاہیے۔ دنیا کی شراب کی لذت وراحت اس قابل نہیں کہ اس کے لیے حرص اور منافست اور مسابقت کی جائے اور اس میں آمیزش ہوگی تسنیم [1] سے جو بلندی [2] سے نیچے کی طرف گرتا ہوا ایک چشمہ ہوگا جس کی لذت وخوشبو اور لطافت احاطہ تصور سے بالا ہے۔ جسے مقربین پیتے ہوں گے جو خواص مقربین کے لیے ہوگا اور اس چشمہ سے ملا کر ان تمام ابرار اور نیکوکار جنتیوں کو پلاتے ہوں گے جن کے واسطے شراب طہور رحیق مختوم ہوگی۔ یہ تو حال ہے اہل ایمان کا جو بہشت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ان کو ایمان وتقویٰ اور دنیوی لذتوں اور نفس کی خواہشات سے صبر کرنیکی وجہ سے ملا مگر ان کے بالمقابل جن کی زندگی کا مقصد دنیوی عیش و عشرت اور نفس کی خواہشات اور لذتیں ہی رہیں، تو ایسے لوگ خدا کے مجرم ونافرمان ہوئے اور بے شک یہ لوگ جو مجرم ہیں جنہوں نے دنیا میں جرم اور نافرمانی کی ایمان والوں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور بڑی حقارت سے ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جب ان پر سے

---

[1] حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شراب کی نہریں تو ہر کسی کے محل میں بہتی ہوں گی لیکن یہ شراب طہور نہایت خاص اور نادر قسم کی ہوگی جو مشک کی مہروں سے بند کی ہوگی۔ ۱۲

[2] یہ تفسیر روایت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے بیان فرماتے تھے اسکی حقیقت بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا وہ ایک نہایت بے بہا اور قیمتی چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ تعالیٰ کا اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کس قدر قیمتی ہوگی جو رحیق مختوم میں ملا کر عام اہل جنت کو پلائی جاتی ہوگی۔ ۱۲۔

گذرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تحقیر وتذلیل کے لیے۔اور اس طرح اپنی آنکھوں اور بھوؤں کے اشارے سے اہل ایمان پر طعن وتشنیع کرتے اور ان کی ظاہری شکستہ حالی پر اپنی دولت وثروت کے زعم میں مذاق اڑاتے * اور جب اپنے گھر لوٹتے تو خوب ہنستے ہوئے قہقہے لگاتے اور جب ان کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو بڑے ہی گمراہ بے وقوف ہیں کہ دنیا کے مزے چھوڑ کر قیامت کی باتیں کر رہے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ مجرمین کی یہ تمام باتیں احمقانہ تھیں اور کمینہ پن جس کا عقلاً کوئی جواز نہ تھا اور نہ کوئی شریف انسان ایسی بے ہودہ باتوں کو گوارا کر سکتا ہے اور یہ لوگ ان ایمان والوں پر کوئی محافظ بن کر تو نہیں بھیجے گئے تھے کہ یہ ان کے داروغہ ہوں اور ان پر اپنی فوجداری جتلائیں بہر حال دُنیا میں یہ مجرم جو کچھ ذلیل حرکتیں کریں وہ کر لیں لیکن آج کے دن تو ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے جب کہ اپنے مسندوں پر بیٹھے ان کو دیکھ رہے ہوں کہ کس طرح یہ مجرم ذلت ورسوائی اور عذاب جہنم میں مبتلا ہیں اور دُنیا کے وہ سارے عیش ختم ہو گئے تو اس حالت کو دیکھ کر ایمان والے مجرموں اور کافروں کا مذاق اڑائیں گے۔اور اس طرح اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوں گے اور نجات وکامیابی۔ بہشت کی نعمتوں اور راحتوں پر مسرور ہو رہے ہوں گے اور ان تمام مناظر سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔تو یہ ہوگا اعزاز واکرام ان ایمان والوں کا جن پر یہ کافر ہنستے تھے اور مذاق اڑا کر ان کی تحقیر کرتے تھے اور کہیں گے۔کیا بدلہ پالیا ہے۔منکروں نے اپنے کاموں کا۔

فائدہ ① : ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ ﴾ کی تفسیر میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے اگر اس نے توبہ کر لی اور استغفار کی تو وہ نقطہ زائل ہو جاتا ہے اور اس کا قلب صیقل ہو جاتا ہے اور اگر غافل رہا تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے حتیٰ کہ پورے قلب پر احاطہ کر لیتا ہے اور یہی وہ "ران" ہے جس کا اللہ رب العزت نے ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ میں ذکر فرمایا ہے یہی وہ بات ہے جو فرمائی گئی۔

ہر گناہ زنگے است برمراۃ دل　　　دل شود زیں زنگہا خوار و خجل

فائدہ ② : ﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ایمان دیدار خداوندی سے نوازے جائیں گے جیسا کہ ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾(القیامۃ:۲۲،۲۳) میں فرمایا گیا اور کافروں کو دیدار خداوندی سے محرومی کی دھمکی اس بات کی علامت ہے کہ قیامت کے روز کافر بھی حق تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق ومتمنی ہوں گے اور دُنیا میں چونکہ مادی غفلتوں کے حجاب دل پر قائم تھے اس وجہ سے دُنیا کی زندگی میں خدا کا کوئی تعلق اور اس کی کوئی محبت محسوس نہ ہوتی تھی۔اب جب کہ قیامت کے دن مادیت کے سارے حجاب دور ہو جائیں گے تو کافر بھی اسی طرح دیدار خداوندی کا طالب ومشتاق ہوگا جس طرح کہ مؤمن کو اس شوق کے عالم میں دیدار خداوندی سے محروم رکھنا اس پر بڑی حسرت اور تکلیف کا باعث ہو گا تو اس بنا پر بطور دھمکی فرما دیا گیا ﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾۔

اَللّٰهُمَّ ارزقنا رؤيتك فِي جنّٰتِ النعيم واجعلنا من الذين وجوهٌ يومَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ.

آمین یارب العالمین

---

* یہی وہ چیز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی: ((آلا اخبرکم باھل الجنة کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابرّہٗ ...... آلا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ متکبر)). (رواہ البخاری ومسلم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ الانشقاق

ربط: اس میں بھی گزشتہ مکی سورتوں کی طرح قیامت حشر ونشر اور جزاء وسزا کے مضامین ہیں اور بالخصوص یہ بیان کیا جارہا ہے کہ قیامت برپا ہونے پر نظام عالم کس طرح درہم برہم ہوجائے گا۔ اس کی تخلیق وتثبیت کے ساتھ انسانی تخلیق کا ذکر فرمادیا گیا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں حصول معاش اور مادی تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ اس کو اپنی اس عملی جدوجہد میں آخرت اور بعث بعد الموت کو فراموش نہ کرنا چاہیے اور یہ بات ہرگز اس کو نہ بھلانی چاہیے کہ ہر انسان اپنے رب کی طرف لوٹنے والا ہے اور وہاں زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا۔

آخیر سورت میں مشرکین اور منکرین قیامت پر تنبیہ وتہدید ہے ان کے ایمان نہ لانے اور خداوند عالم کی نافرمانی کی روش پر اظہار افسوس کیا گیا کہ انہوں نے اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں کے باوجود کبھی خدا کو یاد نہ کیا اور نہ اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس کے احکام کی اطاعت کی۔

ان چند آیات اور مختصر کلمات میں ایسے عظیم اور اہم مضامین کا جمع کردینا بلاشبہ قرآن کریم کا اعجاز ہے جو اکثر مواقع میں ایک صاحب فہم کے سامنے اس طرح واضح ہو کر آتا ہے کہ اس پر ایمان عقل وفطرت کا تقاضا معلوم ہونے لگتا ہے۔

آیاتها ۲۵	سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ (۸۴) (۸۳)	رکوعاتها ۱

سورۂ انشقاق مکی ہے اور اس میں پچیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ② وَ اِذَا الْاَرْضُ

جب آسمان پھٹ جاوے۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا، اور اسی لائق ہے۔ اور جب زمین

مُدَّتْ ③ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ④ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ⑤

پھیلائی جاوے۔ اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جاوے۔ اور سن لے حکم اپنے رب کا اور وہ اسی لائق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ

اے آدمی! تجھ کو بچنا ہے اپنے رب تک پہنچنے میں بچ بچ کر، پھر اس سے ملنا۔ سو جس کو

اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَّيَنْقَلِبُ

ملا لکھا اس کا داہنے ہات میں۔ تو اس سے حساب لینا ہے حساب آسان۔ اور پھر کر آوے

اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ

اپنے لوگوں پاس خوش وقت۔ اور جس کو ملا اس کا لکھا پیٹھ کے پیچھے سے۔ سو وہ

يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾

پکارے گا موت موت۔ اور پیٹھے گا (پہنچے گا) آگ میں۔ وہ رہا تھا اپنے گھر خوش وقت۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ فَلَآ

اس نے خیال کیا کہ پھر نہ جاوے گا۔ کیوں نہیں! اس کا رب اس کو دیکھتا تھا۔ سو

اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾

قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی۔ اور رات کی، اور جو اس میں سمٹتا ہے اور چاند کی جب پورا بھرے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ

تم کو چڑھنا ہے کھنڈ پر کھنڈ (درجے پر درجہ) پھر کیا ہوا ہے ان کو یقین نہیں لاتے۔ اور جب پڑھیے

عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ السجدة بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ

ان پاس قرآن سجدہ نہیں کرتے۔ اوپر سے یہ منکر جھٹلاتے ہیں۔ اور

اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

اللہ خوب جانتا ہے جو اندر بھر رکھتے ہیں۔ سو خوشی سنا ان کو دکھ والی مار کی۔ مگر جو

ع ۱ ۲۵ ۹ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ ع

یقین لائے اور کیں بھلائیاں، ان کو نیگ ہے بے انتہا۔

قانون مجازات و مراتب جہد و عملیہ در حیات انسانی

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ ... الٰی ... لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝﴾

ربط: گزشتہ سورتوں میں بعث بعد الموت اور حشر ونشر کے احوال کا ذکر تھا اور دلائل سے اس موضوع کو ثابت کرتے ہوئے انسان کو فکر آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی تھی تو اب اس سورت میں قیامت کے کچھ ہولناک مناظر بیان کیے گئے ہیں قانون مجازات بیان کرتے ہوئے یہ بتایا جارہا ہے۔ انسانی اعمال اور اس کی جدوجہد کے مختلف اور متفاوت درجات ہیں اور ہر انسان کی زندگی مصروف عمل ہے اور وہ اپنے فکری اور عملی قوی کو محنت ومشقت میں ڈالے ہوئے ہے اب یہ کہ وہ سعادت کا راستہ اور منزل اختیار کرتا ہے یا شقاوت و ہلاکت؟ یہ اس کی صلاحیت فہم اور عقل وفطرت کے تقاضے پورے کرنے یا ان کو نظر انداز کرنے پر موقوف ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: اور جب کہ آسمان پھٹ جائے اور کان لگالے وہ اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لیے بھی حق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سنے اور اسی لائق ہے کہ بایں عظمت ورفعت اپنے مالک وخالق کے سامنے گردن ڈال دے اور اس کی فرماں برداری میں ذرہ برابر بھی چون وچرا نہ کرے۔

اور وہ یہ ہے کہ اس حکم تکوینی اور قیامت برپا ہونے کی شدت وہیبت سے شق ہوجائے۔ اور جب کہ زمین پھیلا دی جائے گی عمارتیں پہاڑ سب پارہ پارہ ہوکر زمین کھلے میدان کی طرح نظر آنے لگے نہ کوئی غار باقی رہے اور نہ پہاڑ نہ عمارتیں اور درخت اور زمین ایک سطح مستوی بن جائے یا جس طرح ربڑ کو کھینچا جارہا ہو اس طرح اس کو پھیلا دیا جائے کہ کوئی حجاب وحائل ہی باقی نہ رہے تو ایسی وسیع اور ہموار زمین پر سب کا حشر ہوگا۔

اور اس وقت نکال پھینک دے ہر وہ چیز جو اس کے اندر ہے خواہ وہ خزائن ومعادن ہوں یا زمین میں دفن شدہ مردے اور ان کی ہڈیاں اور جسم کے اجزاء ہوں اور ان سب سے وہ خالی ہوجائے اور کان لگالے اپنے رب کے حکم کی طرف اور اس کے لیے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے رب کا حکم سنے اور اس کو مانے تو بس اس وقت اے دیکھنے والے تو دیکھے گا کہ نظام عالم درہم برہم ہوچکے گا زمین وآسمان ہی پر سارا عالم قائم ہے جب وہی شق ہوجائے اور زمین پر قائم آبادیاں پہاڑ درخت انسان سب ختم ہوجائیں اور زمین اپنے اندر کے خزانے ومردے اگل دے تو یہی وہ وقت ہوگا کہ ہر انسان اپنے رب کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور زندگی کے تمام اعمال کا حساب ہوگا اس لیے اے انسان تو سمجھ لے اس حقیقت کو کہ تو محنت ومشقت اٹھا رہا ہے عملی جدوجہد کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف جاتے ہوئے کہ زندگی کا یہ سفر ہر انسان مسلسل طے کررہا ہے اور اس کی زندگی کا ہر لمحہ اس کو قبر اور آخرت کے قریب کررہا ہے۔ زندگی کی یہ منزلیں طے کرتے کرتے اے انسان بہر حال تجھے اپنے رب تک پہنچنا ہے اور اس کے سامنے تجھے حاضری دینی ہے انسانی زندگی میں یہ عملی جدوجہد ہر ایک کی اپنی اپنی استعداد وصلاحیت کے مطابق ہوتی ہے کوئی اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری میں محنت ومشقت اٹھاتا ہے تو کوئی بدی اور نافرمانی میں اپنی جان کھپاتا ہے اسی طرح زندگی کی یہ منزلیں ہر انسان طے کرتے ہوئے آخر اپنے پروردگار سے ملے گا کیونکہ موت کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور پھر اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا ہی پڑے گا تو جس کسی کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا تو بس یہ تو وہ شخص ہوگا جس کا حساب نہایت ہی آسان لیا جائے گا۔ اور اس کے بعد یہ اپنے لوگوں کے پاس لوٹے گا نہایت ہی خوش ہوتے ہوئے

اپنی کامیابی اور نجات پر اور ان انعاماتِ خداوندی کو دیکھ کر جو اس کو عطا کیے جائیں گے۔ اب نہ تو سزا کا خوف رہے گا اور نہ کسی چیز کا غم و غصہ بڑے ہی اطمینان و سکون سے اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ رہا ہوگا اپنے احباب و اقارب اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ خوشیاں مناتا ہوگا۔ اس کا حساب تو بس نامہ اعمال اور کاغذات کی پیشی ہوگی اور بدون کی بحث و مباحثہ اور مناقشہ درگذر اور معاف کیا جاتا ہوگا۔

اور جس کسی کو اس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے پکڑایا جائے یعنی فرشتے سامنے سے اس کی صورت بھی دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے ہوں گے اور اس طرح اس کے نامہ اعمال پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دے دیئے جائیں تو بے شک وہ پکارے گا موت اور ہلاکت کو اور یہی چاہے گا کہ بجائے اس آنے والے عذاب کے مجھے موت ہلاک اور فنا کر دے تو اچھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوگی اور وہ داخل ہوگا ایک دہکتی ہوئی آگ میں دُنیا کی زندگی میں تو اس کو خیال تک نہ تھا کہ اس طرح میدانِ حشر میں پیشی ہونی ہے اور اعمال کی جزاء وسزا کا مرحلہ آئے گا اس وجہ سے وہ بے شک اپنے گھر اور گھر والوں میں بڑا ہی خوش وخرم رہا کرتا تھا اس نے تو یہ خیال کر رکھا تھا اور دل میں یہی عقیدہ قائم کیے ہوئے تھا کہ وہ واپس اپنے رب کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور اب اس منکر و کافر کو نظر آجائے گا کہ اس کے یہ خیالات لغو اور بے ہودہ تھے۔ بہر کیف ہر انسان کو بلاشبہ اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھنے والا ہے جس کی نظر سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال کسی بھی زمان و مکان میں مخفی نہیں رہ سکتا۔ پیدائش سے موت تک کا ہر مرحلہ اس کی نگاہوں کے سامنے ہے کہ بدن کس چیز سے بنا روح کہاں سے آئی اس کے قلب میں اعتقاد کیا تھا زبان سے کیا کیا کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤں سے کیا کمایا اور پیٹ میں کھانے اور پینے کی چیزیں کیا کیا بھریں اور کس طرح بدن سے روح نکل گئی تو بدن بھی اس کی نگاہوں میں ہے۔ دیکھ رہا ہے اس کے اجزا کہاں کہاں منتشر اور بکھر گئے تو جو پروردگار اوّل سے آخر تک ہر مرحلہ کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کا خالق اور ہر ایک بات پر قدرت رکھتا ہے بھلا اس کے محاسبہ سے اور گرفت سے کون انسان بچ سکتا ہے نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو اسی طرح عبث اور معطل چھوڑ دیا جائے اور اس کے اعمال کی جزاء وسزا کچھ نہ ہو ہرگز نہیں پس میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور ہر اس چیز کی جو رات کے اندھیرے میں سمٹ آئے اور چاند کی جب وہ پورا ابھر جائے۔ [1] تو اے انسانو! غروب آفتاب کے بعد سرخی اور آسمان پر

---

[1] یعنی چودھویں رات کا چاند جب اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہو۔

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے شفق کی قسم کھا کر انسانی افکار کو لیل ونہار کے تغیرات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اس کو دیکھ کر اپنی دنیوی زندگی کی حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اکثر حضرات محدثین اور ائمہ لغت شفق کی تفسیر میں غروب کے بعد آسمان پر باقی رہنے والی سرخی بیان کرتے ہیں خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختیار کیا اہل لغت سے یہ بھی منقول ہے کہ آسمان پر پھیلنے والی یہ سرخی خواہ وہ بعد غروب شمس ہو یا قبل از طلوع دونوں کو شفق کہا جائے گا۔ خلیل بن احمدؒ سے جو کہ لغت عربیہ کے امام ہیں یہ نقل کیا گیا۔

مصنف عبدالرزاق میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ نقل ہے کہ انہوں نے فرمایا: ((الشفق هُوَالبياض))۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے فرمایا شفق دن کی روشنی کا رات کی تاریکی کے ساتھ مخلوط ہونے کا نام ہے۔

شیخ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح منیہ میں لکھا ہے شفق آسمان کے کنارہ پر باقی رہنے والی سفیدی کو کہا جاتا ہے جو سرخی کے دور ہونے کے بعد ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی کے قائل ہیں اور اسی بناء پر ان کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض کے غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ==

اس کے اثرات پھر رات کی تاریکی اااور اس کی تاریکی میں سمٹ جانے والی مخلوقات و کائنات پھر چاند کا ہلال کی شکل میں طلوع ہونا کے بعد اپنے حد کمال تک پہنچ جانا! عالم کے یہ انقلابات اور قدرتِ خداوندی کی یہ عظیم نشانیاں تم کو یہ بات بتا رہی ہیں کہ یقیناً ضرور بالضرور تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی اور درجہ بدرجہ مختلف احوال اور ادوار سے تم کو گذرنا ہے اور اسی طرح تدریجی مراحل طے کرتے کرتے عمر کی اختتام کو پہنچنا ہے اور زندگی کے تمام آسائشیں لذتیں اور متاع دُنیا کی چمک دمک زندگی کے افق میں اسی طرح ڈوب جائیں گی جیسا کہ سورج اپنی تمام آب و تاب سے طلوع ہو کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر ڈھلنے لگتا ہے اور پھر افق کی تاریکیوں میں چھپ کر آسمان پر ایک ہیبت ناک سرخی لے آتا ہے اور تمام فضاء پر تاریکی محیط ہو جاتی ہے اسی میں چودھویں رات کا چاند کرۂ ارضی پر نور کی چادر بچھا دیتا ہے یہ سب دلائل قدرت انسانی ہدایت کے لیے کافی ہیں اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ان مشاہدات کے بعد لوگ ایمان لے آئیں لیکن افسوس پھر بھی ان کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور خدا کی باتوں پر یقین نہیں کرتے اگر عقلی اور فطری صلاحیتوں سے محروم ہو چکے تھے تو چاہیے تھا کہ وحی الٰہی کی طرف رجوع کرتے۔ قرآن کریم کو پڑھتے اور اس کے حقائق و دلائل سے فائدہ اٹھاتے اور ان حقائق کے سامنے سرنگوں ہوتے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو باوجود اس کے اعجاز اور واضح دلائل وحقائق کے سجدہ نہیں کرتے سرنگوں تو کیا ہوتے اور قرآن پر ایمان کیا لاتے بلکہ یہ لوگ جو منکر ہو چکے وہ ان حقائق و دلائل کو جھٹلاتے ہیں اور بلا دلیل اپنی ضد و عناد اور سرکشی پر ڈٹے ہوئے ہیں کیا ان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ان کا رب ان کی یہ تمام باتیں دیکھ رہا ہے اور بلا شبہ اللہ تو وہ بھی جانتا ہے جو وہ اپنے اندر بھرے ہوئے ہیں۔ دلوں میں جو بغض و عناد اور دشمنی بھری ہوئی ہے خداوندِ عالم اسے بھی خوب جانتا ہے اس طرح ظاہری احوال کے ساتھ جب باطنی کیفیات اور دل میں چھپا ہوا خبث بھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے تو بس اے ہمارے پیغمبر! ان کو بشارت سنا دیجیے کہ ایک دردناک عذاب کی جو ان پر ہر حال مسلط ہو کر رہے گا اور اس وقت ان کو اپنی وہ آرزوئیں اور تمام خوشیاں خاک میں ملتی ہوئی نظر آ جائیں گی جن کو وہ آس لگائے ہوئے تھے۔

بہر کیف یہی انجام ہے ایسے شخص کا جو دلائل فطرت کو نہ سمجھے شواہد قدرت کو نہ مانے اور اپنے رب کی نافرمانی اور سرکشی میں اپنی زندگی گذار دے لیکن جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو یقیناً ان کے واسطے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں۔ ایسی نعمتیں جو کبھی کسی انسان کی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی فرد بشر کے تصور میں گذریں۔

احکام الٰہیہ کی قسمیں

قرآن کریم کی آیات اور احادیث و نصوص شریعت سے یہ امر ثابت ہے کہ احکام الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک احکام تشریعیہ ہیں جو وحی الٰہی سے شروع اور مقرر ہوتے ہیں ان کا خطاب ذوی العقول کو ہوتا ہے خواہ وہ انسان ہوں یا جن۔ ان احکام

--- اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں لفظ ((حتیٰ یغیب الافق)) آتا ہے اور ظاہر ہے غیبوبت سفیدی کے ختم ہونے کے بعد ہو سکتی ہے اس کی مزید تائید مجاہد رحمہ اللہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے ﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ﴾ سے اللہ نے دن کی روشنی کی قسم کھائی ہے اور فرمایا کہ ﴿وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ میں رات کی تاریکی کا بیان ہے تو اس طرح اللہ رب العزت نے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کو جمع کر دیا۔ (کذافی تفسیر ابن کثیر و فتح الملہم جلد ثانی) ۱۲۔

کے جن وانس مخاطب اور مکلف ہوتے ہیں ان میں اوامر الٰہیہ، حلال وحرام، جائز و ناجائز، عبادت اور عبادات سے متعلقہ احکام ہوتے ہیں جو مجموعہ شریعت اور دین ہے ان احکام کی اطاعت وفرماں برداری ایمان وطاعت ہے اور ان سے انحراف وانکار فسق و فجور اور نافرمانی اور کفر ہے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ ان احکام میں مخاطب کو اختیار ہوتا ہے اور اسی اختیار کی بنیاد پر احکام جزاء وسزا مرتب ہوتے ہیں۔

احکام الٰہیہ کی دوسری قسم تکوینی ہے جو اللہ کے تمام مخلوق اور ساری کائنات پر جاری ہوتے ہیں ان میں مخاطب کا مکلف اور ذی عقل ہونا شرط نہیں وہ اللہ کے تقدیری امر ہیں وہ کائنات میں جس طرح ارادہ ہو جاری ہوتے ہیں لیل ونہار کا اختلاف، شمس وقمر کا طلوع، نور وظلمت، ہواؤں کا چلنا اور بارشوں کا برسنا۔ انسان وحیوان اور نباتات کی پیدائش اور نشوونما جیسے اُمور ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے اوامر اور احکام میں نہ تو مخاطب کا اختیار ضروری ہے اور نہ اس کا صاحب عقل وشعور ہونا۔ ہر مخلوق اللہ کا حکم قدرتِ خداوندی سے سنتی ہے اور وہ اس کی مطیع وفرمانبردار ہے اور اس کا امکان نہیں کہ کوئی مخلوق اس کی خلاف ورزی کر سکے۔ اس پر یہ مضمون متفرع ہے جو اس آیتِ مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا۔

﴿قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ ۝﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

تو ہر ذرہ اس حکم خداوندی کو سنتا ہے اور مجبور ہے اس حکم کی اطاعت پر۔ اسی بناء پر یہاں یہ فرمایا گیا: ﴿وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ﴾۔

آیت سجدہ: سورہ انشقاق میں سجدہ تلاوت کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔ امام مسلم اور نسائی رحمہما اللہ نے یزید بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے سورۃ ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ تلاوت کی اور اس میں سجدہ کیا اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ فرمایا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تھی اور آپ نے اس سورت میں سجدہ کیا تھا۔ [1] لہٰذا میں بھی ہمیشہ اس میں سجدہ کیا کروں گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت میں سجدہ ہے اور بحالت نماز بھی تلاوت کی گئی اور سجدہ فرمایا گیا۔ یہی مسلک حضرات حنفیہ کا ہے۔ مالکیہ مفصلات میں سجدہ تلاوت کے قائل نہیں ہیں۔

"حساب یسیر" کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ نوقش فقد هلك)) یعنی جس کسی کے حساب میں مناقشہ ہوا تو بس وہ ہلاک ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ تو سرسری پیشی ہے لیکن جس کسی کے حساب میں جانچ پڑتال اور مناقشہ ہوگا تو عذاب وہلاکت سے نہ بچ سکے گا۔

اور ایک روایت میں یہ مضمون ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ایک روز نماز میں

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

یہ دُعا کرتے ہوئے سنا ((اَللّٰھُمَّ حاسبنی حسابًا یسیرًا))، نماز سے فارغ ہو کر جب لوٹے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ حساب یسیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! "حساب یسیر" یہ ہے کہ بندہ کے نامہ اعمال پر بس نظر ڈالی جائے اور اس سے درگذر کرتے ہوئے معاف فرمایا جاتا رہے۔ اے عائشہ رضی اللہ عنہا جس کسی کے حساب کا وہاں مناقشہ ہو تو بس وہ تو ہلاک ہو جائے گا۔

اَللّٰھُمَّ حَسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا بفضلك وَ کَرَمِكَ و اٰتِنَا کِتَابَنَا فِیْ اِیْمَانِنَا اِنَّكَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَ یَا اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ وَ یَا اَجْوَدَ الْاَجْوَدِیْنَ.

اٰمین یا ربّ العالمین .... اٰمین یا ربّ العٰلمین.

تمّ بحمداللہ تفسیر سورۃ الانشقاق

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سُورۃُ البروج

ربط: اس سورت میں بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید کی اساس اور اس کے دلائل کا ذکر ہے اور یہ کہ یہی عقیدہ، اسلام کی روح ہے۔ اور عقیدہ کی عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

سورت کی ابتداء حق تعالیٰ شانہٗ کی کمال خالقیت اور عظمت سے کی گئی۔ برجوں اور ستاروں والے آسمان کی قسم کھا کر انسانوں کے اذہان اس بات کی طرف متوجہ کیے گئے کہ وہ نظام عالم اور اس کے مدار و معیار کو دیکھیں اور پھر سمجھیں کہ جس قدرت کے ہاتھوں میں یہ سارا نظام فلکی قائم اور جاری ہے وہی قدرت جب چاہے اس کو فنا اور درہم برہم کرنے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا ہر صاحب نظر اور عقل انسان کو قیامت پر ایمان لانا چاہیے اور توحید خداوندی پر ایمان لانا چاہیے۔

اس موضوع کی تحقیق و وضاحت کرتے ہوئے اہل ایمان کی آزمائش اور ہر آزمائش میں ان کا ثابت قدم رہنا بیان کیا گیا۔

ساتھ ہی ایک قدیم تاریخی واقعہ بھی ذکر کر دیا گیا کہ اہل ایمان کی یہ ثابت قدمی ہوتی ہے کہ آگ کی خندقیں آگ سے دہک رہی ہوں اور ان کو صرف اس بناء پر آگ میں جھونکا جا رہا ہو کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر کیوں ایمان لے آئے۔ تو اس کے باوجود ان کے قدم ایمان سے ذرہ برابر بھی نہ ڈگمگائے اور مضبوطی سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے اس مصیبت کو جھیل لینا آسان سمجھا۔

اخیر سورت میں مجرمین و منکرین پر تہدید و تنبیہ کے طور پر عذابِ خداوندی اور اس کی سخت گرفت کا ذکر فرمایا گیا اور چونکہ یہ جملہ حقائق وحی الٰہی اور قرآن نے دُنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیئے تو اخیر میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کا لوح محفوظ میں ہونا بیان فرمایا گیا۔

✱ تفسیر ہٰذا کا مطالعہ فرمانے والے ہر صاحب سے ناچیز کی درخواست ہے کہ اس گنہگار کے لیے یہ دُعا فرما دیں کہ اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے درگذر فرماتے ہوئے حساب یسیر لے اور نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں عطا فرما دے۔ خداوندِ عالم میرے ان کرم فرماؤں کو اپنی بے پایاں عنایات اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔ اٰمین جزاھم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء ویرحم اللہ عبدًا. قال اٰمینا۔

آیاتہا ۲۲ (۸۵) سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ (۲۷) رکوعاتہا ۱

سورۂ بروج مکی ہے اور اس میں بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳

قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور حاضر ہونے والے کی اور جس پر حاضر ہوویں۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶

ماری جائیو کھائیاں کھودنے والے؟ آگ بھر ایندھن سے۔ جب وہ اس پر بیٹھے۔

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ

اور جو کچھ وہ کرتے مسلمانوں سے سامنے دیکھتے۔ اور ان سے بدلہ نہ لیتے تھے، مگر

اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

اسی کا کہ یقین لائے اللہ پر، جو زبردست ہے خوبیوں سراہا۔ جس کا راج ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹

زمین میں اور اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔

تنبیہ وتہدید بر سرتابی انسان از طاعت خداوندی وتاکید استقامت برایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ ... الٰی ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹﴾

ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کا ذکر تھا اور یہ کہ خداوندِ عالم جب عالم پر قیامت برپا فرمانے کا ارادہ کرے گا تو آسمان شق کردیا جائے گا اور ستارے منتشر ہوجائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے غرض نظامِ عالم سب ہی درہم برہم ہوجائے گا۔ اب اس سورت میں حق تعالیٰ اپنی عظمت وکبریائی اور اس کے دلائل وشواہد کا ذکر کرتے ہوئے انسان کی نافرمانی اور اطاعت خداوندی سے سرتابی پر وعید اور تنبیہ فرمارہا ہے اور ساتھ ہی یہ کہ ایمان والوں کو صبر واستقامت اختیار کرنی چاہیے اور راہِ حق میں استقامت کے لیے ہر قربانی اور ہر

مشقت کے اٹھانے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے اس راہ میں صبر واستقامت ہی اصل منزل فلاح وسعادت تک پہنچانے والی چیز ہے۔
ارشاد فرمایا: قسم ہے آسمان کی جو برجوں [1] والا ہے۔ اور قسم ہے اس دن کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس دن کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ تو یہ ہیں عظمتیں خالق کائنات کی رب السمٰوٰت والارض کی ان عظمتوں اور شواہد کو دیکھنے والوں کو چاہیے کہ اس رب العالمین پر ایمان لائیں بے شک اس کی عظمت وخالقیت برحق ہے اور اس کی وحدانیت پر ساری کائنات گواہ ہے لہٰذا اس کی نافرمانی بڑی ہی ہلاکت و بربادی ہے۔ ایسا کرنے والا خواہ کوئی فرد یا جماعت ہو۔ قوم ہو یا خاندان وقبیلہ اسی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے آگ کی خندقیں کھودنے والے ایسی آگ جو دہکنے والی تھی جس کے شعلے خندقوں سے ابل کر بلند ہو رہے تھے۔ جب کہ وہ ان پر بیٹھے ہوئے تھے تا کہ خدا پر ایمان لانے والوں میں سے کسی کو بچ کر نہ جانے دیں اور ہر ایک کو ظلم وتعدی سے مجبور و بے بس بنا کر آگ کی ان خندقوں میں جھونکنے میں مصروف تھے اور وہ جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے اس کی اپنی آنکھوں سے خوب دیکھ رہے تھے۔ شقاوت وبدبختی کی انتہاء تھی کہ یہ انسان سوز مظالم جن کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں دل اس ہولناکی سے پارہ پارہ ہو جائے۔ یہ بدبخت بڑے اطمینان سے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی رہے تھے۔

ان کو ایمان والوں سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی کہ اس کے انتقال میں ایسا کرتے۔ بجز اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اس اللہ پر جو بڑی عزت والا ہر حال میں قابل تعریف ہے۔ کائنات کی ہر چیز جس کی حمد وثنا کرتی ہے اور ہر زمان ومکان اور ہر حال اس کی خوبی و تعریف کا پیکر ہے جس کی شان حاکمیت یہ ہے اسی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ تو ہر چیز پر خوب مطلع ہے اس کی نظروں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تو اس خدائے برتر وحدہٗ لاشریک لہ پر ایمان لانے والوں نے ان بدبختوں کو نہ تو ستایا تھا اور نہ کوئی قصور کیا تھا بس ان کا جرم ان نافرمانوں بدبختوں کے نزدیک یہی تھا کہ وہ اس خداوندِ عالم پر ایمان لائے جس کے قبضۂ قدرت میں ساری کائنات اور تمام عالم کا نظام ہے ظاہر ہے کہ یہ ظلم وستم خالی نہیں جا سکتا تھا۔ عزیز ذوانتقام کی طرف سے اس پر انتقام اور سزا لازم تھی۔ انہوں نے تو ایمان والوں کے لیے ان خندقوں کو کھودا اور اس میں آگ دہکائی تھی لیکن جوں ہی اللہ کا غضب [2] آیا وہی آگ خود ان پر پھیل گئی اور اس شعلے برسانے والی آگ نے ان امیروں اور بادشاہوں کے گھر پھونک دیئے۔ اور دم کے دم میں مجرمین کی وہ بستی جل کر خاک ہو گئی تو جس طرح تاریخ قدیم کی یہ مجرم قوم ایمان والوں کو ستا کر قہر خداوندی سے نہ بچ سکی اسی طرح یہ منکرین ومجرمین جو مکی زندگی میں رسول خدا ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو ستا رہے ہیں۔ غضب خداوندی کے شعلوں اور اس کے قہر کی آگ سے ہرگز نہ بچ سکیں گے۔

---

[1] بروج سے بعض مفسرین ستارے مراد لیتے ہیں جیسے ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا﴾ کی تفسیر میں گذر چکا ابن عباس رضی اللہ عنہ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ سے یہی منقول ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ وہ بارہ برج ہیں جن کی مسافت آفتاب ایک سال میں طے کرتا ہے اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ آسمان کے وہ حصے ہیں جہاں فرشتوں کا پہرہ رہتا ہے۔ ۱۲۔

[2] شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ اس کی وضاحت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ اگرچہ روایات میں اس کا ذکر نہیں۔

یوم موعود اور شاہد و مشہود کی تفسیر

اکثر روایات واحادیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے اور یوم موعود قیامت کا دن ہے۔ یوم موعود یعنی وہ دن جس کا وعدہ کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ قیامت ہے جیسا کہ ﴿اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِیۡقَاتُہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ﴾ (الدخان: ۴۰) میں یہ وعدہ کیا گیا اور اسی طرح ارشاد فرمایا گیا: ﴿اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ﴾ (النساء: ۸۷) تو اس مضمون کی جملہ آیات جن میں قیامت واقع ہونے کا وعدہ کیا گیا وہ اس امر کی دلیل ہیں کہ الیوم الموعود قیامت کا دن ہے۔ اگرچہ بعض حضرات سے قیامت کا دن یوم مشہود بیان کیا گیا اس بناء پر کہ اس روز میدانِ حشر میں سب کی حاضری ہوگی۔

ابو مالک الاشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے: الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ اور مشہود عرفہ ہے۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور تفسیر نقل کی گئی فرمایا: شاہد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۭ بِشَہِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا﴾ (النساء: ۴۱) اس لحاظ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر امت کے پیغمبر کے حق میں گواہی دیں گے کہ بے شک اللہ کے پیغمبر نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا ہے اور شاہد لغت میں گواہی دینے والے کو کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا مشہود قیامت کا دن ہے اور فرمایا یہ اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے۔

﴿ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّہُ النَّاسُ وَ ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّشۡہُوۡدٌ﴾ (ھود: ۱۰۳)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اَکۡثِرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ یوم الجمعۃ فَاِنَّہٗ یومٌ مشھودٌ تشھدہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ))۔ کہ مجھ پر جمعہ کے روز کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ دن یوم مشہود ہے۔ جس میں فرشتوں کی (بکثرت) حاضری ہوتی ہے۔ تو ان مواقع میں لغوی معنی کے لحاظ سے قیامت اور جمعہ پر مشہود کا اطلاق وارد ہوا ہے جمہور مفسرین اسی کو اختیار فرماتے ہیں۔ جو حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں وضاحت فرمائی گئی کہ یوم موعود قیامت کا دن ہے اور شاہد جمعہ اور مشہود عرفہ ہے۔ [1] واللہ اعلم بالصواب

اصحاب الاخدود یعنی آگ کی خندقیں کھودنے والوں کا قصہ

اکثر محدثین اور ائمہ مفسرین نے اصحاب الاخدود کا قصہ احادیث مرفوعہ سے بیان کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس سورۃ کی تفسیر میں باسناد عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اکثر) نماز عصر کے بعد آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (جس سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پڑھ رہے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا آپ نماز عصر سے فارغ ہو کر کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: انبیاء (سابقین علیہم السلام) میں ایک نبی تھے ان کو اپنی امت پر فخر ہوا اور خوشی ہوئی۔ اور کہا کہ ان کے مقابلہ کی کون تاب لاسکتا ہے۔ اور کون ہے جو ان کے مقابلہ کے لیے کھڑا ہو فوراً ہی اللہ کی وحی آئی اور

---

[1] تفسیر ابن کثیر۔ قرطبی۔ روح المعانی۔

اس اجاب پر بطور گرفت فرمایا گیا۔ اے پیغمبر اپنی قوم کو اختیار دے دو کہ ان دو باتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں یا تو میں ان سے انتقام لے لوں یا ان پر ان کا دشمن مسلط کردوں تو انہوں نے انتقام ونقمت کو اختیار کرلیا تھا جس پر ایک ہی دن میں اس امت کے ستر ہزار افراد ہلاک ہو گئے تھے تو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس قصہ کے ساتھ ایک اور قصہ بھی سنایا۔ فرمایا پہلے زمانے میں کوئی کافر بادشاہ تھا اس کے ہاں ایک ساحر یعنی جادوگر تھا جو بادشاہ کا بہت مقرب تھا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے ایک نہایت ہونہار اور ہوشیار لڑکا دیا جائے تاکہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا دوں اور میرے مرنے کے بعد یہ علم باقی رہے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب بھی (اس زمانہ کا سماوی مذہب عیسائیت تھا اور اس وقت کے لحاظ سے وہ دین حق پر تھا) لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور پر راہب کے ہاتھ پر ایمان لے آیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت وکرامت کے مقام تک پہنچ گیا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس سے لوگ پریشان ہیں۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دُعا کی۔ کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک کردے، یہ کہہ کر پتھر اس جانور پر پھینکا جس سے فوراً ہلاک ہوگیا۔ لوگوں میں بات مشہور ہوگئی اور شور مچ گیا کہ اس لڑکے کو تو عجیب علم آتا ہے کسی نابینا نے سن لیا تو اس نے آکر درخواست کی میری آنکھیں اچھی کردو لڑکے نے کہا اچھی کرنے والا میں نہیں اچھی کرنے والا وہ اللہ ہے جو یکتا ہے وحدہ لاشریک لہٗ ہے اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے تو میں دُعا کروں گا کہ وہ تجھے بینا کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں اس نے برہم ہو کر حکم دیا کہ لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے دربار میں حاضر کیا جائے۔ کچھ گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر ڈالا اور لڑکے کے لیے حکم دیا کہ کسی اُونچی پہاڑ پر لے جا کر اس کو وہاں سے گرادو۔ اور اس طرح یہ ہلاک ہوجائے۔ مگر خدا کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے کر گئے وہی سب ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا اس پر بادشاہ کو اور زائد غصہ آیا اور حکم دیا کہ اس کو دریا میں غرق کردو وہاں بھی یہی ہوا کہ جو لوگ لے کر گئے تھے وہ خود ڈوب گئے اور لڑکا صحیح سالم نکل آیا۔ آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا تو اس طرح مجھے کبھی نہ مار سکے گا۔ میں خود ہی تجھے ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تو اختیار کرلے۔ وہ یہ ہے کہ تو سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرلے اور ان کے سامنے مجھے سولی پر لٹکا کر مجھے ایک تیر مار یہ کہہ کر بِسۡمِ اللّٰهِ رَبِّ هٰذَا الۡغُلَامِ اللہ کے نام سے جو رب ہے اس لڑکے کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور یہ لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھنا ہی تھا ایک شور برپا ہوگیا اور مجمع میں سے ہر ایک کی زبان سے یہ نعرہ بلند ہوا۔ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰذَا الۡغُلَامِ کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ اب تک تو اکا دکا کوئی ایمان لا رہا تھا لیکن اس کی اس بات کے بعد اب یہ ساری مخلوق مسلمان ہوگئی بادشاہ نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ بڑی بڑی خندقیں کھودی جائیں اور ان میں آگ بھر دی جائے جو دہکتی ہو اور اس میں سے شعلے نکل رہے ہوں۔ اور اعلان کردو جو شخص اس دین سے نہیں لوٹے گا اس کو ان خندقوں میں جھونکا جائے گا لوگوں کا یہ ایمان اور ایمان پر استقامت کا یہ عالم تھا کہ آگ میں جھونکے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ اسی میں ایک عورت لائی گئی جس کے پاس اس کا دودھ پیتا بچہ تھا بظاہر وہ اپنے بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی۔ مگر بچہ نے خدا کے حکم سے آواز دی اور بولا اُمَّاہُ اِصۡبِرِیۡ فَاِنَّكِ عَلَی الۡحَقِّ کہ اے میری ماں تو صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے۔ یہ بدبخت بادشاہ اور اس کے وزراء ومصاحبین خندقوں کے پاس بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ﴾

ایک روایت میں ہے کہ اس بادشاہ نے جب نابینا سے پوچھا کی تیری بینائی کس نے لوٹائی تو اس نے کہا میرے رب نے۔ تو بادشاہ بولا یعنی میں نے۔ نابینا نے کہا نہیں۔ میرے رب نے اور اس رب نے جو تیرا رب ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کیا میرے سوا بھی اور کوئی رب ہے۔ نابینا نے جواب دیا ہاں میرا اور تیرا اور آسمان وزمین کا رب اللہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ بادشاہ دانیال تھا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ بادشاہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل فترت نبوت کے زمانہ میں تھا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ اہلِ نجران میں سے ایک شخص نے کسی ضرورت یا تعمیر کے لیے کسی جگہ کو کھودا تو اس میں سے عبداللہ بن تامر رضی اللہ عنہ یعنی اس شہید کی لاش ملی اور وہ بالکل اس حالت میں تھی جیسا کہ اسے ابھی دفن کیا گیا اور اس طرح کہ پٹھ پڑی پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جب کہ اس کو تیر مارا گیا ہوگا اس نے اپنی پٹھ پڑی پر ہاتھ یا انگلی رکھ لی ہوگی۔ اس کا ہاتھ جب اس جگہ سے ہٹایا گیا تو تازہ خون زخم سے بہنے لگا۔ فوراً ہاتھ اس جگہ پر رکھ دیا گیا تو خون بند ہو گیا اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی جس پر لکھا ہوا تھا ﴿رَبِّیَ اللّٰہُ﴾ یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ان کی خدمت میں یہ واقعہ لکھ کر بھیجا گیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس لاش کو اسی جگہ دفنا دو اور جو کچھ انگوٹھی وغیرہ پائی گئی وہ بھی اس کے ساتھ رہنے دو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی بعض تاریخی نقول ذکر کی ہیں اور خندقوں کی تفصیل پر بھی کلام کیا ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر ابن کثیر کی مراجعت فرمالیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَہُمۡ
جو دین سے بچلانے (بھٹکانے) لگے ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو، پھر توبہ نہ کی تو ان کو
عَذَابُ جَہَنَّمَ وَ لَہُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ؕ ⑩ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ
عذاب ہے دوزخ کا، اور ان کو عذاب ہے آگ لگی کا۔ جو لوگ یقین لائے اور
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۬ؕ ذٰلِکَ
کیں بھلائیاں، ان کو باغ ہیں جن کے نیچے بہتی نہریں۔ یہ ہے
الۡفَوۡزُ الۡکَبِیۡرُ ؕ ⑪ اِنَّ بَطۡشَ رَبِّکَ لَشَدِیۡدٌ ؕ ⑫ اِنَّہٗ ہُوَ یُبۡدِئُ وَ
بڑی مراد ملنی۔ بے شک تیرے رب کی پکڑ سخت ہے۔ بیشک وہی کرے پہلی مرتبہ اور
یُعِیۡدُ ⑬ ۚ وَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ ⑭ ۙ ذُو الۡعَرۡشِ الۡمَجِیۡدُ ⑮ ۙ فَعَّالٌ لِّمَا
دوسری۔ اور وہی ہے بخشتا محبت کرتا۔ مالک تخت کا بڑی شان والا۔ کر ڈالتا جو

يُرِيْدُ ﴿١٦﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿١٨﴾ بَلِ

چاہے۔ کچھ پہنچی تجھ کو بات لشکروں کی؟ فرعون اور ثمود کی۔ کوئی نہیں بلکہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿١٩﴾ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿٢٠﴾ بَلْ

منکر جھٹلاتے ہیں۔ اور اللہ نے ان کے گرد سے گھیرا ہے۔ کوئی نہیں!

هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿٢١﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾ ع ۲۲ ۱۰

یہ قرآن ہے بڑی شان والا۔ لکھا تختی میں جس کی نگہبانی ہے۔

تنبیہ خداوندی بدوام عذاب جہنم بر تعذیب مؤمنین و مؤمنات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ... الٰى... فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿٢٢﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اصحاب الاخدود اور آگ کی خندقیں کھودنے اور ان میں اہل ایمان کو ڈال کر ستانے والوں کا ذکر تھا۔ اب اس مناسبت سے ان آیات میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ خداوندِ عالم کا قہر وغضب جو بیان کیا گیا ہے ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جس دور اور قرن میں مجرمین اس قسم کا رویہ اختیار کریں گے اور ایمان لانے والوں کو ستائیں گے۔ خواہ وہ کفار اہل مکہ ہوں یا آج کے بعد کوئی اور قوم ہو سب کو اپنا انجام سمجھ لینا۔ اور جان لینا چاہیے کہ وہ عذاب خداوندی سے ہرگز نہیں بچ سکتے ارشاد فرمایا۔ بے شک جن لوگوں نے ستایا ہے مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو۔ پھر وہ تائب بھی ہوئے جیسے کہ اصحاب الاخدود کے قصہ میں تاریخی نقول سے معلوم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں بہت سے مرد تھے اور بہت سی عورتیں تھیں۔ جن کو خندقوں کے کناروں پر کھڑا کر کے دہکتی آگ کی خندقوں میں جھونکا جا رہا تھا تو یقیناً ان کے واسطے دوزخ کا عذاب ہے، اور دنیا میں بھی ان کے لیے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب [1] ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے ایمان والوں کو ستایا تھا۔ لہٰذا جب تاریخ قدیم کے ایسے مجرم خدا کے عذاب اور اس کی سزا سے نہیں بچ سکے تو اسی طرح کفار مکہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانوں کو ستانے اور ظلم وستم ڈھانے کا انجام دُنیا اور آخرت میں ان کو بھگتنا [2] ہی پڑے گا۔

بہر کیف قانون مجازات کا یہی تقاضا ہے مگر اس کے برعکس یہ ہے کہ بے شک جو لوگ ایمان لائیں اور نیکی کے کام کریں ان

---

[1] ان مصائب اور حوادث کی صورت میں جو ان پر قہر خداوندی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ۱۲۔

[2] بعض روایات میں ہے کہ اس آیت کو تلاوت کر کے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ "یہ سزا ان مجرمین کی اس لیے ذکر فرمائی گئی تا کہ ان کی سزا ان کے عمل کے جنس سے ہو جائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا قانون ہے عمل کا بدلہ عمل کے مشابہ ہوتا ہے"۔
حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا: خدا کے اس جود وکرم کو دیکھو کہ جنہوں نے اولیاء اور اس کے محبوب بندوں کو قتل کیا۔ ان کو توبہ کی دعوت دی جا رہی ہے۔ ۱۲

کے واسطے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ بلا شبہ یہی بڑی عظیم الشان کامیابی ہے۔ بہرکیف خداوندِ عالم کے قہر و جلال اور انعام و کرم کی یہ دونوں شانیں دیکھ لیں تو اب سمجھ لینا چاہیے اے مخاطب بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے۔ جس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ وہی ہر چیز کو ابتداء میں وجود عطا کرنے والا ہے اس کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور وہی اس کو لوٹانے والا ہے اپنے بندوں کو جو اپنی کسی غفلت و کوتاہی سے کوئی غلطی یا معصیت کرلیں جب بھی وہ اپنے گناہوں پر استغفار و توبہ کریں۔ بڑا ہی محبت کرنے والا ہے اپنے فرماں بردار اور مطیع بندوں سے۔

بڑی ہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔ اس کی قدرت و کبریائی کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ ایسا قادر مطلق ہے کہ کرڈالتا ہے ہر وہ کام جو چاہتا ہے۔ اس کو دُنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ﴿لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ (اس کے فیصلہ کو کوئی ٹلا نہیں سکتا) چنانچہ تاریخ عالم اس بات کی کھلی شہادت ہے۔ اور گزرے ہوئے واقعات عالم۔ خداوندِ عالم کی شان عظمت و کبریائی اور اس کے قادر مطلق ہونے کا پورا پورا ثبوت ہیں۔ تو کیا اے مخاطب تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔ فرعون اور قوم ثمود کی؟ ضرور پہنچی ہوگی۔ کیونکہ یہ واقعات عام طور پر عرب والوں کو بھی خوب معلوم تھے اور ان کی خوب شہرت تھی۔ جو بڑے ہی طاقت ور لشکر تھے۔ مگر خداوندِ عالم نے اپنے قہر و غضب سے ان کو ہلاک کرڈالا اور دُنیا کی کوئی مادی طاقت خدا کا عذاب نہ ٹلا سکی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اور مشرکین عرب ان باتوں کو سن کر نبی کریم ﷺ پر ایمان لاتے۔ اور کفر و نافرمانی سے تائب ہوجاتے۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا بلکہ یہ انکار کرنے والے کافر برابر اللہ کے پیغمبر کی باتیں جھٹلانے ہی میں لگے ہوئے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ! ان کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ اللہ کے احاطہ اور گرفت سے بچ کر کہیں بھی نہیں جاسکتے نہ اس کے احاطہ علم سے باہر ہوسکتے ہیں نہ اس کے ملک سے نکل سکتے ہیں اور نہ اس کی قدرت اور گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں وہ ہر طرح علماً و ملکاً و قدرۃً ان کو محیط ہے۔

یہ تاریخی حقائق ہیں نہ یہ کہ محض افسانے اور کہانیاں جیسا کہ مشرکین مکہ عناد اور بغض کی وجہ سے کہتے ہیں بلکہ یہ تو بڑی ہی عظمت اور اُونچی شان والا قرآن ہے جو وحی الٰہی ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ جہاں نہ کسی کی نظر پہنچ سکتی ہے اور نہ کسی معاند کا ہاتھ کہ وہ اس میں کوئی تبدیلی کرسکتا ہے۔ اور نہ کسی کو قدرت ہے کہ لوح محفوظ کی کوئی بات ٹلا سکے اور نہ ہی اس امر کا امکان ہے کہ وحی الٰہی کی کسی بات کو غلط کہہ سکے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الطارق

اس سورت کا مضمون بھی عقیدہ توحید کی ترجمانی پر مشتمل ہے اور اسلام کی بنیاد یعنی ایمان بالآخرۃ کے ثابت کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے اپنی عظیم تر مخلوقات ارض و سماء اور کواکب و نجوم کے تغیرات اور انقلابات کو بطور شہادت اور حجت پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ سورت کی ابتداء آسمان اور نجم ثاقب کی قسم سے کی گئی۔ اور انتہاء سورت پر قرآنی حقائق کی حقانیت کا ذکر کرتے

ہوئے حضور اکرم ﷺ کو اس امر پر تسلی دی گئی کہ کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں کی آپ ﷺ ہرگز کوئی فکر نہ کریں۔ اگر وہ اسلام اور اللہ کے پیغمبر کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو کرتے رہیں۔ قدرتِ خداوندی بھی ایسی تدابیر سے غافل نہیں ہے جو اسلام کی عظمت و کامیابی اور رسول اللہ ﷺ کی فتح و نصرت کا باعث ہیں۔

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ (۸۶) (۳۶)

آیاتھا ۱۷ — رکوعاتھا ۱

سورۂ طارق مکی ہے اور اس میں سترہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی، اور اندھیرا پڑے آنے والے کی۔ اور تو کیا سمجھا کون ہے اندھیرا پڑے آنے والا۔ وہ تارا چمکتا۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾

کوئی جی نہیں جس پر نہیں ایک نگہبان۔ اب دیکھ لے آدمی، کاہے سے بنا۔ بنا

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ

ایک اچھلتے پانی سے۔ جو نکلتا ہے پیٹھ اور چھاتی کے بیچ سے۔ بے شک

عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا

وہ اس کو پھر لا سکتا ہے۔ جس دن جانچے جاویں بھید۔ تو کچھ نہ ہو گا اس کو زور، اور نہ کوئی

نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ

مدد کرنے والا۔ قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی۔ اور زمین دراڑ کھانے والی کی۔ یہ

لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ﴿۱۵﴾

بات دو ٹوک ہے۔ اور نہیں یہ بات ہنسی کی۔ البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں

وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں سو ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے ان کو صبر کر۔

دعوت فکر در تخلیق انسان وشہادت ارض وسماء ونجوم بر مسئلہ بعث بعد الموت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ ... الیٰ ... اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت ایمان اور ایمان پر استقامت اور راہِ خداوندی میں صبر اور قربانی کے مضمون پر مشتمل تھی اور اس امر پر کہ دُنیا کی کوئی طاقت ایمان کو کفر کی طرف نہیں لوٹا سکتی۔ اب اس سورت میں قیامت اور بعث بعد الموت کا مسئلہ ثابت کرنے کے لیے انسان کو اس امر کی دعوت دی ہے کہ وہ خود اپنی تخلیق و پیدائش میں غور وفکر کرے۔ ارض وسماء اور روشن ستاروں کو دیکھے اور یہ کہ زمین کس طرح شق ہو کر اپنے اندر سے نباتات اور سبزہ باہر نکالتی ہے اور وہ تخم جو زمین میں دب کر ریزہ ریزہ ہو چکا تھا اور مٹی میں مل کر خاک بن گیا تھا کیونکہ وہ پھر زمین کی سطح پر رونما ہو کر تر وتازہ اور شاداب نظر آنے لگا تو ارشاد فرمایا۔ قسم ہے آسمان اور رات کے اندھیرے میں نمودار ہونے والے طارق کی اور اے مخاطب جانتا بھی ہے کیا ہے طارق۔ وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، بے شک نہیں ہے کوئی جان والا ایسا کہ اس پر ایک نگران نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک ذی روح انسان ہو یا دوسری کوئی مخلوق اس پر اللہ کی طرف سے محافظ مقرر ہیں۔ انسان کا کوئی قول وعمل ایسا نہیں کہ خدا کے مقرر کردہ نگران اس کو محفوظ نہ کر لیتے ہوں۔ پھر ہر انسان ان ہی محافظوں کے باعث عالم میں بکھری ہوئی آفات اور حوادث کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الرعد: ۱۱) اور جوں ہی کوئی تکوینی مصیبت یا حادثہ پیش آنے والا ہوتا ہے۔ یہ غیبی حفاظت اس سے جدا ہونے ہی کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ اور جس پروردگار نے آسمان پر ستاروں کی حفاظت کے سامان بنائے اس کو کیا مشکل ہے کہ وہ ہر نفس کی حفاظت کا سامان بھی پیدا کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسے رب قدیر اور علیم کی کسی بھی لحہ انسان کو نافرمانی نہ کرنی چاہیے اور یہ بات کبھی بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ یہ انسان اپنی اس حیات کے بعد پھر دوبارہ قیامت کے روز اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے والا ہے لہٰذا اس انسان کو دیکھنا چاہیے اور غور وفکر کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ وہ پیدا کیا گیا ہے ایک اُچھلتے ہوئے پانی یعنی قطرہ منی سے جو نکلتا ہے پشت اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ مرد کی منی کا نصاب پیٹھ سے اور عورت کا سینہ سے یا یہ کہ اعضائے رئیسہ سے مادۂ منویہ کا تعلق ہے تو اس حیثیت سے سینہ اور پشت کی ہڈیوں سے نکلتا بیان کیا گیا تو جو ذات قادر مطلق اپنی قدرت وحکمت سے انسان کو ایک قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور اس کی قدرت وہ حکمت سے کس طرح اس کے اعضاء کی ساخت ہوتی ہے، روح پڑتی ہے حواس ومدرکات ناک، کان، آنکھیں اور ان میں بینائی پیدا ہوتی ہے۔ غرض جو ذات رب العالمین اپنی عظیم قدرت اور حکمت سے ان تمام باتوں پر قادر ہے بے شک وہ ذات قادر مطلق اس انسان کو واپس لوٹانے پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب نہیں جانتا کہ ابتداءً اس کو پیدا کرنا عجیب تر ہے اور ایک ایک چیز اور بدن کا ایک ایک حصہ اللہ رب العالمین کی قدرت وحکمت کا واضح ثبوت ہے یہ مرنے کے بعد انسان کو لوٹایا جانا اس دن ہوگا جب کہ جانچے جائیں گے بھید اور ہر قسم کے پوشیدہ راز۔ پس اس دن اس انسان کے لیے نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی

مددگار ہوگا۔ جو ایسے سخت مرحلہ پر اس کی کوئی مدد کر سکے۔ جبکہ چھپے ہوئے بھید کھل رہے ہوں اور ہر قول وفعل کا حساب لیا جاتا ہوگا۔ حتیٰ کہ جو باتیں دل میں چھپی ہوئی ہوں گی وہ بھی کھل جائیں گی اور قسم ہے اس آسمان کے جو لوٹنے والا ہے بار بار زمین پر بارش ✿ برسانے کی صورت میں اور قسم ہے زمین کی جو شق ہونے والی ہے جب کہ اس میں تخم ڈال دیا جائے تو بعد میں اس کے شق ہونے پر سبزہ اور درختوں کا سلسلہ نشو ونما شروع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارش کا نظام اور بارشوں کے برسنے کے بعد غلوں اور سبزوں کا اُگنا خداوندِ عالم کی کمال قدرت اور حکمت کے شواہد و دلائل ہیں جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ بے شک یہ بات یا قرآن حکیم ایک فیصلہ کن قول ہے۔ ✿ جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور ہدایت وضلالت کی حدوں کو جدا جدا کر کے دکھاتا ہے اور ہر طے شدہ امر کی خبر دیتا ہے۔ اور جس طرح آسمان سے بارشوں کے برسنے پر بنجر زمین زندہ ہو جاتی ہے، پھل پھول، کھیتیاں اور درخت اُگتے ہیں اور زمین اس سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اسی طرح آسمان سے اس وحی الٰہی کے نزول سے انسانوں کی زندگی سرسبز شاداب ہوتی ہے اور انسانوں کے قلوب سے محاسن اعمال واخلاق اور معارف وحکم کے پھل پھول اُگنے لگتے ہیں جس کے بعد حیات انسانی ایک شاداب باغ اور نافع وقیمتی پھلوں سے لدا خزانہ ہو جاتی ہے اور یہ کلام کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں ہے اصولاً اور عقلاً چاہیے کہ لوگ اس پر ایمان لائیں اور اللہ کے رسول اور اس کے دین کی مخالفت و دشمنی سے باز آجائیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ باز نہیں آتے اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تو اے ایمان والو! تم اس کی وجہ سے غمگین و پریشان نہ ہو وبس سن لو بے شک وہ لوگ تمہارے دین کے خلاف ایک داؤ لگا رہے ہے اور سازش و مکر میں لگے ہوئے ہیں تو میں بھی لگا ہوا ہوں ایک داؤ لگانے میں۔ اب ظاہر ہے کہ خدا کی تدبیر اور اس کے داؤ سے کون دشمن بچ سکتا ہے۔ اور خدا کی تدبیر کے مقابلہ میں کس کا مکر اور سازش کامیاب ہو سکتی ہے رہا یہ امر کہ یہ لوگ خوب غرار ہے ہیں اسلام کے خلاف اُچھلتے کودتے پھر رہے ہیں نہ ان پر ابھی آسمان سے کوئی عذاب نازل ہو رہا ہے اور نہ زمین ان کو نگل رہی ہے تو بس اے مخاطب ڈھیل دے دے ان کافروں کو میں بھی ان کو کچھ دنوں ڈھیل دے رہا ہوں۔ اور جب ان کو عذاب میں پکڑوں گا تو بچ کر نہ جا سکیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ (القلم: ۴۴، ۴۵) ✿ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ ظالم کو ایک وقت تک (اپنی کسی حکمت سے) مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کو اپنے قہر وعذاب کی گرفت میں لیتا ہے تو وہ کسی طرح بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (ھود ۱۰۲)۔

✿ ذات الرجع کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اسی کے مطابق یہ ترجمہ کیا گیا کہ آسمان ذات الرجع اس لیے ہے کہ بار بار بارشیں برساتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں آسمان اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ وہ بارش کے ذریعہ بار بار رزق پیدا کرتا ہے۔ ابن درید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس وجہ سے ذات الرجع ہے کہ اس کے ستارے اور چاند سورج بار بار لوٹے رہتے ہیں۔

✿ میرے شیخ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قسم اور جواب قسم کی ایک مناسبت یہ ہی ہے کہ جس طرح بارش برس کر زمین کو حیات اور تازگی بخشتی ہے اسی طرح قیامت میں بھی کوئی غیبی بارش ایسی برسے گی جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے۔ ۱۲ (فوائد عثمانی)

✿ عبدالرحمٰن بن خالد بن ابی جبل العدوانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ شرق ثقیف میں اپنی عصا یا کمان پر ٹیک لگائے کھڑے ہیں جب کہ آپ ﷺ ثقیف کے یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے سنا آپ سورۃ ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ کی تلاوت فرما رہے ہیں تو میں نے اس سورت کو اپنے اسلام لانے سے قبل ہی یاد کر لیا تھا مجھے ثقیف کے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا کہہ رہے تھے تو میں ان لوگوں کو یہ سورت سنا دی تھی۔ پھر جب اسلام لے آیا دوبارہ اس کو پڑھا۔ ۱۲ تفسیر ابن کثیر۔ ج ۴۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ الاعلیٰ

اس سورت میں خاص طور پر ذاتِ خداوندی اور اس کی عظمت نیز صفاتِ خداوندی کا علو اور برتری پر بنیادی طور پر کلام فرمایا ہے اسی کے ساتھ دلائل قدرت اور وحدانیت کا بھی بیان ہے۔ وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کا بھی ذکر ہے۔ نیز یہ کہ وحی الٰہی اور موعظہ حسنہ سے وہی قلوب منتفع ہوتے ہیں جن میں استعداد و صلاحیت اور خشیت و تقویٰ کے آثار ہیں۔ اور جو قلوب شقاوت و بدبختی سے مردہ ہو چکے ہیں ان پر نہ دلائل اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ وحی اور موعظہ حسنہ ان کو مفید ہوتا ہے۔

ان مضامین کو بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بشارت بھی سنائی کہ جو کتابِ الٰہی آپ ﷺ پر اُتاری جارہی ہے گو وہ اپنی شان کے لحاظ سے بڑی ہی عظمت والی ہے۔ اور نفس وحی قول ثقیل ہے، لیکن یہ سب کچھ آسان کر دیا جائے گا۔ اور آپ ﷺ سہو ونسیان سے محفوظ رہیں گے بجز اس کے جو خدا ہی چاہے اور اس کو منسوخ کرنے کا ارادہ فرمائے۔

آخیر میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ انسانی فلاح و کامیابی ذکرِ الٰہی اور اس کی عباداتِ وبندگی میں مصروف رہنے ہی میں ہے۔ اور یہ مقصد اعلیٰ اس صورت میں حاصل ہے جب کہ انسان دُنیاوی لذتوں کو آخرت پر ترجیح اور فوقیت نہ دے۔

آیاتُها ۱۹	(۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ (۸)	رُكُوعُهَا ۱

سورۂ اعلیٰ مکی ہے اور اس میں اُنیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ

پاکی بول اپنے رب کے نام کی جو سب سے اوپر ہے۔ جس نے بنایا پھر ٹھیک کیا۔ اور جس نے ٹھہرایا،

فَهَدٰى ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ؕ﴿۵﴾

پھر راہ دی۔ اور جس نے نکالا چارا۔ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا

ہم پڑھاویں گے تجھ کو، پھر تو نہ بھولے گا۔ مگر جو چاہے اللہ۔ وہ جانتا ہے پکارا اور

یَخۡفٰی ⑦ وَ نُیَسِّرُکَ لِلۡیُسۡرٰی ⑧ فَذَکِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّکۡرٰی ⑨
چھپا۔ اور سہج سہج پہنچاویں گے ہم تجھ کو آسانی تک۔ سو تو سمجھا اگر کام کرے سمجھانا۔
سَیَذَّکَّرُ مَنۡ یَّخۡشٰی ⑩ وَ یَتَجَنَّبُہَا الۡاَشۡقَی ⑪ الَّذِیۡ یَصۡلَی النَّارَ
سمجھ جاوے گا جس کو ڈر ہوگا۔ اور سرک رہے گا اس سے بڑا بدبخت۔ وہ جو پیٹھے گا (پہنچے گا)
الۡکُبۡرٰی ⑫ ثُمَّ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَ لَا یَحۡیٰی ⑬ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ⑭
بڑی آگ میں۔ پھر نہ مرے گا اس میں نہ جیوے گا۔ بیشک بھلا ہوا اس کا جو سنورا۔
وَ ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ⑮ بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ⑯ وَ الۡاٰخِرَۃُ
اور پڑھا نام اپنے رب کا، پھر نماز کی۔ کوئی نہیں! تم آگے رکھتے ہو دُنیا کا جینا۔ اور پچھلا گھر
خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ⑰ اِنَّ ہٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ⑱ صُحُفِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ
بہتر ہے اور رہنے والا۔ یہ کچھ لکھا ہے پہلے ورقوں میں۔ ورق ابراہیم کے اور
مُوۡسٰی ⑲
موسیٰ کے۔

ع ۱ ۹ ۱۲

فلاح وسعادت از ذکرِ خداوندی وانہماک در صلوٰۃ وعبادت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ①... الی... صُحُفِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ⑲﴾

ربط: گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ خود اپنی تخلیق و پیدائش پر نظر ڈالے اور سوچے کہ پروردگارِ عالم نے اپنی کیسی عظیم قدرت اور حکمت سے اس کو وجود عطا فرمایا اور جو ذاتِ خداوندی انسان کو ابتداءً وجود عطا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے اور اس طرح مسئلہ آخرت اور بعث بعد الموت ثابت فرمایا گیا تھا۔ اب اس سورت میں عظمتِ خداوندی بیان کی جارہی ہے، اس کی ذات اور صفات عالیہ کا ذکر کرکے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ انسان کے لیے فلاح وسعادت کی منزل صرف اسی میں مضمر ہے کہ وہ ذکر خدا یا دِ الٰہی اور اپنے رب کی عبادت و بندگی میں مصروف رہے۔ اور اس راہ میں اصل رکاوٹ ڈالنے والی چیز حب دُنیا اور نفس کی خواہشات ہیں۔ تو انسان کو چاہیے کہ اس سے بچے اور اصل مقصد کی حیات فانی اور عارضی لذتوں پر فوقیت دے۔ تو ارشاد فرمایا:

پاکی بیان کرا ے انسان! اپنے رب کے نام کی جو سب سے بلند و بالا [1] ہے جس نے پیدا کیا۔ عدم سے وجود میں لاتے ہوئے پھر ہر ایک چیز کو برابر بنایا نہایت تناسب اور خوبی کے ساتھ انسان ہو یا جو بھی کوئی مخلوق اس کی ساخت نہایت ہی موزوں اور اس کے اجزاء و اعضاء بڑے ہی متناسب بنائے اور وہ جس نے ہر بات کو مقرر و مقدر فرمایا پھر اس کی طرف راہ دکھائی سعادت و شقاوت ہو یا ایمان و کفر حصول مال و منال ہو یا اس سے محرومی الغرض جو بھی کچھ اپنی تقدیر سے طے کیا اسی کی طرف انسان و مخلوق کو کر دیا۔ اور وہی چیز اس کو آسان معلوم ہونے لگی۔ چنانچہ اہل ایمان کو ایمان و عمل صالح آسان و مرغوب ہو گیا اور اہل شقاوت کو فسق و فجور ہی لذیذ معلوم ہونے لگا۔ اور وہ جس نے سبزہ اُگایا پھر اس کو چورا بنا دیا۔ سیاہ رنگ کا حالانکہ وہ جب نمودار ہوا تھا تو بڑا ہی سرسبز و شاداب اور خوش منظر تھا مگر خشک ہو کر وہ ریزہ ریزہ اور سیاہ رنگ ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اس رب العالمین کی کمال قدرت اور حکمت کی نشانیاں ہیں اور اس طرح انسان سے لے کر گھانس کے ایک تنکے تک ہر چیز اس کی عظمت و بلندی کی گواہی دے رہی ہے تو یہ ہیں وہ دلائل قدرت اور شواہد وحدانیت جو ہم آپ کو اے ہمارے پیغمبر (ﷺ) پڑھا رہے ہیں پس آپ ان کو نہیں بھولیں گے۔ کیونکہ آپ کا رب اعلیٰ ان علوم کو آپ کے سینہ میں محفوظ کر دے گا جس طرح یہ علوم ملأ اعلیٰ میں لوح محفوظ میں محفوظ ہیں تو آپ ﷺ ان کو نہیں بھولیں گے۔ مگر جو چیز اللہ چاہے اور ان آیات میں جن کو منسوخ کرنا چاہے تو بے شک وہ آیات آپ کے دل سے نکل جائیں گی لیکن اس کے سوا جو بھی اللہ کی وحی ہو گی اور جو کچھ آپ ﷺ پر نازل کیا جائے گا وہ آپ یاد رکھیں گے جیسا کہ وعدہ فرمایا گیا: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ﴾ (القیامہ:١٧) بے شک وہ رب اعلیٰ جانتا ہے بلند آواز کو اور اس کو بھی جو پست اور چھپی ہے۔ یہ سب کچھ اس کی قدرت اور حکمت پر مبنی ہے کہ کون سی آیات صرف وقتی طور پر نازل کر دی گئیں پھر ان کی تلاوت منسوخ کرنی ہے اور کون سی آیات میں وہ ہیں جو ہمیشہ کے لیے اُتاری گئیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا﴾ (البقرہ:١٠٦) اور پروردگار چونکہ تمہاری ظاہری اور باطنی حالت جانتا ہے اور تمہاری وہ استعداد و صلاحیت بھی جو مخفی ہے اس وجہ سے وہی معاملہ فرمائے گا جس کے مستحق ہو اور آسانی دیں گے تم کو ہر اس کام کے لیے جو سہولت و فلاح کا ہے۔ اس وجہ سے وحی الٰہی بھی محفوظ ہو جائے گی اور اس میں کوئی مشقت نہ ہوگی پھر ان علوم و معارف کے اثر سے قلب پر معرفت و محبت کے آثار رونما ہوں گے اور عبادت کا وہ ذوق و شوق ہوگا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور چین ہو جائے گا اور امت کی اصلاح اور ملک ترقی اور عظمت کے وہ طریقے بھی آسان کر دیئے جائیں گے جس سے آپ ﷺ کی امت اور ان کے ملک تاریخ عالم میں عظمت و بلندی کا پیکر ہوں گے۔ اور کامیابی کی راہ میں جو مشکلات حائل ہو سکتی ہیں۔ ان سب کو دور کر دیا جائے گا۔ بہر کیف آپ پر جب انعامات فرمائے گئے ہیں تو دوسروں کو بھی ان سے فیضیاب کیجیے اور اپنے کمالات سے دوسروں کو بھی باکمال بنائیے جس کی شکل یہ ہے کہ پس آپ بار بار سمجھاتے رہیے۔ اگر سمجھانا اور نصیحت نہیں قبول کر رہا ہے تو بہت امید ہے کہ عنقریب نصیحت قبول کرے گا ہر وہ شخص جو ڈرتا ہے کیونکہ خوفِ خدا بہر کیف انسان کو درست راستہ پر لا کر ہی رہتا ہے اور کسی نہ کسی وقت ضرور ہدایت قبول کر لیتا ہے اور اس نصیحت اور پیغام ہدایت سے وہی شخص دور رہتا ہے اور بچتا ہے جو بہت ہی بد بخت اور بد نصیب ہو۔ جو جہنم کی بڑی آگ میں داخل ہوگا اور وہ جہنم کی بڑی آگ ایک ایسا شدید عذاب ہوگا کہ پھر اس میں نہ تو مرے ہی گا کہ مر کر ان مصائب اور کلفتوں کا خاتمہ ہو جائے اور نہ ہی زندہ رہے گا

---

[1] حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو تم اپنے سجدہ میں مقرر کر لو اس وجہ سے سجدہ کی تسبیح ﴿سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى﴾ مقرر ہوئی۔

کہ زندگی کی کوئی راحت اور چین اس کو نصیب ہو سکے۔

تو یہ ہے انجام اس بدنصیب بدبخت کا جس کے مقدر میں دوزخ کی آگ لکھی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کہاں وعظ و نصیحت کی طرف کان لگائے گا۔ اور کہاں اس کی عبرت ہوگی۔ اور خدا کا ڈر ہوگا کہ وہ اپنا انجام سوچے اور کفرو نافرمانی سے باز آئے۔ ہاں جس کے دل میں خوف خدا ہوگا اور اپنے انجام کو سوچے گا وہی اپنا رخ سعادت کی منزل کی طرف کرے گا۔ اس لیے بس یہی ضابطہ خدا کی طرف سے طے کر دیا گیا کہ بیشک کامیاب وہی شخص ہوا جس نے پاکی حاصل کی ہر قسم کی ظاہر باطنی اور حسی و معنوی گندگی اور نجاستوں کو دُور کر کے۔ اس طرح کہ نہ اس کے عمل میں کوئی گندگی اور برائی باقی رہی نہ اخلاق میں نہ ظاہر میں اور نہ باطن میں قلب و اعتقاد اور عمل کی طہارت ہی فوز و فلاح کا ذریعہ ہے اور لیا اس نے اپنے رب کا نام پھر اس نے نماز پڑھی اور اپنے رب کی بندگی کا حق ادا کیا۔ تقویٰ و طہارت کا مقام طے کر چکنے کے بعد فضائل اعمال اور اخلاق کی عظمتوں تک اس نے اپنے آپ کو پہنچا لیا۔ یعنی تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رب کا نام لے لیا اور اس کے بعد ارکان صلوٰۃ ادا کر کے عبدیت و بندگی کی منزل عالی تک رسائی حاصل کر لی [1] فلاح و سعادت کی منزل انابت الی اللہ اور خشیتِ خداوندی پر موقوف ہے اور اس پر مبنی ہے کہ انسان فکر آخرت میں لگ جائے گا۔ اور اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حب دُنیا اور نفس کی خواہشات ہیں تو ضرورت ہے کہ اس سے اجتناب اختیار کیا جائے۔ لیکن اے انسانو! تم اپنی غفلت و لاپروائی کے باعث اس حقیقت کی طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ تم تو ترجیح اور فوقیت دینے لگتے ہو۔ دنیا کی زندگی کو اور اسی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنے لگتے ہو۔ حالانکہ آخرت ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے کہ وہاں کی نعمتوں کو دوام و خلود ہے اور وہاں کی ہر ایک نعمت ایسی ہے کہ انسان نے نہ کبھی دیکھی نہ اس کے کان نے کبھی سنا اور نہ اس کے دل میں اس کا تصور گذرا تو چاہیے تو یہ تھا کہ اعتقاد و عمل سے ثابت کیا جاتا کہ آخرت کو پسند کیا جا رہا ہے۔

یہ بلند پایہ نصیحت اور فلاح و سعادت کا راز بے شک وہ ہے جو پچھلے صحیفوں میں ہے، ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں تو جو نصیحت پہلی کتابوں اور صحیفوں میں ایسے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہے اس کی عظمت و برتری میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جس کی عظمت کو پہلی نسلیں اور شریعتیں تسلیم کر چکیں اور دُنیا نے اس کی افادیت کو دیکھ لیا لہٰذا اے انسانو! تم کو چاہیے کہ انسان کی فطری اور طبعی کمزوریوں سے بچا حیات دنیا کو پسند کرنے کے بجائے فکر آخرت اور حصول سعادت کی طرف رخ کر لو۔

تمّ بحمد اللہ تفسیر سورۃ الاعلیٰ

---

[1] بعض ائمہ مفسرین ﴿مَنۡ تَزَکّٰی﴾ سے صدقہ فطر کی ادائیگی مراد لیتے ہیں اور ﴿ذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ﴾ سے تکبیرات عیدین۔ حضراتِ حنفیہ نے اس آیت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لیے محض ذکر اسم رب جو مشعر تعظیم ہو کافی ہے۔ لفظ اللہ اکبر فرض اور رکن نہیں۔ بے شک احادیث صحیحہ کی رو سے اور اس اصول کے پیش نظر واجب یا سنت ضرور ہے، کیونکہ فصلی کے لفظ میں فعل صلوٰۃ کا ترتب مطلق ذکر اسم پر فرمایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ہر ذکر اسم رب کافی ہے کہ اس پر فعل صلوٰۃ مرتب ہو اور ادائیگی کا تحقق ہو جائے۔ اگر بالخصوص لفظ اللہ اکبر رکن اور فرض ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی وَذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَقَالَ اللّٰہُ اَکۡبَرُ وَصَلّٰی۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۃ الغاشیہ

ربط: دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کا مضمون بھی دو اہم بنیادی موضوعات پر مشتمل ہے، قیامت اور بعث بعد الموت کے احوال اور اس کی شدت و پریشانیاں اور یہ کہ کافر اور نافرمان انسان کو روز قیامت کیسی مصیبتوں اور شدتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے بالمقابل اہل ایمان کا اعزاز و اکرام اور ان پر فائز ہونے والی نعمتوں کی کوئی حد و انتہاء نہ ہوگی۔

دوسرا موضوع اس سورت کا حق تعالیٰ شانہٗ کی وحدانیت اور اس کے دلائل و شواہد کا بیان و تحقیق ہے سورت کے اخیر میں انسان کے اعمال اور محاسبہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے یہ یاد دلایا گیا کہ بہرکیف ہر انسان کو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جہاں اس کے اعمال کا اس کو پورا بدلہ ملے گا۔

رُکوعاتہا ۱	سُوۡرَۃُ الۡغَاشِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۸۸) (۶۸)	اٰیاتُہا ۲۶

سورۂ غاشیہ مکی ہے اور اس کی چھبیس آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ۞۱ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۞۲ عَامِلَةٌ

کچھ پہنچی تجھ کو بات اس چھپا لینے والی کی؟ کتنے منہ اس دن نوے (خوفزدہ) ہیں۔ محنت کرتے

نَّاصِبَةٌ ۞۳ تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۞۴ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ۞۵ لَيۡسَ

تھکتے۔ پیٹھیں گے (پہنچیں گے) دہکتی آگ میں پانی ملے گا ایک چشمے کھولتے کا۔ نہیں

لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ ۞۶ لَّا يُسۡمِنُ وَلَا يُغۡنِىۡ مِنۡ جُوۡعٍ ۞۷

اس پاس کھانا، مگر جھاڑ کانٹے۔ نہ موٹا کرے، نہ کام آوے بھوک میں۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ۞۸ لِّسَعۡيِهَا رَاضِيَةٌ ۞۹ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۞۱۰

کتنے منہ اس دن آسودہ ہیں۔ اپنی کمائی سے راضی۔ اونچے باغ میں۔

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيْهَا سُرُرٌ

نہیں سنتے اس میں بکنا۔ اس میں ایک چشمہ ہے بہتا۔ اس میں تخت ہیں اونچے

مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮

بچھے۔ اور آبخورے دھرے۔ اور قالیچے قطار پڑے۔

وَّ زَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ⑯ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰ وَ

اور مخمل کے نہالچے کھنڈر ہے۔ بھلا کیا نہیں نگا کرتے اُونٹوں پر، کیسے بنائے ہیں؟ اور

اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ⑱ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ⑲ وَ اِلَى

آسمان پر کیسا بلند کیا ہے؟ اور پہاڑوں پر، کیسے کھڑے کیے ہیں؟ اور

الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ⑳ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ㉑ لَسْتَ

زمین پر، کیسی صاف بچھائی ہے؟ سو تو سمجھا، تیرا کام یہی ہے سمجھانا تو نہیں

عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ㉒ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ㉓ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ

ان پر داروغہ۔ مگر جس نے منہ موڑا اور منکر ہوا۔ تو عذاب کرے گا اس کو اللہ وہ عذاب

الْاَكْبَرَ ㉔ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ㉕ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ㉖ ع ۱ ۲۶ ۱۳

بڑا بیشک ہمارے پاس ہے ان کو پھر آنا۔ پھر بیشک ہمارا ذمہ ہے ان سے حساب لینا۔

تنبیہ انسان غافل از وقوع قیامت و دعوت فکر برائے رجوع الی اللہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① ... الى ... ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ㉖﴾

ربط: گزشتہ سورت میں انسان کو اس امر پر متوجہ کیا گیا تھا کہ وہ اللہ رب العالمین کی پاکی بیان کرے۔ اور مادی زندگی میں منہمک ہو کر اپنے رب کو فراموش نہ کرے۔ ایمان وتقویٰ ہی معیار نجات ہے اور فکر آخرت ہی انسانی سعادت ہے۔ یہی وہ ہدایت وتعلیم ہے جو تخلیق عالم کے بعد سے مسلسل تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کو دیتے رہے۔ ان ہی علوم وہدایات پر صحف ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام بھی مشتمل تھے۔ اب اس سورت میں ہر اس غافل انسان کو وقوع قیامت سے چونکایا جا رہا ہے جو مادی لذتوں میں پڑ کر آخرت اور بعث بعد الموت

کو بھلا چکا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

کیا (نہیں) پہنچی تجھ کو اے مخاطب خبر ایک چھپا لینے والی چیز کو جو تمام مخلوق پر اس طرح چھا جائے گی۔ جیسے دن کی روشنی پر رات کی تاریکی۔ اور تمام کائنات اور اس کے نظام کو درہم برہم کر ڈالے گی۔ اور وہ قیامت ہے؟ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ خبر نہ پہنچی ہو کیونکہ یہ بات اللہ کے تمام انبیاء علیہم السلام بتاتے چلے آئے۔ موجودات کا تغیر وتبدل اور حوادث کے احوال اس حقیقت کی واضح دلیل ہیں اس لیے ضرور اے مخاطب تجھے یہ خبر مل چکی ہے۔

وہ چھپا لینے والی چیز ایسی ہیبت ناک ہے کہ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخائف نظر آتے ہوں گے محنتیں اٹھانے والے تھکے ہوئے کہ جنوں نے دُنیا میں اگرچہ بڑی ہی محنتیں اٹھائیں تکالیف ومصائب برداشت کیے لیکن اس وجہ سے کہ حق پر نہ تھے وہ سب برباد ہوئیں اور اب قیامت اور عذاب آخرت کے آثار دیکھتے ہی چہروں پر بدحواسی برسنے لگے گی اور ایسا معلوم ہونے لگے گا کہ بڑی ہی محنت کر کے یہ چہرے تھکے ہارے ناکام وذلیل ہیں [1] خسر الدنیا والآخرۃ کا پورا پورا منظر نظر آ رہا ہوگا جو داخل ہو رہے ہوں گے ایک دہکتی ہوئی آگ میں چہروں کے بل جہنم میں جھونکا جا رہا ہوگا جیسے کہ فرمایا گیا ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ﴾ (القمر: ٤٨) اور ارشاد ہے ﴿فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ﴾ جن کو پلایا جاتا ہوگا ایک کھولتے ہوئے [2] چشمے کے پانی سے جو بجائے پیاس بجھانے کے سوزش اور اضطراب ہی میں اضافہ کرے گا۔ جن کے واسطے کوئی کھانا نہ ہوگا بجز ایک خاردار جھاڑ کے۔ جو ظاہر ہے کہ نہ تو کھانے والے کو کوئی فربہی اور توانائی پہنچا سکے گا اور نہ ہی وہ بھوک رفع کر سکے گا۔ اس لیے کہ خاردار جھاڑ میں کیا غذائیت ہو سکتی ہے کہ جس سے انسانی بدن کو کوئی تقویت پہنچے یا بھوک کی بے چینی اس سے دور ہو جائے۔ یہ تو حال ہوگا اس روز مجرمین ونافرمانوں کا لیکن ان کے بالمقابل بہت سے چہرے اس دن تروتازہ اور شاداب جو اپنی محنت پر خوش ہوتے ہوں گے جو انہوں نے اعمال صالحہ اور احکام شریعت کی اطاعت و پابندی میں کی تھی تو وہ اپنی اس جدوجہد کا ثمرہ اور انعام دیکھ کر خوش ہوتے ہوں گے۔ بہشت بریں اور جنت الفردوس کے بلند وبالا محلات میں ہوں گے جہاں سکون واطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ بہشت بریں کے ان محلات میں کوئی بے ہودہ بات بھی نہ سنتے ہوں گے اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے جن سے صاف وشفاف تازہ پانی ہر وقت بہتا ہوگا۔ اس بہشت میں تخت ہوں گے نہایت اُونچے جن کی عظمت و بلندی تصور بھی نہیں کی جا سکتی اور بڑی ہی حسن وخوبی سے آبخورے جمائے ہوئے ہوں گے جن کی ترتیب اور ہیئت وضعیہ عجیب وغریب ہوگی، نظریں ان کو دیکھ کر حیران ومبہوت ہو رہی ہوں گی اور برابر لگائے گئے ہوں گے نرم ولطیف ریشمی گدے جن کی لطافت ونرمی اور زینت

---

[1] حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ وہ بدنصیب کافر ہیں جو دُنیا میں بڑی بڑی ریاضتیں کرتے تھے اور اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا ہوا تھا لیکن اللہ کے ہاں کچھ قبول نہ ہوا، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ابوعمران الجونی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک عیسائی راہب کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اس کو آواز دی "یا راہب" اس راہب نے اوپر سے جھانکا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا۔ اور دیکھ کر رونے لگے عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین آپ رضی اللہ عنہ اس کو دیکھ کر کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا مجھے اس وقت اسے دیکھ کر یہ آیت یاد آ گئی ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ۝﴾ تو اس وجہ سے گریہ طاری ہو گیا یعنی اس کی بدنصیبی اور محرومی کے تصور سے کہ اب دُنیا میں یہ کیا کیا مشقتیں اٹھا رہا ہے اور آخر میں یہ انجام ہوگا۔ ١٤۔ (ابن کثیر ج ٤)

[2] دُنیا میں بھی ایسے سمندر اور چشمے موجود ہیں۔ جن کو دیکھ کر بخوبی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ١٢

انسانی احاطہ خیال سے بالاتر ہے اور بکھیرے ہوئے ہوں گے ہر طرف قالین یہ ہوں گے وہ نعمتیں اور عزتیں جو اس دن اہل ایمان اور اللہ کے فرمانبردار بندوں کو ملیں گی۔ اور ان انعامات پر ان کے چہرے ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنی دُنیاوی زندگی کی کوششوں اور ان کے انعامات پر خوش وخرم ہوں گے۔

غرض یہ کہ یہ ہے وہ روز قیامت جس میں مجرمین ونافرمانوں کی بدحالی اور مصائب کا یہ حال ہوگا کہ چہرے بگڑے ہوئے ہوں گے۔ اور اہل ایمان وانعام کے چہرے فرحت وخوشی سے چمک رہے ہوں گے۔ عالم دنیا اور کل موجودات خداوند عالم کی قدرت و خالقیت کا واضح ثبوت ہیں۔ اور ہر ایک شئے اپنی ذات اور نوعیت سے ثابت کر رہی ہے کہ روز قیامت برحق ہے وہ آ کر رہے گا۔ ایسے واضح اور روشن دلائل کے ہوتے ہوئے کس کو مجال ہے کہ قیامت اور اللہ کی عظیم قدرت کا انکار کر سکے۔ آسمان وزمین دلائل قدرت سے بھرے پڑے ہیں تو پھر کیوں نہیں نظر کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے گئے۔ جو اپنی ہیئت اور خاصیت کے لحاظ سے عجیب ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت حیرت انگیز ہے۔ پھر جس طرح وہ جنگلوں بیابانوں اور پہاڑوں میں سفر کرتا ہے۔ وہ بھی انسان عقول اور ان کے پرواز فکر سے بالا ہے محنت ومشقت برداشت کرنا، کانٹوں پر گذرنا، راتوں دنوں مسلسل اپنے مالک کی خدمت میں منہمک رہنا۔ انسان کو جہاں ایک طرف خداوندِ عالم کے دلائل قدرت وخالقیت مہیا کر رہا ہے تو دوسری طرف اس کو یہ عبرت کا سبق سکھا رہا ہے کہ ایک حیوان اپنے مالک کی خدمت واطاعت میں کس طرح لگا ہوا ہے لیکن اس انسان پر افسوس ہے جو ہر طرح کی نعمتوں اور راحتوں کے باوجود اپنے رب پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتا اور نہ وہ اپنے رب کے انعامات کا کوئی شکر ادا کرتا ہے اور کیوں نہیں نظر کرتے یہ لوگ آسمان کی طرف کہ کیسا بلند بنایا گیا ہے اور کس طرح آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیا چاند اور سورج کو پیدا کیا اور کیوں نہیں دیکھتے پہاڑوں کو کسی طرح کھڑے کر دیئے گئے۔ یہ عظیم پہاڑ اور ان کی فلک بوس چوٹیاں کس طرح زمین پر قائم ہیں۔ جو زمین ایک ناخن سے کھرچی جا سکتی ہے۔ اس پر یہ ہزار ہا میلوں میں پھیلے ہوئے بلند پہاڑ کیونکر قائم ہیں۔ پھر ان میں کیسی کیسی قیمتی چیزیں اور معدنیات اللہ نے پیدا کیں اور ان میں کس طرح چشمے جاری کیے۔ اور کیوں نہیں دیکھتے زمین کو کہ کیسی صاف سطح کی شکل میں بچھا دی گئی باوجود کروی الشکل ہونے کے مسطح معلوم ہوتی ہے جس پر چلنا پھرنا اور زندگی کے تمام مشاغل کا پھیلا دینا بالکل آسان کر دیا گیا۔ تو یہ سب دلائل قدرت ہیں جن کا ہر ایک انسان مشاہدہ کرتا ہے، ایسے دلائل وشواہد کے بعد بھی اگر کوئی رب العالمین کی قدرت اور اس کی خالقیت پر ایمان نہ لائے تو اس کی بدنصیبی ہے اس لیے اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ ان کی فکر میں زیادہ پریشان ومضطرب نہ رہیں آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہدایت قبول کرنا نہ کرنا یہ مخاطب کا کام ہے۔ اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بس آپ تو ان کو نصیحت ہر کرتے رہئے۔ آپ ان پر داروغہ بنا کر مسلط نہیں کیے گئے ہیں کہ زبردستی ان کو منوا کر ہی چھوڑیں۔ اور نہ ہی یہ کسی کی قدرت میں ہے کہ ان کے دل بدل ڈالے یہ کام تو بس اسی ذات مقلب القلوب کا ہے جس کے دستِ قدرت میں تمام انسانوں کے قلوب ہیں اس لیے آپ ﷺ زیادہ فکر میں نہ پڑیں۔

مگر ہاں یہ بات ضروری ہے اور کوئی بھی اس سے نہیں بچ سکتا کہ جو شخص بھی روگردانی کرے گا اور کفر کرے گا تو اللہ اس کو بہت ہی بڑا عذاب دے گا جس سے کوئی کافر اور منکر اپنے آپ کو نہیں بچا سکے گا کیونکہ ہماری ہی طرف ان سب کا لوٹ کر آنا ہے اور ہمارے ہی ذمہ ہے ان کا حساب لینا۔ بس یہ ہمارا ہی کام ہے لہٰذا کوئی کافر اور مجرم ہماری گرفت اور ہمارے حساب اور اعمال کی سزا سے چھٹکارا کسی بھی حالت میں نہیں حاصل کر سکتا۔

دلائل قدرت میں غور فکر تقاضائے فطرت اور باعث سعادت ہے

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان آیات یعنی ﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ﴾ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ان دلائل کا ذکر اور ان کی ترتیب اس واقعہ سے مزید واضح ہو رہی ہے جو احادیث میں ضمام بن ثعلبہ کا بیان فرمایا گیا۔ کہ ایک مسافر اپنے اُونٹ پر سفر کر رہا ہے۔ آسمان اس کے سر پر ہے بلند پہاڑ نظروں کے سامنے ہیں۔ زمین اس کے نیچے ہے جس پر وہ خلاق علیم کی صنعت و حکمت کے بے شمار احول کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ان پر غور فکر کے عالم میں جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو فطری انداز استدلال کے رنگ میں بات کرتا ہے۔ چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب ہمیں (غیر ضروری) سوالات کرنے کی ممانعت کردی گئی تھی (اور اس وجہ سے ہم مرعوب وخوف زدہ ہو کر نفس سوال کرنے کی بھی جراءت نہ کرتے تھے تو ہمارا دل چاہتا تھا کہ کوئی بدوی شخص سمجھ دار آ کر مجلس میں کچھ سوال کرے اور ہم سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب مبارک سے مستفید ہو جائیں) تو ایک دن ایک شخص آیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدویانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے کہا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا ایک قاصد ہمارے پاس آیا ہے اور اس نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے یہ اعلان کیا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ اس نے سچ کہا اس پر وہ بدوی کہنے لگا تو اچھا یہ بتایئے کہ آسمان کس نے بنایا ہے آپ نے فرمایا اللہ نے۔ اس نے کہا یہ زمین کس نے پیدا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے۔ پھر اس نے کہا تو یہ پہاڑ کس نے قائم کیے اور ان میں یہ فائدے کی چیزیں کس نے پیدا کیں آپ نے جواب دیا، اللہ نے۔ یہ سن کر وہ بولا تو اس ذات کی قسم جس نے یہ آسمان بنایا اور جس نے یہ زمین پیدا کی اور جس نے اس پر پہاڑ قائم کیے اور اس میں پیدا کیا جو کچھ بھی پیدا کیا؟ اسی خدا نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپنے جواب دیا بے شک اسی نے مجھ کو رسول بنایا اس کے بعد اس نے ارکانِ اسلام کا ذکر کیا جو اس قاصد کے ذریعے معلوم ہوئے تھے۔ آپ نے ان باتوں کی بھی تصدیق کی اور جب وہ شخص اس گفتگو سے فارغ ہوا تو فوراً مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا یہ کہتے ہوئے واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص کہ خدا کی قسم میں ان چیزوں میں نہ کوئی کمی کروں گا اور نہ زیادتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ان صدق لید خلنّ الجنّة)) "یعنی اگر سچا ہے تو ضرور بالضرور یہ شخص جنت میں داخل ہوگا" تو اس حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ ان دلائل قدرت پر اس سمجھ دار اعرابی کی نظر اپنے فطری تقاضے کے باعث تھی اور اسی کی وجہ سے اس کو یہ سب کچھ سعادت نصیب ہوئی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پیغام بشارت جاری ہوا۔

تمّ بحمد اللہ تفسیر سورة الغاشية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ الفجر

سورۃ الفجر مکی سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا مضمون بھی بالخصوص ان تین اہم

موضوعات پر مشتمل ہے۔

① بعض امم سابقہ کا واقعہ کہ انہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا اور خدا کی نافرمانی کرتے رہے تو کس طرح عذابِ خداوندی نے ان کو تباہ کر دیا۔ جیسے قوم عاد و ثمود اور فرعون۔

② اللہ کا قانون حیاتِ دُنیویہ میں بندوں کی آزمائش کا اور یہ کہ انسانی عمل کی خیر و شر کی جانب تقسیم اسی طرح انسان کی مزاج اور طبائع کا بھی خیر و شر کی طرف انقسام۔

③ آخرت اور آخرت کے احوال اور روزِ محشر واقع ہونے والے ہولناک اُمور کا بیان اور یہ کہ انسانی نفس میں نفس خبیثہ کا انجام اور اس کے بالمقابل سعید انسان کی کامیابی و عزت۔ تو ان تین بنیادی مضامین پر اس سورت کی آیات مشتمل ہیں۔

آیاتُها ۳۰	(۸۹) سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۰)	رُكُوعُهَا ۱

سورۂ فجر مکی ہے۔ اس میں تیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴

قسم ہے فجر کی۔ اور دس راتوں کی۔ اور جفت اور طاق کی۔ اور اس رات کی جب رات کو چلے

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ

ہے ان چیزوں کی قسم پوری عقلمندوں کے واسطے۔ تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے

بِعَادٍ ۝۶ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸

عاد سے؟ وہ جو ارم تھے بڑے ستونوں والے؟ جو بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں۔

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝۱۰

اور ثمود سے جنہوں نے تراشے پتھر وادی میں۔ اور فرعون سے، وہی میخوں والا۔

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ

یہ سب جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں۔ پھر بہت ڈالی ان میں خرابی۔ پھر پھینکا ان پر

رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا

تیرے رب نے کوڑا عذاب کا۔ تیرا رب لگا ہے گھات میں۔ سو آدمی جو ہے۔ جب

مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّآ

جانچے اس کو رب اس کا، پھر اس کو عزت دے، اور اس کو نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھے عزت دی اور وہ

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا

جس وقت اس کو جانچے، پھر کھینچ کرے اس پر روزی کی، تو کہے، میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔ کوئی نہیں!

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾

پر تم عزت نہیں کرتے یتیم کو۔ اور تاکید نہیں رکھتے آپس میں محتاج کے کھانے کی۔

وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ

اور کھاتے ہو مردے کا مال سمیٹ کر سارا۔ اور پیار کرتے ہو مال کو جی بھر کر۔ کوئی نہیں!

اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَ

جب پست کریں زمین کو کوٹ کوٹ کر۔ اور آوے تیرا رب، اور فرشتے آویں قطار قطار۔ اور

جِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ

لائیے اس دن دوزخ کو۔ اس دن سوچے آدمی، اور کہاں ملے اس کو

الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

سوچنا؟ کہے کسی طرح میں کچھ آگے بھیجتا اپنے جیتے۔ پھر اس دن مار

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾

نہ دے اس کی سی کوئی۔ اور باندھ نہ رکھے اس کا سا کوئی۔ اے جی! چین پکڑے!

ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾

پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر مل میرے بندوں میں۔

وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ ع ۳۰

اور پیٹھ (داخل ہو جا) میری بہشت میں۔

ربع ۱۴

تاریخ اقوام مکذبین و تقسیم فطرت انسانی بصورت شقاوت وسعادت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :﴿وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ . . . الٰی . . . وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ ع ﴿۳۰﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے احوال ذکر کیے گئے تھے اور یہ ان ہولناک واقعات کا انسانی قدرت اور مادی اسباب کے دائرہ میں کوئی مقابلہ اور دفاع نہیں ہوسکتا مقابلہ اور مدافعت تو درکنار اس پر بدحواسی اور اضطراب کا یہ عالم ہوگا کہ انسان اپنے آپ کے بے بس دیکھ رہا ہوگا۔ اور مجرمین پر خداوندِ عالم کا ایسا عذاب مسلط ہوگا کہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ تو اب اس سورت میں بالخصوص ایسے عبرت ناک تاریخی واقعات بیان فرمائے گئے جن کو پڑھ کر ہر انسان عبرت حاصل کرے اور سمجھ لے کہ خدا کی نافرمانی قومیں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والی بڑی سے بڑی طاقت ور قوم جب اس طرح ہلاک کر دی گئی تو پھر کس کی مجال ہے کہ اللہ کے پیغمبر کا انکار کر کے اس کے عذاب سے بچ سکے۔ ارشاد فرمایا قسم ہے فجر کے وقت کی جس کے طلوع اور صبح صادق کی روشنی کے عالم میں پھیل جانے کے منظر کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بس اس طرح اب کفر وضلالت کی ظلمتوں اور شرک و بدعات کی تاریکیوں کو پیغمبر خدا ﷺ کا نورِ رسالت دور کرنے کے لیے صبح صادق بن کر طلوع ہو چکا ہے اور قسم ہے دس راتوں کی ماہ ذوالحجہ کی جو اپنی فضیلتوں اور برکتوں میں بہت ہی اعلیٰ مقام رکھتی ہیں اور قسم ہے جفت اور طاق کی جو کہ یوم النحر یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور یوم عرفہ جو نویں تاریخ اور طاق ہے یا وہ نمازیں جو شفع اور جفت ہیں مثلاً صبح، ظہر، عصر اور عشاء اور جو طاق ہے مثلاً مغرب اور صلوٰۃ الوتر۔ یا رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی طاق اور جفت راتیں اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ ڈھلے ✽ اور گذرتے ہوئے تاریکی کی آخری منزل پر پہنچ جائے حتیٰ کہ صبح کا نور اس پر چھا جائے۔ کیا نہیں ہے ان چیزوں میں قسم پوری پوری عظمت والی۔ عقل والوں کے لیے؟ بلاشبہ ان احوال اور اوقات کی عظمت ہر صاحب عقل جانتا ہے اور کلام الٰہی میں ان کی قسم کھائی گئی تو یقیناً وہ اس قسم کی عظمت کو سمجھے گا، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ﴾ اور بلاشبہ غور کرے گا کہ جن احوال اور زمانوں کو بطور قسم ذکر کیا جارہا ہے جواب قسم اور مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ اور یہ قسم بہت بڑی قسم ہے بے شک وہ پروردگار بڑی قدرت و عظمت والا ہے وہی یکتا خالق و قادر ہے اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے تیار ہوجائے اس کے پیغمبر کی بار پر ایمان لائے اور سمجھ لے کہ نافرمانی کا انجام ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ تاریخی حقائق اور وہ عبرتناک واقعات ہیں جن سے اہل عرب بھی بخوبی واقف ہیں تو اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کیسا کیا تیرے رب نے قوم عاد کے ساتھ جو ارم ✽ میں تھے بڑے بڑے ستونوں والے۔ ان کی عالیشان عمارتیں اور بلند

✽ ان الفاظ میں اشارہ ہے اس امر کی طرف یہ مضمون اور ﴿اِذَا يَسۡرِ﴾ کا مفہوم آیت مبارکہ ﴿وَالَّيۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ ۙ وَالصُّبۡحِ اِذَاۤ اَسۡفَرَ﴾ ہی والا مضمون ہے۔

✽ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ ارم قوم عاد کے جداعلیٰ کا نام تھا، ان ہی کو عاد اولیٰ بھی کہا گیا۔ ۱۲

ستونوں پر قائم محلات اور سیر و سیاحت میں اُونچے اُونچے خیمے ان کی عظمت اور طاقت و شوکت کے واضح نشانات تھے کہ ان جیسی کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے تمام شہروں میں خود ان کے ڈیل ڈول، طویل قد و قامت اور مضبوط بدن اور مال و دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کا یہ مقام کہ اونچے محلوں اور قلعوں میں زندگی گذار رہے ہوں تاریخی لحاظ سے اسی قوم کو یہ تمام عظمتیں اور نعمتیں حاصل تھیں اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے پتھروں اور چٹانوں کو تراشا وادی میں اور وادی القریٰ میں پہاڑوں کو تراش کر محفوظ و مضبوط مکانات بنائے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا کہ اس کی سرکشی و ظلم کی حد نہ تھی اور لوگوں کو دیوار کے ساتھ ہاتھ پاؤں ✽ میں میخیں ٹھوک کر نصب کرتا تھا۔ جنہوں نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی شہروں میں اور جگہ جگہ ظلم و ستم ڈھاتے پھرتے۔ بس ان کی شان و شوکت اور فوجی طاقت اسی بات کے لیے تھی۔ تو انہوں نے خوب دل کھول کر فساد برپا کیا ان شہروں میں۔ معصوموں اور بے گناہوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ خدا کی نافرمانی کے علاوہ یہ ظلم و ستم اور سرکشی کا انجام ظاہر ہے کہ ہلاکت اور بربادی کی صورت میں رونما ہونا تھا۔ چنانچہ خوب برسایا ان پر اے مخاطب تیرے رب نے عذاب کا کوڑا اور وہ ایسا عذاب تھا کہ ان قوموں کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ بے شک تیرا رب تو لگا ہوا ہے گھات میں ایسے مجرموں کی، پھر کون مجرم ہے جو اس کی گرفت سے نکل سکے۔ چنانچہ یہ قومیں جن کو ان کے مال و دولت عیش و عشرت اور طاقت و سلطنت نے مغرور و مست بنا دیا تھا۔ اور طغیانی و سرکشی میں انہوں نے وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ حد نہ چھوڑی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا ان کے سروں پر کوئی حاکم ہی نہیں اور تصور تک نہ رہا کہ ان سے انتقام لینے والا بھی کوئی حاکم موجود ہے تو اس رب العالمین نے جو کائنات کا مالک ہے اس کی طاقت کے سامنے دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں ان کو اپنی گرفت میں ایسا پکڑا کہ پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ مل سکی، آناً فاناً ان طاقتور اور مغرور قوموں کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ وہ قادر مطلق مجرموں سے غافل اور لاعلم نہیں ہوتا بلکہ وہ گھات اور تاک میں رہتا ہے کہ کب اور کس وقت ان کو عذاب سے تباہ کرے یہ اس کی حکمت سے موقع کا انتظار اور مہلت ہوتی ہے نہ کہ غفلت اس لیے کسی مجرم کو خدا کے مقابلہ میں سرکشی اور بغاوت کا خیال بھی نہ لانا چاہیے۔

یہ تاریخی واقعات اور قدرت خداوندی کے شواہد ایسے ہیں کہ ہر ایک کو اس رب کائنات کی قدرت عظمت پر ایمان لانا چاہیے۔ مگر کیا کہا جائے انسان اپنی طبعی افتاد سے عجیب واقع ہوا ہے منعم کی نعمتوں کا شکر اور اطاعت تو درکنار عموماً یہی ہوتا ہے کہ بس جب بھی کسی انسان کو اس کے رب نے آزمایا پھر اس کو عزت دی اور نعمتوں سے مالا مال کر دیا تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے عزت دی کیونکہ میں اسی لائق تھا اور اس کی طرف سے مجھے عزت اور نعمتوں سے نوازنا میری خوبیوں کی وجہ سے تھا اور جب اس انسان کو ایک اور انداز سے آزمایا پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا تو کہنے لگا میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا ہے اور میری بے قدری کی اور میں اپنی خوبیوں اور اوصاف سے جن چیزوں کا مستحق تھا وہ مجھے نہیں دی گئیں تو یہ انسان بھی اپنی طبعی خصلت اور مزاج کے لحاظ سے عجیب واقع ہوا کہ خدا کے انعامات کو انعاماتِ خداوندی نہیں سمجھتا ہے اور جب شامت اعمال سے مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے تو بجائے عبرت اور توجہ کرنے کے شکوہ و ناراضگی کا رخ اختیار کرتا ہے اور بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ میرے رب نے تو مجھے ذلیل کر دیا۔ اور پھر یہ نہیں سمجھتا کہ راحت و عزت اور نعمت و مصیبت۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی عملی زندگی کا نتیجہ ہو۔ اس لیے اے مخاطبو! تم اس حقیقت سے ہرگز غافل نہ بنو کہ دنیوی

✽ بعض مفسرین ذوالاوتاد اور میخوں والے کی تفسیر میں اس کالاؤ لشکر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ باہر نکلتا اور اس کا لشکر ساتھ ہوتا تو جنگلوں اور میدانوں میں ٹھہرنے کے لیے خیمے گاڑے جاتے اور ان خیموں کو نصب کرنے کے لیے میخیں ساتھ ہوتیں تو اس لحاظ سے فرعون کو ذوالاوتاد یعنی میخوں والا کہا گیا۔ ۱۲

مصائب بسا اوقات انسان کے بُرے اعمال کی شامت ہوتے ہیں چنانچہ تمہاری عملی خرابیوں پر ہم متنبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں خبردار یہ نہیں کہ عزت و راحت سے نکل کر مصیبت و ذلت میں مبتلا ہونا خداوندِ عالم کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم اور زیادتی ہے بلکہ تم خود ایسے ہو کہ یتیم کو عزت سے نہیں رکھتے ہو۔ اور نہ تم ایک دوسرے کو مسکین و محتاج کو کھلانے کی تاکید و ترغیب کرتے ہو یہ تو کیا ہوتا کہ محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ان کو کھلاتے اور اس کے برعکس تم تو مردے کا مال سارا ہی سمیٹ کا کھا جاتے ہو، حلال و حرام حق و ناحق کی تمیز نہیں کرتے مرنے والوں کے وارثوں اور یتیم بچوں کا کوئی خیال نہیں کرتے بس جو ہاتھ لگا اس کو کھا گئے اور حرص و لالچ کی کوئی انتہا نہ رہی یہاں تک کہ تم مال کی محبت کرتے ہو جی بھر کر محبت کرنا گویا اس کی محبت تمہارے دل کے رگ و ریشہ میں رچ گئی ہے اس کی پرستش کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ مال کی اس قدر محبت کہ اس کو کعبہ مقصود ① ٹھہرا لے، صرف کافر کا شیوہ ہوسکتا ہے۔ خبردار ایسے دھوکہ اور غلطی میں کسی انسان کو ہرگز مبتلا نہ ہونا چاہیے۔ اس کو سوچنا چاہیے جب زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کردی جائے گی۔ اور اے مخاطب آ جائے گا تیرا پروردگار اپنی قہری تجلی کے ساتھ جس طرح بھی اس کی شان کبریائی کے لائق ہو اور فرشتے بھی آ جائیں گے قطار در قطار صف بستہ حکم خداوندی کے منتظر ہوں گے۔ میدانِ حشر ہوگا تمام مخلوق اور فرشتے منتظر ہوں گے کہ فرمانِ الٰہی کیا صادر ہوتا ہے۔ اور لائی جائے گی ② جہنم اس دن محشر والوں کے سامنے۔ لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لے آئیں گے تو اس دن یہ انسان سوچے گا کہ یہ کیا ہوا اور میں نے کس قدر سخت غلطی اور بھول کی کہ ساری زندگی غفلت اور نافرمانی میں گذار دی۔ مگر کہاں کام آئے گا اس کے واسطے اس وقت سوچنا۔ سوچنے اور سمجھنے کا جو موقع تھا وہ تو اس نے ضائع کردیا۔ وہ دار العمل، دُنیا کی زندگی تھی اب یہ تو دار الجزاء ہے۔ اس لیے جو موقع ہاتھ سے نکل چکا وہ کیونکر اس کو حاصل ہوگا۔ اس وجہ سے بڑی ہی حسرت سے کہتا ہوگا اے کاش میں پہلے سے کچھ بھیج دیتا اپنی زندگی کے لیے جو مجھے کچھ کام آ جاتا۔ اصل زندگی تو یہی ہے۔ دُنیا کی زندگی تو اس حیات جاودانی کے لیے سامان مہیا کرنے کے لیے تھی جو میں نے ضائع کر ڈالی۔ تو بس یہ دن ہوگا ایسے شدید اور ہولناک عذاب کا کوئی عذاب دینے والا ایسا عذاب نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی پکڑ سکتا ہے اس جیسی پکڑ کرنا۔

غرض یہ عذاب و ذلت اور گرفت ہر نافرمان انسان کے لیے ہے جو غفلت میں اپنی زندگی گذار دے اور نفس امارہ اس کو سرکشی او ظلم و عدوان کے راستہ پر چلاتا رہے لیکن انسانی نفس ہیں جس نفس کو رضا خداوندی اور اس کی اطاعت و بندگی پر آمادہ کرلیا گیا اور وہ اسی پر مطمئن ہو گیا۔ استقامت و پختگی سے اتباع حق کو اپنا شیوہ زندگی بنا لیا تو اس کے لیے بارگاہِ خداوندی سے ایسا اعزاز و اکرام ہوگا کہ کہا

---

① یہ الفاظ میرے محترم شیخ رحمہ اللہ کے ہیں جو انہوں نے اپنے فوائد میں تحریر فرمائے۔ ۱۲

② یہ تفسیر اس حدیث کے پیش نظر کی گئی جو صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز جہنم کو کھینچ کر لایا جائے گا۔ اس طرح کہ ستر ہزار زنجیروں میں جکڑی ہوگی اور ہر زنجیر پر ستر ہزار فرشتے اس کو گھسیٹ کر لاتے ہوں گے۔ قیامت اور احوال آخرت کا انسانی اذکار عقول ادراک نہیں کرسکتیں جبکہ ہماری نظروں میں نظر آنے والا کوئی ستارہ زمین کے کرہ سے کروڑہا کروڑ بڑا ہے تو ظاہر ہے کہ ملکوت سمٰوات کی وسعت کیا ہوگی۔ اور عالم جہنم کتنا وسیع عالم ہوگا۔ اور اس کو کھینچ کر لانا یا اس کا چلنا اور حرکت کرنا کیا باعث تعجب ہوسکتا ہے، چاند سورج اور مریخ یہ متحرک سیارے ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں تو خداوند عالم کی قدرت اس طرح اگر جہنم کو ایک مقام سے گھسیٹ کر کسی دوسرے مقام (محشر) تک لے آئے تو کیا تعجب ہے۔ امنّا باللّٰہ العزیز وعلٰی قدرتہٖ وما اخبرنا بہ رسولہٗ ﷺ۔

جائے گا اے نفس مطمئنہ * جو اللہ کی بندگی پر راضی و مطمئن ہوا اور اسی کی رضا و خوشنودی کو اپنے لیے سکون و چین بنالیا۔ لوٹ جو تو اپنے رب کی طرف اسی طرح کہ تو بھی خوش ہونے والا ہوا اپنے رب کے انعامات پر اور تجھے پسند کیا جارہا ہو۔ تیرے رب کی بارگاہ میں تیرے ایمان وعمل صالح کو قبول کرتے ہوئے۔ صرف اسی حد تک اعزاز واکرام نہ ہوگا کہ یہ بشارت اپنے مرنے کے وقت سن لے۔ جب کہ فرشتے اس کی روح قبض کر کے اسے اس کے پروردگار کے پاس لے جارہے ہوں جہاں سے وہ آیا تھا اور اب اپنی اصلی جگہ لوٹ کر جارہا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو خطاب لفظ ارجعی "یعنی لوٹ جا تو" سے کیا جاتا ہوگا اور اللہ کا جو مقرب بندہ اس مقام پر پہنچا ہوگا وہ بلاشبہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کا مصداق ہوگا ((مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ اَحَبَّ اللهُ لقاءَ هٗ)) بلکہ مزید برآں یہ بھی کہا جائے گا۔ پھر داخل ہو جا میرے مخصوص ومقرب بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔ جو فردوس اعلیٰ ہے۔ اور اللہ رب العزت نے اپنے ان بندوں کے واسطے اس کو مہیا کر رکھا ہے۔ جن پر اس کا خصوصی انعام ہوگا۔ اور اس طرح یہ نفس مطمئنہ رکھنے والا مؤمن بندہ مطیع ومنیب الی اللہ ہونے کی وجہ سے اسی گروہ میں شامل کردیا جائے گا۔ جن کے بارہ میں ارشاد فرمادیا گیا: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء:۶۹)

قدیم اقوام میں ارم ذات العماد کی تاریخی عظمت اور قہر خداوندی سے ہلاکت

اس آیت مبارک ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ میں حق تعالیٰ نے قوم عاد کے اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اس عظیم اور طاقتور قوم کی ہلاکت و بربادی کا اہل عرب میں مشہور معروف تھا۔ ﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ لفظ عاد سے بدل اور اس کا بیان ہے جو بطور تفسیر وتوضیح لفظ عاد کے بعد ذکر فرمایا گیا۔ یہ قوم عاد، ارم کے عنوان سے معروف تھی۔ اور ان کو عاد اولیٰ بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ ﴿وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا اِلْاُوْلٰى﴾ (النجم:۵۰) آیت میں گزر چکا۔ ارم ان کے جداعلیٰ کا نام تھا۔ اور عرب میں قوموں اور قبیلوں کا انتساب جداعلیٰ کی طرف مروج تھا یہ لوگ نہایت بلند قد وقامت والے تھے۔ مال ودولت کی فراوانی کی بھی حد نہ تھی۔ بلند ترین مکانات، قلعے اور محلات تعمیر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو ذات العماد یعنی "ستونوں والے" کے لقب سے تاریخ میں تعبیر کیا گیا۔ یہ قوم اپنے بزرگوں کے مقابر بھی نہایت بلند اور عالیشان بنایا کرتے تھے ان کی عمارات اور شان شوکت کے آثار خود اپنی مثال تھے دیگر علاقوں اور شہروں میں اس کی مثال مشکل تھی تو اس بناء پر ان کی حالت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے ﴿لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِى الْبِلَادِ﴾ بھی فرمایا۔ تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ عاد دو فرقوں پر مشتمل قوم گذری ہے ایک عاد اولیٰ جس کو عاد قدیم بھی کہا جاتا تھا۔ ان ہی کو اس مقام پر عاد ارم سے تعبیر کیا گیا۔ ان کے جد امجد ارم کے نام سے یہاں ایک خوبصورت شہر بھی تھا۔ جو عرب علاقوں میں

---

* "نفس مطمئنہ" نفس کی ریاضت وتربیت کے بعد نفس کی اس حالت کا نام ہے جب کہ نہ وہ امارۃ بالسوء رہے۔ جو اس کا مزاج اور طبعی خاصہ ہے کہ برائیوں پر آمادہ کرنا۔ اور نہ وہ لوامہ رہے جبکہ وہ دوران تربیت اگرچہ مطمئنہ کی شان تو حاصل نہیں کرتا لیکن اس قدر صلاحیت حاصل کر لینا ہے کہ برائی کے ارتکاب کے بعد ملامت کرنے لگتا ہے تو یہ درجہ آخری اور اعلیٰ ترین درجہ ہے جس کے بعد نفس رضائے الٰہی کا تابع اور طالب بن جاتا ہے۔ اب یہ نفس اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو حدیث انس بن مالک ؓ میں ہے: ((لا یؤمن احد کم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت بہ)) اور ((ثلث من کن فیه وجد بھن حلاوۃ الایمان)) ۱۲۔

بے مثال شہر ہوتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ملک یمن کے علاقہ حضرموت میں احقاف کی سرزمین میں رہا کرتے تھے۔ خداوند عالم کی دی ہوئی نعمتوں سے اس قدر مست ہوئے کہ حد نہ رہی، عیش وعشرت نفس پرستی اور بدکاری اپنا شیوہ بنالیا۔ ان ہی کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ﴾ (ھود: ۵۰) لیکن جب نافرمانی اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تو ہوا کا طوفان ان پر مسلط ہوا اور ہلاک کردیئے گئے بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد یمن میں آباد ہوئی۔ ان کا عروج اس حد تک پہنچا کہ عرب، مصر اور بعض دیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہوگئی۔ بدکاری اور عیاشی میں اس قدر بڑھ گئے کہ جانوروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ انبیاء علیہم السلام نے ہر چند نصیحت کی لیکن راہ راست پر نہ آسکے۔ حتیٰ کہ ہود علیہ السلام کا زمانہ آیا اور ان کی نافرمانی میں جب حد سے زیادہ غلو ہوا تو ہوا کے طوفان نے ان کو ہلاک کرڈالا۔ اور عذاب الٰہی کا کوڑا جب ان پر برسنا شروع ہو تو سلطنتیں بھی ختم ہوگئیں۔ تمام عیش وعشرت کے سامان بھی ہاتھ سے نکل گئے اور مصائب اور پریشانیوں میں اس قدر گھرے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی قوم ایسے افلاس ومصائب کا شکار بنی ہو۔ عاد قدیم اور عاد اولیٰ سے بچے کھچے لوگوں کو عاد اخیرہ سے بھی تعبیر کیا گیا۔

حضرت العلامہ حقانی دہلوی قدس اللہ سرہٗ نے اپنی تفسیر میں ان تاریخی نقول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے۔ شدید اور شدّاد۔ یہ ملکوں پر قابض ہوئے۔ شدید مرگیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے ترقی کی بڑے بڑے شہر اس کے مطیع ہوگئے۔ اس نے (انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں) جنت کا ذکر سنا تو کہا کہ میں بھی ایک ایسی بہشت تیار کرتا ہوں تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہر ارم کی بنیاد ڈالی اور تین سو برس میں ایک شہر آباد ہوا جس میں سونے چاندی کے محل اور زبرجد کے ستون تھے۔ اقسام وانواع کے اس میں باغ لگائے، نہریں جاری کیں۔ یہ شہر جب بن کر تیار ہوگیا تو تمام ارکان سلطنت کو جمع کر کے اپنے ساتھ لے کر اس شہر کی طرف چلا (تاکہ اپنی تیار کی ہوئی بہشت کی سیر کرائے) شداد جب اپنی بہشت کے قریب پہنچا تو آسمان سے ایک ہیبت ناک کڑک آئی اور اس نے سب کو ہلاک کرڈالا۔ تاریخی نقول سے ظاہر ہوتا ہے (قوم عاد جسمانی لحاظ سے تنومند ڈیل ڈول میں مضبوط طویل القامت ہوتے تھے اسی طرح ان کی عمریں بھی طویل ہوتی تھیں اس بنا پر تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ) شداد نو سو برس تک زندہ رہا۔

یہ بھی ایک روایت بعض کتب تواریخ میں مذکور ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) کہ حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنا گمشدہ اُونٹ تلاش کرتے ہوئے اس جنگل میں جانکلے جہاں شہر ارم تھا۔ وہاں ان کو کچھ جواہرات ملے جو اٹھالائے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو بلا کر وہاں کے احوال دریافت کیے اور سن کر یہی خیال ظاہر کیا کہ شاید یہ وہی کھنڈرات ہوں جہاں ارم شہر آباد تھا۔ (کذا فی تفسیر فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی ج ۸)

عذابِ خداوندی کی عظمت وشدت

﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴾ کی تفسیر بالعموم مفسرین کے یہاں یہی کی جاتی ہے کہ ان الفاظ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے روز قیامت مجرمین پر جو عذاب ہوگا۔ اس کی شدت بیان کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جو عذاب اللہ رب العزت مجرمین کو

دے گا دنیا اور دُنیا کی طاقت اس طرح کا شدید عذاب دے ہی نہیں سکتی یہ مفہوم تو واضح اور ظاہر ہے جس طرح آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کے برابر دنیا کی کوئی راحت و نعمت نہیں ہوسکتی تو بالکل اسی طرح آخرت کی کلفت اور عذاب کی ہم پلہ کوئی اور کلفت و عذاب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح خدا کی قید اور گرفت بھی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ ان کلمات کی تفسیر میں یہ فرماتے ہیں کہ اس روز نہ مارے گا اس کا سا مارنا کوئی نہ آگ نہ دوزخ کے مؤکل نہ سانپ بچھو جو دوزخ میں ہوں گے کیوں کہ ان کا مارنا اور دکھ دینا عذاب جسمانی ہے اور حق تعالیٰ کا عذاب اس طور سے ہوگا کہ مجرم کی روح کو حسرت اور ندامت میں گرفتار کردے گا۔ جو عذاب روحانی ہے اور ظاہر ہے کہ عذاب جسمانی کو عذاب روحانی سے کیا نسبت۔ نیز نہ باندھے گا اس جیسا باندھنا کوئی۔ کیونکہ دوزخ کے پیادے ہر چند کہ دوزخیوں کے گلے میں طوق ڈال دیں گے اور زنجیروں سے جکڑیں گے اور دوزخ کے دروازے سے بند کرکے اُوپر سے سرپوش رکھ دیں گے (جیسے کسی غار کو چٹان سے ڈھانک دیا جائے اور بند کر دیا جائے) لیکن اس کی عقل اور خیال کو تو بند نہ کرسکیں گے اور عقل اور خیال کی عادت ہے کہ بہت سی باتوں کی طرف التفات کرتا ہے اور ان میں سے بعض باتیں بعض دوسری باتوں کے واسطے حجاب ہو جاتی ہیں اسی لیے عین قید کی تنگی میں انسان کو عقلی اور خیالی وسعت حاصل ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس (مجرم) شخص کے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خیال اور عقل کو اِدھر اُدھر جانے سے روک دے اور بالکل ہمہ تن دکھ اور درد ہی کی طرف متوجہ رکھے تو ایسی قید بدنی قید سے ہزاروں درجہ سخت ہے (اور ظاہر ہے کہ ایسی قید کسی کی طاقت میں نہیں۔ اس قید و گرفت میں بس اللہ ہی پکڑ کرسکتا ہے) اسی لیے مجنون سودائیوں کو عین باغوں میں جنگلوں کی سیر کے وقت بھی (باوجود باغوں کی شادابی اور جنگلوں کی وسعت کے) تنگی اور گھبراہٹ، وہم و خیال کے سبب پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ باغ اور وسیع جنگل اس کی نظر میں تنگ معلوم ہوتے ہیں۔ (از فوائد شیخ الاسلام حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ: شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ازالۃ الخفاء میں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی نے آپ ﷺ کی مجلس میں آیت ﴿يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ تلاوت کی۔ اور اس مجلس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! بوقت وفات فرشتہ تم سے یہی کہے گا اور ﴿يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ کہہ کر تمہیں مخاطب کرے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ابن ابی حاتم، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جب وفات ہوئی تو ان کے جنازہ کی تیار کے بعد ان کی نعش میں ایک ایسا عجیب الخلقت پرندہ داخل ہوا کہ اس جیسا کوئی پرندہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا اور اس کے بعد اس کو کسی نے نکلتے ہوئے بھی نہیں دیکھا جب جنازہ دفن کیا جانے لگا تو قبر کے ایک کنارہ سے سنائی دے رہا ہے، کوئی یہ آیت تلاوت کر رہا ہے ﴿يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾۔

اسی طرح ایک اور عجیب واقعہ بروایت حافظ ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا، فتان بن رزین ابوہاشم نے خود اپنا قصہ بتایا کہ ہم بلادِ روم میں ایک مرتبہ گرفتار کر لیے گئے تھے تو وہاں کے نصرانی بادشاہ نے ہمیں عیسائی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قتل کر دیئے جاؤ گے تو ہم میں سے تین آدمیوں نے تو بحالت اضطرار اپنی زبان سے یہ کہہ دیا لیکن چوتھا شخص عزیمت پر قائم رہا اور اس نے کلمہ ارتداد اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ جس پر اس کی گردن اڑا دی گئی اور کسی نہر میں اس کا سر ڈال دیا گیا۔ عام طور پر مشاہدہ کیا گیا کہ وہ سر پانی پر نمودار ہو کر ان تینوں کو نام بنام پکار کر یہ آیت پڑھتا رہا پھر پانی میں ڈوب گیا اس واقعہ سے بادشاہ کانپ اٹھا اور بہت سے نصاریٰ مسلمان ہو گئے۔

اَللّٰھم [1] اجعلنی منھم اَللّٰھم اجعلنی منھم اَللّٰھم اجعلنی منھم بفضلك و کرمك.
آمین یارب العٰلمین.

اے پروردگار عالم اس آیت مبارکہ کی برکت سے اس گنہگار کو بھی اپنے ان عباد مخلصین میں محض اپنے لطف وکرم سے شامل فرما لے جن کے واسطے تیرے فرشتے یہ پیغام بشارت لے کر آتے ہیں۔اے رب العالمین آپ غفور رحیم اور عفو کریم ہیں۔
عَامِلْنِیْ بِمَا اَنْتَ اَھْلُهٗ وَلَا تُعَامِلْنِیْ بِمَا اَنَا اَھْلُهٗ اَنْتَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَالْمَغْفِرَۃ یارب یارب.

اِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاکَا وَاِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَرْحَمْ سِوَاکَا

فارحمنی یامولای یاارحم الراحمین وارحم لمن استغفرلی یااکرم الاکرمین.
آمین یاذاالجلال والاکرم

تم بحمداللہ تفسیر سورۃ الفجر.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ البلد

سورۃ البلد بھی مکی سورت ہے، جس کی بیس ۲۰ آیات ہیں۔اس سورت کا موضوع بھی دیگر مکی سورتوں کی طرح عقیدہ توحید ایمان قیامت اور جزاء وسزا کو ثابت کرنا ہے۔اور یہ کہ انسانوں کے دو گروہ ابرار واخیار اور فساق وفجار مختلف گروہ ہیں۔ہر ایک کے اعمال اور اطوار جدا جدا ہیں۔ایک گروہ سعادت ونجات کی طرف جا رہا ہے تو دوسرا گروہ ہلاکت اور عذاب میں اپنے آپ کو مبتلا کر رہا ہے۔

سورۃ کی ابتدا سرزمین حرم کی قسم سے کی گئی جو نبی کریم ﷺ کا مولد وطن ہے وہیں سے وحی کی ابتدا ہوئی۔اور ہدایت اور روحانیت کے فیوض وبرکات عالم میں اسی سرزمین سے پھیلے۔

ہدایت وسعادت کی دعوت تو انسانی زندگی کے لیے بہت ہی بڑی نعمت تھی۔اس دعوت کو تو چاہیے تھا کہ اہل مکہ قبول کرتے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے دوڑتے۔مگر ان کی بدنصیبی کہ اس سے انحراف کیا اور رسول خدا کے ساتھ دشمن اور مقابلہ شروع کر دیا۔اسی مناسبت سے دُنیا میں انسانوں کی دو گروہوں کی تقسیم فرمادی گئی۔اور قانون جزاء وسزا کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

---

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا یہ دعا مانگ: ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ نَفْسًا مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ)). آمین برحمتك یا ارحم الرّاحِمِیْنَ

آیاتہا ۲۰ (۹۰) سُوْرَۃُ الْبَلَدِ مَکِّیَّۃٌ (۳۵) رکوعاتہا ۱

سورۃ بلد مکی ہے۔ اس کی بیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِھٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ وَّ مَا

قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور تجھ کو قید نہ رہے گی اس شہر میں۔ اور جنتے کی اور جو

وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ

جنا۔ ہم نے آدمی بنایا محنت میں۔ کیا خیال رکھتا ہے کہ اس پر بس نہ چلے گا

عَلَیْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوْلُ اَھْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ

کسی کا؟ کہتا ہے میں نے کھپایا مال ڈھیروں۔ کیا خیال رکھتا ہے کہ دیکھا نہیں اس کو

اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۙ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ۙ﴿۹﴾ وَ ھَدَیْنٰهُ

کسی نے۔ بھلا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں۔ اور زبان اور دو ہونٹ۔ اور سجھا دیں اس کو دو

النَّجْدَیْنِ ۚ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۫ۖ﴿۱۱﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾ فَکُّ

گھاٹیاں۔ سو نہ ہمک سکا گھاٹی پر۔ اور تو کیسا بوجھا کیا ہے وہ گھاٹی۔ چھڑانا

رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾

گردن کا یا کھلانا بھوک کے دن میں۔ بن باپ کے لڑکے کو جو ناتے دار ہے

اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

یا محتاج کو جو خاک میں رلتا ہے۔ پھر ہوا ایمان والوں میں، جو تقید کرتے ہیں سہارنے کا،

وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

اور تقید کرتے ہیں رحم کھانے کا۔ وہ لوگ ہیں بڑے نصیب والے۔ اور جو منکر ہوئے

ع ۱ ۱۵ بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۱۹ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰

ہماری آیتوں سے، وہ ہیں کم بختی والے۔ انہی کو آگ میں مونڈا ہے۔

انقسام عمل در خیر و شر مع بیان عظمت مہبط وحی و سرچشمہ ہدایت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ ... الى ... نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰﴾

ربط: سورۃ الفجر میں پانچ اہم اور عظیم امور کی قسم کھا کر ہر صاحب عقل اور فہم کو اس امر کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ عقل اور فطرت کی روشنی میں خداوند عالم کی عظمت وقدرت کو پہچانے اس کی خالقیت و ربوبیت پر ایمان لائے۔ یہی چیز انسان کو فلاح وسعادت کے مقام تک پہنچانے والی ہے۔ اور جو قومیں عقل وفطرت کی ان صلاحیتوں کو ضائع کر کے سرکشی اور نافرمانی پر ڈٹی رہیں جیسے قوم عاد وثمود اور فرعون تو تاریخ میں ان کا عبرت ناک انجام بھی دنیا کے سامنے آ چکا تو اس سورت میں سرزمین مکہ مکرمہ کی قسم کھا کر اس کی عظمتوں کو اس طرح مخاطب کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے عمل کی تقسیم خیر و شر کی طرف کی جا رہی ہے۔ اور یہ کہ اسی طرح انسانوں کے گروہ بھی ان دو قسموں میں منقسم ہیں ایک گروہ ابرار و نیکوکاروں کا اور دوسرا نافرمان اور فاجروں کا۔ اس ضمن میں انسانی عقول کو حق و ہدایت کی رہنمائی اور ترغیب فرمائی گئی اور ہلاکت و شر سے بچنے کی تنبیہ کی گئی۔

ارشاد فرمایا: قسم کھاتا ہوں میں اس شہر مکہ معظمہ کی۔ اور آپ ﷺ کے لیے حلت و آزادی ہوگی اس شہر میں جب کہ اس شہر میں کسی کو قتال کی اجازت نہیں مگر فتح مکہ کے وقت یہ آپ ﷺ کے لیے حلال کر دیا جائے گا۔ جیسے کہ حدیث میں ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے فتح مکہ اور اس وقت کے مقابلہ اور قتال ہی کا ذکر کرتے ہوئے۔ انّها لم تحلّ لاحدٍ قبلي ولن تحلّ لاَحَدٍ بعدی وانّما اُحلّت لی سَاعةً مِنْ نَهارٍ کہ یہ شہر مکہ اور حرم مجھ سے پہلے نہ کسی کے لیے کبھی حلال ہوا اور نہ ہی ہمارے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے واسطے صرف دن کے ایک حصہ میں حلال کیا گیا جس میں قتال بھی کیا گیا اور پھر مجرمین کو اسی جگہ اور حدود حرم میں سزا بھی دی گئی۔ حتیٰ کہ کسی مجرم کو دیوار کعبہ کے پاس اور حل بمعنی حال نازل ہو۔ یعنی اگرچہ اس وقت یعنی مکی زندگی میں اہل مکہ کی طرف سے اے پیغمبر آپ ہر قسم کی تکلیف ومشقت اور مصائب میں گھرے ہوئے ہیں لیکن آپ اسی شہر میں جس کو چھوڑ کر ہجرت بھی کرنا پڑے گی خدا کی قدرت اور اس کے فضل وکرم سے فاتحانہ انداز میں اُتریں گے جیسے کوئی معزز مہمان کسی جگہ عزت کے ساتھ اُتارا جائے۔ چنانچہ یہ وعدۂ الٰہی جو مکی زندگی میں اس وقت کیا گیا جب کہ مادی اسباب میں کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کی صورت میں رونما ہوا۔ ❁ آپ

❁ سورۃ الفجر کے مضمون سے اس سورت کے مضمون کی مناسبت ایک وجہ سے اس طرح بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ سورۂ فجر میں عاد وثمود اور قوم فرعون کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر کس طرح خدا کا عذاب نازل ہوا اب اس مناسبت سے سورۃ البلد میں مکہ مکرمہ کی عظمت بیان کر کے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جس کو اللہ نے امن کی جگہ بنایا حتیٰ کہ ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ اور اس سرزمین کے گھانس اور درختوں کے کاٹنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ جانوروں کا شکار بھی حرام کر دیا گیا۔ اس طرح یہ شہر ان مقامات کے قطعاً برعکس ہوا۔ وہ علاقے محل عذاب تھے، یہ امن وعافیت کی جگہ۔ حتیٰ کہ اس جگہ کے مجرمین بھی عذابِ خداوندی سے محفوظ کر دیئے گئے جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ ۱۲۔

کعبۃ اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سرداران عرب سرنگوں معافی مانگتے ہوئے آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہو رہے تھے اور آپ ان کو معاف فرماتے جاتے۔ اور قسم ہے باپ کی اولاد کی یعنی آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کی۔ بے شک ہم نے انسان کو بڑی ہی مشقت میں پیدا کیا۔ ابتداء آفرینش سے لے کر عمر بھر کے تمام مرحلے مشقتوں اور طرح طرح کے افکار و آلام اور مصائب میں گزرتے ہیں جن سے ہر ذی عقل یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ہر انسان عاجز محض ہے اور اس کی زندگی میں پیش آنے والے تغیرات کسی قادر مطلق کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور اس کا فطری تقاضا یہی تھا کہ ہر انسان اپنے خالق کا مطیع و فرمانبردار ہوتا۔ لیکن نافرمان و کافر انسان بڑی غلطی میں پڑا ہوا ہے کہ وہ اس چیز سے غافل ہے کہ قیامت اور جزاء و سزا کا مرحلہ آنے والا ہے ❁ تو کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت نہ ہوگی۔ پکڑ کی اور اس کے کفر و نافرمانی پر سزا دینے کی۔ یہ انسان کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا ہے۔ جیسا کہ کفار مکہ آنحضرت ﷺ اور اسلام کے خلاف اپنی دولت خرچ کر کے کہتے یا یہ انسان وہ ہے جو اپنے واسطے محفوظ مکانات کی تعمیر میں خادموں، محافظوں کی تنخواہوں، اپنے خاندان کے لوگوں پر انعام و اکرام اور امداد و اعانت میں۔ راحت و آرام اور عیش و عشرت کے اسباب مہیا کرنے میں خرچ کر کے کہتا ہے میں نے تو بہت سا مال خرچ کر ڈالا ہے تو اب ان محفوظ قلعوں اور اس قدر محافظین اور جانثار فوج اور خادموں کے ہوتے ہوئے مجھے کون پکڑ سکتا ہے۔ اور کون ہے جو مجھے کسی مصیبت و پریشانی میں ڈال سکے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں مجھے اس کی سزا کوئی نہیں دے سکتا۔ لیکن اس انسان کا یہ سوچنا اور کہنا قطعاً غلط ہے۔ اس کے یہ تمام وسائل و اسباب ہرگز ہرگز خداوند عالم کی گرفت اور اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے وہ قادر مطلق ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ اس کے احاطہ قدرت اور علم سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ کیا اس کا یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اور اس کے اعمال کسی قادر مطلق کی نظروں کے سامنے نہیں۔ یہ بات بھی قطعاً عقل و شعور کے خلاف ہے۔ بھلا کیا نہیں دی ہیں اس کو دو آنکھیں ❁ جس سے یہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور کیا ہم نے نہیں بنائی ہے اس کی زبان اور دو ہونٹ جن

❁ حسن بصری رحمہ اللہ ﴿وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ کی تفسیر میں حضور اکرم ﷺ کے لیے حرم مکہ کی حلت کا مفہوم بیان فرمایا کرتے تھے، اور فرماتے تھے یہ وہی بات ہے جو حدیث بخاری اور مسلم میں آنحضرت ﷺ سے وارد ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ((اِنَّ هٰذا البلد حرمه الله يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰت وَالارض فهو حرام الى يوم القيٰمة لايعضدُ شجرهٗ ولا يختلى خلاهٗ وانما احلت لى ساعة من نهار وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالامس. الا فليبلغ الشاهد الغائب))۔ ان آیات میں مکہ مکرمہ کی قسم کھانے کے بعد ﴿وَ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾ کی قسم کھائی گئی۔ جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ والد سے مراد آدم علیہ السلام اور ولد سے ان کی ذریت اور اولاد آدم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی قسم کھانا گویا آدم علیہ السلام کی عظمت اور ان کی خلافت فی الارض کی طرف اشارہ ہے اور ذریت کی قسم کھانا گویا تاریخ عالم میں انسانوں کے احوال ان کے ادوار، ان کے اعمال و اخلاق اور ان کے عادات و طبائع کے عظیم تر تفاوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہر مخاطب کی نظروں کے سامنے عالم انسانیت کا پورا نقشہ پیش کر دیا اور ظاہر ہے کہ عظمت خداوندی کا اس طرح ثبوت کلیۃً بہم پہنچ رہا ہے۔

مجاہد اور حسن بصری رحمہما اللہ سے منقول ہے۔ فرمایا رب العزت نے ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اس شہر کی قسم کھائی جو ام القریٰ اور ام المساکن یعنی انہی جگہوں میں سب سے پہلی جگہ (جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا﴾ تو اس کے بعد مناسب ہوا کہ دُنیا کے ساکنین میں اس ساکن کی قسم کھائی جائے جو سب سے اول اور اصل ہے زمین پر تمام آباد ہونے والوں کی۔ وہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ۱۲

❁ حافظ ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بروایت ابن عساکر مکحول کی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے۔ بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ رب العزت فرماتا ہے، اے ابن آدم! میں نے تجھ پر بڑے عظیم انعامات کیے ہیں جن کو کوئی حد و انتہا نہیں۔ میرے عظیم تر انعامات میں سے یہ ==

سے وہ دن رات بولتا ہے اور خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتیں کھا رہا ہے۔ اور کیا ہم نے اس کو نہیں دکھلا دیں دو گھاٹیاں اور رہنمائی نہیں کر دی ہے دونوں راستوں خیر اور شر کی کہ عقلی اور فکری صلاحیت سے سمجھ سکتا ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا چیز شر ہے۔ کون سی بات مفید ہے اور کون سی مضر۔ تو جو رب العالمین اس انسان کو دو آنکھیں عطا کرنے والا ہے اور ہر جاندار مخلوق کو اس نے بینائی دی ہے کیا وہ اس انسان اور اس کے اعمال واطوار کو نہیں دیکھ رہا ہوگا۔ جو رب ساری دنیا کو بینائی دے وہ خود کچھ نہ دیکھ سکے گا یہ تصور کوئی پاگل انسان ہی اپنے دماغ میں قائم کر سکتا ہے پھر جس خالق حکیم نے اپنی قدرت وحکمت سے انسان میں ان تمام چیزوں اس کی زبان اس کے دو ہونٹ اور تمام پیکر جسمانی مع اپنی تمام خوبیوں اور حکمتوں کے پھر اس نے عقل وشعور کی صلاحیت دی ہو جس کے ذریعہ انسان ہر خیر وشر کو پہچان سکتا ہے اس کی قدرت اور عظمت سے کوئی انکار کر سکتا ہے؟ اور اس قادر مطلق کی گرفت سے یہ نافرمان انسان کیسے بچ سکتا ہے۔

یا یہ کہیے کہ جب اس پروردگار نے اس انسان کو آنکھیں دی ہیں تو اس کو چاہیے تھا آنکھوں سے اللہ کی قدرت کے مناظر اور دلائل دیکھتا زبان دی تھی، اس کو چاہیے تھا کہ کسی سے پوچھ لیتا۔ کسی کی زبان میں اگر گویائی نہ ہو تو گونگوں کی طرح ہونٹوں کے اشارہ سے بات کرنا اور معلوم کرنا ممکن تھا۔ پھر عقل دی اور خیر وشر ہدایت وضلالت اور حق اور باطل دلائل کی روشنی میں واضح کر دیئے تو شر سے بچ کر خیر کا راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ گمراہی اور باطل سے بیزار ہو کر حق قبول کر سکتا تھا۔ مگر افسوس! ان تمام باتوں کے باوجود یہ انسان جب گمراہی پر ڈٹا رہا۔ نافرمانی اور فسق وفجور کے سوا زندگی میں کوئی کام ہی نہ کیا تو اب اس کے بعد کیسے عذاب خداوندی اور اس کی گرفت سے بچے گا۔ خدا کی عطا کی ہوئی ان نعمتوں اور صلاحیتوں سے تو اس کو چاہیے تھا کہ اس کا مطیع وفرمانبردار ہوتا۔ جب یہ سب اس کو بارگاہ رب العزت سے ملا تھا تو پھر کیوں نہ گھس [1] پڑا گھاٹی میں ایسی گھاٹی جس میں ہر طرح کی آفت ومصیبت سے حفاظت ہو سعادت وفلاح کے خزائن

= ہے کہ میں نے تجھے دو آنکھیں دی ہیں جن سے تو دیکھتا ہے اور ان پر ایک پردہ بھی بنا دیا ہے تو ان آنکھوں سے تو وہ چیز دیکھ جو تیرے واسطے حلال ہے۔ اور اگر تیری نگاہیں ایسی چیز پر پڑیں جو میں نے تجھ پر حرام کر دیں تو اپنی آنکھیں اس پردہ سے بند کر لے اور تجھے زبان دی اور اس کے واسطے ایک غلاف بنا دیا (یعنی دہن اور ہونٹ) اس لیے اس زبان سے تو وہ چیز بول جو تیرے لیے حلال ہے۔ اور جس چیز کا زبان سے بولنا میں نے حرام کر دیا ہے تو اس بے زبان کو اپنے دہن میں بند رکھ۔ الی آخر الحدیث۔

﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ لغت میں النجد طریقہ اور راستہ کو کہا جاتا ہے۔ تو نجدین سے دونوں قسم کے راستے ہوئے خیر وشر کے۔ چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت علی، ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، عکرمہ اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ابن وہب رحمہ اللہ نے بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے، اے لوگو! یہ دو راستے ہیں (جن کو قرآن النجدین فرما رہا ہے) کہ انسان کو چاہیے کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عقل وشعور سے سمجھ کر یا کسی سے پوچھ کر خیر وفلاح ہی کا راستہ اختیار کرے۔ بعض مفسرین نے عورت کے دونوں پستان بھی مراد ہیں ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ رقبہ گردن کو کہتے ہیں اور رفک کسی گرفت کو کھولنا اس میں ہر پریشان اور گرفتار مصیبت شخص کو مصائب کی گرفت سے چھڑانا بھی داخل ہے جیسے کسی غلام کو غلامی سے رہا کرانے میں حصہ لینا یا پورے طور پر اعتاق رقبہ یعنی اس کو آزاد کر دینا جب کہ وہ اسی کا مملوک ہے۔ ۱۲۔ (روح المعانی ج ۴)

[1] اقتحام لغت میں کہا جاتا ہے کسی تنگ جگہ میں داخل ہو جانے کو یا تیزی سے کسی مکان میں گھس جانے کو تو اس لفظ کو قرآن کریم نے استعمال کر کے یہ اشارہ کر دیا کہ درحقیقت یہ وادی اور گھاٹی امن وعافیت کی ایسی ہے جس میں انسان کو چاہیے کہ بڑی ہی تیزی اور قوت کے ساتھ داخل ہو جائے۔ اگر خارج میں موانع پیش آ رہے ہوں تو پوری قوت سے ان کی مزاحمت کرتا ہوا اندر داخل ہو جائے۔

وہاں حاصل ہوسکیں اور اے مخاطب تجھے خبر بھی ہے؟ کہ کیا ہے وہ عقبہ (گھاٹی)؟ وہ چھڑانا ہے کسی گردن کا غلامی یا کسی بھی بوجھ اور گرفت سے یا کھانا کھلانا ہے کسی بھک کے دن یتیم کو بالخصوص جو قرابت والا ہو۔ یا کسی محتاج کو جو اپنے فقر واحتیاج کے باعث خاک میں رل رہا ہو اور فقر وتنگدستی سے خاک میں لوٹ رہا ہو۔ درحقیقت خرچ کے تو یہ مواقع ہیں، اس انسان کو چاہیے تھا کہ ایسے مواقع میں اپنے مال کو خرچ کرتا۔ اور ان ہی مصارف میں مال کا خرچ کرنا سعادت اور فوز وفلاح کی منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اور یہی وہ گھاٹی ہے جس میں گھس کر انسان امن وعافیت اور دنیا کے ہر فتنہ اور مصیبت سے تحفظ حاصل کرسکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے محض ان مکارم اخلاق اور یتیموں مسکینوں کی اعانت وہمدردی سے فلاح وکامیابی نہیں حاصل ہوتی بلکہ چاہیے کہ وہ ہوجائے ایمان والوں میں سے۔ اور ایمان وتقویٰ اور عمل صالح خداوند قدوس کی عبادت وبندگی کے ساتھ ان لوگوں میں ہوجائے جو ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں مہربانی کرنے کی کہ حقوق وفرائض ادا کرنے میں صبر وتحمل اور استقامت اختیار کریں۔ اور اس راہ میں اپنے نفس کی شہوات اور لذتوں پر قابو پانے کی کوشش کریں اور خدا کی مخلوق پر مہربانی اور رحم کرنے کی تاکید کریں۔ کیونکہ یہی راستہ یعنی ایمان وعمل صالح اور مخلوق خدا پر رحم کرنا آسمان وزمین کے قیام وبقاء کا ذریعہ ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السَّمَآءِ)).

"کہ زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔"

تو بس یہی لوگ ہیں بڑے نصیب والے اور کامیاب ان ہی کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

اور اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے اور نافرمانی اختیار کرلی وہ بدبختی والے ہیں ان کی نحوست شامت اعمال ان کو ہرگز نہ بخش سکے گی۔ یہاں تک کہ ان ہی پر ایک آگ ہوگی جو ڈھانک دی گئی ہوگی جیسے کسی ڈھکنے یا سرپوش سے کوئی چیز بند کردی جائے اور اس کو ڈھانک دیا جائے کہ اس کے بعد نہ اس کی بھاپ اور شعلے نکل کر کم ہوسکیں گے اور نہ ہی باہر کی کوئی ہوا یا کوئی چیز اس میں داخل ہوکر اس کی شدت اور لپٹ کو کم کرسکے گی یا یہ کہ جہنم کے تمام دروازے بند کیے ہوئے ہوں گے تو یہ کیونکر ممکن ہوگا کوئی مجرم اس میں سے نکل بھاگنے کا تصور کرسکے۔

فائدہ: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یعنی بایں ہمہ اور مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہونے کے علاوہ پھر یہ بھی ہو کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔ تو لفظ ﴿ثُمَّ﴾ اس مقام پر محض تراخی ذکری کے لیے ہے جو اہل عربیہ کے یہاں متعدد اُمور کے ذکر کے بعد کوئی مضمون بیان کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تراخی وقوعی کے لیے ہے یعنی اگر کسی شخص کافر نے اپنی کفر کی زندگی میں اعمال خیر کیے، صدقہ صلہ رحمی وغیرہ کیئے تو یہ اعمال قابل قبول اور باعث رضاء خداوند اس وقت ہیں جب کہ وہ شخص ایمان لے آئے۔ چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے حالت کفر میں کچھ نیک کام کیے ہیں؟ (کیا وہ قبول ہوں گے یا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَسْلَمْتَ اَسْلَفْتَ مِنْ خَيْرٍ)) کہ تم ان تمام نیکیوں کے ساتھ ایمان لائے ہو جو تم پہلے کرچکے۔ ہم نے ترجمہ آیت کے درمیان اضافہ کیے ہوئے الفاظ میں ان دونوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

تواصی بالصبر انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث ہے

صبر کا مفہوم ضبط نفس ہے۔ جو استقامت اور پابندی کے معنی کو متضمن ہے۔ نفس کو خواہشات سے روکنا اور فرائض دین کا پابند بنانا اتباع شریعت کی روح ہے لفظ صبر کا استعمال علیٰ اور عن دونوں صلوں کے ساتھ کلام میں پایا گیا۔ ائمہ لغت فرماتے ہیں علیٰ کے ساتھ استعمال کسی چیز پر پختگی استقامت اور دوام ہوتا ہے یا کسی چیز کو برداشت کرنا مثلاً کہا جائے۔ صبرت علی الفرائض یعنی میں نے فرائض کی پابندی کی اور کہا جاتا ہے فلان صبر علی البلایا کہ فلاں شخص نے مصائب و تکالیف کا تحمل کیا۔ اور عن کے ساتھ استعمال مثلاً صبرت عن المعاصی تو مراد یہ ہوگی کہ گناہوں اور نافرمانیوں سے صبر اور پرہیز کیا۔ صبرت عن الشھوات یعنی نفس کی خواہشات سے بچا۔ تو اس طرح صبر کی عملی شکل انسانی حیات میں فرائض کی پابندی مشقتوں کی برداشت، گناہوں سے پرہیز اور خواہشات نفس سے اجتناب کی صورت میں رونما ہوگی اور ظاہر ہے کہ انسان کی عملی زندگی میں ان چار پہلوؤں کی تکمیل کمال سعادت اور ایمانی زندگی کا پیکر ہے اور ان بنیادی عملی پہلوؤں کی دوسروں کو تلقین اصلاح معاشرہ کی ضامن اور اجتماعی زندگی کو اعلیٰ و ارفع بنانے والی ہے۔ صبر و حلم اللہ رب العالمین کی نظر میں بڑا ہی محمود وصف ہے۔ ارشاد ہے ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (الشوریٰ: ۴۳) کہیں اس کو انبیاء علیہم السلام کا خلق عظیم ہونے کی حیثیت سے بیان کیا ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف: ۳۵) ... ﴿يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ۱۰)۔

اصل یہ ہے کہ انسان کو ہلاکت میں ڈالنے والی دو چیزیں ہیں ایک قوت غضبیہ، دوسری قوت شہویہ۔ ان دونوں کا غلبہ انسان کو فسق و فجور اور شہوات و بدامنی سفک دماء ظلم و عدوان جیسی باتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وصف صبر سے ان دونوں قوتوں کو انسان اپنے ضبط اور قابو میں لا سکے گا اور اس طرح جو بھی بے راہ روی اور سرکشی انسان کی عملی زندگی میں واقع ہوتی ہے اس سے محفوظ رہے گا۔ ساتھ ہی شدائد و تکالیف کا تحمل اور احکام دین پر استقامت و پابندی اس کو مزید کمال و عظمت کی منزل تک پہنچانے والی ہوگی۔

تمّ بحمد اللہ تفسیر سورۃ البلد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ الشمس

سورۃ الشمس بھی مکی سورت ہے۔ جس کی پندرہ آیات ہیں۔ اس سورت میں خاص طور پر ایک تو انسان کے نفس اور اس کے تقاضوں کے متعلق خالق کائنات نے ایسی بنیادی باتیں ذکر فرمائی ہیں جن کو محسوس کر کے انسان نفس کے فریب اور اس کی شہوتوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ دوسری یہ اہم بات ذکر فرمائی گئی کہ انسان کی فطرت میں خیر و شر اور ہدایت و ضلالت کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن یہ اس کے شعور اور فکر پر موقوف ہے کہ خیر و شر میں سے کس پہلو کو اختیار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختیار کرنا خود انسان کا اپنا عمل اور

اسی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس بناء پر اصولاً یہ درست ہے کہ خیر اور نیکی پر اجر و ثواب اور نجات کا مستحق ہو اور شر پر عذاب و ہلاکت کا۔ دُنیا کے انسان ان ہی دو راستوں پر چل رہے ہیں۔ اس ذیل میں قوم ثمود اور ناقہ صالح علیہ السلام کا بھی ذکر فرما دیا گیا۔ تا کہ ایک قدیم تاریخ کے حوالہ سے یہ ظاہر ہو جائے کہ خدا کے پیغمبر کے مقابلہ میں سرکشی اور نافرمانی سے کس طرح یہ عظیم قوم تباہ ہوئی اور آج کی تاریخ میں اس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

آیاتہا ۱۵ (۹۱) سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (۲۶) رُکوعاتہا ۱

سورۂ شمس مکی ہے۔ اس میں پندرہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا

قسم ہے سورج کی اور اُس کی دھوپ چڑھنے کی۔ اور چاند کی جب آوے اس کے پیچھے۔ اور دن کی جب اس کو

جَلّٰىهَا ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَ

روشن کرے۔ اور رات کی، جب اس کو ڈھانک لیوے۔ اور آسمان کی، اور جیسا اس کو بنایا۔ اور

الْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا

زمین کی اور جیسا اس کو پھیلایا۔ اور جی کی جیسا اس کو ٹھیک بنا پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی کی

وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰

اور بچ چلنے کی۔ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا۔ اور نامراد ہوا، جس نے اس کو خاک میں ملایا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ

جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے۔ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں بڑا بدبخت۔ پھر کیا ان کو

رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ

اللہ کے رسول نے خبردار ہو اللہ کی اونٹنی سے، اور اس کے پینے کی باری سے پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا، پھر وہ کاٹ ڈالی پھر اُلٹ مارا

ع ۱۵ / ۱۶ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾

ان پر ان کے رب نے ان کے گناہ سے، پھر برابر کر دیا۔ اور وہ نہیں ڈرتا کہ پیچھا کریں گے۔

استعداد خیر و شر در طبیعت بشریہ و معیار سعادت و شقاوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ ... الی ... وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا تھا کہ ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ یعنی انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے خیر کا راستہ بھی اور شر کا بھی ہدایت بھی اور گمراہی بھی اور اس پر تاکید و ترغیب دی گئی کہ انسان سعادت اور نجات کی گھاٹی اختیار کر لے۔ تو اس مناسبت سے اب اس سورۃ والشمس میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے خیر و شر ہر دو کی استعداد رکھتا ہے اور یہ کہ نفس انسانی جب ان دونوں صلاحیتوں کا حامل ہے تو ضروری ہے کہ اس نفس کو عملی راستہ پر ڈالنے اور چلانے والی طاقت یعنی اس کی عقل خیر کی طرف اس کا رخ کرے اس کو ہر گندگی سے پاک رکھتے ہوئے فلاح و سعادت کی منزل تک پہنچ جائے۔ اس کے برعکس اگر انسان کی قوت عاقلہ گمراہی کی ظلمتوں سے اندھی ہو کر شر کا راستہ اختیار کر لے تو اس کا انجام نفس انسانی کو گندگی میں آلودہ کرنا۔ اور سعادت و فلاح سے محروم کر کے نفس کی ہلاکت و تباہی میں ڈالنا ہو گا تو ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ اور ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اسی مقصد کو واضح اور ثابت کرنا کے لیے اس مقام پر حق تعالیٰ نے سات چیزوں کی قسم کھائی جو بالترتیب لفظ ﴿وَالشَّمْسِ﴾ سے ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا﴾ تک مذکور ہیں۔ اور یہ اس طرح ثابت کیا گیا کہ حیات دنیوی کے لیے جس طرح سورج اور اس کی روشنی ضروری ہے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی اپنے تناوب و تعاقب سے نظام حیات کے سلسلہ کو قائم رکھے ہوئے ہے بالکل اسی طرح خیر کی راہنمائی اور انسان کی روحانی زندگی کا نظام آفتاب نبوت کے بغیر ممکن نہیں ہے جس طرح سورج کی روشنی میں انسان سیاہ و سپید اور نافع و مضر کا امتیاز کر سکتا ہے اسی طرح تعلیمات نبویہ سے انسان خیر و شر اور سعادت و شقاوت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

آفتاب و مہتاب دن اور رات آسمان اور زمین سے انسانی حیات کا رشتہ کسی حال میں بھی منقطع نہیں ہو سکتا مثلاً دنیا کی کھیتی میں آفتاب کی گرمی سے زمین میں ڈالے ہوئے بیج شق ہو کر باہر نکلتے ہیں۔ پھر یہی حرارت اس کی نشو و نما کرتی ہے۔ آفتاب ہی کی گردش سے موسموں کی تبدیلی ہوتی ہے۔ چاند کی برودت سے پھل اور پھولوں میں تازگی آتی ہے اور ان میں رس پڑتا ہے۔ دریا میں مد و جزر پیدا ہوتا ہے رات کی تاریکی میں وہ آفتاب کا خلیفہ اور بدل ہے دن میں کاروبار کا سلسلہ رہتا ہے تو رات میں آرام کیا جاتا ہے اور دن بھر کی تکان کے بعد سکون حاصل ہوتا ہے۔ رات کی شبنم دن کی گرمی اور تپش کا تدارک کرتی ہے۔ آسمان سے بارش کا برسنا زمین سے اُگنے والے جملہ نباتات کھیتیوں پھل اور پھولوں کی حیات کا سامان ہوتا ہے۔ اور یہ تمام تصرفات اس زمین پہ ہو رہے ہیں جس میں تخم ڈالا گیا تھا تو بالکل اسی طرح نفس انسانی جس میں زمین کی طرح اللہ رب العزت نے اپنی معرفت و ربوبیت اور اطاعت و فرمانبرداری کا تخم عہدِ الست سے ودیعت رکھ دیا ہے۔ آفتاب نبوت کی روشنی اور حرارت و گرمی سے نشو و نما پاتا ہے اور اس پر پھل پھول لگتے ہیں۔ آفتاب نبوت کے

ساتھ وحی الٰہی کی بارش اس کی حیات و بقاء کا سامان اور جس طرح آفتاب نہار کے پیچھے قدرت خداوندی نے اس کے نائب چاند کو لگا دیا ہے تو اسی طرح آفتاب نبوت کے بعد اس آفتاب کا جانشین اور خلیفہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا وجود ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا﴾ کے مانند بنا دیا گیا۔ خلفائے راشدین کے وجود ماہتاب نے آفتاب نبوت کی جانشینی اور اپنے نور سے روحانی زندگی کے لیے راستہ بتایا اور یہ بات قطعاً وہی ہوگئی ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين)) اور چاند کا نور سورت ہی کا پرتو ہوتا ہے جیسا کہ مشہور ہے نور القمر مستفاد من نور الشمس تو خلفائے راشدین کا نور علم اور ضوء ہدایت درحقیقت آفتاب نبوت ہی کا پرتو تھا۔

ایمانی زندگی بھی مادی زندگی کی طرح لیل و نہار کا منقسم ہے تو ان کے اوقات میں مختلف عبادات اور اعمال حسنہ کے ذریعے آخرت کا سرمایہ کمایا جاسکتا ہے اس کے بالمقابل رات کا وقت بالعموم راحت اور غفلت کا ہوتا ہے اسی لیے تہجد اور قیام لیل کی خاص فضیلت بیان فرمائی گئی۔

زمین اپنی فراخی اور استعداد کے لحاظ سے باران رحمت کا اثر قبول کرتی ہے کسی حصہ میں شادابی اور پھل پھول لگتے ہیں تو کسی حصہ میں سوائے جھاڑیوں اور کانٹوں کے کچھ نہیں اگتا۔ جیسے کہ ارشاد ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ﴾ (الاعراف:۵۸) بالکل اسی طرح انسانی طبائع اپنی اپنی صلاحیتوں اور وسعتوں کے لحاظ سے آسمانی ہدایت اور علوم نبویہ سے مستفید ہوتے ہیں۔ کوئی کم کوئی زیادہ اور کسی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں پہنچتا قطعاً محروم ہی رہتا ہے۔

باراں کہ درلطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید ودر شور بوم و خس

رہی یہ بات کہ آسمان نبوت سے برسنے والی بارشوں سے کسی کا محروم رہنا۔ اور اس کے اثرات کو قبول نہ کرتے ہوئے۔ شر اور گمراہی کے راستہ ہی پر چلتے رہنا اس میں نہ بارش کی کوتاہی ہے اور نہ مصدر فیض اور ابر رحمت نے کوئی بخل کیا بلکہ خود ان ہدایات نے انسانی فطرت میں بھی خیر و شر کی معرفت رکھ دی تھی تو اس کے بعد تعلیمی ہدایات نے بھی اس فطری جوہر کی بار بار تجدید و تقویت بھی کی مادی اور نفسانی لذتوں میں انہماک نے اس جوہر کو اگر مردہ یا خوابیدہ کر دیا تھا۔ تو ان تعلیمات نے ترغیب و ترہیب اور انذار و تبشیر سے اس کو زندہ اور بیدار کرنا چاہا پھر بھی اگر محروم رہا تو ظاہر ہے کہ اس ابر کرم اور آسمان نبوت سے برسنے والی بارش کا کوئی بخل اور قصور نہیں۔

پھر آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کا ذکر کر کے انسانوں کے مراتب میں بلندی و پستی اور تفاوت درجات کو نمایاں کر دیا۔

غرض آیات مبارکہ میں ان چھ چیزوں اور آخری ساتویں چیز نفس کی قسم کھا کر انسانی افکار کو ان اُمور کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اسی وجہ سے ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾ کے بعد متصلاً اصل مقصد بیان مرتب فرمایا گیا یعنی ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ آفتاب کی روشنی کی طرح نور نبوت کا تمام عالم میں پھیلنے کا ذکر کتاب یسعیاہ علیہ السلام ساٹھویں باب میں اس طرح بطور بشارت مذکور ہے۔

اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی۔ اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا گئی اور تیرگی قوموں پر۔ لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا۔ اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں''۔ انتہیٰ۔ (کتاب یسعیا باب ۶۰)

ان کلمات کے اشارہ سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس آفتاب ہدایت ہے تو اس کے نور سے عالم دُنیا روز روشن بن گیا۔

اور چاند اپنی طبعی نوعیت سے سورج کے پیچھے ہے تو آفتاب نبوت کے بعد اس کے قائم مقام خلفائے راشدین کا دور ماہ کامل اور بدر منیر کی حیثیت میں جلوہ گر ہوگا جس طرح اصل چاند کا نور آفتاب کے نور کا خلیفہ ہے تو اسی طرح اس خلیفہ اور بدر منیر کے نور کو بھی قدرتِ خداوندی نے دُنیا کی ہدایت کے لیے ایک خلیفہ بنایا اور نور ولایت ہے جو نور خلافت کے لیے نائب کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام حضرات صحابہ اور ائمہ وفقہاء امت کا نور ہے۔

اور جس طرح آفتاب کی روشنی کو دن اور دوپہر کا وقت مکمل کرتا ہے جس کو ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴾ میں فرمایا تو اسی طرح اس آفتاب نبوت کی روشنی تمازت اور قوت کو خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت کی فتوحات اور غلبہ نے مکمل کیا اور دین محمد ﷺ کا ظہور اور غلبہ اسی دور میں دُنیا کے سامنے ظاہر ہوا جو آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کے بعد کچھ وقت گزرنے پر آیا تو بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے آفتاب جب طلوع ہوا تو اس کی روشنی کمزور تھی لیکن اس کے طلوع ہی سے نمودار ہونے والے دن نے اس کو مکمل روشن ومجلی کر دیا تو یہ منظر پوری طرح نظروں کے سامنے آئے گا کہ گویا خلافت راشدہ کے روز روشن نے اپنی قوت وغلبہ اور شوکت سے سورج کی روشنی کو مکمل کر دیا تو یہ بات ﴿وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا﴾ سے ظاہر ہو رہی ہے اور جو وعدہ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف:٩) میں فرمایا گیا وہ خلافت عمر فاروق اور خلافت عثمانی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں الحمدللہ ثم الحمدللہ پورا ہوگا۔

پھر ﴿وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا﴾ سے آسمان شریعت کی رفعت وبلندی کی طرف ذہن متوجہ کر دیا گیا کہ جیسے آسمان جملہ کواکب شمس وقمر کو محیط ہے تو اسی طرح آسمان شریعت انسان کے جملہ مقدس احوال وافعال اور عقائد ومکارم اخلاق کو محیط ہے۔ اور جیسے آسمان میں بروج اور منازل ہیں تو اسی طرح شریعت کے امور میں بھی ابواب واقسام ہیں اور سالکین وعارفین کے منازل ہیں اور ان منازل کی طرف چلنے والے سورج اور چاند ستاروں کی طرح کواکب کہ ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ اور ان تمام کواکب کی سیر ایک ہی منزل کی طرف ہے اس لیے ان میں کسی قسم کے تصادم اور نزاع کا کوئی خطرہ نہیں ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (یٰسین:٤٠) اور ﴿وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا﴾ کی طرح انسان کی ذات ہے جو اپنی وسعتوں کے لحاظ سے عالم ارض کا نمونہ ہے بالکل کائنات کا نمونہ ہے اس وجہ سے انسان کو عالم صغیر سے تعبیر کیا گیا تو آفتاب کی روشنی دن کی تمازت گرمی۔ رات کی تاریکی بارشوں کا نزول کرۂ ارضی پر اپنے عجیب وغریب کرشمے دکھاتے ہیں اسی طرح آفتاب ہدایت کا نور اور علوم الٰہی کی بارشیں اور اس کے لیل ونہار انسانی حیات کی سطح پر بڑے ہی عجیب وغریب کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں اور جو قوائے ملکیہ انسان کی فطرت مین ودیعت رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اس ابر رحمت کے برسنے کے بعد کیسے شاداب وسرسبز اور شجر کی صورت میں رونما [1] ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ چڑھنے کی اس طرح کی سورج آسمان کے کناروں سے طلوع ہونے کے بعد بلند ہو رہا ہے اور وقت ضحیٰ میں داخل ہونے کے باعث اس کی دھوپ چڑھ رہی ہے۔ اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے چلے۔ جیسے

---

[1] هٰذا مقتبس من كلام الشيخ مجدد الف ثاني و الشاه ولي الله الدهلوي والامام الرازي والعلامة المحدث ابي محمد عبدالحق الحقاني الدهلوي قدس الله اسرارهم. ونفعني الله تعالىٰ وجميع اهل العلم من علومهم اٰمين۔

فلکیات کے اصول سے ظاہر ہے یا کہ کہ چاند کی روشنی سورج کے غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ سورج کو روشن کر دے اس کی تمازت اور شعاعوں کو نصف النہار پر پہنچ کر یہ روز روشن سورج کے نور کو مکمل اور قوی تر کر دے۔ اور قسم ہے رات کی جب کہ وہ اس کو ڈھانک لے۔ اور رات کی تاریکی دن پر اس طرح چھا جائے کہ سورج کی روشنی کا کچھ بھی نشان دکھائی نہ دے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور جو کچھ یا جیسا کہ اس کو بنایا۔ اس میں پیدا کی [1] ہوئی تمام چیزیں جملہ کواکب وسیارے اور بروج ومنازل اور خود آسمان کی عظمت کو کیسی شان عظمت سے اس کو بنایا۔ اور قسم ہے زمین اور جیسا کہ اس کو پھیلایا [2] کہ کیسی عجیب حکمت اور قدرت سے کرۂ ارضی پھیلا دیا گیا کہ اس پر بود وباش سہولت سے ہو سکے۔ پھر اس میں مخلوق کی ضرورت کے تمام چیزیں پیدا کر دیں اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ اس کو برابر بنایا اعضاء کا عجیب تناسب رکھا اور کیسی بہترین ساخت سے پیکر جسمانی مرتب فرمایا کہ ﴿ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴾ (التین : ۴)۔

صرف یہی نہیں بلکہ عناصر اربعہ اور اخلاط اربعہ میں بھی ایک ایسا اعتدال عطا کیا کہ اس کا نظام جسمانی بڑی ہی خوبی کے ساتھ قائم وجاری رہے۔ پھر حواس ظاہری کے علاوہ باطنی حواس سے اس کو آراستہ کیا تاکہ وہ فلاح وسعادت کے امور جان سکے اور سمجھ سکے۔ پھر اس کے [3] دل میں ڈالا اس کا فجور وتقویٰ۔ یعنی ڈھٹائی اور بچ کر چلنے کی صلاحیت۔ فسق وفجور نافرمانی اور تقویٰ وطہارت اور اطاعت وبندگی کا شعور اور صلاحیت یعنی اوّل تو اجمال طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ بھلائی اور بُرائی میں فرق کرنے کی صلاحیت دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء اور رسولوں کے ذریعے اور صحیفوں اور کتابوں میں آخری کتاب قرآن کریم میں تحقیق وتفصیل سے بتادیا گیا کہ کون سا راستہ بدی اور برائی یعنی فجور کا ہے اور کون سا راستہ پرہیزگاری اور تقویٰ [4] کا ہے بیشک فلاح وکامیابی حاصل کر لی۔ اس شخص نے جس نے کہ اس نفس کو پاک بنالیا۔ [5] اور اسی نے اپنی مراد پالی اور بیشک نامراد ہوا اور ذلیل وناکام ہوا وہ جس نے گندگیوں میں اس کو آلودہ کر لیا اور اپنے اس نفس کو خاک میں ملا چھوڑا۔ عفت وتقویٰ کی طہارت سے محروم کر کے شہوت وغضب کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور دے

---

[1] ان الفاظ سے مفسرین کی اس رائے کی طرف اشارہ کیا جو اس جگہ ما کو مصدر یا موصولہ لیتے ہیں اور بعض مفسرین نے ما کو من کے معنی میں لیا۔ اے ومن بَنٰهَا مراد یہ کہ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس کی جس نے آسمان بنایا۔

[2] یہاں بھی ما مصدر یہ وموصولہ ہے اور بعض کے نزدیک من کے معنی میں ہے۔ ۱۲۔

[3] یہ الہام کا ترجمہ ہے تفصیل گذر چکی۔

[4] ان الفاظ سے یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ الہام فجور کے معنی یہ نہیں کہ انسان کو کہا گیا کہ تو فجور کا کام کر۔ بلکہ اس سے مراد صلاحیت اور شعور ہے جس سے وہ سمجھ لے کہ بدی اور نیکی کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الہام فجور وتقویٰ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ فجور سے بچنے کا حکم دیا اور تقویٰ کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔

استاد محترم شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں: "اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو تو ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ گو اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا ہے اور ثانی میں شیطان پھر وہ رجحان ومیلان کبھی بندہ کے قصد واختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ جاتا ہے اور صدور فعل کا ذریعہ بنتا ہے جس کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہوتا ہے۔ اور اسی کسب خیر وشر پر مجازات کا سلسلہ بطریق تسبیب قائم ہے۔" (کذا فی الفوائد)

اس مسئلہ کی توضیح وتحقیق۔ مسئلہ تقدیر اور مجازات اعمال کا معیار اور اس کی حکمت کے سلسلہ میں پہلے گذر چکی۔ حضرت قارئین مراجعت رمالیں۔ ۱۲۔

[5] ابتداء سورت یعنی ﴿ وَالشَّمۡسِ ﴾ سے قسموں کا سلسلہ شروع ہوا اور ﴿ نَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴾ .. الخ ﴾ کے بعد ﴿ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ﴾ جواب قسم ہے۔

دی۔ عقل وشریعت سے کوئی سروکار نہ رکھا فطرت کی صلاحیت اور تقاضوں کو بھلا کر خواہش اور ہوائے نفس کا غلام بن گیا۔ اشرف الخلوق ہونے کے باوجود وہ مقام اختیار کیا کہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہو گیا۔ ایسی ہلاکت وتباہی کی روش اختیار کرنے والے دُنیا میں بہت گذرے ہیں۔ تاریخ عالم میں ان کا عبرت ناک انجام روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ چنانچہ ایک عبرتناک مثال یہ ہے کہ جھٹلایا ثمود نے اللہ کے رسول اور اس کی باتوں کو اور نفس کی پاکیزگی کے بجائے اس کو گندگیوں سے آلودہ کیا۔ اپنی سرکشی سے۔ جب کہ اٹھ کھڑا ہوا ان میں ایک بدبخت ترین انسان خدا کے پیغمبر صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالنے اور ہلاک کرنے کے لیے حالانکہ وہ اُونٹنی خود اس قوم کی فرمائش پر بطور معجزہ پہاڑ کی ایک چٹان شق ہو کر نکلی تھی اور انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اے صالح علیہ السلام اگر اس چٹان سے ایک اُونٹنی آپ نکال دیں تو پھر ایمان لے آئیں گے مگر بجائے ایمان لانے کے اس اللہ کی ناقہ ہی کے دشمن بن گئے اور یہ گوارا نہ کیا کہ وہ اپنی نوبت کے روز بھی گھاٹ سے پانی پیئے۔ جس پر اللہ کے رسول نے ان سے کہا خبردار ہو جاؤ اللہ کی اُونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے۔ [1] ایسا نہ ہو کہ اس کا پانی بند کرنے سے تم پر کوئی عذاب آ جائے۔ مگر وہ لوگ باز نہ آئے اور پھر اللہ کے رسول کو جھٹلایا۔ عملاً رسول خدا کی مخالفت کرتے ہوئے۔ رسول خدا نے منع کیا کہ اس کو پانی سے نہ روکو مگر ان بدبختوں نے شقاوت و بدبختی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ پھر اس اُونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ جس کا انجام یہی ہوا کہ دے مارا ان کے رب نے ان پر اپنا قہر وعذاب ان کے گناہوں کی وجہ سے اور ان کو ایسا الٹ مارا کہ برابر کر دیا سب کو زمین کی سطح سے اور اس طرح ہلاک کر ڈالا کہ ان کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اور وہ پروردگار تو اپنی شان عظمت وکبریائی کے باعث کسی کو سزا یا کسی مجرم قوم کی ہلاکت و بربادی کے انجام سے قطعاً نہیں ڈرتا ہے اور نہ اس کو اس بات کا ڈر اور ذرہ برابر پرواہ ہے کہ کوئی مجرم قوم اس کا تعاقب یا پیچھا کرے گی۔

قوم ثمود کی اجمالی تاریخ

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا تھا۔ قوم عاد عرب کے جنوبی حصہ یمن میں تھی اس کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد شمالی عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا اس کا نام وادی القری تھا ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مؤرخوں نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے اس قوم میں مال و دولت بہت تھا بڑے بڑے عالی شان مکان بناتے تھے اور سنگ تراشی کا فن خوب جانتے تھے اس لیے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب وغریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنوئیں اور باؤلیاں کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی۔ درندہ پن سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوت شہوانیہ وغضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی رحم دلی۔ پرہیز گاری کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں رحمت الٰہی نے انہی میں سے ایک شخص صالح بن عبید علیہ السلام کو منتخب کیا اور نور نبوت سے منور فرمایا۔ جناب صالح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ و پند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوت ازلیہ تھی کب ماننے والے تھے پھر جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ وناصح مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔؟

---

[1] تفصیل سورۂ اعراف وہود اور دیگر مواقع میں گذر چکی۔ ۱۲۔

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لیے ایک معجزہ طلب کیا وہ یہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دُعا کی ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آ کر بچہ بھی دیا قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر رئیس قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں، نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذاء وظلم کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر اونٹنی کی سنیے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور۔ چندے اس قوم نے اس پر صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک شخص شریر سرکش ''قیدار'' نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی کہ تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا۔ اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضب الٰہی آ گیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے اگر ایمان لایا جائے اور توبہ کی جائے تو کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت بلا کی یہ ہوگی کہ اوّل روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ چنانچہ صبح کو جب اُٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اُونٹنی کی طرح ان کا کام بھی تمام کر دیا جاوے یہ قصد کر کے نو بدمعاش شبخون کی نیت کر کے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایتِ الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے گئے یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی جنگ پر آمادہ ہوگئی آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والے شہر سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا سب کے منہ لال ہو رہے تھے اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہو گئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے اس لیے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا، نہ بارش کا اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی۔ متواتر تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے ان کی لاشیں اور ان کو اوندھے منہ پڑے دیکھ کر حسرت بھرے انداز میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا ہے مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگذشت جو عرب میں متواتر منقول تھی۔ اس واقعے کو عموماً ہر شخص جانتا تھا یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا ''حجر'' ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''حجر'' سے گذرے تو صحابہ کو اس بدبخت قوم کے کنوؤں سے پانی لینے اور وہاں ٹھہرنے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قوم ثمود کے آثار باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حال زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گذرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی

طغیانی اور کبھی ژالہ باری بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے شہر اجاڑ ہو گئے۔ متعدد واقعات ایسے پیش آئے کہ آسمان سے پتھر برسے ہواؤں کا طوفان آیا اور بستیوں کے نام ونشان ہی مٹ گئے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ مادہ پرست انسان ہمیشہ اس قسم کے واقعات کو اتفاقات پر یا کواکب کے عمل پر محمول کرتے ہیں۔ سبب الاسباب اور قادر مطلق کی قدرت پر ایمان ویقین نہیں ہوتا۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ اللیل

سورۃ اللیل بھی مکی سورت ہے۔ اس سورت میں بالخصوص اس امر کو بڑی تفصیل وتحقیق سے بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں ان عملی جہود میں ایک نوع ایمان وتقویٰ جود وسخاوت۔ احسان ومروت کی ہے تو دوسری نوع تکذیب حق۔ غرور و استکبار بخل وحق تلفی اور یہ کہ ایمان وتقویٰ مکارم علیہ اور اخلاقِ حسنہ کا رخ اختیار کرنے والا فوز وفلاح کا مستحق ہوتا ہے اور اسی کی راہیں اس پر آسان کردی جاتی ہیں اس کے برخلاف تکذیب حق اور غرور واستکبار کا رخ انسان کو شقاوت ومحرومی پر پہنچا دیتا ہے۔

سورت کی ابتداء رات کی محیط تاریکی اور دن کی روشنی اور اولادِ آدم میں مذکر ومؤنث کی تفریق کی قسم کھا کر کی گئی جس سے قدرتِ خداوندی کی عظمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح روز شب کی ظلمت ونور میں فرق ہے اور انسانوں میں مذکر و مؤنث کا تفاوت ہے اسی طرح انسان کی جہود عملیہ میں بھی تفاوت ہے۔

سورت کے اخیر میں انسان کو تنبیہ کی گئی کہ وہ مال ودولت کے نشہ میں کبھی بھی دھوکہ میں نہ پڑے کہ یہ دنیوی مال ومنال کوئی عزت کی چیز ہے یا دُنیا کی دولت اس کو کسی ہلاکت و پریشانی سے بچا سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ اس مؤمن صالح کا ایک تاریخی نمونہ بھی (جس نے ایمان وتقویٰ اور جود وسخاوت سے سعادت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کیا) ذکر کیا گیا۔ اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

آیاتُہا ۲۱	(۹۲) سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃٌ (۹)	رُکُوعاتُہا ۱

سورۂ لیل مکی ہے اس کی اکیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ

قسم رات کی جب چھا جاوے۔ اور دن کی جب روشن ہو۔ اور اس کی جو اس نے پیدا کیے نر اور

الْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ

مادہ۔ تمہاری کمائی بھانت بھانت ہے۔ سو جس نے دیا اور ڈر رکھا۔ اور سچ جانا

بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾

بھلی بات کو۔ تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں۔ اور جس نے دیا، اور بے پروا رہا۔

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ

اور جھوٹ جانا بھلی بات کو۔ سو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے سختی میں۔ اور کام نہ آوے گا اس کو مال اس کا،

اِذَا تَرَدّٰى ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۖ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾

جب گڑھے میں گرے گا۔ ہمارا ذمہ ہے سجھا دینا۔ اور ہمارے ہاتھ ہے پچھلی اور پہلی۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ

سو میں نے سنادی تم کو خبر ایک تپتی آگ کی۔ اس میں وہی پیٹھے گا (پہنچے گا) جو بڑا بدبخت ہے۔ جس نے جھٹلایا

وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ﴿۱۸﴾ وَمَا

اور منہ موڑا۔ اور بچاویں گے اس سے وہ بڑا ڈر والا۔ جو دیتا ہے اپنا مال دل پاک کرنے کو۔ اور نہیں

لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۙ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ﴿۲۰﴾

کسی کا اس پر احسان جس کا بدلہ دے۔ مگر چاہ کو منہ اپنے رب کا جو سب سے اوپر۔

ع ۲۱ / ۱۷ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع

اور آگے وہ راضی ہو گا۔

تقسیم جہود عملیہ در حیات انسانی وترتب ثمرات سعادت وشقاوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ الَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ . . . الٰى . . . وَ لَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں فوز وفلاح اور شقاوت وبد نصیبی کے اسباب پر کلام تھا اور یہ کہ انسانی نفس اگر طہارت وتزکیہ سے آراستہ ہو تو اس پر دُنیا کی عزت وسربلندی اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور اگر نفس کو شہوات کی گندگی میں آلودہ کرلیا جائے تو انسانی شرف سے محرومی کے بعد دُنیا کی تباہی اور عذاب آخرت میں مبتلا ہونے کے سوا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اور دنیا میں بڑی طاقت ورقومیں اسی شقاوت وبدنصیبی کا شکار ہوکر ہلاک ہوئیں اور تاریخ عالم اس کی گواہی دیتی ہے۔ تو اب اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کا تفاوت اور اس کا انقسام الی الخیر والی الشر بیان کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی تاریخی حیثیت سے مکارم اخلاق ایمان وتقویٰ کے ایک عظیم پیکر یعنی سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی مثال پیش کی جارہی ہے تاکہ دنیا ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے اور یہ کہ ہر عمل میں اخلاص اس عمل کی عظمت وقبولیت کی روح ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور اپنی تاریکی سے تمام فضاء کو ڈھانک لے۔ اور قسم ہے دن کی جب کہ وہ روشن ہو اور اس کی روشنی تمام عالم پر محیط ہوجائے اور قسم ہے اس کی جو اس نے پیدا کیا نر اور مادہ۔ تو جس طرح رات اور دن اور نر اور مادہ مختلف ہیں اپنی صورت میں اور آثار وخواص میں بالکل اسی طرح بے شک اے انسانو! تمہاری کوشش اور عملی محنت طرح طرح کی ہے۔ ہر ایک کے اعمال دوسرے سے مختلف ومتعارض ہیں۔ صورت وشکل میں بھی اور نتائج وثمرات میں بھی۔ سو جس شخص نے عطا کیا یعنی خدا کی راہ میں دیا اور خرچ کیا اور خدا کا تقویٰ اختیار کیا اس کی نافرمانی اور برائیوں سے ڈرتا رہا اور تصدیق کی بھلی بات کی۔ ایمان لایا اور ایمان کی باتوں کو سچ سمجھتا رہا تو ہم اس کے واسطے آسان کردیں گے راحت وسہولت کا راستہ کہ جس پر عمل بھی آسان ہوگا اور اس راستہ پر چل کر انجام راحت وسہولت ہی کا ہوگا اور اعلیٰ واکمل راحت کا مقام جنت ہے جس کا وہ اپنے ایمان واعمال اور طاعت وبندگی کی محنتوں سے مستحق سمجھا جائے گا۔ مگر اس کے بالمقابل جس نے یہ سعادت حاصل نہ کی اور بخل کیا اور بے پرواہی اختیار کی اور خدا سے بے نیاز رہا اور بھلی بات کو جھٹلایا تو ہم اس کے واسطے آسان کردیں گے دشواری کا راستہ اور وہ عملی انداز اور طریقہ کار جس کا انجام مشقت اور مصیبت کے سوا کچھ نہیں اور تمام تر آلام ومصائب اور مشقتوں کا ابدی مقام جہنم ہے۔

اور اس وقت کام نہ آئے گا اس کو ذرہ برابر اس کا مال جب کہ وہ اس ہلاکت ومشقت کے گڑھے میں گرے گا اس انسان کو زندگی میں اس کی نافرمانیوں پر ڈھیل دی جائے گی اور بتدریج یہ اپنی شقاوت وبدبختی کے کاموں میں اور غلو وانہماک ہی اختیار کرتا جائے گا تاآنکہ اپنی بداعمالیوں کا انجام دیکھ لے جیسا کہ پہلے شخص کو اپنی توفیق سے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں لگائے رکھا۔ بالکل یہی نوعیت ہوتی ہے کہ ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۰) بے شک ہمارے ذمہ تو بس راہ دکھا دینا ہے نیکی اور تقویٰ کی اور بدی وگمراہی کی ان دونوں راہوں سے کسی بھی راہ کا اختیار کرنا خود انسان کا اپنا کام ہے اس لیے وہ جس راہ کو اور جیسے بھی عملی طریقہ کو اختیار کرے گا اس کا ثمرہ اس پر مرتب ہوگا اور بے شک ہمارے ہی لیے اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت بھی اور دنیا بھی۔ تو اے انسانو میں نے ڈرا دیا ہے۔ ایک ایسی آگ سے جو دہکتی ہوئی ہے اس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح

ہیں جو مجرموں اور نافرمانوں کے لیے مخصوص ہے جس میں کوئی نہیں داخل ہوگا بجز اس شخص کے جو نہایت ہی بدبخت ہے جس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور اللہ کی فرماں برداری سے پیٹھ پھیری اور منہ موڑ لیا تو جہنم کی اس دہکتی ہوئی آگ میں جو کفار و نافرمانوں کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے بس ایسے ہی بدبخت انسان داخل ہوں گے اور اس آگ سے دور رکھا جائے گا ایسا شخص جو زیادہ سے زیادہ پرہیزگار ہو جو اپنا مال دے رہا ہو اللہ کی راہ میں اس لیے کہ وہ پاک ہو جائے ہر قسم کی کوتاہی اور ہر نوع کی گندگی سے خواہ نفس کی ہو یا عمل کی اور محض رضائے الٰہی اس کی غرض ہے اور یہ نہیں کہ کسی کا اس پر احسان ہے کہ اس کا بدلہ ادا کیا جا رہا ہے۔ بجز اس کے کہ اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی طلب کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ اس اخلاص و تقویٰ سے اعلیٰ کوئی مقام نہیں تو ضرور اس بندہ کا یہ عمل اس کے رب اعلیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوگا اور عنقریب اپنے پروردگار کی طرف سے ہونے والی عنایت پر خوش ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر انعام اور فوز و فلاح پر مسرت و خوشی طبعی تقاضا ہے۔ بالخصوص اہل ایمان کا تو شعار ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل و کرم پر فرحان و شاداں ہوں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَ بِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا﴾ (یونس:۵۸)۔

ایمان وتقویٰ اور جود وسخا کا پیکر اعظم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

﴿وَ سَیُجَنَّبُہَا الۡاَتۡقَی ﴿ۙ۱۷﴾ الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿ۚ۱۸﴾﴾

ہر نوع کی گرفت اور آخرت کی ہر تکلیف سے محفوظ اور دُور رہنے کے لیے اس آیت میں جو اوصاف ذکر فرمائے گئے ان میں ایک وصف تقویٰ ہے دوسرا وصف راہ خدا میں مالی خرچ کرنا۔ تیسرا وصف تزکیہ وطہارت ہے چوتھا وصف اخلاص ہے جو ﴿اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی﴾ میں فرمایا گیا۔

آیتِ مبارکہ کے الفاظ عام ہیں اور مراد بھی اسی عموم کے ساتھ ہر ایمان وتقویٰ اور اخلاص کا وصف رکھنے والے کے لیے اس سعادت کو ثابت کرنا ہے لیکن جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے۔ چنانچہ کلام الٰہی کی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے صدیقین کے سرخیل اور پیشوا ہیں۔ اس طرح وہ سید الاتقیاء ہیں۔ کیونکہ اتقی صیغہ اسم تفضیل اسی معنی پر دلالت کرتا ہے پھر اس کے ساتھ قرآن کریم نے یہ بھی گواہی دے دی کہ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے جواد و کریم ہی تھے۔ اس کے بعد پھر یہ کہہ کر ﴿یَتَزَکّٰی﴾ یہ واضح کر دیا کہ تزکیہ وطہارت کا مقام انہوں نے حاصل کر لیا۔

اور اخیر میں یہ فرما کر ﴿وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی﴾ کہ اپنی زندگی کا سرمایہ خرچ کر ڈالنا یہ کسی کے احسان کا بدلہ نہ تھا ان کے کمال اخلاص پر مہر ثابت کر دی اگرچہ اسی قدر فرما دینا کافی تھا۔ مگر اب رب العالمین نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ﴿اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی﴾ کی تصریح کر کے حق تعالیٰ شانہٗ کی رضاء جوئی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت طبعیہ کی حیثیت سے بیان کر دی کہ یہ ان کا مزاج تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی فرد کو مشار الیہ بتاتے ہوئے قرآن کریم نے سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہ عظیم تر شہادتیں کسی بھی فرد کے لیے ذکر نہیں کیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستحق خلافت تھے

آیت ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى﴾ کا نزول تو باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی شان میں ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا بلکہ روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری سورت ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارمیں نازل ہوئی اور بعض مفسرین نے تو اس کو "سورۃ ابی بکر" بھی کہا ہے جب کہ انہوں نے سات غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿الْأَتْقَى﴾ سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور اس آیتِ مبارکہ کے پیش نظر جس میں ارشاد ہے ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳) یہ لازم آیا کہ اُمت میں سب سے زیادہ عظمت و کرامت اور بزرگی کے مستحق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور سورۂ نور میں آیت ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ﴾ (النور: ۲۲) جو باجماع امت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ثابت کر رہی ہے کہ امت میں سب سے زیادہ فضیلت والے یہی ہیں جن کو قرآن اولوالفضل کے لقب سے تعبیر کر رہا ہے۔

روایات سے ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلام میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ قریش میں بڑے ہی مالدار تھے اور ان کا شمار اہل مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ اسلام لانے کے وقت چالیس ہزار درہم یا دینار کے مالک تھے۔ سب کچھ اسلام کی راہ میں خرچ کر ڈالا اور خلیفہ ہونے کے بعد جو خود انہوں نے اپنا وظیفہ مقرر فرمایا وہ صرف دو درہم یومیہ تھا جو وہ بیت المال سے لیتے۔

انتقال کے وقت فقیر و نادار تھے ایک دینار بھی ترکہ میں نہیں تھا جس چادر میں بیماری کے دن گذارے اسی میں وصیت فرمائی کہ کفن دیا جائے۔ اہل و عیال کے لیے زمین و جائیداد تو درکنار ایک حبہ بھی نہیں چھوڑا۔ اپنے زمانہ خلافت میں اپنے عزیز و اقارب میں سے کسی کو عہدہ یا منصب نہیں دیا۔ حالانکہ پورا حجاز، نجد، یمن، طائف اور بحرین و عمان سب ان کے زیر نگین تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء میں فقیر و نادار تھے۔ خلافت ملنے کے بعد اپنے بعض خویش و اقارب کو عہدے دیئے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی بنایا اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنایا اور اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں قثم اور معبد رضی اللہ عنہ کو حرمین کا والی بنایا اور اپنے بھانجے اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے بیٹے جعد بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو خراسان کا۔ اپنی اہلیہ کے ایک بیٹے کو مصر کا اور اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رضامندی کا بھی اظہار کیا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ یقیناً خلافت کے مستحق تھے۔ لیکن اس تمام تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دنیا کے عہدوں سے اپنے اقارب و اعزہ کو کس طرح دور رکھا۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن افراد کو والی بنایا وہ اپنی اپنی خوبیوں سے اس کے اہل تھے کہ ان کو والی بنایا جائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان تمام چیزوں سے اپنے خاندان اور عزیزوں کو دور رکھا حتیٰ کہ ان کے احباب اور مخلصین ہر چند کوشش کرتے رہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا دیں لوگ ان کے فضائل و اوصاف بیان کر کے اس امر کے برحق ہونے کو ثابت بھی کرتے رہے مگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان باتوں میں کسی بات کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ دی۔ اور جواب میں یہ فرمایا کہ اس امر کا بوجھ برداشت کرنے کے لیے تو خطاب کی اولاد میں سے بس عمر رضی اللہ عنہ ہی کافی ہے (سبحان اللہ) کیسی احتیاط تھی۔ حتیٰ کہ آئندہ

خلیفہ کے انتخاب کے واسطے جو مجلس شوریٰ مرتب فرمائی اس میں بھی اپنے بیٹے کو نہ رکھا اور صرف اس حد تک اجازت دی کہ وہ مجلس میں بیٹھ کر باتیں سن سکتا ہے اور اگر کوئی بات اس کے خیال میں آئے تو کہہ سکتا ہے لیکن اُصولاً ان کا شمار ان ارکین شوریٰ میں نہیں ہوگا اور نہ اس کو کسی فیصلہ کا حق ہوگا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ (المنتقی المذہبی ص ۴۸۷۔ منہاج السنہ لابن تیمیہ ص ۱۲۹ ج ۴)

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ اپنے جان و مال سے مجھ پر احسان کرنے والا (صرف) ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا دنیا میں مجھ پر جس کسی نے بھی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دے دیا اور اس کے احسان کو اتار دیا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احسان! کہ اس کو میں نہیں اتار سکتا۔ اس کا بدلہ بس اللہ ہی ان کو قیامت کے روز ادا کرے گا۔ اللہ کی راہ میں اپنا سارا مال خرچ کر دیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہننے کے لیے کپڑے بھی نہ رہے۔ ایک کمبل میں درخت کا کانٹا لگا کر اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبریل امین علیہ السلام بھی نازل ہوئے اور کہا کے اے محمد ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہہ دو کہ خدا تم کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کیا تم اس فقر میں مجھ سے راضی ہو یا دل میں کچھ کدورت ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور بیقراری کے عالم میں روتے ہوئے کہنے لگے ہائے ہائے کیا مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہو سکتی ہے: ((اَنَا عَنْ ربی راضٍ. اَنَا عَنْ رَبِّیْ راضٍ)) کے الفاظ زبان سے جاری ہوگئے اور دیر تک یہی کہتے رہے کہ میں تو اپنے رب سے راضی ہوں، میں تو اپنے رب سے راضی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو روایت مشکوٰۃ میں اس میں صراحۃً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضل اور زہد کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ جب آپ ﷺ سے دربارہ خلافت ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤ گے تو ان کو زاہد فی الدنیا اور راغب فی الآخرۃ پاؤ گے۔ اور یہ وصف آپ نے کسی اور صحابی کی شان میں نہیں فرمایا اور یہ وصف آثار و احوال نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اَشْجَعُ النَّاس ہونے کی بھی گواہی دیتے تھے اور فرماتے تھے ایک بار رسول اللہ ﷺ کو کفار نے گھیر لیا میں دیکھتا رہا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور مجمع میں گھس گئے آپ ﷺ کی مدد کی اور آپ کو بچایا۔

محدثین رحمہم اللہ نے بالعموم اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک بار آپ کے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ بتائیے سب سے زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپ نے جواب دیا: ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر اس کے ثبوت میں یہ روایت ذکر کی جو صحاح ستہ میں موجود ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صرف اشجع الناس ہی نہیں بلکہ ارحم الناس بھی تھے جیسا کہ احادیث میں ان کا یہ وصف موجود ہے ارشاد ہے: ((اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْر)) اسی پر حد نہیں بلکہ اعدل الناس بھی تھے۔ جیسا کہ یہ اظہر من الشمس ہے اس لیے کہ جس ذات میں امانت و دیانت، زہد و تقویٰ، ایثار و سخاوت اور علم کامل ہوگا۔ بلاشبہ وہ اعدل الناس ہے۔ عدل کی ضد ظلم ہے اور ظاہر ہے کہ ظالم ان اوصاف سے محروم ہوتا ہے۔ جب ہی تو وہ ظلم کا مرتکب ہوتا ہے اور ظلم کے باعث حب دُنیا اور خیانت اور دم ترحم ہے تو جو شخص ان خرابیوں سے قطعاً منزہ اور پاک ہو بلکہ اس کے بالمقابل وہ کمالات اور خوبیوں سے متصف ہو وہ کیسے ظالم ہو سکتا ہے اور بلاشبہ وہ اعدل الناس ہی ہوگا اور عدل کے ثمرات میں سے شفقت بھی ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس خوبی میں بھی سب سے بڑھ کر تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تمام خوبیوں کے علاوہ اعلم الناس کے شرف اور فضل سے بھی متصف تھے جیسے کہ ایک حدیث میں ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے ایک روز خطبہ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندہ کو دُنیا کی نعمتوں میں اور آخرت کی نعمتوں کے درمیان اختیار دیا کہ چاہے وہ دُنیا کو اختیار کر لے اور چاہے وہ آخرت کو تو اس بندہ نے اللہ کو یعنی آخرت کو اختیار کر لیا ہے یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بیقرار ہو کر رونے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ یہ بزرگ اس بات کو سن کر کیوں رو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو کسی ایک بندہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اور یہ بزرگ رونے لگے۔ فرماتے ہیں بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ عبد مخیر خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور ہم نے سمجھ لیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ اعلم تھے کہ پہلی ہی مرتبہ اس اشارہ کو سمجھ گئے۔

پھر یہ کہ عہدِ رسالت میں ہی آپ ﷺ کا لقب صدیق تھا اور آیت مبارکہ ﴿وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ﴾ (الزمر: ۳۳) میں سب سے پہلا تصدیق کرنے والا آپ کو ہی فرمایا گیا اور یہ امر ظاہر ہے کہ فہم و فراست اور علم و حکمت میں نبی کے بعد درجہ صدیق ہی کا ہے اور صدیق کے بعد درجہ فاروق کا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی بدیہی اور قطعی ہے کہ علم میں فضل و کمال کا دار و مدار رسول اللہ ﷺ کی مرافقت اور مجالست پر ہے تو ابتداء سے ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے رفیق کامل محب خاص اور مخلص باختصاص تھے۔ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ ﷺ کو جو بھی مہم پیش آتی آپ اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے تھے۔

اور آیت مبارکہ ﴿وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ﴾ مفسرین کے بیان کے مطابق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ مشورہ اسی سے لیا جاتا ہے جو اعلم و افہم ہو ان تمام اوصاف اور فضائل کے علاوہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عقل الناس بھی تھے جس کی دلیل ان کے دورِ خلافت کے ملکی انتظامات کی حسن و خوبی۔ فتوحات عظیمہ اسلام کی ترقی اور عامہ الناس کی خوش حالی ہے۔ آیت استخلاف اور تمکین فی الارض کے یہی حضرات مصداق ہوئے۔ اور ملکی امن و امان کا جو وعدہ فرمایا گیا وہ ان ہی دو حضرات کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر ہوا کہ پوری دُنیا اس میں ذرہ برابر بھی تردّد اور شبہ نہیں کر سکتی۔

اس کے بالمقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دائرہ سلطنت و خلافت کوفہ کے مضافات تک محدود رہا۔ اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بلا کسی اختلاف کے تمام صحابہ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بصد رضاء و رغبت بیعت کر لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و جملہ فضائل و شمائل حسنہ کا مجموعہ اور صداقت وامانت کا پیکر تھے اور اس امر کا واضح ثبوت تھا۔ تمام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر متفق تھے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ان کے اوّل جانشین اور خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

پھر یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو آپ ﷺ نے اپنے زندگی کے آخری لمحات میں اپنے مصلیٰ پر مسلمانوں کی امامت کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور کسی بھی کوشش کو اس کے بالمقابل پنپنے نہ دیا۔ بلکہ اس پر ناگواری سے تنبہ فرمائی گئی اور سب مسلمانوں کو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دے کر یہ بتا دیا کہ اب تمہارے امام اور امیر یہ ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو قرآن کریم نے ﴿ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ﴾ کہا۔

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دو وزیر آسمان میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں آسمان میں میرے وزیر جبریل اور میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمین میں میرے وزیر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں تو آپ ﷺ نے خود ہی اس ترتیب سے اپنے وزیر اور خلیفہ متعین فرما دیئے تھے۔ جس کے بعد ظاہر ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے ذرہ برابر تردّد اور تامل کی

گنجائش نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

ھٰذا ما استفدت من اَمَالی حضرت الوالد الشیخ محمد ادریس الکاندھلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ.
واسبغ علیہ من نعمہ واسکنہٗ فی الدرجات العلٰی من الجنۃ. آمین یا رب العالمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الضحیٰ

سورۃ الضحیٰ بھی مکی سورت ہے اس میں بالخصوص آنحضرت ﷺ کی شخصیت عظیمہ کے اہم ترین اوصاف ذکر کیے گئے ہیں اوران اانعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کونوازا گیا۔ ابتداء سورت میں دن کی روشنی اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر مخاطبین کے اذہان میں یہ بات ڈالی گئی کہ جس طرح عالم میں پھیلنے والا نور رات کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے اسی طرح رسول خدا ﷺ کے نور نبوت نے عالم سے کفر و گمراہی کی تاریکیاں مٹا دیں اس کے بعد ان انعامات کا ذکر کیا گیا جو رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر کیے گئے اور یہ کہ اگر اللہ کا پیغمبر دنیوی مال ومنال اور دولت سے خالی ہاتھ ہوتو یہ اس رسول کی شان میں کسی طرح کا نقص پیدا کرنے والی چیز نہیں۔ اصل نعمتیں تو آخرت کی نعمتیں ہیں اور وہ تمام تر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے مہیا کر دی ہیں اور ان میں سب سے بڑا انعام رضاالٰہی ہے۔ جس سے آپ کو سرفراز فرما دیا گیا۔

رُکوعاتھا ۱	سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ (۹۳) (۱۱)	آیاتھا ۱۱

سورۃ ضحیٰ مکی ہے اس میں گیارہ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالضُّحٰى ۝١ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝٢ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝٣ وَ

قسم دھوپ چڑھتے وقت کی۔ اور رات کی جب چھا جاوے۔ نہ رخصت کیا تجھ کو تیرے رب نے، نہ بیزار ہوا۔ اور

لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝٤ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝٥

البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے۔ اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب، پھر تو راضی ہو گا۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ

بھلا نہ پایا تجھ کو یتیم پھر جگہ دی؟ اور پایا تجھ کو بھٹکتا، پھر راہ دی؟ اور پایا تجھ کو

عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾

مفلس، پھر محظوظ کیا۔ سو جو یتیم ہو، اس کو نہ دبا۔ اور جو مانگتا ہو اس کو نہ جھڑک۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ ع ۱۱/۱۸

اور جو احسان ہے تیرے رب کا، سو بیان کر۔

انعامات خاصہ

برذاتِ اقدس نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وامر باداء شکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ ... الی ... وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾﴾

ربط: گزشتہ چند سورتوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا تھا اور ایمان کا دارومدار آخرت پر ایمان و یقین کی شکل میں ہے تو اس کے دلائل بھی ذکر فرما دیئے گئے اب اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس کو سرفراز فرمایا گیا اور ان انعامات کے ضمن میں آپ کی رسالت کے دلائل بھی ذکر کر دیئے گئے۔ اور جن خاص کمالات اور اخلاقِ حسنہ سے پیغمبر کی ذات متصف ہونی چاہیے۔ ان کو بھی بیان کر دیا گیا۔ ارشاد ہے:

قسم ہے دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب کہ اس کی تاریکی فضاء پر چھا جائے۔ ان تمام تر چیزوں کی قسم کھاتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ دشمنوں کے خیالات اور ان کی یہ بے ہودہ باتیں سب غلط ہیں۔ ہرگز نہیں چھوڑا ہے آپ کو آپ کے رب نے اور نہ ہی آپ سے بیزار ہوا۔ اس لیے نزول وحی میں تاخیر سے دشمنوں کا یہ کہنا کہ بس اب آپ ﷺ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا اور ناراض ✽ ہو گیا ہے۔ قطعاً لغو اور مہمل بات ہے۔ اور بے شک آخرت (یعنی بعد والی چیز) جو اللہ رب العزت اس صعوبت و مشقت کے دور کے بعد فراخی اور فتح کی صورت میں آپ کو عطا کرے گا۔

✽ یہ زمانہ بظاہر فترتِ وحی کا زمانہ تھا یا کسی بھی وقت جبکہ نزول وحی میں تاخیر ہوئی اور آسمان سے آیات کا نزول نہ ہوا اور آپ ﷺ اس تاخیر پر مغموم و مضطرب بھی تھے تو آپ کے اس غم اور اضطراب کو دور کرنے کے لیے یہ آیات نازل ہوئیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کی سند سے اسی طرح نقل کیا ہے اور ممکن ہے کہ اسی دوران وہ قصہ بھی پیش آیا ہو جو بعض احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنی علالت کے باعث دو تین رات نہ اُٹھ سکے تو ایک خبیث عورت کہنے لگی۔ اے محمد ﷺ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ (یہ عورت اُم جمیل ابولہب کی بیوی بیان کی گئی ہے) تو ان تمام بے ہودہ اور لغو باتوں کا جواب دیتے ہوئے آپ پر فائز کردہ خصوصی انعامات کا ذکر کیا گیا۔ ==

یا آخرت کی نعمتیں جو حیاتِ اُخروی میں عطا کی جائیں گی۔ بہتر ہے آپ کے واسطے بہ نسبت اولیٰ کے یعنی پہلی حالت یا دُنیا کی زندگی سے۔ اور آپ کا رب اس کمی زندگی کے بعد وہ عزت وراحت اور نعمتیں عنقریب عطا کرے گا کہ آپ اس پر خوش ❶ ہو جائیں گے۔ اور یہ حاصل ہونے والی خوشی اور رضا ان تمام غموں اور تکلیفوں کو مٹا دے گی جو اس ابتدائی دور میں پیش آ رہی ہیں اور اس بشارت پر کسی کو حیرت اور تعجب نہ ہونا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ اس دور کو جو ہر طرح کے مصائب وآلام کا مجموعہ ہے کیونکہ راحت وغلبہ اور بڑے بڑے انعامات سے بدل دیا جائے گا؟ اس کی تو بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کا مشاہدہ ہو چکا تو کیا نہیں پایا تھا آپ کو یتیم کہ پھر اس پروردگار نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ باوجود یہ کہ ولادت باسعادت سے قبل آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر تھی کہ والدہ بھی فوت ہو گئیں۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا کی کفالت میں رہے جس کے بعد اس دُرِ یتیم کی پرورش اور دیکھ بھال چچا نے کی اور اس میں شبہ نہیں کہ آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی نصرت وحمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مگر ہجرت سے کچھ قبل وہ بھی انتقال کر گئے۔ ان تمام حالات یا حادثات کے بعد آخر رب کریم نے ایسی عزت وکرامت کا ٹھکانا عطا فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس بڑھ کر کوئی عزت وکرامت کا مقام نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مدینہ منورہ کی ہجرت تھی۔ جہاں پہنچ کر وہاں کی دونوں عظیم قومیں اوس وخزرج آپ ﷺ کے مطیع وفرماں بردار بن گئے۔ آپ کے اشاروں پر جان دینے کے لیے تیار۔ انصار ومہاجرین سب مل کر شمع رسالت کے پروانے نظر آتے تھے اللہ نے وہ قوت وتمکنت عطا کی کہ فتوحات کا سلسلہ وسیع تر ہو گیا۔ مکہ طائف۔ حنین اور بحرین فتح ہو گیا۔ تو یہ تھی بعد کی حالت جو مکہ کی پہلی حالت سے کسی قدر بہتر شاندار اور عزت وعظمت والی بن کر تاریخ عالم میں ظاہر ہوئی اور حقیقی آخرت کی بہتری اور بلندی کا تو انسانی افکار تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مَا لَا عَيْن رَاتْ وَلَا اُذُن سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَر۔

اور کیا نہیں پایا تھا اللہ نے آپ کو بے خبر ❷ وحی الٰہی اور آسمانی علوم سے تو پھر راہ سمجھائی۔ علوم الٰہیہ احکام شریعت اور

== اس موقعہ پر اختیار کردہ قسم اور جواب قسم میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی کچھ وقت کے لیے ہوتی ہے مگر پھر دن کی روشنی اس کو ختم کر ڈالتی ہے۔ اسی طرح یہ توقف اور تاخیر عارضی ہے اس کو اللہ کی وحی اور اس کا نور دور کر دے گا۔ یا یہ کہہ دیجیے کہ جس طرح رات کی تاریکی اور ظلمت دن کی روشنی سے دُور ہو جاتی ہے اسی طرح مشرکین کے یہ لغو اعتراضات اور ان کی ظلمت بھی دور ہو جائے گی۔ یا یہ کہ وحی کی تاخیر سے (جیسا کہ فترت وحی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی) آپ کے قلب مبارک پر جو گھٹن ہے وہ اسی طرح کھل جائے گی اور ختم ہو جائے گی جیسے کہ رات کی ظلمت سورج کی شعاعوں سے ختم ہو جاتی ہے۔ ۱۲

❶ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جس کی پتیوں کا نشان آپ ﷺ کے پہلو پر نظر آ رہا تھا آپ کے اُٹھنے پر میں ہاتھ سے ان نشانات کو چھونے لگا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت مرحمت فرما دیں تو ہم اس چٹائی پر کوئی بستر (یا نرم گدا) بچھا دیا کریں۔ آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا مجھے دُنیا اور دُنیا کی راحتوں سے کیا واسطہ بس میرا تو دُنیا کے ساز وسامان سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ کوئی ایک سوار مسافر دوران سفر کسی درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہرا پھر اسے چھوڑ کر آگے روانہ ہو گیا۔ (ترمذی)

❷ لفظ ضالًا کا ترجمہ بے خبر کیا گیا کیونکہ لغت کے لحاظ سے ضلال کے معنی بے خبر کے بھی آتے ہیں ضلال اور ضلالۃ کا مفہوم صرف گمراہی نہیں ہے۔ اگرچہ اس مفہوم پر بھی اطلاق آتا ہے۔ بے خبری کا یہ مفہوم حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اختیار فرمایا اور یہ ترجمہ ہے اسی آیت مبارکہ کا ﴿وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ﴾ بعض ==

معارفِ ربانیہ کی اور پایا تھا آپ کو محتاج و مفلس تو پھر غنی کر دیا اور ایسا غنی و بے نیازی کا مقام عطا کیا کہ کسی چیز کی بھی پروا اور احتیاج نہ رہی۔ بہر حال یہ ہیں وہ انعامات اے ہمارے پیغمبر جن سے آپ کو نوازا گیا تو اب ان انعامات کا حق یہ ہے کہ جو بھی کوئی یتیم ہو اس کو آپ نہ دبائیں بلکہ اس پر نہ کوئی زیادتی کریں اور نہ ڈانٹ ڈپٹ سے اس کو مغلوب یا آزردہ کریں اور جو سائل ہو اس کو نہ جھڑکیں بلکہ اس کی اعانت و مدد کرتے رہیں۔ اور آپ ﷺ کے رب کا جو انعام ہے سو اس کو آپ بیان کیجیے۔ اور جن جن نعمتوں سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے اس کا شکر بھی ادا کیجیے۔ اور جو علوم و ہدایت آپ کو عطا کیے گئے ہیں ان کو بیان کیجیے۔ لوگوں تک انہیں پہنچا ❁ دیجیے۔ اور ظاہر ہے کہ محسن کے احسانات کا بہ نیت شکر گذاری بیان اور چرچا کرنا عقلاً و شرعاً محمود امر ہے فخر و مباہات البتہ بُری چیز ہے۔

انعاماتِ خداوندی اور مکارم نبوی ﷺ

اس سورت مبارکہ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے دن کی روشنی اور دھوپ اور رات کی پھیلنے والی تاریکی کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی﴾ کہ آپ ﷺ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا اور نہ ہی بیزار ہوا اور ان الفاظ سے رب العالمین نے اپنے رسول کے ساتھ اپنا کمال تعلق اور قرب بیان فرما دیا۔ اور پھر اس کے ثمرات و نتائج کے طور پر تین خاص اور عظیم انعامات کا ذکر فرمایا۔

① ایواء بحالت یتیمی۔ ② بے خبری اور لاعلمی میں علوم ہدایت کی عطا اور ③ افلاس و تنگدستی کے عالم میں غنی اور فراخی۔ غنا اور فراخی مال کا انعام تو قبل از بعثت ہی شروع ہو گیا تھا جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اپنے تجارتی کاروبار میں شریک کر لیا اور

= مفسرین نے ضالا کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آپ تلاش حق میں وادیوں اور میدانوں میں پھرتے تھے کہ حق مل جائے۔ اسی سلسلہ میں آپ کا غار حرا میں جانا اور وہاں خلوت نشینی اختیار کرنا ہوتا۔ یا یہ کہ آپ تعلق مع اللہ اور اس کی محبت میں حیران و مضطرب تھے اس معنی کی تائید سورۂ یوسف کی اس آیت سے ہو سکتی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کو یوسف علیہ السلام کی محبت میں مضطرب و بے چین دیکھ کر کہا: ﴿تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ﴾ اور ﴿اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾۔

بے خبری کے عالم میں حق تعالیٰ آپ ﷺ کے قلب پر علوم و معرفت کے دروازے کس طرح کھولے گا اس کی توضیح کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جب حضرت جوان ہوئے تو قوم کے مشرکانہ اطوار اور بے ہودہ رسم و راہ سے سخت بیزار تھے اور قلب میں خدائے وحدہٗ کی عبادت کا جذبہ پوری قوت کے ساتھ موجزن تھا۔ عشق الٰہی کی آگ بڑی تیزی سے سینہ میں بھڑک رہی تھی وصول الی اللہ اور ہدایت خلق کی اس اکمل ترین استعداد کا چشمہ جو تمام عالم سے بڑھ کر نفس قدسی میں ودیعت رکھا گیا تھا اندر ہی اندر جوش مارتا تھا۔ لیکن کوئی صاف کھلا ہوا راستہ اور مفصل دستور العمل بظاہر دکھائی نہ دیتا تھا جس سے اس عرش و کرسی سے زیادہ وسیع قلب کو تسکین ہوتی۔ اس جوش طلب اور فرط محبت میں آپ بیقرار و سرگرداں پھرتے۔ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر مالک کو یاد کرتے اور محبوب حقیقی کو پکارتے۔ آخر اللہ نے غار حرا میں فرشتہ کو وحی دے کر بھیجا اور وصول الی اللہ اور اصلاح خلق کی تفصیلی راہیں آپ ﷺ پر کھول دیں اور دین حق نازل فرما دیا۔ یہی ہے جو ارشاد فرمایا گیا:

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ ۱۲

❁ ان کلمات سے لفظ فَحَدِّثْ کے ان متعدد معانی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو مفسرین نے ذکر فرمائے ہیں اور نعمۃ رب میں سب سے بڑی نعمت فَهَدٰی میں علوم ہدایت عطا کرنے کی ہے تو اس کا بیان و تبلیغ اور تعلیم فَحَدِّثْ کا عمل ہے۔ اسی وجہ سے لفظ حدیث ارشادات، افعال اور احوال رسول کے لیے مخصوص ہو گیا۔ کیونکہ ان ہی علوم ہدایت کا بیان حدیث رسول اللہ ﷺ ہے۔ ۱۲

اس سے نفع حاصل ہوا۔ پھر نکاح کی درخواست کر کے آپ کی زوجیت کا شرف حاصل کر لیا جس کے بعد اپنا کل مال ہی آپ کے لیے حاضر کر دیا یہ تو ظاہری غنا تھا لیکن اسی کے ساتھ آپ کے قلب اور باطن کو جو غنا عطا کیا گیا وہ تو اللہ رب العالمین جو ﴿غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ہے۔ وہی جانتا ہے اور دنیا نے مشاہدہ کر لیا کہ روئے زمین پر کوئی فرد بشر آپ کے برابر باطنی اور قلبی غنا کی صفت سے متصف نہیں ہوا۔ یتیمی کی حالت میں ٹھکانا عطا کیا جانا یہ بھی عظیم الشان انعام ہے اور جس نوعیت کے ساتھ بے سروسامانی اور یتیمی کے عالم میں خدا نے آپ کے سہارے مہیا فرمائے اور آخری اور کامل و اعلیٰ ٹھکانا مدینہ منورہ ہوا۔ جہاں سے بے شمار فتوحات اور تمکن وقدرت اور غلبہ و ظہور کا سلسلہ شروع ہوا۔ تیسرا انعام علوم ہدایت سے سرفراز فرمایا جانا تو ہر ایک انعام کے بالمقابل ایک حق ذکر فرما دیا گیا کہ یتیمی میں جب آپ پر خدا کا ہر انعام ہو تو آپ یتیم پر کوئی زیادتی اور دباؤ نہ ڈالیں نہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کریں بلکہ اس کو ٹھکانا دیں۔ جیسے کہ اللہ نے آپ کو ٹھکانا دیا اور چونکہ اللہ نے آپ کو غربت واحتیاج کے عالم میں غنی کر دیا اس لیے آپ کسی سائل کو ہرگز نہ جھڑکیں نہ اس کو دھتکاریں اور علوم ہدایت آپ کو عطا کیے گئے تو اس کا حق یہ ہے کہ ان علوم کو بیان کیجیے پھیلائیے۔ ان کی تبلیغ واشاعت فرمائیے۔

ان اوصاف کا آپ کی ذات اقدس میں ایسا کامل اور مکمل ظہور ہوا کہ بدء وحی کے وقت جب آپ پر گھبراہٹ و بے چینی طاری تھی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور اوصاف حمیدہ میں ان ہی اوصاف کا ذکر کیا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے فرمایا آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں سچ بولتے ہیں۔ ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں۔ کما کر ان کو کھلاتے ہیں۔ مہمان کی ضیافت کرتے ہیں۔ تو ہرگز خدا تعالیٰ آپ کو ناکام نہیں کرے گا۔ گویا جن اوصاف اور مکارم اخلاق سے متصف ہونے کے لیے ان آیات میں خطاب فرمایا جا رہا ہے۔ الحمد للہ آپ کی ذات ستودہ صفات بعثت و نبوت کے پہلے ہی روز سے متصف تھی۔

ایک حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((انا و کافل الیتیم کھاتین)) اور اپنی دو انگلیوں کو جمع کر کے اشارہ فرمایا۔

تمّ بحمد اللہِ تعالیٰ تفسیر سورۃُ الضحیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الانشراح

سورۃ الانشراح بھی مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔

اس سورت کا خاص مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کا انشراح اور امر نبوت پر اطمینان کامل اور قلب پر پیدا ہونے والے بوجھ اور اس فکر وتشویش کو دُور کرنے کی بشارت پر مشتمل ہے جس کی گرانی سے آپ کے قویٰ شکستہ ہو رہے تھے اور جو ہمت شکن احوال پیش آ رہے تھے ان کے دور کرنے کی خبر کے ساتھ آپ کی عزت وعظمت کا بیان ہے اور تسلی دی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے شدائد اور مشقتوں سے آپ خاطر برداشتہ نہ ہوں۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہوتی ہے۔

آیاتُہَا ۸ (۹۴) سُورَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَکِّیَّۃٌ (۱۲) رکوعاتہا ۱

سورۃ انشراح مکی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝۱ وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۝۲ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ

کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ۔ اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا؟ جس نے کڑکائی

ظَھْرَکَ ۝۳ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ

پیٹھ تیری۔ اور اونچا کیا مذکور تیرا۔ سو البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ البتہ

الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝۸ ع ۱۹

مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب تو فارغ ہو، تو محنت کر۔ اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

بشارت بانشراح صدر ورفع گرانی قلب وازالہ شدائد ہمت شکن

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝۱ ... الی ... وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝۸﴾

ربط: گزشتہ سورت میں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس پر رب العالمین کی طرف سے فائز کردہ انعامات خاصہ کا ذکر تھا۔ اور اسی کے ضمن میں آپ کے معالی اخلاقی اور محاسن اوصاف بھی بیان کر دیئے گئے تھے۔ اب اس سورت میں مزید ایک انعام شرح صدر کا بیان کیا جا رہا ہے۔ اُمورِ نبوت اور اللہ رب العالمین کے تکوینی اُمور پر قلب کا اطمینان و انشراح بہت بڑی نعمت ہے اور اسی پر کمال یقین استقامت اور اخلاص جیسے احوال مرتب ہوتے ہیں تو اس سورت میں اس انعام کو بیان کرتے ہوئے یہ بشارت سنائی جا رہی ہے کہ مکی زندگی کے احوال اور شدائد و مصائب جو انسان کی ہمت توڑ دیتے ہیں اور واقعی وہ بوجھ افکار آلام کا ایسا ہی ہے کہ اس نے آپ کی کمر بھی شکستہ کر دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اب وہ تمام بوجھ اور شدائد آپ سے دور کر دیئے جائیں گے موجودہ دشواری اور سختی کا دور گذار لیجیے۔ اس کے بعد آسانی اور سہولت ہی سہولت ہوگی۔ اس وقت اگرچہ مشرکین مکہ آپ کو ہر طرح ستانے پر تلے ہوئے ہیں اور آپ کی تحقیر و توہین میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ نے یہ فیصلہ بھی کر لیا ہے کہ آپ کا نام اور آپ کا ذکر اُونچا اور بلند ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس کا نام اونچا ہوگا اس کی شان کس قدر بلند ہوگی اور اس کا دین کس قدر مقبول و سربلند ہوگا تو ارشاد فرمایا۔

کیا ہم نے کشادہ نہیں کر دیا ہے آپ کا سینہ آپ کی خاطر؟ بے شک ایسا ہی کر دیا ہے کہ علم و معرفت کے لیے آپ کا سینہ اس

قدر کشادہ کر دیا کہ تمام علوم ملکوت السمٰوٰت اور وحی الٰہی کے سمیٹ کر آپ کے قلب میں ودیعت رکھ دیئے گئے کہ علوم ومعارف کے سمندر آپ کے قلب میں اتار دیئے اور وہ حوصلہ اور ہمت عطا کر دی کہ لوازم نبوت اور فرائض رسالت ادا کرنے کے لیے ہر مشقت اور تکلیف بڑی ہمت اور اولوالعزمی سے برداشت کر رہے ہیں۔ تبلیغ دین میں مخالفین خواہ ہزاروں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں لیکن آپ ﷺ کے قلب میں وہ جمعیت اور قوت پیدا کر دی ہے کہ یہ باتیں منصف رسالت کی ذمہ داریوں میں قطعاً حائل نہیں اور اتار دیا ہے ہم نے آپ کا بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی کہ مصائب وآلام کو آسان کر دیا۔ وحی جس کی عظمت وہیبت سے پہاڑ بھی چورا چورا ہو جاتے ہیں۔ اس کا تحمل کیا۔ جس کے بوجھ سے اس کی پیشانی بھی پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی اس کو یاد کیا اور اُمت تک پہنچایا قریش مکہ کی مخالفت جو انسان قوی اور ہمت کو شکستہ کر دینے والی تھی۔ مگر آپکے رب نے اس کا بوجھ بھی آپ سے ہلکا کر دیا اور یہی نہیں کہ قلب کا انشراح واطمینان و پختگی اور استقامت ہو اور مصائب وآلام کا بوجھ دور کر دیا جائے۔ مزید یہ انعام بھی فرمایا کہ اور بلند کر دیا ہم نے آپ کا ذکر۔ اس طرح کہ آپ کا دین بھی مشرق ومغرب میں پھیلا۔ نام بھی اس قدر بلند ہوا کہ اذان کے کلمات میں اللہ کے نام کے ساتھ ﴿ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ کی صدا فضاؤں میں ہر وقت گونجتی رہتی ہے۔ بلا شبہ یہ انعامات جو اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر فائز کیے گئے بہت عظیم اور بلند ترین انعامات ہیں۔

تو مکی زندگی میں پیش آنے والے وقتی مصائب اور شدائد سے گھبرانا نہ چاہیے کیونکہ یہ قانون قدرت ہے۔ بس ہر ایک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ اس لیے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے آپ ﷺ نے جو سختیاں برداشت کیں اور جو مصائب جھیلے ہر ایک سختی اور مشقت کے نتیجہ میں آسانی اور سہولت ہو گی۔ ایک نہیں بلکہ کئی کئی آسانیاں [1] اور راحتیں ایک ایک شدت ومشقت کے بعد میسر ہوں گی تو اس طرح آپ ﷺ کے قلب کو سکون وپختگی حوصلہ اور ہمت کی

---

[1] حضرات اصولیین اور علماء عربیہ کہتے ہیں کہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کی شکل میں کیا جائے تو دوسرے مرتبہ کے معرفہ کا مفہوم عین وہی ہوتا ہے جو پہلے معرفہ کا ہے لیکن جب نکرہ کا اعادہ نکرہ کی شکل میں کیا جائے تو اول کے علاوہ دوسرا مراد ہوتا ہے تو یہاں ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝﴾ میں ﴿الْعُسْرِ﴾ معرفہ مکرر لایا گیا تو ایک ہی سختی اور دشواری مفہوم ہوتی۔ اور اس پر ہر مرتبہ ﴿يُسْرًا﴾ نکرہ لانا دو سہولتوں کا مفہوم ادا کرنے والا ہوا۔ یہی وہ چیز ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے لن یغلب عسر یُسْرَیْنِ کہ ایک دشواری ہرگز دو سہولتوں پر غالب نہیں آسکتی۔ اسی معنی پر بعض عارفین کا یہ قول مشتمل ہے لوجاء العُسرُ فدخل هٰذا الحجر لجاء ها یُسر حتّٰی یَدْخُل عَلَیْه فَیُخْرجه. کہ اگر کوئی مصیبت اور دشواری آکر اس سوراخ میں داخل ہو جائے تو فوراً ہی اس کے پیچھے پیچھے اس سورخ میں سہولت داخل ہو کر اس دشواری کو نکال پھینکے گی۔

اسی ضابطہ پر یہ چیز مقرر کر دی گئی ہے کہ جو شخص بھی کسی سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ اور اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس خدا ہی کی طرف لَو لگائے اور اس کے فضل ورحمت کا امیدوار بن جائے گا تو دیکھے گا کہ کس طرح قدرتِ خداوندی اس کی تکالیف ومشکلات کو راحتوں اور نعمتوں سے بدل ڈالتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو الفاظ نقل کیے گئے وہ سعید بن منصور، عبد الرزاق، عبد بن حمید، حسن بصری اور بیہقی رحمہم اللہ نے مرفوعاً آنحضرت ﷺ سے یہ روایت کیے ہیں۔ مسند بزار میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت ہے۔ حاکم اور بیہقی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نہایت ہی انبساط وخوشی کے عالم میں حجرہ سے باہر تشریف لائے اور یہ فرما رہے تھے۔ بے شک ایک عسر (سختی) دو یسر (آسانی) پر غالب نہیں آسکتی کسی نے یہی بات اس طرح شعر میں ادا کر دی ہے۔

اذا اشتدت بک البلوٰی ففکر فی الم نشرح فعسر بین یسرین اذا فکرته فافرح

بلندی اور آپ کے ذکر کی عظمت ہم نے قائم کر دی کہ اذان و اقامت میں، تشہد میں، خطبہ میں، درود میں، ہر موعظت و نصیحت میں اللہ کے نام کی عظمت کے ساتھ آپ کے نام کی عظمت وابستہ کر دی گئی۔

بہر کیف جب آپ کو یہ نعمتیں عطا کر دی گئیں تو اب آپ ہمت سے اپنے کام میں لگے رہیں اور جب آپ منصب رسالت کی ذمہ داریوں۔ تبلیغ احکام اور تعلیم امت سے فارغ ہو جایا کریں تو دیگر امور اور اپنی ذات خاص سے متعلقہ عبادات میں محنت کیا کیجیے۔ اور ان تمام مخالفتوں اور دشواریوں سے بے نیاز ہو کر اور ہر طرف سے ٹوٹ کر بس اپنے رب ہی کی طرف رخ کر لیجیے۔ وہی کارساز ہے وہی ہر تدبیر کا کامیاب بنانے والا ہے۔ نصیحت و تعلیم اور تبلیغ یہ بے شک آپ کے کام ہیں مگر ان سب سے فارغ ہو کر اصل یہی ہے کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ وہی ان تمام کوششوں کو کامیاب بنانے والا ہے۔ ان ہدایات و تعلیمات سے مخلوق کو نفع بھی اللہ ہی کی توفیق و مشیت سے ہوگا اور ہر عملی جدوجہد بھی خدا ہی کے فضل اور اس کی اعانت سے کامیاب اور قبول ہوگی۔ اس لیے ان تمام محنتوں کے بعد نظر اپنی سعی اپنی کسی محنت اور کسی صفت پر نہ ہونی چاہیے بلکہ ہر محنت و سعی اور ادائے فرض اور ذمہ داریوں کی تکمیل کے بعد رجوع الی اللہ ہی اصل چیز ہے وہ ہونا چاہیے۔ اسی پر فوز و فلاح کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

فائدہ: اس سورت مبارکہ میں تین انعامات کا ذکر فرمایا: ① شرح صدر ② وضع وزر اور ③ رفع ذکر۔

ان انعامات کی تعبیر میں لکَ ضمیر خطاب کے ساتھ ان کو ذکر فرمایا ﴿ لَكَ صَدْرَكَ... عَنْكَ وِزْرَكَ... رَفَعْنَا لَكَ ﴾ اگرچہ از روئے عربیت یہ کافی تھا کہ بغیر صلہ کے ان انعامات کو بیان کر دیا جاتا لیکن ان انعامات کا آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ اختصاص ظاہر کرنے کے لیے ترکیب اضافی کے ساتھ ضمیر خطاب بھی لائی گئی۔ ہم نے اس وجہ سے ﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ کے ترجمہ میں لفظ ''آپ کی خاطر'' کا اضافہ کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شانِ رسول ﷺ کی عظمت و بلندی

آیت مبارکہ ﴿ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ میں حضور اکرم ﷺ کے ذکر کی بلندی بیان کی گئی کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا۔ آپ کا نام اونچا کیا۔ چنانچہ آپ کے نام مبارک کی عظمت و بلندی کا یہ مقام ہے کہ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نام مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت پر ثناء و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے۔ ہر حال میں باستثنا مواضع چند جہاں حق سبحانہٗ کا ذکر ہے وہیں آنحضرت ﷺ کا بھی ہے۔ عالم غیب میں آپ ﷺ سلطان ہیں کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکر خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مطیع تھا یا نافرمان۔ ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازے اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت کا ذکر نہ ہو۔ منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دُنیا پر ایسی کوئی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔ حضرت علامہ حقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

اس رفعت ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ہر ایک میں آپ ہی حاکم اعلیٰ ہوں۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے

بڑے بڑے بادشاہ عرب وعجم، روم، شام، ایران وہند وغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانین جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں کسی گوشہ میں مامون ہیں کسی میں سلاطین سلجوقیہ ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں اور کہیں تیمور صاحب قران ہیں اور کہیں علاؤالدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نامور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبان زد خلائق ہیں ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے۔ وہی ذات بابرکات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استاذ زمانہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علوم سیاست منزل۔ تہذیب اخلاق و درستی آداب حاصل کر رہے ہیں۔ کہیں ابو علی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابو ریحان بیرونی کھڑا ہے کہیں ابو نصر فارابی اور کہیں شہرستانی اور کہیں نصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء دہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استاد کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرے کمرہ میں قانون محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں ہدایہ وغیرہ۔ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجد قوانین سیاسہ ونوامیسیہ حاضر ہیں۔ کہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں تو کہیں قاضی ابو یوسف اور امام محمد اور امام مالک و امام شافعی رحمہم اللہ حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمین وابن دقیق العید وتاج الدین سبکی رحمہم اللہ وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھے کمرہ میں ایک مفتی متبحر مسند افتاء پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم وفنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا رواں ہیں کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب وسنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جا رہی ہے۔ کہیں محدثین فخر روزگار فنون احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرین زمان قرآن مجید کے جلو میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں۔ اور کہیں واقعات قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں۔ اور کہیں اہل دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں۔ استفادہ کر کے حظ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسیوں کی ایک جماعت مسائل فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے۔ اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیح قرات کر رہے ہیں۔ اور الفاظ قرآنیہ کو انہیں کے لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ حج و زکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملات بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں ور کہیں متکلمین علم عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔ مخلوق کی ابتداء اور انتہاء اور صفات باری اور اس کے افعال اور وجود ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں کہیں مرنے کے بعد سے لے کر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دُنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان سے کون کون سرے سے غلط اور خیالات جاہلانہ پر مبنی تھے۔ اور کون سے من اللہ ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دُنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف وتبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرار احکام الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علم زہد ورقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتی متبحر وہی سرور کائنات ہیں علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسند حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکام الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر دُرے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم وتعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں۔ اور کہیں لہو ولعب ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ شہوات اور فسق وفجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں۔ مکاروں۔ فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہو رہی ہے یہ صاحب وقار محتسب بھی وہی عالی جانب ہیں ﷺ۔

چھٹے کمرہ میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عز ووقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبران ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی کا اشارہ کر کے کاروبار سلطنت کے لیے مدبران قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لیے قومی لشکر جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (الانفال:۶۰) اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامان حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ اور ملازمان سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم موکد صادر فرما رہے ہیں: من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب وجوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ اس کے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں کہیں عہد ناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت ووقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں۔ خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کس لیے کہ قیام سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم وعیش ونشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا، حاجات میں کام آنا، معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدی بن کر گھر میں بیٹھ رہنے کی بُرائیاں بیان فرما رہے ہیں یہ کون ہیں؟ وہی عالیجناب رسالت مآب ﷺ۔

ساتویں کمرہ میں ایک عابد وزاہد دُنیا ومافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمر گراں مایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوت قرآن مع التدبر التام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں کبھی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد وادعیہ صبح وشام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔ ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصار ہے۔ اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے دلی انس ہے۔ ملائکہ علوی وسفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگان خدا بھی جوق در جوق آ کر مستفید ہوتے ہیں پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اور اوراد واشغال کی تعلیم ہے کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے نہ کسی امیر کی پروانہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا یہ حضرت بھی وہی سرور کائنات ہیں صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہٗ۔

آٹھویں کمرہ میں ایک عارف وکامل تشریف رکھتے ہیں جو کہ ذات وصفات کے اسرار اور عالم ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں حقائق ومعارف مواجید واشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے فصوص الحکم وفتوحات مکیہ

وغیرہ کتابیں اس ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جا رہی ہیں وہ بھی آپ ہی ہیں ﷺ۔

نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا۔ لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثواب عظیم واجر جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذاب قبر اور عذاب جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے۔ اور کسی کو دار آخرت کے درجات اور حیات جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافر وبت پرست کفر و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہے۔ سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے۔ مجلس میں آہ وبکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر دور ہی نہیں ہوتا جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحم دل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پرہیزگار بن گئے۔ سست وغافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کٹر سخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرت واعظ بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشد کامل صاحب طریقہ وصاحب دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے طالبان خدا کا اس کے ارد گرد ہجوم ہے وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات واحوال اور مراتب ومناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات وتاثیرات پیدا کر رہے ہیں۔ کسی کو وجد آ رہا ہے کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے کسی پر فناء کا غلبہ ہے تو کسی پر بقا کا۔ کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی وشبلی وسید عبدالقادر جیلانی وشیخ احمد بدوی ومعین الدین چشتی ونظام الدین محبوب الٰہی وشیخ شہاب الدین سہروردی وخواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمہم اللہ وغیرہ اولیاء کرام ہیں۔ یہ مرشد کامل بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب وماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ ہے ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بخود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے وہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحب کتاب نہایت عزوشان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب وداؤد وسلیمان وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام ان کے ارد گرد تشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ان کی شریعتوں میں اصلاح کر رہے ہیں کہیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھا رہے ہیں کہیں گھٹا رہے ہیں۔ کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو از سر نو قائم فرما رہے ہیں اور سب تسلیم کر رہے ہیں اور اپنا اُستاد مان رہے ہیں۔ یہ بھی وہی ہیں ﷺ۔

یہ ہے وہ شرح صدر اور یہ ہے وہ رفع ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔ حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ اس شانِ رفعت کی ترجمانی اس طرح فرمایا کرتے تھے۔

اغر علیه للنبوة خاتم ... من اللّٰه مشهور یلوح و یشهد
وَضَمَّ الاله اسم النبی مع اسمه ... اِذ قال فی الخمس المؤذن اشهد
وشق لَهٗ من اسمه لیجله ... فزوا العرش محمود و هٰذا محمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ التّین

سورۃ التّین مکی سورت ہے جس کی آٹھ آیات ہیں۔ مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا بھی اہم موضوع اور مقصد بیان ایمان بالآخرۃ، حساب اور جزاء اعمال ہے۔ سورت کی ابتداء انجیر اور زیتون کے درخت کی قسم کھا کر کی گئی اور ان دو عظیم المنفعۃ درختوں اور پھلوں کی قسم کے ساتھ اماکن مقدسہ یعنی طورسینا اور بلد امین مکہ مکرمہ کی بھی قسم کھا کر ان کی برکتوں کی طرف ذہین کو متوجہ کیا گیا۔ جو ان مقامات مقدسہ میں ودیعت رکھی گئی ہیں کہ طورسینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا۔ اور سرزمین مکہ مہبط وحی ہے ان عظیم اشیاء کی قسم کھا کر بطور جواب قسم انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا۔

انجیر وزیتون کثیر المنفعۃ اور جامع الفوائد ہونے کی وجہ سے انسان کی حقیقت جامع سے پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے جواب قسم کے مضمون میں ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا۔ پھر تخلیق انسانی میں یہ فرمانا کہ اس کو ایک بہترین پیکر اور حسین ساخت میں اللہ نے بنایا ہے۔ قدرتِ خداوندی کی اکمل ترین دلیل کو پیش کرنا ہے۔ اس کے بعد کفار پر وعید اور تنبیہ فرمائی گئی جو بعث بعد الموت کا انکار کرتے تھے اور اخیر میں دلائل قدرت کو انسانی عقول اور نظروں کے سامنے نمایاں کرتے ہوئے یہ سوال کیا گیا کہ اب اس کے بعد کوئی منکر انسان آخر کس بناء پر قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جب کہ ہر انسان کی تخلیق اس کے وجود اور اس کے تغیرات میں ان سب اُمور کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور یہ تمام مشاہدات اس امر پر انسان کو آمادہ بلکہ مجبور کرتے ہیں کہ وہ قیامت پر ایمان لائے حسب و کتاب پر یقین رکھتے ہوئے اللہ ربّ العالمین کو احکم الحاکمین مانے۔

رُکوعاتُها ۱	سُورَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ (۹۵) (۲۸)	آیاتُها ۸

سورۂ تین مکی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳

قسم انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس شہر امن والے کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازہ پر۔ پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے

سٰفِلِیْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ

نیچے۔ مگر جو یقین لائے، اور کیں بھلائیاں، سو ان کو نیگ ہے بے

مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ﴿۷﴾ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ

انتہا۔ پھر اس پیچھے تو کیوں جھٹلا دے بدلہ ملنا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے

الْحٰکِمِیْنَ ﴿۸﴾ ع

بہتر حاکم۔

ع ۲۰/۸

شہادت اشجار واماکن بر خالقیت ربّ العالمین ومبداء ومعاد انسان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ﴿۱﴾ ... اِلٰی ... اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ﴿۸﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں حضور اکرم ﷺ کو جن خاص انعامات سے نوازا گیا تھا۔ ان کا ذکر تھا۔ آپ ﷺ کے قلب کو وحی الٰہی اور منصبِ رسالت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے لے لیے کھول دیا اور آپ کے حوصلہ کو اس قدر بلند اور قلب مبارک کو وسیع کر دیا کہ اس میں علوم ومعارف اور حقائق وحکم کے سمندر سما گئے۔ اور آپ کا نام بلند کر دیا۔ اور شان اس قدر اُونچی کہ اس سے بڑھ کر کسی عظمت وبلندی کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اب اس مناسبت سے اس سورت میں انجیر وزیتون جیسے عظیم المنفعۃ پھلوں اور درختوں اور طور سینین اور بلدۃ الحرام جیسے متبرک اور مقدس مقامات کی قسم کھا کر انسانی تخلیق کا ذکر فرمایا اور اس کی زندگی میں واقع ہونے والے تغیرات سے بعد الموت اور مسئلہ مجازات کو ثابت فرما دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

قسم ہے انجیر کی اور اس کے درخت کی اور زیتون کی اور اس کے درخت کی۔ اور قسم ہے طور سینین کی یعنی طور سیناء کی جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہم کلامی بخشا۔ اور وہ تقرب عطا فرمایا جو ﴿وَقَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا﴾ میں ذکر فرمایا گیا اور قسم ہے امن والے شہر مکہ مکرمہ کی جہاں سے سارے عالم کو علوم ہدایت سے سیراب کیا گیا اور خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت ونبوت کے آفتاب نے وہاں سے طلوع ہو کر پوری دنیا کو روشن کر ڈالا جب کہ عالم پر جہالت اور کفر کی ظلمتیں محیط تھیں اسی شہر میں اللہ نے اپنی سب سے بڑی امانت (یعنی قرآن) نازل فرمائی۔ بے شک ہم نے انسان کو بنایا ہے ایک بہترین پیکر میں اور نہایت ہی حسین ساخت میں قدر وقامت صورت وشکل اور تناسب اعضاء کے باعث بڑا ہی خوبصورت اور حسین وجمیل ہے۔ یعنی جس طرح اس کو معنوی خوبی عقلی اور فکری صلاحیتوں کی عظمت وبلندی عطا کی تھی۔ ظاہری پیکر کے لحاظ سے بھی اس کو احسن تقویم اور بہترین ساخت میں پیدا کیا تا کہ معنوی شرف وعظمت کے

ساتھ پیکر انسانی کی مطابقت ہو جائے۔ پھر ہم نے اس کو پھینک دیا نیچوں سے نیچے طبقہ میں اور پستی کی حالت میں۔ ایسے بڑھاپے میں پہنچا دیا کہ نہ قوی رہے نہ صورت وشکل کا وہ حسن و جمال باقی رہا۔ پیدائش ضعف کی حالت میں ہوئی ہاتھ پاؤں کمزور تھے لیکن نشوونما پا کر جوان ہوا۔ بدن میں قوت و مضبوطی پیدا ہو گئی۔ پیکر جسمانی کا حسن و جمال بھرپور ہو گیا مگر یہ چند مدت تک کی بات تھی۔ پھر بڑھاپے نے انحطاط وضعف کی طرف لوٹانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ضعف وپستی کی آخری منزل تک پہنچ گیا [1] جیسے ارشادِ مبارک ہے ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ ... الآیة ﴾ (الروم: ۵۴) مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے تو ان کے واسطے یقیناً اس قدر اجر و ثواب ہوگا۔ کہ جو کبھی منقطع نہ ہو تو یہ ایمان و عمل صالح والے اسفل السافلین کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے ان کو ذلت وپستی کے مقام میں گرنے سے مستثنیٰ کر لیا جائے گا۔ الغرض جب خداوندِ عالم کی قدرت کے یہ مناظر نظروں کے سامنے ہیں کہ انسان کو بہترین پیکر میں پیدا کیا جا رہا ہے۔ وہ کمزوری سے قوت و جوانی کی طرف اور پھر جوانی سے بڑھاپے اور کمزوری یا پستی کی طرف لوٹ رہا ہے تو انسانی بند میں یہ تغیرات عالم پر واقع ہونے والے تغیرات اور عالم کے شباب کے بعد اس کے بعد بڑھاپے اور زوال پر زبانِ حال سے پوری پوری گواہی دے رہے ہیں۔ ان دلائل کا مشاہدہ کرنے والا یہ قدرت و جرأت نہیں رکھتا وہ قیامت اور بعث بعد الموت کا انکار کر سکے۔

تو پھر اے مخاطب بتا اس کے بعد کون سی وہ چیز ہے جو تجھ کو منکر بنا رہی ہے۔ قیامت کے روز جزاء وسزا کے معاملہ میں اور کون سی وہ بات ہے جو اس امر پر انسان کو آمادہ کر رہی ہے کہ وہ بعث بعد الموت اور اعمال کی جزاء وسزا کو نہ مانے۔ حالانکہ یہ تمام دلائل وشواہد مجبور کر رہے ہیں کہ انسان قیامت پر ایمان لائے اور جزا وسزا پر یقین کرے۔ ان تمام دلائل اور عالم کے جملہ احوال وتغیرات کو دیکھنے والے انسان بتا۔ کیا نہیں ہے اللہ سب سے بڑا حاکم تمام حاکموں سے۔ ضرور بالضرور وہی سب سے بڑا حاکم ہے۔ سب مانتے ہیں اور ماننے پر مجبور ہیں۔ عقل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کے احکام کائنات پر نافذ وجاری ہیں اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے۔ دُنیا جب سے قائم ہے اس کے حکم سے زمین وآسمان میں کوئی بھی سرتابی نہیں کر سکا۔ جانور، سورج، ہوائیں،

---

[1] بعض مفسرین نے اسفل السافلین کی تفسیر میں ارذل عمر تک انسان کا پہنچانا بیان کیا ہے کہ جس عمر میں پہنچ کر انسان کے ہوش وحواس بھی جاتے رہیں۔ آنکھوں اور کانوں سے بھی محتاج ہو جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا انہوں نے فرمایا۔ قرآن کریم کا حافظ اور اس کی تلاوت کا شغف رکھنے والا۔ اس نوبت تک پہنچنے سے محفوظ رہے گا اور عمر اسکی خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائے اس کے ہوش وحواس بجا رہیں گے۔ مجاہد اور ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اسفل السافلین سے جہنم کے طبقات میں سے نیچے سے نیچا طبقہ مراد لیتے تھے۔ تو مراد یہ ہوگی کہ انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اور اس کے بہترین قالب میں ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس حسین قالب میں سجانے والی چیزیں (اعمال واخلاق اور کردار) بھی بہترین ہی ہوں تاکہ قالب کی خوبی اور شرافت کے ساتھ اعمال وکردار کی خوبی اور عظمت بھی جمع ہو جائے۔ لیکن یہ انسان کی بدنصیبی ہے کہ وہ اپنے نفس کی بہیمیت اور گندگی میں پڑ کر پستی اختیار کر لیتا ہے اور اسفل السافلین کی طرف لوٹ جانا قضاء وقدر کے فیصلہ یعنی تقدیر الٰہی سے ہے اس وجہ سے اس کی نسبت حق تعالیٰ نے اپنی جانب فرمائی اور انسان چونکہ اپنے اعمال وافعال کا خود اپنے ارادہ اور اختیار سے کاسب ہے اس وجہ سے ظاہر ہے کہ اس ارتکاب پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔
لیکن اس ذلت اور پستی کے مقام میں گرنے سے وہ لوگ محفوظ رہیں گے۔ جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں۔ تو یقیناً قعرِ ذلت اور پستی میں گرنے سے مستثنیٰ رہیں گے تو ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کا استثناء بظاہر اسی مفہوم کی تائید کر رہا ہے۔ اور یہی مفہوم زیادہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ (واللہ اعلم بالصواب)

بارش اور بادل چرند اور پرند غرض ہر چیز اس کی مطیع و فرمانبردار ہے۔

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

آب و باد و خاک آتش بندہ آند — بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۃ والتین پڑھتے ہوئے اس آیت ﴿اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ﴾ پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہیے ((بَلٰی وَ انا علٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاھِدِین)) کہ بیشک اللہ ہی ضرور احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں نماز کے سوا جب بھی یہ آیت تلاوت کی جائے تو ان کلمات کا کہنا مسنون ہے۔ لیکن دیگر فقہاء اور ائمہ نماز میں بھی مسنونیت کے قائل ہیں۔

تین اور زیتون کی تفسیر

ائمہ مفسرین اور حضرات محدثین و مؤرخین سے تِیْن و زیتون کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

① اکثر علماء کا قول تو یہی ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون سے یہی زیتون کا معروف درخت اور ان کے پھل مراد ہیں ان کے قسم کھانے کی غرض اور ان قسموں پر انسانی شرف کے مضمون کو مرتب کرنے کی حکمت یہی ہے کہ ان میں بڑے ہی فوائد و منافع قدرت نے رکھے ہیں۔ چنانچہ انجیر عجیب پھل ہے جس میں نہ گٹھلی ہے نہ پوست۔ غذا بھی اور دوا بھی جو متعدد امراض کے لیے نہایت نافع ہے اور سریع الہضم بھی ہے۔ اطباء کے بقول گردوں کو صاف کرتا ہے بلغم اور اس کے اثرات کو دور کرتا ہے۔ جگر اور طحال کے لیے مفید ہے اور مصلح ہے۔ پھر یہ کہ بلا تکلف کھایا جا سکتا ہے۔ اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے اور نہ درخت اس قدر اُونچا ہے کہ اس پھل کے حاصل کرنے میں کوئی دقت و مشقت ہو۔ اسی طرح زیتون بھی ہے کہ اپنے اندر بے شمار فوائد رکھتا ہے تو یہ دونوں پھل گویا اپنی خوبیوں کے باعث انسانی کمالات سے مشابہت رکھتے ہیں۔

② دوسرا قول یہ ہے جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تین و زیتون دو شہروں کے نام ہیں تین قدیم تاریخ میں دمشق کو کہا جاتا تھا۔ اور زیتون بیت المقدس کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں شہر اس لحاظ سے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا مولد و مسکن ہوئے ہیں متبرک ہیں بیت المقدس وہ اللہ کا گھر ہے جو اولاد اسحاق علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ اور اسلام میں بھی ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ کے لیے قبلہ رہا جس کا قرآن کریم نے ﴿الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ﴾ فرمایا۔

اور ظاہر ہے کہ جو سرزمین انبیاء علیہم السلام کا مولد و مسکن ہو اور اللہ کے پیغمبر وہاں عبادت کرتے رہے ہوں بلاشبہ بڑی ہی بابرکت زمین ہے۔

③ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں اور بعض ائمہ مفسرین و محققین اسی قول کو زیادہ بہتر قرار دیتے ہیں۔ تورات سفر استثناء باب نمبر ۳۳ کی بشارت کے پیش نظر جس میں یہ فرمایا گیا۔ خداوند سیناء سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔ اس بات کو تو اہلِ کتاب

بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سیناء سے کوہِ سیناء مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کرنا اور شرفِ ہم کلامی عطا کرنا۔ لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر محمول کرنے کی بجائے فلسطین کے دو پہاڑوں کے نام بتاتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر دس ہزار قدسیوں کی کیا تاویل کریں گے۔ اس لیے حقیقت یہ ہے شعیر سے بیت المقدس کے پہاڑ مراد ہیں۔ مگر وہ پہاڑ جس پر شہر بیت المقدس واقع ہے اس کے دو ٹکڑے ہیں۔ جن میں ایک کو اب تک جبل زیتون کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران ظاہر ہے مکہ مکرمہ کا پہاڑ ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ فتح کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی آتشِ شریعت نے مکہ کے بت خانوں کو جلا کر خاک کر ڈالا اور عالم سے کفر و شرک کو مٹا دیا تو اس بشارت سے بھی ان چار مقدس مقامات کا مفہوم واضح ہو رہا ہے۔ اور مناسب ہوا کہ ان کی قسم کھا کر جہاں سے نبوت و رسالت کا آفتاب طلوع ہوا۔ اور اس کے نور نے دُنیا کو منور کیا۔ انسان کی سعادت و شقاوت کا مضمون بطور جواب قسم مرتب کیا جائے۔

تمّ بحمد الله تعالیٰ تفسیر سورة التین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ العلق

سورۃ العلق مکیہ ہے جس کی اُنیس آیات ہیں۔

وحی الٰہی کا آغاز اسی سورت مبارکہ کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا۔ اسی پر تمام امت اور ائمہ مفسرین کا اجماع ہے اس سورت کا سب سے پہلا موضوع تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی ابتدائی کیفیت اور حالت کا بیان کرنا ہے پھر انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات ہوں اس کی سرکشی وطغیانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مشرکین مکہ میں خاص اشقیاء کی شقاوت کا ذکر ہے۔ جیسے کہ ابوجہل۔ وہ اس کو بھی برداشت نہیں کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم مکہ میں نماز ہی پڑھ لیں۔ چنانچہ اس نے ایک روز غلاظتوں کا انبار اور ایک ذبح شدہ اُونٹ کا اوجھ جو گوبر اور نجاستوں سے بھرا ہوا تھا۔ پشت مبارک پر لاکر رکھ دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی اس بیہودگی پر خوب ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے۔ تو اس سورت میں اس تاریخی شقاوت کا بھی ذکر ہے اور ساتھ حق تعالیٰ شانہٗ کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ اللہ رب العزت کے علم اور نظر سے یہ بدبختی کا عمل مخفی نہیں اور وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ جہنم کے فرشتے ایسے مجرموں کو پکڑ پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ بلکہ دُنیا ہی میں اللہ نے اپنے قہر اور گرفت کا منظر دکھا دیا کہ یہ تمام اشقیاء اور بدبخت غزوۂ بدر میں مارے گئے۔ ابوجہل زخمی ہوا اور اس کا سر قلم کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے گلے میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے آئے۔ اور حرم مکہ میں جن بدبختوں کا نام لے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددُعا فرمائی۔ وہ سب کے سب مارے گئے اور ان کے مردار اور لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تشریف لا کر ان کو خطاب کرتے

ہوئے فرمایا: ((هل وَجَدْتُّم مَاوَعد ربّكُم حقًّا. اِنَّا وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا)) کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا پالیا۔ جو تم سے کیا گیا تھا۔ ہم نے اس وعدہ کو پوری طرح پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا۔

ابتداء سورت میں قراءۃ اور تعلّم کی دعوت دی گئی اور سورۃ کی انتہاء نماز اور بارگاہ خداوندی میں سجود اور امر بالتقرب کے مضمون پر کی گئی جس سے یہ ظاہر ہوا کہ انسانی فوز و فلاح کی ابتداء قراءت اور علم سے ہے اور اس کی منزل و مقصود و انتہاء عبادت اور قربِ خداوندی ہے تو اس طرح ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ پر سورت ختم فرمائی گئی۔

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۹۶)

آیاتها ۱۹ — رکوعاتها ۱

سورۂ علق مکی ہے اس میں اُنیس آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ② اِقْرَاْ

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا۔ بنایا آدمی کو لہو کی پھٹکی سے۔ پڑھ،

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ

اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو نہ

يَعْلَمْ ۭ ⑤ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ ⑦ اِنَّ

جانتا تھا۔ کوئی نہیں! آدمی سر چڑھتا ہے۔ اس سے کہ دیکھے آپ کو محفوظ۔ بیشک

اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۭ ⑧ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۭ ⑩

تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔ تو نے دیکھا وہ جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب نماز کرے؟

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ ⑪ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۭ ⑫ اَرَءَيْتَ اِنْ

بھلا دیکھ تو اگر ہوتا نیک راہ پر۔ یا سکھاتا ڈر کے کام۔ بھلا دیکھ تو! اگر

كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۭ ⑬ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۭ ⑭ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ

جھٹلایا اور منہ موڑا۔ یہ نہ جانا کہ اللہ دیکھتا ہے۔ کوئی نہیں اگر باز نہ آوے گا۔

يَنْتَهِ ۬ۚ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۵ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶ فَلْيَدْعُ

ہم گھسیٹیں گے چوٹی پکڑ کر۔ کیسی چوٹی، جھوٹی گنہگار۔ اب بلاوے اپنی

نَادِيَهٗ ۝۱۷ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۸ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹ ع ۱۹/۲۱

مجلس کو۔ ہم بلاتے ہیں پیادے سیاست کرنے کو۔ کوئی نہیں! نہ مان اس کا کہا، اور سجدہ کر، اور نزدیک ہو۔

آغازِ وحی بامر قراءۃ باسم رب العالمین

ومذمت وتہدید بر مخالفت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱﴾ . . . الٰی . . . ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹﴾

یہ بات اجماع اُمت سے ثابت ہے کہ وحی الٰہی کا آغاز سورۃ اقراء کی پہلی پانچ آیات یعنی ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ سے ﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ تک کے نزول سے ہوا۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور روایاتِ صحیحہ سے بھی ثابت ہے پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لیے سورہ فاتحہ نازل ہوئی تو سورتوں میں نازل ہونے والی یہ پہلی سورت ہوئی۔ اسی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں سورۃ فاتحہ کی اوّلیت بیان کی گئی۔ ان پانچ آیات کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ سلسلۂ وحی منقطع رہا۔ اور اس انقطاع یعنی فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ نازل ہوئی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو سورۂ مدثر کے نزول میں روایت بیان کی گئی۔ اس کا یہی مفہوم ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت وھو یحدثُ عن فترۃ الوحی کہہ کر فرما دی۔

اس سورت مبارکہ کی کیفیت نزول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اس طرح ثابت ہوئی جیسے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح بخاری کے باب کیف کان بدء الوحی الی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ پہلے آپ کو مبارک اور سچے خواب نظر آنے لگے اور جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح ظاہر ونمودار ہوتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت نشینی کی رغبت ہوگئی۔ آپ غارِ حراء میں جا کر عبادت کرنے لگے جہاں کچھ دن اور راتیں رہتے پھر گھر آتے اور کچھ توشہ لے کر چلے جاتے یہاں تک کہ اسی غارِ حراء میں آپ پر حق ظاہر ہوا اور اللہ کا فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور کہا ﴿اِقْرَاْ﴾ "پڑھو" جس کے جواب میں آپ نے فرمایا: ((مَا اَنَا بِقَارِئٍ)) "کہ میں تو ایسا نہیں کہ پڑھ سکوں" فرمایا فرشتہ نے مجھ کو پکڑ کر بھینچا اور خوب زور سے دبایا کہ مشقت اور تکلیف انتہاء کو پہنچ گئی اور پھر چھوڑ دیا اور کہا ﴿اِقْرَاْ﴾ میں نے پھر وہی جواب دیا ((مَا اَنَا بِقَارِئٍ)) فرشتہ نے اسی طرح پھر تیسری مرتبہ پکڑ کر دبایا اور چھوڑ کر کہا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵﴾ ان آیات کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر لوٹے اور آپ پر کپکپی اور لرزہ طاری تھا۔ آپ نے گھر جا کر فرمایا ((زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ)) تو گھر والوں نے کمبل یا چادر

اڑھائی اور پھر آپ نے غار حراء کا قصہ بیان کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ((اِنِّیْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ)) کہ مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہوا وحی کی ہیبت وعظمت اور فرشتہ کو ایسی حالت میں دیکھ کر۔ اس کو سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ میں یہ کمالات ہیں کہ آپ سچ بولتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں بے سہارا لوگوں کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور پیش آنے والے حوادث وواقعات میں آپ لوگوں کی مدد کرتے ہیں تو جب آپ میں یہ کمالات اور اوصافِ حسنہ ہیں تو خداوندِ عالم ہرگز آپ کو ناکام اور شرمندہ نہ کریں گے پھر آپ کو اپنے ابن عم ورقہ بن نوفل کے پاس جو انجیل کا ترجمہ کررہے تھے اور شرک وبت پرستی سے نفرت کرتے ہوئے اس زمانہ کا دین سماوی یعنی نصرانیت اختیار کرلی تھی۔ ورقہ بن نوفل نے تمام واقعہ سن کر تصدیق کی اور کہا: ھٰذا الناموس الذی انزل اللہ علٰی مُوْسٰی علیہ السلام۔ یعنی یہ تو وہی اللہ کا قاصد ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اور اس بات کی بھی تمنا کی کاش اس زمانہ میں جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ اگر میں زندہ ہوں تو آپ کی بڑی ہی قوت وہمت کے ساتھ مدد کروں گا۔ تو اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے استدلالِ عقلی کی رنگ میں تسلی دی۔ اور ورقہ بن نوفل نے استدلالِ شرعی کے انداز میں تسلی دی اور آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی اس کے بعد سلسلۂ نزولِ وحی منقطع ہو گیا اور مشہور وراجح قول کی بناء پر تقریباً پونے تین سال وحی منقطع رہی تا آنکہ پھر وحی کا سلسلہ سورۂ مدثر کے نزول سے شروع ہوا۔ اور آیات ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ کے نزول سے آپ مامور بالرسالۃ فرمادیئے گئے۔ اور تبلیغ ودعوت کا حکم دے دیا گیا اور پھر پے در پے سلسلہ نزول وحی کا شروع ہو گیا۔ تو یہ پانچ آیات سب سے پہلی آیات ہیں جن سے وحی الٰہی کا سلسلۂ شروع ہوا اور آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور اللہ کے فرشتہ کی طرف سے ﴿اِقْرَاْ﴾ کے خطاب اور امر پر آپ نے جو ارشاد فرمایا تھا ((مَاۤ اَنَا بِقَارِئٍ)) کہ میں تو ایسا نہیں ہوں کہ پڑھ سکوں۔ اس کے جواب کے طور پر وحی الٰہی کا آغاز ہی ان کلمات سے ہوا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ یعنی آپ کو قراءت اور پڑھنے کا حکم بارگاہِ رب العزت سے آپ کی صلاحیت اور قدرت کی بناء پر نہیں دیا جارہا ہے بلکہ پڑھیے اپنے رب کے نام سے اور اس کے نام کی مدد سے۔ جس نے پیدا کیا ہے ہر چیز کو اور کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود عطا فرمایا۔ تو جو ذات عدم سے وجود عطا کرنے والی ہے وہ ایک جاندار اور حس وشعور رکھنے والے انسان کو قراءت کا وصف کیسے نہیں عطا کرسکتی۔ اس کی شان خالقیت اور حکمت کے سوتے تو اظہر من الشمس ہیں۔ چنانچہ اس نے پیدا کیا انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے۔ جو نطفہ کی شکل سے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کرتا ہے پھر وہی خدا اس میں نشوونما کی صلاحیت دیتا ہے اور اس میں ہاتھ پاؤں آنکھ، ناک۔ کان بنانا یہ سب کچھ اسی کی صناعی ہے تو جس خلاق حکیم نے ایک قطرہ کو اس طرح تغیرات کے ساتھ یہ سب کچھ عطا کیا ہے وہ ایک زندہ بینا وبصیر انسان میں جو اگرچہ پڑھا ہوا نہیں قراءت کی صفت نہیں دے سکے گا۔ تو آپ کو اس رب خالق اور صناع حکیم کے نام سے کہا جارہا ہے کہ پڑھیے [1] اور اگر یہ تصور وخیال ہو کہ ایسی عظیم صفت اور خوبی کس طرح دے دی جائے گی تو فرمایا گیا اور آپ کا رب تو بڑا ہی کرم والا ہے۔ اس لیے یہ گرانقدر فضل وانعام اس رب کریم کی طرف سے حاصل ہونے میں کوئی تعجب اور تامل نہ ہونا چاہیے اور نہ ہی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ اتنا عظیم اور بھاری کام کس طرح

---

[1] پہلی مرتبہ ﴿اِقْرَاْ﴾ نفسِ قرأت مطلوب ہونے کی حیثیت سے فرمایا گیا تو دوسری مرتبہ اس امر سابق کی تعمیل پر آمادہ ہونے اور اس کی عملی صورت میں پورا کرنے کے لیے کہا گیا کہ بس پڑھیے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اِقْرَاْ اول سے علوم باطنیہ کا پڑھنا مراد ہے اور اقراء ثانی سے علوم ظاہرہ۔ لیکن پہلی توجیہ عربیت کی رو سے زیادہ قوی ہے۔ ۱۲

انجام دیا جائے گا تو وہ رب کریم اپنی غیبی مدد سے اس کو آسان کردے گا۔

لیکن اس کے بعد اگر یہ خیال ہوا اور تردّد تجسس کہ آخر اس قدر بڑی نعمت کس طرح حاصل ہوگی تو اس حیرت وتردّد کو دُور کرنے کے لیے فرمایا: وہ رب جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعہ۔ اور یہی قلم دُنیا میں ایک قرن سے دوسرے قرن تک اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم منتقل کرنے والا ہے کیا وہ اپنے فرشتہ کے ذریعے لوحِ محفوظ اور ملاءِ اعلیٰ کے علوم اپنے پیغمبر کی طرف نہیں منتقل کرسکے گا؟ جس نے انسان کو وہ سکھایا جو نہیں جانتا تھا۔ تو جب قلم کے ذریعے دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشہ تک اور ایک قوم سے دوسری قوم تک علوم پہنچتے ہیں اور انسان وہ علوم سیکھ جاتا ہے جو اس کو پہلے معلوم نہ تھے۔ تو اے ہمارے پیغمبر آپ ﷺ کو کیا تعجب ہے کہ اسی طرح خداوندِ عالم جبریل علیہ السلام اور ملائکہ مقربین کے ذریعے ملاءِ اعلیٰ کے وہ علوم آپ ﷺ کو سکھا دے جو اس سے پہلے آپ نہ جانتے ہوں۔ اور وہ پروردگار یہ علوم خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے پہنچائے یا براہ راست قلب پر وارد کردے۔ وہ ہر صورت پر قادر ہے آخر انسان خواب میں غیب کی بہت سی باتیں دیکھتا ہے اور خود آپ کو بھی اس سے کچھ عرصہ قبل سچے اور مبارک خواب دکھائے گئے جو وحی الٰہی کا دیباچہ وتمہید تھے اور آفتابِ رسالت کے طلوع سے قبل والی صبح صادق تھی۔ جن سے آپ کو بخوبی اندازہ ہوگیا کہ القاء غیبی کی بہت سی صورتیں ہیں اور ان پر اللہ کو قدرت کاملہ ہے اور ان میں اصل وحی کے نزول اور وحی الٰہی کی قرأت پر قدرت کا ثبوت مکمل طور پر موجود ہے تو ان اُمور کے باعث آپ کو یہ خطاب الٰہی ہے ﴿اِقْرَاْ﴾ اور ان دلائل کے پیش نظر اب اس جواب کی گنجائش نہیں ((ما انا بقارئ)) ✱ الغرض قدرتِ خداوندی کے یہ عظیم اور واضح دلائل اور نشانیاں ہوتے ہوئے اس امر کی گنجائش اور توقع نہ تھی کہ کوئی شخص اللہ کی خالقیت اور اس کی ربوبیت ووحدانیت سے انکار کرے مگر افسوس خبردار! بیشک یہ سرکش انسان بہت ہی حد سے بڑھ جاتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ بے نیاز ہوگیا ہے۔ مال ودولت نے اس کو غنی کردیا بلاشبہ یہ ایسے انسان کی غلطی اور بہت بڑا دھوکہ ہے اے مخاطب تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یقیناً تیرے رب کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ اور جس پروردگار نے اس کو پہلے پیدا کیا اسی کی طرف آخر لوٹنا ہے۔ اس وقت ایسے مغرور وسرکش انسان کی نخوست اور اس کا غرور وتکبر سب کچھ ختم ہوجائے گا اور اس سرکشی وخودفراموشی کی حقیقت کھل جائے گی۔ نہایت ہی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔ انسان باوجود ان دلائل وشواہد کے اپنے خالق کو نہ مانے اس سے بڑھ کر تعجب کی بات ہے کہ دوسروں کو بھی ربِ حقیقی کی بندگی اور عبادت سے روکے تو اے مخاطب کیا دیکھا تو نے اس بدبخت انسان کو جو روکتا ہے اللہ کے ایک برگزیدہ بندہ کو اللہ کی بندگی سے جب وہ نماز پڑھے تو ظاہر ہے کہ اس تمرد اور سرکشی سے بڑھ کر کیا درجہ ہوسکتا ہے کہ خود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رہا ہے دوسرے کو بھی خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتا۔ جیسا کہ ابوجہل لعین نے آنحضرت ﷺ کو حرم مکہ میں جب نماز پڑھتے دیکھا تو برافروختہ ہوکر کہنے لگا کہ اگر میں نے آئندہ محمد (ﷺ) کو دیکھا کہ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو میں العیاذ باللہ ان کی گردن روند ڈالوں گا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ بدبخت ایسا کرے گا تو خُدا کے فرشتے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں گے۔ اس طرح کہ لوگ اس منظر کو عیاناً دیکھتے ہوں ....

✱ یہ ہیں وہ پانچ آیات ﴿اِقْرَاْ﴾ سے ﴿مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ تک جو سب سے پہلے غارِ حراء میں نازل ہوئیں اور ان پانچ آیات میں درحقیقت آغازِ وحی پر اقراء کے خطاب پر آپ نے ((ما انا بقارئ)) کہا تھا۔ اس کا جواب دیا گیا۔ یا اس پریشانی وحیرت کو دُور کیا گیا جو آپ پر اس وقت طاری ہوئی تھی۔ جیسا کہ تفصیل سے ذکر کردیا گیا۔ ۱۲ ؎

.... گے۔ ❶

بھلا اے مخاطب تو نے دیکھا اللہ کا یہ بندہ اگر ہدایت پر ہے یا اس نے تقویٰ کا دوسروں کو حکم دیا۔ اور خدا کے عذاب سے ڈرنے کی تلقین کی تو اس میں کون سی بات اس قدر مخالفت اور دشمنی کی تھی بلکہ ان باتوں میں اگر صرف ایک ❷ ہی بات ہوتی تب بھی یہ صفت اس امر کی موجب تھی کہ ایسے بندہ کی موافقت کی جاتی چہ جائیکہ اس کا مقابلہ اور دشمنی تو اس میں غصہ اور اشتعال کی کیا بات تھی؟ لیکن افسوس اس کے برعکس اے مخاطب کیا تو نے دیکھا کہ اگر میں نے اللہ کی بات کو جھٹلایا اور منہ موڑا اور سرکشی و نافرمانی پر ڈٹا رہا تو ہمارا اس نے کیا بگاڑا خود اپنا ہی نقصان کیا۔ اور ہلاکت میں اپنے کو ڈالا۔ اس قسم کی روش سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس سرکش و نافرمان کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ اللہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں تو کیا اس کو اب تک علم نہیں ہوا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا۔ اب اس سرکش انسان کو سُن لینا چاہیے کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائے۔ خبردار اگر یہ باز نہ آیا تو ہم گھسیٹیں گے اس کو پیشانی سے پکڑ کر۔ ایسی پیشانی جو جھوٹی نافرمان خطاکار ہے۔ جب کہ دوزخ کے فرشتے پیشانی کے بل گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جاتے ہوں گے اور اگر اس کو اپنی جماعت پر ناز ہے جیسا کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ مکہ میں میری پارٹی سب سے بڑی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی جماعت کو بلالے ہم بھی بُلالیں گے اپنے پیادے اور ❸ جلاد جو اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈالیں گے۔ یہ ملائکہ عذاب ہوں گے ایسے مجرمین اور ان کے سرغنہ ابوجہل لعین اصل تو قیامت کے روز عذاب جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔ لیکن اللہ نے ان کے واسطے اس عذاب و ذلت کو دُنیا میں بھی مقدر فرما دیا۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں بدر کے ایک کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ اور یہ مردار لاشیں جب اس گڑھے میں بھر دی گئیں تو آنحضرت ﷺ نے یہاں کھڑے ہو کر ان پر لعنت ملامت فرمائی۔ ❹

کافروں کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹنا ان کی ذلت و خواری کے لیے ہوگا۔ پیشانی انسان کے جسم میں سب سے زیادہ عزت اور کرامت کی چیز ہے تو اس کے ذریعہ کسی کو گھسیٹنا انتہائی تذلیل و تحقیر ہے تو کافر کے جس سر نے غرور و نخوت کی وجہ سے خدا کے سامنے جھکنے سے اعراض کیا۔ وہ اسی لائق ہے کہ اس کے بل گھسیٹ کر اس کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ چنانچہ یہی وہ چیز ہے جو ارشاد فرمائی گئی ﴿يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۗ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝﴾ (القمر: ۴۸) اعاذنا اللہ عنہ۔ آمین

---

❶ ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل لعین نے اس موقعہ پر بیہودگی سے بات کی اور غصہ سے اونچی آواز سے تہدید و تنبیہ کے انداز میں بولنے لگا۔ آپ نے فرمایا اے ابوجہل مجھے کیوں دھمکی دے رہا ہے کہنے لگا تمہیں خبر نہیں اس وادی میں میری جماعت سب سے بڑی ہے (یعنی میں چیئرمین پارٹی ہوں) تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ... الخ﴾ ۱۲۔

❷ اس تعبیر میں لفظ اَوْ کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

❸ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل آنحضرت ﷺ کی طرف چلا۔ جبکہ آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے بے ادبی کرنے کے خیال سے ابھی وہاں پہنچا بھی نہ تھا کہ گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو کہا کہ مجھے اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک دہکتی ہوئی خندق نظر آئی۔ جس کے سامنے مجھے پَر رکھنے والی مخلوق نظر آرہی تھی۔ زبانیہ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے دوزخ کے فرشتے بیان کیے ہیں۔

❹ الغرض ﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ ان مجرمین کے لیے دُنیا میں بھی ہوا اور آخرت میں بھی اللہ کے فرشتے ان کی پیشانیوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے۔

اے مخاطب خبردار! اس قسم کی باتوں سے کبھی مغالطہ اور دھوکہ میں نہ پڑنا۔ ہرگز اس کی بات نہ ماننا اور نہ اس کی دُنیوی وجاہت اور مال و دولت سے متاثر ہونا۔ بلکہ پورا پورا اجتناب و پرہیز کرنا اور ایسی باتوں سے متاثر ہونے کے بجائے اپنے ہی رب کو سجدہ کرتے رہنا [1] اور اس کا قرب حاصل کرنا۔ کیونکہ سجدہ بندہ کے واسطے اللہ رب العزت کے قرب کا ذریعہ ہوتا ہے جیسے کہ ارشادِ رسول ﷺ ہے ((أَقْرَبُ مَا يَكُونُ العبد من ربه هُوَ ساجدٌ فاكثروا فِيهِ الدعاء فَقَمِنٌ اَنْ يُسْتَجَاب)) یعنی بندہ کو اپنے پروردگار سے زیادہ قرب اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو۔ اسی وجہ سے سجدہ میں کثرت سے دُعا مانگو۔ قریب تر ہے کہ اس حالت میں تمہاری دعائیں قبول ہو جائیں۔

تمّ بحمد الله العزيز تفسير سورة العلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورۃُ القدر

اس سورت میں خاص طور پر نزولِ قرآن کی ابتداء اور شبِ قدر کی عظمت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس مبارک رات کو تمام زمانوں اور اوقات میں کیسی برتری عطا فرمائی کہ اس ایک رات ہی کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر قرار دیا۔ اور اس میں اللہ کی خاص تجلیات اس کی رحمتوں اور برکتوں کو نزول ہوتا ہے۔ جبریل امین علیہ السلام اور فرشتوں کی جماعتیں ملاءِ اعلیٰ سے زمین پر اُترتی ہیں۔ عابدین و ذاکرین کی مجالس عبادت و ذکر میں حاضری ہوتی ہے اور اہل اللہ کے قلوب پر خاص سکینت و باطنی انوار کا ورود ہوتا ہے۔

آیاتُها ۵ — (۹۷) سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (۲۵) — رُكُوعُهَا ۱

سورۂ قدر مکی ہے اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝٢ لَيْلَةُ

ہم نے یہ اُتارا شب قدر میں۔ اور تو کیا بُوجھا کیا ہے شبِ قدر؟ شب

---

[1] قرآن کریم میں آیاتِ سجود میں یہ سب سے آخری آیت ہے۔ اور جمہور فقہاء اس پر وجوبِ سجدہ کے قائل ہیں۔

الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ

قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ اُترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم

رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

سے ہر کام پر۔ امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک۔

ع ۱ / ۵ / ۲۲

عظمت شب قدر و ماہ رمضان بنزول قرآن

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱ ... الى ... هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵﴾

ربط: گزشتہ سورۃ اِقْرَاْ میں آغاز اور ابتداء بعثت کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں نزول قرآن کا زمانہ اور شبِ قدر کی فضیلت بیان کی جارہی ہے جس میں اللہ رب العزت نے قرآن جیسی نعمت اور عظیم کتابِ ہدایت نازل فرمائی۔

یا یہ کہہ دیجیے کہ گزشتہ سورت میں انسان پر عنایات والطافِ خداوندی کا ذکر تھا۔ اور اس کی ترقیات کا۔ اب اس مناسبت سے انسانی سعادت اور فوز وفلاح کی اصل اساس کتابِ الٰہی اور قرآنِ حکیم کا نزول بیان کیا جارہا ہے کہ وہ شبِ قدر میں ہوا۔ جس میں عقائد، عبادات، معاملات، تہذیبِ نفس اور سیاست مدینہ کے جملہ اصول واحکام موجود ہیں اور پھر یہ کہ انسان حصول سعادت میں جدوجہد کا محتاج ہے اور عملی زندگی ہی اس کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچاتی ہے اُمم سابقہ طویل مدتوں تک۔ عبادات شاقہ کر کے بارگاہِ رب العزت میں جو تقریب حاصل کرتی تھیں۔ وہ اس امت کے لیے ایک رات کی چند گھڑیوں میں ہی مقدر فرما دیا۔ ارشادِ مبارک ہے۔

بے شک اتارا ہے ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں۔ اور اے مخاطب تو جانتا بھی ہے کہ کیا ہے شب قدر اس کی عظمت وبرکت کیا ہے۔ اور کس وجہ سے کتابِ الٰہی اس شب قدر میں اتاری گئی اس کا عند اللہ کیا درجہ ہے اور اس میں عبادت وذکرِ الٰہی کا اجر وثواب کس قدر ہے؟ اس کی حد اور حقیقت کا بیان تو کسی کے احاطۂ فہم میں نہیں آسکتا بس اتنا سمجھ لے کہ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے بڑھ کر اور بہتر ہے۔ یہ ایسی رات ہے کہ اس میں اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس یعنی جبریل امین علیہ السلام اپنے رب کی اجازت اور حکم سے ہر امر خیر لے کر زمین کی طرف اور اللہ کی عبادت کرنے والے ایماندار بندوں کی جانب جورات سراپا سلام ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ سلامتی اور برکت ورحمت کا ہے جس میں فرشتوں کے گروہ پیغام سلامت ورحمت لے کر زمین والوں پر اُترتے ہیں۔ ان کے واسطے دُعا کرتے ہیں۔ ان کو سلام کرتے ہیں۔ اور یہ رات طلوع فجر تک رہتی ہے۔ کہ غروب شمس سے لے کر یہ انوار وبرکات اور اللہ رب العزت کی تجلیات طلوع فجر تک مسلسل رہتی ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ اس کے جس حصہ میں بھی عبادت ہوگی وہ ان رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوگی جو اس شب میں اللہ کی طرف سے رکھی گئی ہیں۔ اس میں قلب کو سکون وسرور حاصل ہوتا ہے۔ اہل اللہ اپنے قلب میں ایک چین وٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ خشیت الٰہی کے آثار ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور عجیب وغریب قسم کی طمانیت اور لذت وحلاوت اپنی عبادت میں محسوس کرتے ہیں۔

شب قدر* اور نزول قرآن

اس سورۂ مبارکہ نے واضح طور سے یہ بیان کردیا کہ نزولِ قرآن لیلۃ القدر میں ہوا۔ سورۂ بقرہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ﴾ (البقرہ:۱۸۵) جس نے یہ ظاہر کیا کہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب قرآن حکیم نازل فرمانے کے لیے رمضان المبارک کا مہینہ مختص فرمایا اور اس میں مناسبت ظاہر ہے کہ اللہ کا کلام معجز نظام اس کے انوار وتجلیات کا مظہر ہے اور خیرات وبرکات کا سرچشمہ ہے اور رمضان المبارک کا زمانہ اس کی تجلیات کا مظہر ہے اس وجہ سے حکمتِ الٰہیہ سے بھی مقدر فرمایا گیا کہ قرآن کریم رمضان المبارک اور شبِ قدر میں نازل ہو اور پھر یہ بھی ہے کہ دُنیا میں کسی کے لیے یہ امکان نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیدارِ خداوندی کرسکے تو اللہ نے اپنا کلام پاک نازل کردیا اور اس کے کلام میں اس کی تجلیات۔ اس کا جلال وجمال ہے تو اس طرح محبین وعشاق کے لیے یہ صورت عطا فرمادی گئی کہ وہ اس کا دیدار اس کے کلام میں کرلیں۔ اس کے کلام میں اس کا جلوۂ جمال وجلال سے کچھ نظر آجائے گا ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ﴾ اور یہ امر بدیہی ہے کہ کلام کے پردہ میں متکلم کا چہرہ نظر آتا ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یہی وہ چیز ہے جو بیان کی گئی ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس
رونمائے ربّ ناس آمد بناس

---

* لفظ قدر دال کے فتح اور سکون کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ دال کے فتح کے ساتھ اسم ہے اور سکون کے ساتھ مصدر۔ از روئے لغت اس کے ایک معنی اندازہ کے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ﴿اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾ اور قدر شرف ومنزلت کو بھی کہا جاتا ہے۔ اہل لسان کہا کرتے ہیں فُلَانٌ ذُوْقَدْرٍ لفلان عِندَ فلانٍ قدر تو لیلۃ القدر میں دونوں باتیں ہیں۔ شرف ومنزلت بھی اور یہ کہ اس کی عبادت کا اندازہ اللہ کے نزدیک ہزار مہینہ سے بڑھ کر ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس وجہ سے بھی اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے کہ اس رات میں سال بھر میں پیش آنے والی باتیں ملاء اعلیٰ سے طے کردی جاتی ہیں۔ اور ایک معنی لفظ قدر کے تنگی کے بھی ہیں اور اس معنی کے لحاظ سے اس آیت میں لفظ قدر کا استعمال ہوا ہے ﴿وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ﴾ کہ جس کا رزق اس پر تنگ کردیا گیا تو یہ معنی بھی لیلۃ القدر کے عنوان میں موجود ہیں اس طرح کہ کہہ دیا جائے لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اور فضاء میں وہ انوار وبرکات پھیل جاتے ہیں کہ زمین اور فضاء اس کے لیے تنگ ہوجاتی ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس رات میں نیک بندوں اور ان کے اعمالِ صالحہ کی خدا تعالیٰ اور ملاء اعلیٰ میں بڑی قدر ومنزلت ہے اس وجہ سے لیلۃ القدر کہا جاتا ہے ابوبکر ورّاقؒ کہتے ہیں اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس رات میں اللہ نے جو کتاب اتاری وہ بھی قابلِ قدر اور جس پیغمبر پر اتاری گئی وہ بھی قابل قدر اور افضل الانبیاء ہے اور جس اُمت کے لیے نازل کی گئی وہ بھی قابلِ قدر اور خیر الامم ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ اس سورۂ مبارکہ میں لفظ تین بار ان ہی تین عظمتوں کی طرف اشارہ کے لیے لایا گیا ہو۔ ۱۲۔

متعدد احادیث میں ہے کہ توراۃ وانجیل اور زبور بھی ماہ رمضان میں اتاری گئیں۔ یکم رمضان المبارک کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل ہوئے چھ رمضان کو تورات بارہ رمضان کو زبور اور اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور اخیر عشرۂ رمضان شب قدر میں قرآن کریم نازل فرمایا۔

کوہ طور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بامر خداوندی تیس دن عبادت کی۔ اس مدت کے پورا ہونے پر اللہ نے مزید دس دن کا اضافہ فرما کر چالیس دن پورے کر دیئے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ (الاعراف: ۱۴۲) چالیس روزے رکھے اعتکاف کیا۔ اس پر تورات عطا کی گئی۔ اللہ نے اپنی ہمکلامی کا شرف عطا کیا۔ ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے شوق دیدار پیدا ہوا اور درخواست کر ڈالی ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ (الاعراف: ۱۴۳) جواب ملا ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ﴾ (الاعراف: ۱۴۳) اس کے بعد تجلیات میں سے ایک بہت ہی قلیل مقدار تجلی کوہ طور پر پڑی تو ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ (الاعراف: ۱۴۳) تو یہ جملہ احوال واُمور یا کرامات وفضائل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئے خداوندِ عالم نے ان سب کو رمضان مبارک میں جمع کر دیا۔ روزہ واعتکاف بھی آ گیا اور اتمام بعشر کی تعداد کو اعتکاف ہی کے ضمن میں ودیعت فرما دیا گیا کہ عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ﴿اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ ہوگیا اور رمضان کے تیس دنوں میں ﴿فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ (الاعراف: ۱۴۲) کا درجہ پورا ہوگیا۔ تراویح اور قرآن کریم کی تلاوت میں ﴿وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ کا مقام آ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجاتِ خداوندی اور کلامِ ربانی سے شوقِ دیدار پیدا ہوا تھا مگر جواب ملا تھا۔ ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ مگر اس اُمت پر خاص عنایت یہ فرمائی گئی کہ اس نے اپنا کلام قدیم نازل کر کے اسی میں لذت دیدار رکھدی۔ اسی میں اپنے جلال و جمال کے جلوے ودیعت فرما دیئے۔ کوہِ طور پر تجلی ظاہر فرمائی گئی تھی تو اس امت کو بھی تجلی خداوندی سے محروم نہ رکھا گیا۔ شبِ قدر کی صورت میں اللہ نے اپنی تجلیات وانوار سے نواز دیا۔ پھر وہ کوہِ طور والی تجلی تو بظاہر عظمت وہیبت کے رنگ میں ظاہر وواقع ہوئی تھی جس کا یہ اثر ہوا تھا۔ ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جو تجلی عطا کی گئی وہ ﴿مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ﴾ کی شان لے کر لطف وجمال اور سکینت وطمانیت کی شکل میں واقع ہوئی۔ جس کی ٹھنڈک وطمانیت اہل اللہ اپنے قلوب اور حتیٰ کہ اپنے اجسام میں محسوس کرتے ہیں غرض وہ تمام مقامات جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کو عطا فرمائے تھے۔ رمضان، قرآن اور شبِ قدر میں اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیۃ کو دے دیئے گئے۔ فللّٰہ الحمد والمنتہ۔

حدیث میں ہے کہ جبریل امین علیہ السلام رمضانِ مبارک میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کا دور کرتے تھے اور جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس میں دو مرتبہ دور کیا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے مگر وہ انوار وبرکات جو اس ماہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور وہ انوار وبرکات جو راتوں سے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور دن کے انوار وبرکات روزہ کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں اور رات کے انوار وبرکات افطار کی صورت میں۔ بظاہر یہی وجہ ہے کہ شریعت نے سحر کی تاخیر اور افطار کرنے میں تعجیل کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا: لَاتَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَاعَجَّلُوا الفطر وَاَخَّرُوا السحور۔

حضرت مجددؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سال بھر کے انوار وبرکات رمضان مبارک میں جمع کر

دیئے۔ اور ان تمام برکات کا جوہر عشرۂ اخیرہ میں رکھ دیا اور پھر اس جوہر کا لباب اور عطر شب قدر میں ودیعت فرما دیا۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ مدت نزولِ قرآن تیئس برس ہے اور حسب ضرورت اور مصلحت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا تو اس لحاظ سے شب قدر میں قرآن کریم اتارے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ پورا قرآن کریم لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے بیک وقت اتارا گیا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ((انزل اللہ القرآن جملۃً واحدۃً من اللّوح المحفوظ اِلَی البیت العزّۃ مِن السّماءِ الدنیا ثُمّ نَزَل مُفَصّلاً بِحسب الوقائع فی ثلٰثٍ وعشرین سنۃً علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم))

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ (جو آسمان دُنیا میں ایک مقام ہے) پر ایک ہی مرتبہ نازل فرما دیا تھا پھر حسب ضرورت وحکمت تیئس برس کی مدّت میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا رہا۔ اس بناء پر یہ بات قابل تردّد نہ رہے گی کہ ابتداء وحی غارِ حراء سے ہوئی اور غارِ حراء کا واقعہ بروایت مؤرخین شوال کے مہینہ میں تھا۔

قرآن کریم میں ایک جگہ اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾ اور لیلہ مبارکہ کی تفسیر اکثر مفسرین بروایت عکرمہ رضی اللہ عنہ لیلۃ البراءۃ یعنی شعبان کی پندرھویں رات کرتے ہیں۔ تو بظاہر خلجان ہو سکتا ہے کہ لیلہ مبارکہ میں نزول کے خلاف ہے تو کچھ ائمہ مفسرین نے اس خلجان کو رفع کرنے کے لیے لیلۂ مبارکہ کے معنی لیلۃ القدر کے کر دیئے۔ لیکن بالعموم حضرات مفسرین روایات مرفوعہ کی تفسیر نیز اس وصف کے پیش نظر کہ ﴿فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ﴾ لیلۃ البراءۃ کے معنی کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ صفت لیلۃ البراءۃ ہی کی ہے (جیسا کہ گذر چکا) اس وجہ سے مناسب یہ ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ لیلۃ البراءۃ میں بارگاہِ خداوندی سے لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اتارنے کا فیصلہ ہوا۔ اور پھر اس فیصلہ کے مطابق شب قدر میں بیت العزت پر پورا قرآن اُتارا گیا اس کے بعد مختلف اور متعدد مواقع اور اماکن میں۔ آیاتِ قرآنیہ کا نزول ہوتا رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر آیت کے نازل ہونے کے بعد کاتبین وحی کو فرماتے کہ اس آیت کو فلاں جگہ اور سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھو تاکہ اس طرح یہ ترتیب بیت العزۃ اور لوحِ محفوظ میں جس ترتیب سے قرآن کریم ہے اس کے مطابق ہو جائے۔

شبِ قدر اُمت محمدیہ کی خصوصیت

بعض حضراتِ مؤرخین ومحققین کا اس امر میں اختلاف نقل کیا گیا کہ لیلۃ القدر اُمم سابقہ میں بھی تھی یا نہیں۔ بعض مؤرخین نے بروایت مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ کی طرف سے اس امر پر مطلع کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی عمریں بہ نسبت اُمم سابقہ کے بہت کم ہوں گی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے پروردگار! پھر تو میری اُمت کے لوگ اعمالِ صالحہ اور عبادات کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکیں گے جو پہلی اُمتوں کے لوگ اپنی طویل ترین عمر کے باعث حاصل کر چکے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو ﴿خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ بنایا۔

علاوہ ازیں حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو تمثیل اُمم کے مضمون میں وارد ہوئی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی مثال

بہ نسبت پہلی اُمتوں کے یہ فرمائی کہ ایک جماعت مزدوری پر صبح سے ظہر تک لگائی گئی اور انہوں نے ظہر تک عمل کیا اور ان کو حسبِ معاملہ ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ دوسری جماعت نے ظہر سے عصر تک کام کیا اور ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا پھر تیسری جماعت لائی گئی اور انہوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا اور ان کو دو دو قیراط دے دیئے گئے تو پہلی جماعتوں نے اعتراض کیا: نحن اکثر عملًا واقلُّ اجرًا فقال ھَلْ ظلمتم وھٰذا فضلی اوتیہ مَنْ اشاء۔ کہ اے آقا ہم نے کام تو زیادہ کیا اور مزدوری ہم کو کم ملی یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے کام کم اور ان کو اُجرت زیادہ دی گئی تو مالک نے اس پر کہا۔ کیا تم پر کوئی ظلم کیا گیا۔ بلکہ جو طے ہوا تھا وہ دے دیا گیا اور یہ جو زائد اس آخری جماعت کو دیا گیا یہ تو میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں۔ تو آنحضرت ﷺ نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا: اے میری اُمت کے لوگو! بس تم ہی ہو وہ جو عصر سے لے کر مغرب تک کام کرنے والے ہو اور اس مختصر وقت میں عمل کر کے اُجرت اور ثواب تم ان لوگوں سے زیادہ حاصل کر رہے ہو جو عمل تم سے بہت زیادہ کرنے والے تھے۔

جمہور صحابہ اور ائمہ مفسرین ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شب قدر رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی کسی بھی طاق رات میں ہے ۲۱ سے لے کر ۲۹ تک کوئی بھی شب ہوتی ہے اور حکمتِ خداوندی سے اس کو مخفی ہی رکھا گیا اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ یا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے جو ۲۱ سے ۲۷ کی روایت صحاح میں منقول ہے وہ ان علامات کو دیکھنے کی بناء پر ہے جو آنحضرت ﷺ نے شبِ قدر کی ذکر فرمائی تھیں تو جس نے جو علامت جس رات میں دیکھی اسی کے بارے میں بیان کر دیا اور اللہ کی حکمت اسی کو متقاضی تھی کہ ایک نوع سے اس کو اگر ظاہر کر دیا گیا تو دوسری نوع سے اس کو مبہم رکھا جائے تو اس لحاظ سے علامات میں ایسی علامات بیان کی گئیں جو شبِ قدر گذرنے کے بعد ظاہر ہوں مثلاً آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ وہ رات ہے جس کے بعد صبح کو سورج طلوع ہوگا تو اس کی شعاعیں نہ ہوں گی بلکہ صرف اس کا قُرص نظر آتا ہوگا جس طرح ٹھہر اور ہلکے بادلوں میں شعاعوں کے بغیر سورج نظر آتا ہو۔

(تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر روح المعانی اور کتبِ حدیث ملاحظہ فرمائیں)

تمّ بحمد اللہ تفسیر سورۃ القدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ البینۃ

اس سورت کا نام سورۂ لم یکن بھی ہے لیکن جمہور مفسرین نے بروایت صحیحہ اس کا نام سورۃ البیّنہ اختیار کیا ہے۔ یہ سورت اکثر حضرات محدثین وائمہ مفسرین کے نزدیک مدنیہ ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے بعض مفسرین نے اس کو مکیہ بھی کہا ہے یہ بھی بیان کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو مکیہ ہی فرمایا کرتی تھیں اس میں آٹھ آیات ہیں۔

بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکرین خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ جب تک کوئی بیّنہ (دلیل وحجت) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اس میں اتمام حجت کے طور پر بھی فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس

طرح کا عذر اور بہانہ بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کا رسول اور ان کی بعثت و نبوت ان کے کمالات و اوصاف بذاتِ خود بینہ ہیں۔ قرآن کریم کی آیات تلاوت کرنے سے بڑھ کر اور کون سا بینہ ہوگا۔ تو اس ضمن میں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اعراض و بے رخی اور دلائلِ خداوندی سے بے توجہی کا ذکر ہے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا کہ عبادت کی روح اخلاص و توحید ہے۔ اخیر میں یہ ذکر کیا گیا کہ اہل سعادت اور اہلِ شقاوت کا آخرت میں کیا انجام ہوگا اور اس پر بطور نتیجہ یہ امر مرتب کیا گیا کہ "سعداء" خیر البریہ ہیں۔ اور وہ کفار و منکرین جو شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہیں شر البریہ ہیں۔

آیاتُها ۸	(۹۸) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۰)	رُكُوعَاتُهَا ۱

سورۂ بینہ مکی ہے اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ

نہ تھے وہ لوگ، جو منکر ہیں کتاب والے اور شریک والے باز آتے،

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢

جب تک کہ پہنچے ان کو کھلی بات۔ ایک رسول اللہ کا پڑھتا ورق پاک۔

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ

ان میں لکھی کتابیں مضبوط۔ اور پھوٹے جو ہیں، جن کو ملی ہے کتاب،

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

سو جب آچکی ان کو کھلی بات۔ اور ان کو حکم یہی ہوا کہ عبادت کریں اللہ کی نری کر کر اس کے واسطے

الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ

بندگی۔ ابراہیم کی راہ پر، اور کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ، اور یہ ہے راہ

الْقَيِّمَةِ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ

مضبوط لوگوں کی۔ وہ جو منکر ہوئے کتاب والے اور شریک والے،

نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ؕ ⑥ اِنَّ الَّذِيْنَ

دوزخ کی آگ میں، سدا رہیں اس میں۔ وہ لوگ ہیں بدتر سب خلق کے۔ وہ لوگ

اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ؕ ⑦ جَزَآؤُهُمْ

جو یقین لائے اور کیے بھلے کام وہ لوگ ہیں بہتر سب خلق کے۔ بدلہ ان کا

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

ان کے رب کے ہاں، باغ ہیں بسنے کے، نیچے بہتی ان کے نہریں سدا رہیں

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ؑ ⑧ ع ۱ ۸ ۲۳

ان میں ہمیشہ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرے اپنے رب سے۔

ذاتِ رسول کریم ﷺ و آیات قرآن سرچشمۂ علوم و برہان ہدایت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... الٰی ... ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۸ ﴾

ربط: گزشتہ سورت القدر میں شب قدر کی عظمت وفضیلت کا ذکر تھا۔اس مناسبت سے اب اس سورت میں قبولیت عبادت کی اساس بیان کی جارہی ہے کہ وہ بندہ کا اخلاص اور قلب کی طہارت ہے اور اسی کا نام حنفیّت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شعار تھا۔نیز یہ کہ سورۂ قدر میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کی گئی تھی تو اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے اصول بیان کیے گئے تا کہ ایمان وکفر اور ہدایت وگمراہی میں کسی کو التباس نہ رہے۔تو ارشاد فرمایا:

نہیں تھے باز آنے والے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور مشرکین یہاں تک نہ کہ آجائے ان کے پاس واضح دلیل وحجت۔وہ واضح دلیل وحجت اللہ کا رسول جو ان کے سامنے تلاوت کرتا ہے۔ایسے صحیفے جو پاکیزہ ہیں۔جن میں ایسے مضامین ہیں لکھے ہوئے جو نہایت ہی درست اور مضبوط ہیں وہ صحیفے اور مکتوب مضامین قرآن کریم کی آیات ہیں۔جن کی مضبوطی اور دلائل وبراہین کی رُو سے استقامت میں ذرّہ برابر فرق نہیں فلاح وسعادت کے اصول ایسے روشن ہیں کہ کسی قسم کا ابہام وخفا نہیں۔تو اللہ کی طرف سے ایسے رسول کی آمد بذاتِ خود ایک بیّنہ اور کھلا ثبوت ہے۔پھر اس رسولِ خدا کا قرآن کریم جیسی پاکیزہ کتاب اور بلند پایہ مضامین رشد وفلاح کی عظمت وبلندی کی بھی کوئی حد نہیں۔اللہ کے اسی رسول کی اور ان کی طرف سے تلاوت آیات ہی کی یہ برکت تھی کہ دور جاہلیت کے وہ عرب جو کفر کی ظلمتوں میں غرق تھے نورِ ہدایت سے مشرف ہوئے۔ورنہ توقع نہ تھی۔کہ اس طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہونے والی قوم راہِ راست پر آتی۔

بہرکیف اس واضح دلیل اور کتاب ہدایت کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم اہل کتاب جو کہ اہل علم وفہم تھے وہ ایمان لاتے اور اس سعادت کی طرف دوڑتے لیکن عجیب بات کہ ایسا نہ ہوا اور اس کے برعکس نہیں مختلف ومتفرق ہوئے اہل کتاب مگر بعد اس کے کہ ان

کے پاس واضح ثبوت آچکا۔ خود ان کی کتابوں اور ان کے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے کہ یہی رسول خدا اللہ کے آخری سچے رسول ہیں اور ان پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم اللہ کا کلام ہے (1) تو اس طرح اہل کتاب میں سے کچھ ایمان لائے جیسے کعب احبار، عبد اللہ بن سلام اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم وغیرہ اور کچھ نے انکار کیا محض عناد اور تعصب کی وجہ سے جب اہل کتاب ہی علم اور دلائل کی معرفت کے باوجود اللہ کے رسول اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے بجائے مختلف و متفرق ہو گئے تو مشرکین کا کیا کہنا۔ وہ نہ کتاب والے تھے اور نہ ان کے پاس کسی نبی کی کوئی شہادت اور بشارت تھی، بہرکیف ایسے رسول عظیم اور کتاب بلند پایہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب مل کر حق کو قبول کرتے اور کوئی بھی گروہ اس میں اختلاف نہ کرتا۔ حالانکہ ان کو تو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ بس اللہ ہی کی عبادت کریں اسی کے لیے اپنی عبادت کو خالص کرتے ہوئے کہ غیر اللہ کا کوئی شائبہ بھی نہ ہو یکسو ہو کر ہر باطل سے اپنا منہ موڑ کر اور احکام خداوندی کی اطاعت کرتے ہوئے نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ بس یہی طریقہ ہے مضبوط اور صحیح ملت و شریعت کی پیروی کا اسی کی اتباع و پیروی میں ہدایت اور نجات مضمر ہے۔

جب کہ اس کا میثاق اہل کتاب سے لے لیا گیا تھا جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ... الخ﴾ (المائدہ: ۱۲) تو اس عہد و پیمان کا تقاضا یہی تھا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاتے پابندی سے احکام دین کی اطاعت کرتے مگر بہت سے اہلِ کتاب نے ایسا نہ کیا تو اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے اور قرآن کریم کو نہ ماننے سے خود اہل کتاب نے اپنی کتاب کا اور خود اپنے رسول ہی کا کفر کیا۔ اس وجہ سے بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے منکر و کافر ہوئے اور مشرکین وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بلا شبہ بدترین خلائق ہیں اور بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیکی کے کام کیے وہ بہترین خلائق ہیں جن کے ایمان و اعمال صالحہ کا صلہ یہ ہوگا کہ ان کے پروردگار کے نزدیک باغات ہوں گے ہمیشہ رہنے والی بہشت کے جن کے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے نہ ان نعمتوں کا زوال ہوگا اور نہ ہی یہ لوگ ان نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جائیں گے جیسے انسان دُنیا کی نعمتوں کو چھوڑ کر مفارقت کر جاتا ہے۔ ان انعامات کی عظمت و برتری اپنی جگہ بہت بڑی چیز ہے جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا مزید ان سب نعمتوں سے بڑھ کر اللہ کی رضاء ایک انعام خاص ہوگا۔ خدا ان سے راضی ہوگا اور یہ خدا کی عنایات و رحمتوں سے خوش ہوں گے اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ایمان اخلاص احکام دین کی پابندی۔ پھر اس پر انعاماتِ خداوندی جنت اور جنت کی بے پایاں نعمتیں اور ان سب سے بڑھ کر اللہ کی رضاء و خوشنودی اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہو خشیت و تقویٰ ہی (2) ان تمام تر کمالات اور فوز و فلاح کی اصل بنیاد ہے۔

تمّ بحمدالله تفسير سورة البيّنة

---

(1) حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے یہاں البینہ کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار دیا ہے جو کھلی نشانیاں لے کر آئے اور فارقلیط کی بشارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سنائی اور ان پر ایمان لائے۔

(2) یہ سورت اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت ہی بلند پایہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ امام مسلم اور دیگر ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے اُبی اللہ نے مجھے اس بات کا امر فرمایا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورۂ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پڑھوں اور تم کو پڑھ کر سناؤں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا اللہ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اللہ نے تمہارا نام لے کر ہی کہا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یہ سُن کر رو پڑے اور بیقراری کے ساتھ ان پر گریہ طاری ہوا اور زبان سے یہ کلمات جاری ہوئے۔ وقد ذکرت عند رب العالمین۔ اچھا میرا نام لیا گیا اور ذکر ہوا رب العالمین کی بارگاہ میں۔ ۱۲

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الزلزال

سورۃُ الزلزال مدنی سورت ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح نقل کیا گیا۔ عبداللہ بن مسعود، عطاء اور جابر رضی اللہ عنہم کا قول بعض مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بظاہر اس قول کا منشاء یہ ہوگا کہ اس سورت کا اسلوب بیان مکی سورتوں جیسا ہے کہ قیامت اور احوالِ قیامت کا ذکر ہے اس کی آٹھ آیات ہیں۔

ربط: اس سے قبل سورت میں ﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ... الخ﴾ اہلِ ایمان وطاعات پر ہونے والے انعامات کا بیان تھا۔ ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کو یہ بشارت سن کر شوق وانتظار ہوسکتا تھا کہ یہ نعمتیں اِن کو کب ملیں گی تو اب اس سورت میں اس کا وقت بتایا جارہا ہے کہ وہ روز قیامت ہے اور قیامت کس حقیقت کا عنوان ہے اس کو بھی واضح کیا جارہا ہے اور اس کی آمد پر جو انقلاب برپا ہوگا وہ بھی ذکر کیا جارہا ہے اور کس طرح آسمان وزمین اور نظام کائنات درہم برہم کردیا جائے گا؟ ان امور کو بیان فرماتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ انسان کا عمل خواہ اچھا ہو یا برا اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ کسی کا عمل خیر ضائع نہیں ہوتا اور کوئی شخص برے عمل کے انجام اور سزا سے نہیں بچ سکتا۔

رُکُوعَاتُهَا ۱	(۹۳) سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ (۹۹)	اٰيَاتُهَا ۸

سورۂ زلزال مدنی ہے اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾ وَ

جب ہلا ڈالے زمین کو اس کے بھونچال سے۔ اور نکال ڈالے زمین اپنے بوجھ۔ اور

قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ

کہے گا آدمی اس کو کیا ہوا؟ اس دن بتادے گی اپنی باتیں۔ اس واسطے کہ اس کے رب نے

اَوْحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾

حکم بھیجا اس کو۔ اس دن ہو پڑیں گے لوگ بھانت بھانت کہ ان کو دکھائیے ان کے کیے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

سو جس نے کی ذرّہ بھر بھلائی کی۔ وہ دیکھ لے گا۔ اور جس نے کی ذرّہ بھر بُرائی، وہ

شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ ع ۲۴/۸

دیکھ لے گا۔

حوادث وزلازل بوقت وقوع قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝۱ ... الٰی ... ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸﴾

ربط: گزشتہ سورت کا مضمون اہل سعادت وشقاوت کے اعمال وافعال اور ان کے انجام پر مشتمل تھا اور اصول سعادت اور حق تعالیٰ کے انعامات کے استحقاق کی بنیاد یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ خشیتِ خداوندی ہے اور ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴾ (البینۃ:۸) فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا تھا۔ اب اس سورت میں سعادت وشقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا جارہا ہے کہ وہ قیامت ہے اور قیامت کا قائم ہونا۔ نظامِ عالم کا درہم برہم ہوجانا ہے اور وہی دِن یوم جزاء ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ اس روز دیکھے گا اس وجہ سے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا رہے۔ کس طرح میں احکم الحاکمین کے روبرو کھڑا ہوں گا۔ تو ارشاد فرمایا:

جس وقت کہ ہلا دی جائے گی زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیے اور جس قدر بھی اس کو ہلایا [1] جاسکے اس کی عظمت کے لحاظ سے اس نوعیت سے کہ اب نفخ صور کے بعد قیامت برپا ہونی ہے تو ایسا سخت زلزلہ ہوگا کہ جس سے پہاڑ اور بڑی سے بڑی بلند وبالا عمارتیں گر کر چورا چورا ہوجائیں گی اور سمندر اُبلنے لگیں گے جیسا کہ فرمایا گیا ﴿وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾۔

اور نکال ڈالے گی زمین اپنے اندر کے بوجھ خزانے۔ دفینے اور گڑھے ہوئے مردے اور جو بھی کوئی چیز اس کی تہوں میں دبی ہوئی ہو۔ [2] اس ہیبت ناک زلزلہ سے سب کچھ باہر آجائے گا اور انسان کہے گا یہ کیا ہوگیا ہے اس زمین کو اس کے باغات عمارتیں کہاں

---

[1] بعض مفسرین نے بیان کیا کہ عرب کے کسی فصیح وبلیغ شاعر نے یہ فقرہ بنایا تھا ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالًا﴾ تو جب یہ آیت نازل ہوئی اور لفظ زلزالًا کے بجائے ﴿زِلْزَالَهَا﴾ ہوا تو وہ اس کو سُن کر وجد میں آگیا۔ کیونکہ زلزالًا محض مصدر زلزلہ کی عظمت وہیبت بیان کرنے سے قاصر تھا۔ قرآن نے جب اس کو مصدر اضافت الی الارض کی صورت میں بیان کیا تو معنوی عظمت وبلندی کی حد نہ رہی اور بے ساختہ بول اٹھا میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لایا۔

[2] امام مسلم اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کردے گی اور چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے نکل کر باہر آجائیں گے قاتل ان کو دیکھ کر حسرت سے کہے گا ہائے میں نے اسی کے لیے قتل کیا تھا قطع رحمی کرنے والا کہے گا ہائے اسی کے لیے میں نے قطع رحمی کی اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اسی کی وجہ سے (چوری میں) میرا ہاتھ کاٹا گیا پھر آواز دی جائے گی اٹھا لو اس کو مگر وہ کچھ بھی نہ لے سکیں گے اور اسی آواز اور حالت میں قیامت برپا ہوجائے گی۔ ۱۲

گئیں۔ اور اس کی وہ رونق جس پر لوگ فریفتہ تھے کہاں چلی گئی۔ مال و دولت پر انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ قتل وغارت گری پر آمادہ رہتے تھے لیکن ہائے اب اس زمین کے اندر سے یہ سارے خزائن باہر اُگلے پڑے ہیں اور منکر لوگ کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو یہ سب مردے باہر نکل پڑیں گے۔ یہ دن وہ ہوگا کہ زمین بیان کرے گی اپنے واقعات کو اور ان حالات وافعال کو جو اس پر کیے گئے زمین کے جس ٹکڑے پر گناہ ہوا تو وہ بتائے گی کہ فلاں نے فلاں جگہ زنا کیا۔ جہاں قتل ہوا وہ جگہ بتائے گی کہ یہاں فلاں نے فلاں کو قتل کیا اور جس جگہ کسی نے نماز پڑھی ہوگی یا جو بھی عمل عبادت کا کیا ہوگا وہ گواہی دے گی کہ فلاں نے یہاں مجھ پر نماز پڑھی ہے۔ غرض نیک و بد ہر کام اور عمل کی خبر دیتی ہوگی۔ اس وجہ سے کہ اے مخاطب تیرے رب نے اس کو اس امر کی وحی کی ہے کہ وہ اپنے اوپر کیے ہوئے کام کی خبر کر دے تو جس طرح زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اگل دے گی اسی طرح اس پر پیش آنے والے احوال وافعال کو بھی اگل دے گی اور ظاہر ❶ کر دے گی۔ یہ دن وہ ہوگا کہ لوگ لوٹتے ہوں گے مختلف ٹولیوں کی صورت میں۔ دربارِ عدالت اور پیشی کے مقام سے اپنے مختلف منازل اور جگہوں کی طرف تاکہ ان کو دکھائے جائیں ان کے اعمال اور اعمال کا بدلہ جو میدانِ حشر میں حساب وکتاب کے بعد طے کر دیا گیا۔ یہ دن یوم جزاء ہے تو جو شخص ذرّہ برابر بھی نیکی کرے گا ضرور اس کو دیکھ لے گا۔ خواہ وہ عمل اور نیکی کتنی ہی معمولی اور چھوٹی ہو بلاشبہ اس کو کی ہوئی نیکی کا بدلہ مل کر رہے گا اور جو شخص ذرّہ برابر بدی کرے گا یقیناً وہ اس کو دیکھ لے گا اور اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ انسانوں کو یہ بات پہلے ہی بتا دی گئی تھی اور قانونِ مجازات کا اعلان کر دیا گیا تھا ﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا﴾ (بنی اسرائیل: ۷) کہ اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے فائدہ کے لیے کرو گے اور اگر بدی کرو گے تو اس کا انجام بھی تمہارے نفسوں کے لیے واقع ہوگا۔

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ آیت یکتا اور جامع ہے کعب احبار رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ دو آیات ایسی نازل ہوئی ہیں کہ تورات وانجیل کا خلاصہ ہیں اور لب لباب ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ﴾ کی تلاوت کا ثواب نصف قرآن کا ثواب ہے۔

تمّ بحمد اللہ العزیز تفسیر سورۃ الزلزال

---

❶ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز یہ آیت ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ تلاوت کر کے فرمایا جانتے ہو کہ زمین کا خبر دینا کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اللہ و رسولہ اعلم۔ خدا اور اس کا رسول ہی بہتر اور خوب جانتا ہے۔
فرمایا اس کا خبر دینا یہ ہے کہ وہ گواہی دے گی فلاں نے مجھ پر یہ عمل کیا۔ فلاں نے مجھ پر یہ کام کیا تو بس یہی اس کا خبر دینا ہے۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ﴿اَوْحٰى لَهَا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دے گا کہ اے زمین بول۔ وہ اس حکم کو سنتے ہی سارے راز اُگلنے لگے گی جیسے کہ اس نے اپنے اندر کے سارے خزانے اگلے اور نکالے۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ العادیات

اکثر مفسرین نے اس کو مکی سورت ہی کہا ہے ابن مسعود، جابر وحسن بصری اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن جمہور نے پہلا قول اختیار کیا ہے اس سورت کا موضوع بھی سورۂ زلزلہ کے موضوع کی طرح نیکی اور بدی کا انجام ہے بیان کرنا ہے۔ اور ایسے دلائل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ سلیم الطبع انسان اس کو قبول کرنے میں قطعاً تامل نہیں کر سکتا اس کے ساتھ بالخصوص اس مرکو بیان کیا گیا کہ گھوڑے باوجود جانور ہونے کے اور ان عقلی وفکری صلاحیتوں سے محروم ہونے کے جوان کو دی گئی ہیں۔ اپنے مالک کے کس قدر وفادار ہیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو کس قدر مہالک اور شدائد میں ڈالتے ہیں اور اپنے مالک کے دشمن کا مقابلہ کس مستعدی اور ہمت سے کرتے ہیں۔ لیکن افسوس انسان اشرف المخلوقات ہو کر بھی اپنے آقا کا نافرمان ہے اس کا شکر نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس کی اطاعت وفرماں برداری میں کوئی جفاکشی وہمت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل حرص ولالچ اور نفس کی شہوات ہی کی اتباع میں لگا رہتا ہے جس کا انجام سوائے ہلاکت وتباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور یہ سب اس پر موقوف ہے کہ وہ فکرِ آخرت سے غافل ہے۔

*

آیاتہا ۱۱	سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ (۱۰۰) (۱۴)	رکوعاتہا ۱

سورۂ عادیات مکی ہے۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے دوڑتے گھوڑوں کی، ہانپتے۔ پھر آگ سلگاتے جھاڑ کر۔ پھر دھاڑ دیتے صبح کو۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾

پھر اُٹھاتے اس میں گرد۔ پھر پیٹھ جاتے اس وقت فوج میں۔ بیشک آدمی اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا

اور وہ یہ کام سامنے دیکھتا ہے۔ اور آدمی محبت پر مال کے مضبوط ہے۔ کیا نہیں

يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ﴿١٠﴾ اِنَّ

جانتا وہ وقت کہ کریدے جاویں جو قبروں میں ہیں۔ اور تحقیق ہو جو جیوں میں ہے۔ بیشک

رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾ ع

ان کے رب کو ان کی اس دن سب خبر ہے۔

ع ۱۱ ۲۵

سرگرمی بہائم دراطاعت مالک ونافرمانی وناشکری انسان باآقاءِ ربّ العالمین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿١﴾ ... الى ... اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿١١﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں مجازات اعمال کا قانون بیان کیا گیا تھا اور یہ کہ انسان اپنی زندگی میں جو بھی نیکی یا بدی کا عمل کرے گا روز قیامت اس کا بدلہ پا کر رہے گا۔ اب اس سورت میں انسان کی غفلت ولا پروائی اور اپنے رب کی ناشکری کی مذموم خصلت بیان کی جارہی ہے اور یہ کہ دراصل اس روش کا منشا حرص مال، لالچ اور نفس کی خواہش ہے۔ اس کے پیچھے پڑ کر انسان اپنے رب کو بھلا دیتا ہے اور اس سے غافل ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ ہونا ہے اور قیامت کا دن حساب وکتاب اور اعمال کے بدلہ کا دن ہے تو ارشاد فرمایا۔

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے اپنے مالک کی اطاعت ومحبت میں اور اس کے دشمنوں کو شکست دینے کے لیے میدانِ معرکہ میں اس شدت وقوت سے دوڑتے ہیں کہ ہانپتے ہوتے ہیں۔ پھر کہیں پتھروں اور پہاڑوں پر ٹاپیں مار کر آگ چمکاتے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں پر ان کی دوڑ اور تیز رفتاری سے ان کے نعل آگ جھاڑتے ہوتے ہیں۔ پھر تخت وتاراج ڈالنے والے ہوتے ہیں صبح کی وقت کہ علی الصباح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر قوموں کا یہ دستور رہے کہ دشمن پر یلغار وحملہ صبح ہی کے وقت کیا جاتا ہے پھر اُڑانے والے یا اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ اس سے گرد وغبار پھر گھس جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک فوج میں ان پر حملہ کرتے ہوئے اس بات سے بے پروا ہوتے ہوئے کہ دشمنوں کی فوج پر حملہ کر کے وہ زندہ بھی بچیں گے یا نہیں۔ غرض اس طرح یہ گھوڑے اپنے آقا کی اطاعت اور اس کی وفاداری میں سرگرم محنت ومشقت ہیں۔ شدائد اور مہالک میں اپنے آپ کو ڈال رہے ہیں۔ میدانوں اور چٹانوں پر ٹاپیں مارتے ہیں۔ جس سے گرد وغبار کے ڈھیر اڑ رہے ہیں اور ٹاپ کی رگڑ سے پتھروں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور ان تمام شدائد کو برداشت کرتے ہوئے صبح ہی صبح دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور بے دریغ دشمن کی فوجوں کے اندر گھس جاتے ہیں تو یہ کردار ایک حیوان کا ہے جو اپنے آقا اور مالک لے لیے اس کی زندگی کے آخری سانس تک قائم وباقی ہے لیکن اس کے بالمقابل اگر یہ دیکھو کہ انسان اپنی تمام عقلی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ اپنے مالک کا۔ اپنے خالق کا اور اپنے منعم ومحسن اور پروردگار کا

کیا حق ادا کرتا ہے۔ اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں اس کی کیا سرگرمی اور جدوجہد ہے تو اس کا عمل یہ بتائے گا کہ بیشک انسان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے اور وہ خود اس بات پر مطلع ہے اور ✿ جانتا ہے کہ میں اپنے رب کے انعامات کا کوئی حق اور شکر نہیں ادا کر رہا ہوں اور اس کا عمل طرز زندگی اس کی شہادت بھی دیتا ہے۔

ذرا بھی اگر وہ اپنے ضمیر کی طرف توجہ کرے تو خود اندر سے اپنے ضمیر کی یہ آواز سُن لے گا کہ وہ بہت ہی ناشکرا ہے۔

اور ✿ یہ سب کچھ صرف اس بناء پر ہے کہ بیشک وہ مال کی محبت میں بہت ہی مضبوط ہے۔ حرصِ مال نے اس کو فکر آخرت سے بھی بیگانہ بنادیا اور اپنے آقا و مالک سے بھی بے رخی اور بے تعلقی اختیار کر لی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں چاہیے تھا تو کیا یہ انسان نہیں جانتا ہے کہ جس وقت باہر نکال لیے جائیں گے وہ تمام مردے جو قبروں میں ہیں اور ان کو نفخ صور کے بعد زندہ کر کے میدانِ حشر میں جمع کر دیا جائے گا اور پھر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے وہ تمام راز جو سینوں میں ہیں تو اس وقت انسان دیکھ لے گا کہ یہ کیسا ہیبت ناک دن ہے جس سے وہ غافل بنا رہا اور انکار کرتا رہا اور اس وقت وہ دیکھ لے گا جس مال کی محبت میں وہ خدا کا ناشکرا اور نافرمان رہا وہ مال اس کے قطعاً بھی کام نہ آیا تو کاش اگر انسان کو اس بات کا علم ہوتا ہرگز یہ روش نہ اختیار کرتا۔

بے شک ان کا رب ان کے حال سے اور روز بڑا ہی باخبر ہے ✿ کہ انسانوں کے تمام احوال واعمال کا جیسے دُنیا میں احاطہ کیے ہوئے تھا اور زندگی میں کیا ہوا ہر کام اس کی نظروں کے سامنے رہا ہے آج اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے تو اس روز یہ بات ہر ایک پر ظاہر وعیاں ہوگی اور کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے گی تو اس طرح اس دن یہ چیز ✿ ہر ایک کو خوب نظر آجائے گی کہ بے شک ان کا پروردگار ان کے احوال سے خوب باخبر ہے۔

✿ یہ کلمات اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے ہیں کہ لفظ ﴿عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ کے ایک معنی مطلع اور باخبر کے ہیں اور دوسرے معنی گواہی اور شہادت کے ہیں۔

✿ ﴿وَالْعٰدِيٰتِ﴾ سے مجاہدین کے گھوڑوں یا مطلق گھوڑوں کی قسم کھا کر ان کی سرگرمی عمل اور اپنے آقا کی فرمانبردای میں مہالک وشدائد میں گھس جانا بطور قسم بیان کر کے جواب قسم ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ فرمایا گیا۔ اس جواب قسم کی مناسبت ولطافت قسم اور مقسم بِہٖ کے متعلقات سے بڑی ہی خوبی سے ظاہر ہے۔

✿ اُستاذ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں ممکن ہے کہ گھوڑوں کی قسم کھانا مراد ہو جیسا کہ ظاہر ہے ممکن ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سواروں کی قسم ہو جن کی سرفروشی اور جانبازی بتاتی ہے کہ وفادار اور شکر گذار بندے ایسے ہوتے ہیں۔

ظاہر عنوان سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ گھوڑوں ہی کی قسم کھائی ہے اور غرض یہ ہے کہ غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ خود گھوڑا زبانِ حال سے یہ شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز متمتع ہوتے ہوئے بھی اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل وحقیر ہیں۔ ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سا دانہ کھلاتا ہے وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے دوڑتا اور ہانپتا ہوا ٹاپیں مارتا ہوا اور غبار اٹھاتا ہو گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے گولیوں کی بارش میں تلواروں اور سنگینوں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا اپنے سوار کو بچانے کے لیے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا ہے کہ اس کا کوئی پالنے والا ہے مالک ہے جس کی وفاداری کے لیے اس جان و مال خرچ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔ (فوائد عثمانیہ)

✿ ان الفاظ کا اضافہ اس اشکال کو دُور کرنے کے لیے ہے جو یہاں خداوند عالم کے باخبر ہونے کو اس روز کی خصوصیت سے بیان کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ القارعہ

سورۂ قارعہ باتفاق ائمہ مفسرین مکی سورت ہے۔ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ودیگر صحابہ مفسرین سے اسی طرح منقول ہے مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس سورت کا مضمون بھی اثباتِ قیامت اور حشر ونشر کے موضوع کو دلائل سے بیان کرنا ہے اس سے قبل سورتوں میں سعادت وشقاوت کے اصول احوالِ آخرت اور جزاء وسزا کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں خاص طور سے وہ ہولناک واقعات جن کو حوادثِ دہر اور قوارع زمانہ کہا جاسکتا ہے بیان کیے جارہے ہیں تاکہ انسان غفلت سے چونکے اور فکرِ آخرت کے لیے تیار ہوجائے۔ قرآنِ کریم میں ایسے تمام مضامین اور آیات کو جو طبع بشری کو جنبش دینے والے ہوں۔ بعض ائمہ مفسرین نے قوارع قرآن کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

اس سورت کی گیارہ آیات ہیں جس کی ابتداء ہی ایسے ہیبت ناک عنوان سے کی گئی جو طبع بشری کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دے اور انسانی جامد قویٰ میں حرکت پیدا کردے۔ بالخصوص وزن اعمال کا بیان کرتے ہوئے نجات وکامیابی اور ہلاکت کا راز ظاہر کردیا گیا اور انسانی فطرت کو متنبہ کیا گیا کہ وہ ہلاکت وبربادی کے راستہ سے اجتناب کرے۔

آیاتہا ۱۱ | (۱۰۱) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۰) | رکوعہا ۱

سورۂ قارعہ مکی ہے اس کی گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ

وہ کھڑکھڑاتی۔ کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی؟ اور تو کیا بُوجھا؟ کیا ہے وہ کھڑکھڑاتی۔ جس دن ہوویں

النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿۵﴾

لوگ جیسے پتنگے بکھرے۔ اور ہوویں پہاڑ جیسے رنگی اُون دھنی۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ

سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں۔ تو اس کو گذران ہے من مانتی۔ اور جس کی

خَفَّتْ	مَوَازِينُهٗ ⑧	فَاُمُّهٗ	هَاوِيَةٌ ⑨	وَ	مَآ	اَدْرٰكَ	مَا هِيَهْ ⑩								
ہلکی	ہوئیں	تولیں۔	تو	اس	کا	ٹھکانا	گڑھا۔	اور	تو	کیا	بوجھا	وہ	کیا	ہے؟	

ع ۱۱/۲۶

نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

آگ ہے دہکتی۔

حوادث زمان وقوارع دہر بروز محشر وتنبیہ برائے بیداری ازخواب غفلت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اَلْقَارِعَةُ ① ✱ مَا الْقَارِعَةُ ② ...الٰی... نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪﴾

ربط: گزشتہ سورت میں انسانی فطرت میں رچی ہوئی تین بنیادی خرابیوں کا بیان تھا۔ ① ناشکری۔ ② مال ودولت کا حرص اور ③ غفلت ولا پروائی از منعم ومالک حقیقی۔ اب اس سورت میں روز محشر برپا ہونے والے ہولناک واقعات کا ذکر ہے تاکہ انسان اپنی غفلت سے باز آئے۔ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر گزار ہو اور وہ مرض خبیث جو تمام تر خرابیوں کی اساس ہے یعنی حرص ولالچ اس سے بچے تو فرمایا۔

کھڑکھڑا دینے والی چیز کیا ہی عظیم الشان کھڑکھڑا دینے والی چیز ہے۔ جس کی عظمت وہیبت کو انسان اپنی قوتِ فکریہ یا عقلی کاوش سے نہیں سمجھ سکتا۔ اس کی ہیبت انسانی تصور سے بالا وبرتر ہے اسلیے اے مخاطب بتا اور تو جانتا بھی ہے کیا ہے اور کیسی ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز؟ یقیناً کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا اور کیسی ہے۔ اس لیے ہم ہی تجھ کو بتاتے ہیں وہ اس دن ہوگی جب کہ آدمی ہوں گے بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح پریشانی اور بدحواسی میں جن کو نہ تو کسی طرح قرار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی تمکن اور ٹھیراؤ۔ اور پہاڑ ہو جائیں گے دُھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح یا بکھری اون کے ذرّات، جو نہایت ہلکی اور کمزور ہوتی ہے۔ اور فضا میں ہوا کے ساتھ بکھری ہوئی ہوتی ہے۔ اسی بدحواسی کے عالم میں جب کہ انسان پروانوں کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑ رہے ہوں گے۔ میدانِ حشر میں انسانوں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ان کے اعمال تولے جائیں گے تو جس شخص کا ترازوئے اعمال میں نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ بہت ہی راحت وخوشی کی زندگی میں ہوگا۔ اس کو ہر پسندیدہ اور مطلوب چیز وہاں ملے گی۔ اور جس شخص کا نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا تو بس اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کیا ہے ہاویہ؟ وہ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے جس کے شعلے سمندر کی موجوں کی طرح ایک طوفانی شکل میں نظر آتے ہوں گے۔ یہ جہنم ان بدنصیبوں کے لیے ہوگی جن کے پاس نہ ایمان اور نہ عمل صالح اور نہ اس میں اخلاص اور قیامت کے روز میزانِ اعمال میں وزن تو ایمان واخلاص ہی کا ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت کی ترازو ہے اس میں مادی وزن اور ثقل نہیں بلکہ روحانی عظمت تولی جاتی ہے۔ اس وجہ سے ان کے پلے ہلکے ہوں گے جیسا کہ

✱ حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ القارعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اسماء قیامت میں القارعہ، الحاقہ، الطامہ، الصاخہ اور الغاشیہ وغیرہ کلمات قرآن کریم نے استعمال کیے ہیں۔ ۱۲

ارشاد ہے ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ اس کے برعکس اہل ایمان اور نیکوکاروں کے اعمال کا وزن اس ترازو میں بھاری ہوگا اور ان کے پلے بھاری ہونے کی وجہ سے نجات و کامیابی حاصل ہوگی اور جنت میں ان کا پسندیدہ اور محبوب زندگی نصیب ہوگی۔ اور یہی فوز و فلاح ہے۔

مادی اجسام کا ثقل اور روحانیات کی لطافت

مادیت کثافت کا نام ہے اور روحانیت میں لطافت ہے۔ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل اور بوجھ رکھا ہے۔ جب کہ روحانیت میں تجرد اور لطافت ہے اور یہ ایک قدرتی امر ہے جس کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور یہی ثقل اور وزن اس کو سکون و قرار کی طرف مائل کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کو حیز طبعی کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے تو مادیت میں جھکاؤ ثقل جسمانی کے باعث ہوگا لیکن روحانیت میں ثقل بھی روحانی ہوگا اور اسی کے باعث جھکاؤ ہوگا تو دُنیا کے ترازو میں مادی اثقال و اوزان تولنے کے لیے ہوتی ہیں تو ان ترازوؤں کا پلہ اس وزن کی وجہ سے جھکتا ہے تو آخرت کی ترازو جس میں روحانیت کا وزن ہوگا۔ اس کا پلہ لامحالہ روحانی اوزان کے باعث جھکے گا اس بناء پر یہاں ﴿فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ اور ﴿وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ﴾ کا عنوان اختیار فرمایا گیا۔ ایمان و اعمال کا ثقل اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے دُنیا میں معنوی ثقل میں وقار، استقامۃ، صبر و حلم جیسے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے یہ انسان اپنے عزم اور حوصلہ میں پہاڑ واقع ہوا ہے اور بالعموم صبر و استقامت میں حوصلہ منداور باوقار انسانوں کو پہاڑوں سے تشبیہ دی جاتی ہے اس طرح دُنیا میں ایک ثقل و استقامت پہاڑوں کی ہے جو حسی اور ظاہری ہے اور ایک وزن و استقامت معنوی ہے جو انسانوں میں ہوتا ہے تو قیامت کے وقت عالم میں برپا ہونے والے انتشار اضطراب کو ظاہر کرنے کے لیے قرآن کریم نے پہاڑوں کو تو روئی کے اڑتے ہوئے گالوں کی طرح بتایا کہ وہ سب کچھ وزن و قوت سے عاری ہو کر اڑنے والے روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور وہ اولوالعزم اور باعزم لوگ جو پہاڑوں سے زیادہ طاقت ور سمجھے جاتے ہیں وہ بکھرے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے اور اس روز دیکھ لیا جائے گا دُنیا کے اثقال و اوزان خواہ وہ حسی ہوں یا معنوی ان کا یہ حشر ہو رہا ہے اس روز جو ثقل و وزن ہوگا وہ صرف اعمالِ صالحہ اور ایمان کا ہوگا اور قیامت کے روز میزانِ اعمال ایسے ہی ثقل کو تولنے کے لیے ہوگی۔

میزان اعمال اور وزن اعمال کی بحث گذر چکی اور تفصیل سے معتزلہ کے اس باطل قول کا رد بھی کر دیا گیا۔ جو میزان اعمال کا انکار کرتے ہیں اہل سنت اور جمہور متکلمین کے نزدیک وزن اعمال ثابت ہیں اور اعمال کے تولنے کی ترازو برحق ہے جیسے کہ ارشاد ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ... الخ﴾ (الانبیاء: ۴۷)۔

یہ بھی تفصیل کے ساتھ گذر چکا کہ میزانِ اعمال میں وزن کے بارے میں یہ تینوں باتیں ازروئے نصوص و احادیث ممکن ہیں کہ نفس اعمال کا وزن ہو یا نامہ ہائے اعمال کا وزن ہو یا صاحب اعمال کا وزن ہو۔

نفسِ اعمال کا وزن تو اس حقیقت پر مبنی ہے کہ دنیا میں کیے اعمال و افعال قیامت کے روز حقائق موجودہ کی شکل ہوں گے اور ان کا وزن ہوگا۔ نامۂ اعمال کے وزن کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص لایا جائے گا اور اس کے ننانوے ۹۹ دفتر ہوں گے گناہوں کے جو پیش کیے جائیں گے۔ اس کے مقابلہ میں جب اس کی ایک نیکی جو کاغذ کے ایک پرزے پر

لکھی ہوگی تو وہ کہے گا۔اے پروردگار! ان گناہوں کے ڈھیر کے مقابلہ میں اس ایک کاغذ کے پُرزے کی کیا حقیقت ہے؟ لیکن جب وہ تولا جائے گا تو ان ننانوے دستاویزوں پر بھاری ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔اور صاحب اعمال کے تولنے کی تائید جامع ترمذی کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔جس میں ہے کہ قیامت کے روز ایک نہایت ہی بھاری بھر کم موٹا تازہ شخص پیش کیا جائے گا تا کہ اس کو میزانِ عمل میں تولا جائے لیکن چونکہ اس میں ایمان اور عمل صالح کا کوئی روحانی وزن نہ ہوگا تو اس ترازو میں رکھے جانے کے بعد اس کا کوئی وزن نہیں ظاہر ہوگا۔

اور آنحضرت ﷺ نے یہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر تمہارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف:۱۰۵)۔

تمّ بحمد اللہ تفسیر سورة القارعة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سُورۃُ التکاثر

سورۂ تکاثر مکی سورت ہے۔جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ یہ فرمایا کیوں نہیں تم لوگ ہر دن میں ہزار آیتیں پڑھ لیتے۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر روز کوئی شخص ہزار آیتیں کس طرح پڑھ سکے گا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم سورۂ ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ نہیں پڑھ سکتے۔

اس سورت کا موضوع انسان کی اس خصلت پر تنبیہ ہے کہ وہ مال واولاد ہی کی فکر میں اپنی ساری زندگی برباد کر دیتا ہے اس کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ آخرت کے لیے کچھ تیاری کرے اور اس کا یہ انہماک مادی زندگی اور مال ودولت جمع کرنے میں مسلسل باقی رہتا ہے۔اور مرنے کے وقت تک وہ اسی میں لگا رہتا ہے حتیٰ کہ دُنیا سے گذر جاتا ہے اور قبر کے مراحل سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔اس کے بعد آدمی کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ پچھتاتا ہے کہ میں نے اپنی عمر برباد کر ڈالی۔

سورت کا اختتام اس وعید و تنبیہ پر کیا گیا کہ انسان کو دُنیا میں جو نعمتیں اور راحتیں دی گئی ہیں۔ان کا ایک حق ہے اور یقیناً اس بارہ میں اس سے باز پرس ہوگی کہ اس نے حق نعمت کیا اور کس طرح ادا کیا۔

آیاتہا ۸ (۱۰۲) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ (۱۶) رکوعاتہا ۱

سورۂ تکاثر مکی ہے۔ اس میں آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾

غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے جب تک جادیکھیں قبریں۔ کوئی نہیں آگے جان لو گے۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ

پھر بھی کوئی نہیں! آگے جان لو گے۔ کوئی نہیں اگر جانو یقین کر جاننا۔ بیشک تم کو دیکھنا

الْجَحِيْمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ

دوزخ۔ پھر دیکھنا یقین کی آنکھ سے۔ پھر پوچھیں گے تم سے اس دن

عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ ع

آرام کی حقیقت۔

ع ۱/۸/۲۷

تنبیہ وتہدید بر غفلت از آخرت ووعید بر حرص مال ودولت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ ... الٰى ... يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾﴾

ربط: سورۃ القارعہ میں انسان کو قیامت پر پیش آنے والی ہولناک حوادث سے آگاہ وخبردار کیا گیا تھا۔ اب اس سورت میں جو اسباب غفلت ہیں ان سے باخبر کیا جارہا ہے کہ مال ودولت کی حرص انسان کو آخرت سے غافل اور دُور کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح مال واولاد پر تفاخر وغرور بھی کوئی اچھی بات نہیں۔ انسان کو چاہیے ان فتنوں میں مبتلا ہوکر اپنے اصل مقصد یعنی فکر آخرت کو فراموش نہ کرے۔

قتادہ اور مقاتل رحمہما اللہ سے یہ منقول ہے کہ یہ سورت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جبکہ مدینہ میں رہنے والے یہود اس پر تفاخر کرتے تھے کہ میرے پاس اس قدر مال ہے اور میری اولاد اتنی ہے۔ اور ہر ایک اسی فکر میں رہتا اور اس میں اس قدر انہاک اور غلو اختیار کیا کہ اپنا دین بھی بھول گئے اور اس سلسلہ میں جو بھی کچھ کرنا پڑا، حلال وحرام کی پروا کیے بغیر کرگذرے۔ لیکن یہ روایت باعتبار اسناد محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ اس لیے اس سورت کا مکی ہونا ہی جمہور نے اختیار کیا ہے۔

بعض مفسرین اس کا سبب نزول۔ قریش کے دو قبیلوں بنو عبد مناف اور بنو سہم کے درمیان اس نزاع اور باہمی قتال کو بتاتے ہیں جو اسی طرح باہمی تفاخر اور سرداری کے لالچ کی وجہ سے پیش آیا۔ آپس میں خوب لڑے قبروں کے گننے کی نوبت آ گئی۔ انسان کے اس فطری عیب کو بیان کرتے ہوئے اس امر کی بھی تلقین کی گئی کہ دُنیا میں اس کو نعمتیں عطا کی جاتی ہیں ان کا حق ہوتا ہے اور اگر انسان اس حق کو ادا کرنے میں کوتاہی کرے تو مؤاخذہ اور سزا سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔ تو ارشاد فرمایا اے لوگو! غافل بنا دیا ہے تم کو زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے اور اس کی کثرت پر فخر کرنے نے اور تم اس تفاخر ✽ و تکاثر مال سے باز نہ آؤ گے یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھ لو مرنے تک اسی طرح باہمی تفاخر اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص میں مبتلا رہو گے اور یہ غفلت کا پردہ اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک کہ تم قبر میں نہیں چلے جاؤ گے۔ خبردار ہرگز یہ چیز غفلت کی نہیں اور نہ قابلِ انکار بے شک عنقریب تم جان لو گے کہ قیامت برحق ہے۔ اور دُنیوی زندگی کے اعمال و افعال کا حساب و بدلہ ہے۔ خبردار ہرگز یہ چیز قابلِ غفلت نہیں دنیا کی زندگی خالی ہے۔ بے شک پھر تم ✽ بہت جلد معلوم کر لو گے کہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ایک خواب ہے۔ ✽

یہ حقیقت اگرچہ دُنیا میں کچھ لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے کہ اصل عیش آخرت کا عیش ہے اور دُنیا کی زندگی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں لیکن جب انسان قبر میں پہنچے گا تو پھر اصل حقیقت کھل کر نظروں کے سامنے آئے گی تو سمجھ لو خبردار ہرگز تمہیں خاک بھی علم نہیں۔ بے شک اگر تم جان لو آخرت کا حال علم یقین کی صورت میں تو یقیناً ایسی تمام غفلتوں نافرمانیوں اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص اور تفاخر سے باز آ کر اصل کام میں لگ جاؤ اور آخرت کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہو جاؤ مگر افسوس ایسا نہیں ہوتا بلکہ انسان اسی طرح غفلت و جہالت میں زندگی گذار دیتا ہے۔ لہٰذا سن لو اے لوگو! ضرور بالضرور تم جہنم دیکھو گے۔ یہ یہی نہیں کہ بس دُور سے دیکھ لو اور وہ نظر آ جائے بلکہ یقیناً تم اس دوزخ کو دیکھو گے آنکھوں کے مشاہدہ اور یقین کے ساتھ۔ جس میں کسی نوع کا شبہ باقی نہ رہے گا۔

✽ ان الفاظ میں اشارہ ہے کہ تکاثر کے دونوں معنی ہیں۔ مال و دولت زیادہ جمع کرنے کی حرص اور مال و اولاد پر تفاخر، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ ۱۲

✽ ترجمہ کے درمیان اضافہ کردہ کلمات سے ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ کے تکرار کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

✽ حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ صحابی ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ سورۃ ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

((یقول ابن آدم مالی وهل لكَ من مالك اِلَّا اكلت فافنيت اَوْلبست فابليت او تصدقت فَاَمضيت)).

"کہ ابن آدم یہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اے انسان اس میں سے تو تیرا مال صرف اتنا ہی ہے جو تو کھا کر ختم کر دے یا پہن کر پرانا کر دے۔ یا صدقہ کر کے آگے بھیج دے۔"

ایک روایت میں ہے کہ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تو انسان سے جدا ہونے والا ہے اور آدمی دوسروں کے واسطے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی طبعی حرص کی کوئی حد نہیں۔ اسی کا ان کلمات میں بیان ہے۔ ((لوکان لابن آدم وادیان من الذهب لیبتغی ثالثا ولا یملاءُ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب الله علی من تاب)). یعنی اگر ابن آدم کے لیے دو میدان ہی سونے کے بھرے ہوئے ہیں تو بھی تیسری وادی کی تلاش میں لگ جائے گا۔ اور انسان کا پیٹ ہرگز کوئی چیز نہیں بھر سکتی سوائے مٹی کے اور اس کی حرص کا خاتمہ بس قبر ہی میں جا کر ہوگا۔ الخ ۱۲

اس میں تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث داخل ہو گے اور اس کا مزہ ❶ چکھو گے پھر اس روز تم سے ضرور بالضرور پوچھا جائے گا نعمتوں کے بارے میں جو تم پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کی گئیں کہ تم نے ان کا کیا حق ادا کیا تم نے ان نعمتوں کے بعد ان کی عظمت کو پہچانا یا نہیں؟ تم نے اپنے منعم کی محبت اور جذبہ اطاعت کو اپنے دل میں محسوس کیا یا نہیں؟ تم اپنے منعم کی ناراضگی سے ڈرے یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ ان سوالات کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں بالخصوص اس دن اور اس عالم میں جہاں ظاہر و باطن کا کوئی فرق نہیں ہو سکتا اور زبان سے صرف وہی بات ادا ہو سکتی ہے جو حقیقت اور عین صداقت ہے۔ پس انسان کو سوچنا چاہیے کہ ان بے پایاں نعمتوں پر جن کی شان یہ ہے ﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراہیم: ۳۴) محاسبہ اور مؤاخذہ پر وہ کیا جواب دے گا۔ نعمتوں کی بے شک کوئی حد و انتہاء نہیں۔ ظاہری نعمتیں باطنی نعمتیں جسمانی نعمتیں روحانی نعمتیں۔ پھر ہر قسم میں متعدد انواع و اقسام اور مراتب غرض ایک وسیع سلسلہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا انسان پر ہمہ وقت قائم و جاری ہے۔ حیات و تندرستی اعضاء کی خوبی اور سلامتی حسن و جمال ادارک عقل و فہم، اسباب راحت و آسائش اور اقسام و انواع کے فواکہ اور رزق اور جملہ نعماء غرض ہر شعبۂ حیات بے شمار انعامات کا مرکز نظر آتا ہے۔ تو بلاشبہ ان کے حق کا سوال ہونا ہی چاہیے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ ان نعمتوں کی وجہ سے غافل و مغرور نہ ہو بلکہ اس کی تیاری میں لگ جائے کہ روز محشر جب ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کا سوال ہو گا تو میں کیا جواب دوں گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے اور ان کو دیکھ کر فرمایا یہاں تم لوگ کیوں بیٹھے ہو؟ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ ہمیں کسی بھی چیز نے گھر سے باہر نہیں نکالا ہے سوائے بھوک کے۔ کہ اس بے چینی میں گھر سے باہر نکلے ہیں کہ شاید کوئی چیز کھانے کو مل جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا خدا کی قسم مجھے بھی اس کے سوا اور کسی چیز نے باہر نہیں نکالا۔ یہ تینوں حضرات ایک انصاری کے پاس پہنچے اُن کی بیوی نے دیکھ کر کہا مرحبا کیسا مبارک دن ہے ایسے مبارک اور معزز مہمان میرے یہاں آ گئے اور بتایا کہ انصاری تو میٹھا پانی لینے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں وہ بھی آ گئے۔ ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکا کر لایا گیا اور کچھ چھوہارے بھی پیش کیے گئے۔ ان حضرات نے شکم سیر ہو کر کھایا، ٹھنڈا پانی پیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ﴿لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ بے شک اس روز تمہارے سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہو گا۔ تمہیں گھر سے بھوک نے نکالا اور تم واپس لوٹنے سے

---

❶ بعض حضرات مفسرین کا خیال ہے کہ اس مقام پر دوزخ کے دو مرتبہ دیکھنے کے ذکر میں اوّل مرتبہ دیکھنا مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہے اور دوسری مرتبہ دیکھنے سے حشر کے روز دیکھنا مراد ہے۔
عارفین بیان کرتے ہیں کہ علم کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین جیسے کسی نے دریا کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔
دوسرا عین الیقین ہے جبکہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا۔
تیسرا حق الیقین ہے جبکہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا۔
اور ظاہر ہے کہ عین الیقین کا درجہ علم الیقین سے بڑھ کر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی گمراہی اور گوسالہ پرستی پر اللہ نے مطلع کر دیا تھا اور اللہ کی وحی سے جو علم حاصل ہوا وہ بلاشبہ علم یقین ہے۔ لیکن جب انہوں نے واپس پہنچ کر اپنی آنکھوں سے اس مشرکانہ عمل کو دیکھا تو غصہ کی کوئی حد نہ رہی حالانکہ علم یقین تو اللہ کی وحی سے ہو چکا تھا۔ آنکھوں سے دیکھا تو عین یقین کا مقام حاصل ہوا تو جو غصہ پہلے علم پر نہ تھا وہ دوسرے علم پر ہوا۔

پہلے ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے۔ تو یہ کس قدر اللہ کا انعام ہے۔ انسان اگر اس حقیقت کو سمجھ لے تو اس کو قدم قدم پر اللہ کی بے پایاں نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

تمّ بحمد اللہ تفسیر سورۃ الھٰکم التکاثر

آیاتها ۳ (۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۳) رکوعها ۱

سورۂ عصر مکی ہے۔ اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَالْعَصْرِ ① إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ② إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

قسم اُترتے دن کی۔ مقرر انسان پر ٹوٹا ہے۔ مگر جو یقین لائے اور کیے

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③ ع ۲۸

بھلے کام، اور آپس میں تقید کیا سچے دین کا، اور آپس میں تقید کیا سہار کا۔

تفسیر سورۃ العصر

سورۂ عصر بالاتفاق مکی سورت ہے تمام ائمہ مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے البتہ بعض مفسرین قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں مدنیہ ہونے کا قول نقل کرتے ہیں۔

اس سورت میں زمانہ کی قسم کھا کر انسان کے خسارہ اور اس کی عاقبت کی تباہی کا بیان ہے اور بطور بنیادی اُصول چار چیزوں کو معیار فرمایا گیا جو انسان کو خسران و محرومی سے بچانے والی ہیں۔ ایمان۔ عمل صالح۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔

انسان کی زندگی ایک عظیم سرمایہ ہے تو اس کے خسارہ اور کامیابی کی دونوں جانبوں کو بڑی ہی وضاحت سے بیان فرمایا گیا۔

سورۂ تکاثر میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی اسی حرص و شوق میں گذار دیتا ہے کہ مال و دولت کی کثرت ہو۔ عیش و عشرت کے اسباب مہیا ہو جائیں اور اسی پر وہ فخر کرتا ہے تو اب اس سورت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ انسان اپنی فطری اور طبعی کمزوری سے اپنی زندگی ہی تباہ و برباد کرتا ہے اور اس قیمتی سرمایۂ حیات سے جو نفع اٹھانا چاہیے تھا وہ نہیں اٹھاتا تو اس طرح انسان اپنی زندگی برباد کرتا ہے اور اس محرومی اور خسران سے بچنے کے یہ اصول اربعہ ہیں۔ ایمان و عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر گویا اصولِ فلاح و سعادت کے موضوع پر یہ سورت نہایت ہی جامع سورت ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر اللہ رب العزت قرآن کریم میں

اس سورت کے علاوہ اور کچھ نہ اتارتے تو تب بھی یہی ایک سورت [1] تمام دُنیا کے انسانوں کے لیے کافی تھی تو ارشاد فرمایا: قسم ہے زمانہ کی جس کے انقلابات کا انسان ہمہ وقت مشاہدہ کرتا ہے عزت وذلت امیری وفقیری، تندرستی وبیماری، راحت وتکلیف، کامیابی وناکامی اور غمی وخوشی۔ غرض یہ تمام احوال اور زندگی میں واقع ہونے والے افعال خیر وشر سب ہی باتیں اس بات کی گواہ ہیں۔

بے شک انسان اپنی فطرت اور طبعی کمزوریوں کے باعث عمر عزیز گراں قدر سرمایہ ضائع کر ڈالنے کی وجہ سے بڑے ہی خسارہ میں ہے۔ دنیا میں ہر خسارہ کی تلافی ممکن ہے۔ لیکن اس خسارہ کی تلافی کا کوئی امکان نہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیکی کے کام کیے اور باہم ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر وبرداشت اور پابندی اعمال پر تاکید اور ہدایت ونصیحت کرتے رہے تو بس یہ لوگ تو خسارہ سے بچیں گے اور بلاشبہ نفع اٹھا سکیں گے اپنے سرمایۂ حیات سے۔

کلام اللہ میں زمانہ کی قسم کھانا انسانی حیات کو ضیاع وخسران سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے

اس سورۂ مبارکہ میں حق تعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھا کر انسانی حیات کی تباہی وبربادی یا اس کے سودمند اور کارآمد ہونے کا ایک جامع ضابطہ اور مکمل ہدایت کے اصول بیان فرمائے۔

انسان کی زندگی بلاشبہ ایک قیمتی سرمایہ ہے اور ہر سرمایہ لگانے والا یہ سوچا کرتا ہے کہ اس کو لگائے ہوئے سرمایہ پر کیا نفع ملا یا اصل سرمایہ بھی ضائع وبرباد کیا۔ اسی حقیقت کی طرف انسانی اذہان وافکار کو متوجہ کرنے کے لیے قرآن کریم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (الصف: ۱۰) ان الفاظ سے واضح کر دیا گیا کہ انسان کو اپنی زندگی جو نہایت ہی گرانقدر سرمایہ ہے اس سے نفع اٹھانے کی شکل صرف یہی ہے ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الصف: ۱۱) تو اس چندروزہ عمر میں انسان اگر نفع اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے۔ دوسرے یہ کہ بعد الحیات ایسا سلسلہ باقی چھوڑے جو باقیات الصالحات ہوں اور حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں۔ ورنہ عمر تو انسان کی بہت ہی مختصر ہے۔ کچھ حصہ تو بچپن کا گذر جاتا ہے کچھ لہو ولعب میں اور کچھ بیماریوں اور بڑھاپے میں۔ بس درمیان کی ایک مختصر سی مدت ہے اس میں بھی ہزاروں موانع نفس کی خواہشات کا جال فتنوں کا سیلاب طبعی غفلتیں مادی مصروفیات غرض اس مختصر سی مدت میں کتنے لمحے ایسے نصیب ہوں گے جن سے وہ ابدی نفع حاصل کر سکے گا۔ تو اسی امر کے پیش نظر بالعموم نوع انسان کو خسارہ اٹھانے والا فرما کر اس سے بچاؤ اور تحفظ کے یہ اصول اربعہ متعین فرما دیئے گئے۔ ایمان، عمل صالح تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ ایمان سے معرفت کا مقام حاصل ہوگا۔ عمل صالح اطاعت وفرماں برداری ہے جو تہذیب نفس کا باعث ہے۔ اور اس حالت میں روح کی بدن سے مفارقت موجب سعادت ہوگی۔ تو اس حد تک کمالِ اعتقاد اور صلاح عمل کا مقام تو مکمل ہو

---

[1] سلف صالحین سے منقول ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملتے تو جدا ہوتے وقت ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے۔

جائے گا۔ مگر انسانی سعادت اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ صلاحِ ذات یا تہذیب نفس کے ساتھ اصلاح کا پہلو بھی جمع ہو۔ اور وہ اسی میں مضمر ہے کہ حق اور صداقت کو پھیلایا جائے اس پر دوسروں کو آمادہ کیا جائے تاکہ یہ سلسلہ حسناتِ باقیہ کا جاری ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اصلاح معاشرہ کے لیے حق وصداقت پر دوسروں کو آمادہ کرنا بنیادی امر ہے اسی کے ساتھ تواصی بالصبر بھی لازم ہے کہ احکام الٰہیہ اور مکارم اخلاق کی پابندی اور اس کے مطابق زندگی بنانے کے لیے صبر واستقامت کی تلقین راہ حق میں شدائد ومصائب کے تحمل کے لیے ہمت دلانا۔ اپنی ذات اور کردار کو باکمال بنانے کے بعد دوسروں کو بھی باکمال بنانے اور فوز وفلاح کے بلندترین مقام تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا اور ادنیٰ تامل سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ زندگی کی خوبی اور زمانہ کی خیر وبرکت اسی میں مضمر ہے اور اگر انسانی حیات کمال کے ان دو پہلوؤں سے خالی ہو تو پھر دُنیا آلام ومصائب اور آفات وفتن کا گہوارہ ہوگی۔ اور تاریخ عالم اس امر پر گواہ ہے کہ عالم میں ہر تباہی اور بربادی ایمان وعمل صالح کے فقدان اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے ختم ہو جانے سے بھی مرتب ہوتی رہی ہے۔ یعنی انسانوں میں جب نہ خود کوئی کمال رہے اور نہ دوسروں کو خیر کی دعوت ہو تو پھر سوائے خسران اور تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے اور چونکہ یہ حقائق زمانہ کی تاریخ ہیں۔ اس وجہ سے زمانہ کی قسم کھا کر اس مضمون کو ارشاد فرمایا گیا۔ ✽ بعض مفسرین نے عصر سے وقت عصر مراد لیا ہے کسی نے نماز عصر۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

فائدہ: قرآن کریم میں بہت سی چیزوں کی قسمیں حق تعالیٰ شانہٗ نے کھائی ہیں۔ کہیں رات کی، دن کی، چاند سورج کی، زمین وآسمان کی شہر مکہ کی، کہیں تین اور زیتون کی اس موضوع کو پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ ان قسموں سے غرض ان مخلوقات کی عظمت کو مخاطبین کے ذہنوں میں قائم کر کے اصل مدعیٰ کو واضح اور ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اور اس میں غیر اللہ کی قسم کا اشکال بھی درست نہیں۔ کیونکہ غیر اللہ کی قسم مخلوق کی طرف سے تو شرک کا شائبہ رکھتی ہے۔ خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا اس شبہ سے پاک ہے۔ اس لیے ان اقسام میں لفظ رب محذوف ماننے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض حضرات نے اس کا اہتمام کیا ہے ظاہر ہی پر محمول رکھتے ہوئے کہا جائے کہ خالق کا خود اپنی مخلوق کی قسم کھانا شرک نہیں بلکہ مخلوق کی عظمت ظاہر کر کے خدا خود اپنی عظمت کو ثابت فرما رہا ہے۔

✽ استادِ محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں کہ انسان کو خسارہ سے بچنے کے لیے چار باتوں کی ضرورت ہے اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دُنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پُورا یقین رکھے دوسرے اس پر یقین کا اثر محض قلب ودماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں بھی ظاہر ہو اور اس کی عملی زندگی اس کے قلبی ایمان کا آئینہ ہو۔ تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم وملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے جب دو مسلمان آپس میں ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ وصیّت ونصیحت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلافِ طبع اُمور کا تحمل کرنا پڑے پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں ہرگز قدم نیکی کے راستے سے ڈگمگانے نہ پائے جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر میں زندۂ جاوید رہے گا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دُنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔ (کذافی الفوائد)

تو اس طرح ان اصول اربعہ کو انسانی فوز وفلاح اور فرد وملت کی کامیابی کے جامع اصول کہا جا سکتا ہے پھر ان اصولِ اربعہ میں قوت نظریہ اور قوت عملیہ کی تکمیل کا پہلو بھی واضح ہے اور اسی کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ سیاست مدنیہ کے تمام شعبوں کو اعلیٰ واکمل طور پر پورا کرنے کا باعث ہیں۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ الہمزۃ

سورۃ الہمزۃ بھی مکی سورت ہے اور اکثر ائمہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں خاص طور پر ان امور وخصائل کی مذمت کی گئی ہے جو انسانی اقدار کو تباہ کرنے والے ہیں۔ طعن و تشنیع، عیب جوئی بدترین خصلت ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہونے کے قابل نہیں۔ مؤمن کی شان سے اس قسم کی باتیں بعید ہیں۔ ان مذموم اور ناپاک خصلتوں کا کفر و شرک کے ساتھ اجتماع ہوسکتا ہے۔ مگر انسان کو آگاہ ہونا چاہیے کہ کفر و نافرمانی کا کیسا بدترین انجام ہے۔ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ جس کے تصور سے ہی انسان کانپ جائے۔ ظاہر ہے کہ جب اس جہنم میں مجرمین کو ڈالا جائے گا تو کیا حال ہوگا تو اس مضمون میں نارِ جہنم کی عظمت و ہیبت کو بیان کیا گیا۔

آیاتہا ۹	(۱۰۴) سُوْرَۃُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ (۳۲)	رکوعہا ۱

سورۃ الہمزۃ مکی ہے، اس میں نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ② يَحْسَبُ

خرابی ہے ہر طعنے دیتے، عیب چنتے کی۔ جس نے سمیٹا مال اور گن گن رکھا۔ خیال رکھتا ہے

اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④ وَمَآ اَدْرٰىكَ

کہ مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ کوئی نہیں! اس کو پھینکنا ہے اس روندنے والی میں۔ اور تو کیا بوجھا؟

مَا الْحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ⑥ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ⑦

کون ہے وہ روندنے والی؟ آگ ہے اللہ کی سلگائی۔ وہ جو جھانک لیتی ہے دل۔

ع ۱ ۹ ۲۹ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ⑧ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ⑨

ان کو اس میں موندا ہے۔ لمبے لمبے ستونوں میں۔

طعن وتشنیع وعیب جوئی وحب مال موجب ہلاکت وباعث نار جہنم ہے

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ... الٰی ... فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ﴾

ربط: گزشتہ سورۂ والعصر میں انسان کو ایسے اصول کی ہدایت فرمائی گئی جن کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کو ضائع ہونے سے بچ سکے اور انسانی حیات جس فوز وفلاح کے لیے عطا کی گئی اس کو حاصل کر کے خسران ومحرومی سے محفوظ رہے۔ اب اس سورت میں ان بعض ناپاک اور بیہودہ خصلتوں کا بیان ہے جن سے انسان اپنی انسانیت ہی کو برباد کر ڈالتا ہے وہ طعن وتشنیع جیسی مذموم خصلت۔ لوگوں میں عیب تلاش کرنا۔ ان پر طنز کرنا۔ ان کی تحقیر وتذلیل کے درپے ہوجانا ہے۔ ان مذموم خصلتوں کا حامل انسان اپنی انسانیت ہی برباد کرتا ہے تو پہلے عمر ضائع کرنے پر وعید تھی اور اس سے تحفظ کے اصولِ رابعہ کا بیان تھا۔ تو اب اصل انسانیت ہی کو تباہ کرنے والی خصلتوں کا بیان ہے تاکہ انسان ایسے ناپاک خصلتوں سے بچنے کی کوشش کرے۔ پھر یہ فرمایا جارہا ہے کہ جہاں ایک طرف ان خصائل سے انسانیت کو گندگی سے آلودہ کرنا لازم آتا ہے اسی طرح مال کی محبت اور اس پر فریفتہ ہوجانا بھی انسانیت کو تباہ کرنے والی خصلت ہے۔ مال ودولت کی حرص انسان کو ہر خیر وفلاح سے محروم کرنے والی چیز ہے اور ساتھ ہی معاشرہ میں ہر نوع کی خرابی پیدا کرنے کا باعث ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ناپاک خصائل ان معاصی اور گناہوں کا موجب ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ گناہوں میں حقوق اللہ کا برباد کرنا بھی بے شک بڑا گناہ ہے لیکن ان کی معافی کا امکان ہے۔ اس کے برعکس حقوق العباد کی معافی ممکن نہیں۔ ان خصلتوں سے انسان جماعتوں اور قوموں میں تفرقہ ڈالتا ہے جو بدترین جرم ہے۔ غیبت جیسی بدترین خصلت کا مرتکب ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر قرار دیا۔ اور زنا سے بھی زیادہ قبیح فرمایا۔ تو ان عادات وخصائل سے انسان کی دنائت وذلت کی کوئی حد باقی نہیں رہتی تو ان پر وعید فرمائی ہے اور آخرت کے عذاب کا بھی ذکر فرمایا گیا تاکہ انسان ان باتوں سے پرہیز کرے۔ ارشاد ہے۔

بڑی ہی ہلاکت وتباہی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت طعنہ دینے والا اور عیب ✱ جوئی کرنے والا ہو جو اپنے اس خبث اور کمینہ خصلت کے ساتھ اس قدر حریص اور لالچی ہے کہ مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ خیر اور نیکی کے کام میں خرچ کرنے کی تو کیا توفیق ہوتی۔ زکوٰۃ وخیرات اور صلہ رحمی یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا تو کیا تصور کیا جاسکتا ہے وہ تو مال کی حرص اور بخل میں اس حد تک پہنچا ہے کہ گن گن کر رکھتا ہے۔ کہیں کوئی پیسہ نکل کر بھاگ نہ جائے کوشش یہی ہوتی ہے اس میں سے ایک پیسہ خرچ نہ ہونے دیا جائے ہر طرف سے مال سمیٹنے اور بار بار گننے ہی میں اس کو مزہ آتا ہے۔

کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ باقی رکھے گا نہ موت آئے گی اور نہ آسمانی حوادث ومصائب کا شکار بنے گا۔ اور نہ

✱ ہُمزہ اور لُمزہ کی صفت کے ساتھ اس شخص کی مزید یہ خصلت بیان کرنا کہ ﴿الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ یا تو اس امر کے پیش نظر ہے کہ بدگوئی اور عیب جوئی کی مذموم صفت تکبر سے پیدا ہوتی ہے جس کا منشاء مال ودولت کی کثرت ہے جس کی یہ نوبت ہے کہ ﴿جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ﴾ یا یہ کہ جس طرح جسمانی امراض میں ایک مرض دوسرے مرض سے وابستہ ہوتا ہے اسی طرح بدگوئی اور عیب جوئی کی بیماری بخل اور حرص مال سے پیدا ہوتی ہے۔ ۱۲

قیامت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا جو کہ اس کے بخل حرص مال اور غرور ونخوت سے ظاہر ہو رہا ہے۔خبردار ہرگز ایسا نہیں اس انسان کا یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ضرور بالضرور وہ پھینکا جائے گا حطمہ میں۔اور اے مخاطب تجھے معلوم بھی ہے کہ کیا ہے؟ وہ حطمہ اور روندنے والی چیز اس کی شناخت ومعرفت انسانی عقول وافکار سے بالاتر ہے وہ تو ایک آگ ہے دہکتی ہوئی جو بدن کو جلا کر ابھرتی ہے دلوں پر جب کہ دنیا کی کوئی آگ بھی بدن کو جلا کر دل تک نہیں پہنچتی۔اور نہ ہی اس کی نوبت آتی ہے کہ آگ انسان کے بدن کو جلا کر دلوں کے اوپر اس کے شعلے ظاہر ہوں بلکہ وہ اس سے قبل ہی نزع روح کا باعث بن جاتی ہے۔مگر یہ آگ ان مجرموں کے بدنوں کو جلاتی ہوئی دلوں پر ظاہر ہوگی اور اس کے شعلے دلوں کے اوپر بھڑکتے ہوں گے وہ آگ ان پر پاٹ دی جائے گی۔جیسے کہ سرپوش میں کوئی چیز ڈھانک دی جائے جس کے بعد آگ کا ان پر ہر طرف سے احاطہ ہوگا نہ اندر کا گرم سانس باہر نکل سکے گا اور نہ باہر کی کوئی سرد ہوا ان تک اندر پہنچ سکے گی اور نہ ہی یہ ممکن ہوگا یہ جہنمی تڑپ کر یا پھڑک کر باہر نکل جائیں بلکہ وہ گھرے ہوئے ہوں گے۔جکڑے ہوئے ہوں گے بڑے بڑے آتشی ستونوں میں کہ نہ تو ان ستونوں کو اکھاڑا جا سکے گا اور نہ ہی یہ مجرمین ان ستونوں سے کھل کر کہیں بھاگ سکیں گے۔یا یہ پٹی [1] ہوئی آگ۔ایسے ستونوں کی شکل میں ہوگی جو بڑے ہی دراز کیے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ہوں۔

هُمَزَة اور لُمَزَة کی تفسیر

لفظ ھُمزہ اور لُمزہ اصول عربیت کی رو سے فُعَلَہ کے وزن پر ہے جو مبالغہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسے ضُحَکَہ اس شخص کو کہتے ہیں جو زیادہ ہنستا ہو اور مبالغہ کا صیغہ کسی بھی صفت کے بیان کرنے کے لیے اس جگہ لایا جاتا ہے۔جہاں اس صفت یا فعل کو بطور عادت بیان کرنا مقصود ہو۔ان کی تفسیر میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔غیبت وبدگوئی کرنے والا۔ابو العالیہ، حسن، مجاہد اور عطاء رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ هُمَزَة وہ ہے جو رُو در رُو بدگوئی کرے اور لُمزہ وہ جو پس پشت بُرائی کرے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برعکس بیان کیا ہے۔

بعض ائمہ لغت سے نقل کیا گیا کہ هُمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے۔مثلاً فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی ہے یا باپ ایسا تھا۔اس کی قوم شریف نہیں وغیرہ وغیرہ اور لُمَزَہ وہ ہے ہاتھ پاؤں کے اشاروں اور حرکتوں سے تحقیر وتوہین کرے۔حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہُمزہ وہ جو کسی کی زبان سے بُرائی کرے اور لمزہ ہو جو افعال کے ذریعے کسی کی دل آزاری کرے۔

بہرکیف یہ متعدد اقوال ائمہ مفسرین نے نقل کیے ہیں۔زیادہ مناسب دونوں کے ترجمہ میں وہی ہے جو اختیار کیا گیا کہ ہُمزہ طعن اور عیب لگانے وال اور لُمزہ عیب جوئی کرنے والا یا چغل خوری کرنے والا۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ دونوں خصلتیں انتہائی ذلیل خصلتیں ہیں۔آیت ﴿ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ﴾ (الحجرات:۱۱) میں وضاحت

---

[1] یہ کلمات اس امر کی طرف اشارہ ہیں کہ آیت ﴿ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴾ ہو سکتا ہے کہ ﴿ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ ﴾ میں لفظ علیہم سے متعلق ہو اور ﴿ لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ﴾ میں جن لوگوں کو روندنے والی جہنم میں ڈالنے کی وعید بیان فرمائی گئی ان کے واسطے ﴿ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴾ ظرف ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ﴿ اِنَّهَا ﴾ یعنی نارِ جہنم کی صفت ہو کہ وہ آگ ایسے ستونوں کی شکل میں ہوگی اور اس کے بلند شعلے ایسے نظر آتے ہوں گے۔جیسے کہ بلند کیے ہوئے اور پھیلائے ہوئے ستون ہوں۔۱۲

سے تفسیر گذر چکی۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ طعن و تشنیع اور لعنت ملامت کرنے والا ہو۔

ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہلاکت و بربادی ہے اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنساتا ہے جھوٹی بات کہہ کر۔ ہلاکت ہے ہلاکت ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا اپنی زبان قابو میں رکھو یعنی ہر بُری بات سے زبان کو روکو۔ اور گھر میں بیٹھو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد)

ایک روایت میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم جانتے بھی ہو کہ غیبت کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا کسی شخص کا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنا جو اس کو بُری معلوم ہو۔ کسی نے اس پر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اگر وہ بات اس میں ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اسی کا نام غیبت ہے اور اگر ایسی بات یا عیب لگاؤ جو اس میں نہیں تو پھر یہ تو بہتان ہے۔ (صحیح مسلم)

بالعموم ایسے خبیث اُمور یا عادات کا سبب کبر و تعلّی ہوتا ہے اس بنا پر وہ دوسروں کی عیب گوئی اور طعن میں لگ کر اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور طبعاً انسان کے غرور و نخوت اور دوسروں کی تحقیر کے یہ اسباب ہوتے ہیں۔ حسن و جمال، شرافت، نسب و حسب، علم و ہنر اور مال و دولت جس کا نشہ انسان کو اندھا بنا دیتا ہے تو اس وجہ سے ان اُمورِ خبیثہ کے ساتھ اس شخص کا یہ وصف بھی بیان کر دیا گیا۔ ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ﴾۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ الفیل

تمام مفسرین کے نزدیک سورۃ الفیل مکی سورت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے ائمہ مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس سورت میں ایک عظیم تاریخی واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جو باجماع امت حق تعالیٰ شانہٗ کی قدرت کاملہ اور بالغہ کا ایک واضح نمونہ تھا۔ اور اللہ رب العزت نے اس واقعہ کو اپنے پیغمبر ﷺ کے مقامِ نبوت کے لیے ایک دلیل اور بشارت کے طور پر ظاہر کیا۔ جس کو اصطلاح شریعت میں اِرہاص کہا جاتا ہے۔ جس سال حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہونی تھی اور ابھی ایک ماہ پچیس روز باقی تھے کہ واقعہ پیش آیا کہ ابرہہ اشرم نے بیت اللہ پر ہاتھیوں کے لشکر سے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اللہ نے اپنی قدرت سے پرندوں جیسی ضعیف مخلوق کی چونچوں اور پنجوں کی کنکریوں سے اس عظیم لشکر کو ہلاک اور پارہ پارہ فرما دیا یہ آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے لیے قدرتِ خداوندی نے بطور دلیل و نمونہ پیش کیا جس کو ارہاص کہا جاتا ہے۔

بیت اللہ چونکہ مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا تو اس پر کسی طاغوتی حملہ کو قدرتِ الٰہی نے گوارا نہ کیا اور اس قصہ سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ خدا کے دین اور مرکزِ ہدایت کو دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ وہ خود ہی پارہ پارہ کر دی جائے گی۔

آیاتُها ۵ (۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ (۱۹) رُکُوعَاتُها ۱

سورۂ فیل مکی ہے اس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ

نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے، ہاتھی والوں سے؟ نہ کر دیا ان کا داؤ

فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ

غلط؟ اور بھیجے ان پر اڑتے جانور تنگ تنگ۔ پھینکتے ان پر پتھریاں

مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

کھنگر کی؟ پھر کر ڈالا اُن کو جیسے بُھس کھایا ہوا۔

نزولِ غضبِ خداوندی بر ہتکِ حرماتِ الٰہیہ وتحقیرِ مرکزِ ہدایت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ﴿۱﴾ ... الی ... كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾﴾

ربط: ماقبل سورۃ الہمزہ میں انسان کے اخلاقِ رذیلہ کی مذمت اور اس پر خدا کی طرف سے نازل ہونے والے قہر وعذاب کا ذکر تھا جو آخرت میں ایسی ذلیل حرکتوں پر مرتب ہوگا۔ اب اس سورت میں یہ بتایا جا رہا ہے۔ خدا کی نافرمانی اور اس کے دین کی دشمنی اور مقابلہ دُنیا میں بھی تباہی اور ہلاکت کا موجب ہے۔ جیسے کہ ابرہہ اشرم کے لشکر نے اللہ کے گھر پر ناپاک جسارت کی تو کس طرح آسمانی عذاب نے اس کو ہلاک کر ڈالا تو ایسے تاریخی عظیم واقعات سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ خدا کی قدرت سے جب نافرمانوں اور مجرموں پر ایسے عذاب اور قہر دُنیا میں واقع ہوتے ہیں تو بلاشبہ یقین کرنا چاہیے کہ کوئی مجرم خدا کے عذاب سے آخرت میں بھی ہرگز نہیں بچ سکے گا۔ اور جب اللہ کے گھر کی دشمنی پر خدا کا یہ قہر وغضب نازل ہوتا ہے تو جو شخص یا قوم اللہ کے پیغمبر اور اس کے دین کو دُنیا پھیلانے والے کی دشمنی اور مقابلہ کرے گی وہ کیونکر عذابِ خداوندی سے بچ سکتی ہے۔ تو اس طرح حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل ہی آپ ﷺ کے غلبہ اور طاغوتی طاقتوں کی شکست کی خبر دی گئی۔ ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

کیا نہیں ✽ دیکھا تو نے اے مخاطب کہ کیسا معاملہ کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ؟ جو ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لے کر بیت اللہ پر حملہ کے لیے آرہے تھے کہ وہ اپنی اس تدبیر سے (العیاذ باللہ) بیت اللہ کو منہدم کر دیں گے۔ تو کیا نہیں کر دیا۔ تیرے رب نے ان کی تدبیر کو۔ ان ہی کی ہلاکت و بربادی کی ✽ صورت میں؟ ضرور کر دیا اور ان کا داؤ ان ہی پر الٹا واقع ہوا اور غلط ہو کر ان کی تباہی کا باعث بنا اور ان کے دل میں جو کچھ تھا وہ پورا ہونے کی بجائے حسرتیں لے کر وہ جہنم میں چلے گئے اور بھیج دیئے ان پر پرندے ✽ غول کے غول جو اڑتے ہوئے ان پر برسا رہے تھے۔ سنگریزے ✽ پکی ہوئی مٹی کے جو ان پر گولیوں کی طرح برس رہے تھے۔ پھر بنا دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح چورا چورا۔ جیسے گائے بیل چارہ کھانے کے بعد آخور چھوڑ دیتے ہیں۔ یعنی ایسا پراگندہ اور منتشر حقیر و ذلیل کہ دیکھنے میں بھی قابل نفرت معلوم ہو۔

تو اس طرح اللہ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ہاتھیوں جیسے طاقتور لشکر کو کمزور اور ہلکے جثے والے پرندوں سے اور ان کی چونچ اور پنجوں میں لیے ہوئے سنگریزوں سے ہلاک کر ڈالا۔

قصہ اصحاب فیل

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت سے پچاس پچپن روز پہلے کا پیش آنے والا عظیم تاریخی واقعہ ہے جو ایک طرف قدرت خداوندی کا نمونہ ہے تو دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی عظمت و رسالت کی بھی پیش آنے والی نشانی یا بشارت ہے جس کو شریعت

✽ یہ استفہام تقریری ہے کہ ہاں ضرور دیکھا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ضرور دیکھا ہے کیونکہ یہ قصہ اس قدر مشہور و معروف ہوا کہ گویا ہر ایک اس کو دیکھنے والا ہے اور اس بناء پر اس طرح سوال کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲

✽ ان کلمات سے لفظ کید کے مفہوم کی وضاحت مقصود ہے نیز یہ کہ تضلیل یہاں بمعنی اضاعت و اہلاک ہے جو کسی تدبیر کے غلط ہونے کا انجام ہوتا ہے اسی وجہ سے اکثر حضرات اکابر نے ترجمہ میں غلط کا لفظ استعمال فرمایا۔

✽ ﴿طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾ لفظ ابابیل متفرق جماعتوں اور ٹولیوں کو کہا جاتا ہے۔ امام لغت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ابابیل متفرق ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ محاورات میں بولا جاتا ہے جاءت الخیل ابابیل من ھُهُنَا وھُهُنَا۔ یعنی گھوڑوں کے لشکر متعدد دستوں کی صورت میں پے در پے اس طرف سے اُس طرف سے آئے۔

بعض ائمہ لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ جمع ہے لیکن اس لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔ اُخفش و فراء رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں اور بیان کیا کہ یہ لفظ شماطیط اور عبادید کی طرح ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں دوسرے بعض ائمہ فرماتے ہیں اس کا واحد ہے۔ چنانچہ ابوجعفر رواسی کہتے ہیں کہ اس کا واحد ابالہ ہے اور یہ لفظ اس محاورہ میں بولا جاتا ہے "اِنَّهٗ ضِغثٌ علٰی اِبَالَة" سوکھے ہوئے گھانس کی گڈی کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ابول کی جمع ہے جیسے عجول کی جمع عجاجیل آتی ہے اور کوئی کہتا ہے یہ ایبالہ کی جمع ہے جیسے دینار کی جمع دنانیر ہے تو ایبالہ جمع ابابیل ہوگی۔ فراء رحمہ اللہ نے بیان کیا ابابیل کو ایبالہ کی جمع کہنا زیادہ بہتر ہے۔ ۱۲ (من تفسیر الکبیر للرازی رحمہ اللہ)

✽ لفظ سجیل پکی ہوئی مٹی اور گارے کے ٹکڑے۔ اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ معرب ہے۔ سنگ گل سے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سجیل ہر مضبوط اور شدید چیز کا نام ہے۔ بعض نے کہا کہ سجیل میں لام ن سے بدلا ہوا ہے اور معنی سجین ہے جو جہنم کا بدترین نیچے کا طبقہ ہے اور زجاج سے منقول ہے کہ سجل کے معنی کتابت کے ہیں جیسے كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ میں تو یہ سنگریزے وہ تھے جن پر عذاب کا فیصلہ لکھا ہوا تھا۔ واللہ اعلم ۱۲۔

کی اصطلاح میں ارہاص کہا جاتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کی آمد اور ظہور قدسی کا ایک غیبی اشارہ اور اعلان تھا اور اس نسبت کے باعث کہ آپ ﷺ کا ظہور قدسی قریش میں ہو رہا تھا اور اس نسبت کے باعث کہ آپ ﷺ کا ظہور قدسی قریش میں ہو رہا تھا اس قصہ سے منجانب اللہ قریش کی بھی غیبی مدد ونصرت تھی کیونکہ یہ نبی آخر الزمان ﷺ کا قبیلہ وخاندان ہے اور اللہ کے قبلہ کا متولی اور محافظ ہے۔

علامہ زرقانی اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے البدایہ اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات اور مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ملک یمن میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قوم حمیر کا آخری بادشاہ یہودی ہو گیا اور بہت سے لوگوں کو بھی زبردستی یہودی بنالیا اور تعصب کی وجہ سے نجران کے عیسائیوں کو (جو اس وقت صحیح عیسوی مذہب کے متبع تھے) ظلم وستم کا نشانہ بنایا حتیٰ کہ خندقیں کھدوا کر ان میں آگ بھروائی اور جس نے اس کا مذہب قبول نہ کیا اس کو اس دہکتی ہوئی آگ میں جھونکنا شروع کر دیا اور یہی وہ مظالم تھے جن کا ذکر سورۂ ﴿وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ﴾ میں گذر چکا۔ اس ظالم بادشاہ نے انجیل بھی جلادی تو کچھ لوگ جلی ہوئی انجیل کا نسخہ لے کر شاہ روم قیصر کے پاس پہنچے اور اس سے مدد طلب کی۔ شاہ قیصر نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو جو اس کا تابع تھا۔ ان لوگوں کی مدد کے لیے لکھا۔ نجاشی نے ابرہہ کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا تاکہ ذوانواس کی سلطنت کو تباہ کر دیا جائے۔ اس نے یمن کی یہ سلطنت جو ذونواس کی تھی۔ اس کو توختم کر دیا اور خود اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یمن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ شخص نہایت ہی عیاش اور شہوت پرست تھا اس نے جب یہ دیکھا کہ عرب کے لوگ کعبہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہاں تمام اطراف واکناف کے لوگ زیارت وعبادت کی نیت سے جاتے ہیں تو اس نے بیت اللہ کی عظمت وبرتری ختم کرنے کے لیے شہر (صنعاء) یمن میں ایک کنیسہ (گرجا) تعمیر کرایا۔ جس میں ہر طرح کی تعمیری زیبائش اور آرائش رکھی تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر فریفتہ ہو جائیں اور بیت اللہ کو چھوڑ دیں اور حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے وقت سے جو حج بیت اللہ کا دستور عرب میں چلا آرہا تھا۔ اس کے بجائے صنعاء کے کعبہ کا حج یا میلہ ہونے لگے۔ اور حکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص مکہ نہ جائے اسی کعبہ کا حج کیا کرے۔ ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی مقبولیت اس مصنوعی کعبہ میں کہاں سے آسکتی تھی اس کا کوئی اثر نہ پڑا۔ اور بدستور اہل عرب ویمن مکہ مکرمہ ہی جاتے رہے۔ اہل مکہ کو ظاہر ہے کہ اس پر غیظ وغضب اور ناگواری ہونی ہی چاہیے تھی تو اس جذبہ سے کسی جاروب کش نے جو عرب یا مکہ کا تھا۔ اس کنیسہ میں پاخانہ کر کے اس کو جگہ جگہ سے آلودہ کر دیا۔ پھر چند روز بعد اس میں آگ لگ گئی یا بقول بعض مؤرخین بیت اللہ کی محبت میں معمور کسی شخص نے رات کے وقت آگ لگادی۔ جب حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے تو ابرہہ بادشاہ نے غصہ میں آکر ایک لشکر جرار تیار کیا۔ جو بڑے طاقتور ہاتھیوں پر بھی مشتمل تھا۔ اور یہ ہاتھیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ کعبۃ اللہ کو ڈھادیا جائے اور راستہ میں جو قبیلہ بھی عرب کے قبائل میں سے مزاحمت کرتا اس کو تہ تیغ کرتا ہوا مکہ کی طرف اپنے لشکر کو رواں دواں رکھا۔ یہاں تک کہ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب بعض روایات میں ہے نو دس میل کی مسافت پر تھا تو اطراف مکہ میں جو مویشی بھی جنگلوں میں چرتے نظر آئے ابرہہ کا لشکر ان کو بھی پکڑنے لگا۔ اسی میں عبدالمطلب جو حضور ﷺ کے جد (دادا) تھے ان کے بھی دوسو اونٹ پکڑ لیے۔ اس وقت عبدالمطلب ہی قریش کے سردار اور بیت اللہ کے متولی تھے۔ جب ان کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے قریش کے لوگوں کو جمع کر کے کہا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کعبہ اللہ کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔ اور تم لوگ مکہ خالی کر کے میدانوں میں نکل جاؤ۔ اس کے بعد عبدالمطلب چند رؤساء قریش کو اپنے ہمراہ لے کر ابرہہ سے ملاقات کے لیے گئے اطلاع کرائی۔ ابرہہ نے بڑی ہی عزت کے ساتھ استقبال کیا۔ عبدالمطلب حسن وجمال کا پیکر تھے وقار وعظمت اور ہیبت

ان پر برستی تھی۔ اور اللہ نے ان کو ایسی وجاہت اور دبدبہ عطا کیا تھا کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی مرعوب ہو جاتا تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صلب سے وہ نبی ذی شان وذی وقار پیدا کرنے والا تھا جس کو اللہ رب العزت نے یہ وصف عطا فرمایا تھا کہ ”أعطیت الرعب بمسیرۃ شھر“ کہ مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب عطا کیا گیا ہے کہ میں دشمن سے اس قدر فاصلہ پر ہوں گا تو اس بعد کے باوجود اس کے دل پر رعب طاری ہوگا اور وہ ہیبت زدہ ہو جائے۔ تو ابرہہ اس قدر مرعوب ہوا کہ عبدالمطلب کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھانا تو گوارا نہ کیا البتہ خود تخت سے نیچے اُتر کر فرش پر بیٹھا اور ان کو اپنے ساتھ برابر میں بٹھایا۔ دورانِ گفتگو عبدالمطلب نے اپنے اُونٹوں کا ذکر کیا کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ ابرہہ نے تعجب کے ساتھ کہا کہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ تم نے اپنے اونٹوں کو تو چھوڑ دینے کا ذکر کیا اور خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا کعبہ اور دین ومذہب ہے اس کے بارہ میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا حالانکہ یہ مسئلہ بڑا اہم تھا اور تم کو اسی کی فکر چاہیے تھی عبدالمطلب نے جواب دیا أنا ربُّ الابلِ وَللبیت رب سَیَمْنَعُہٗ کہ اونٹوں کا میں مالک ہوں۔ (لہٰذا میں جس کا مالک ہوں میں نے اس کی فکر کی اور اس کا ذکر کیا) اور کعبہ تو اللہ کا گھر ہے اللہ ہی اس کا رب ہے تو وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دینے کا حکم دیا۔ یہ تمام اُونٹوں کو لے آئے اور خانہ کعبہ کی نذر کر دیئے۔ اور بیت اللہ کے دروازے پر آکر گڑ گڑا کر دعا مانگنے لگے کہ اے اللہ یہ تو تیرا گھر ہے تُو ہی اس کی حفاظت فرما یہ دشمن ہاتھیوں کا لشکر عظیم لے کر آئے ہیں اور تیرے حرم کو برباد کرنے کا قصد لے کر آئے ہیں اور اپنی جہالت سے انہوں نے تیری عظمت وجلال کو نہیں سمجھا عبدالمطلب دُعا سے فارغ ہوئے ہی تھے۔ اور اِدھر ابرہہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکایک پرندوں کے غول کے غول نظر آئے۔ ہر ایک پرندہ کی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں تھیں جو دفعتاً لشکر پر برسنی شروع ہو گئیں۔ قدرت کی طرف سے پھینکی جانے والی یہ کنکریاں ✽ گولیوں سے بھی شدید کام کر رہی تھیں۔ ہر ایک کے سر پر گرتی اور نیچے سے نکال جاتی اور جس پر وہ کنکری گرتی وہ ختم ہو جاتا۔ اس طرح تمام لشکر تباہ ہو گیا خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اور روایات میں ہے کہ ابرہہ کے بدن پر چیچک جیسے آبلے نمودار ہو گئے اور اس کا تمام بدن اس سے سڑ گیا اور جسم کے تمام حصوں سے خون اور پیپ بہنے لگا۔ بالآخر ایک ایک حصہ کٹ کٹ کر گرتا گیا یہاں تک کہ سینہ پھٹ گیا اور اسی میں مر گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوا کہ یہ جگہ جہاں ابرہہ کا لشکر ہلاک کیا گیا وادی مُحَسّر تھی جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ یا بقول ابنِ عباس رضی اللہ عنہ وادی صفاح تھی یہ کنکریاں عالم غیب کی تھیں جو غضب الٰہی برسانے کے لیے اصحابِ فیل پر برسائی گئیں۔ ان کنکریوں کا ہر ایک کے پار نکل جانا قدرتِ الٰہی پر ایمان رکھنے والے کے لیے ذرّہ برابر بھی قابلِ تردد چیز نہیں۔ لیکن ایک طبقہ جو یورپ کی تعلیمات اور فلسفہ سے مرعوب ہے وہ قدیم زمانہ سے اسی روش کو اختیار کیے ہوئے ہے کہ اس قسم کے واقعات جو خداوند عالم کی قدرتِ عظیمہ کے دلائل ہوتے ہیں اور خوارق عادات (جو اللہ کے پیغمبروں کے لیے شہادت ونشانیاں ہوتے ہیں) کی تاویل کرتا ہے اور یہ لوگ ایسے دلائل ومعجزات کو (حالانکہ معجزہ نام ہی اس امر کا ہے جو اسباب عادیہ اور طاقت بشریہ سے بالا وبرتر ہو) اسباب عادیہ اور واقعات طبیعیہ کے دائرہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایسی رکیک اور بعید از قیاس اور ایسی مضحکہ خیز تاویلات کرتے ہیں کہ صاحب فہم

✽ اسی طرح کی تاثیر اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی کنکریوں میں پیدا فرما دی تھی۔ جبکہ آپ نے اپنی ایک مٹھی میں لے کر کفار کے لشکر پر پھینکی اور اس کو حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی﴾۔ ۱۲

انسان اِن کوسُن کر حیرت میں پڑ جائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے سلسلہ میں ان کے عصا مارنے پر پتھر سے بارہ چشموں کا جہاں ذکر آیا ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ... فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ (البقرہ:۶۰) تو احادیث مرفوعہ رسولِ خدا کی واضح تفسیر اور اُمت کے کل ائمہ مفسرین کی تحقیق کے برعکس یہ تاویل بڑی ہی ڈھٹائی سے اور بڑے ہی تکلفات کے ساتھ کرڈالی کہ یہ بارہ چشموں کا نکلنا اس طرح نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا اور پتھر سے چشمے جاری ہوگئے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی پہاڑ پر چڑھے اور چلتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کو ایک جگہ بارہ چشمے جاری بہتے ہوئے نظر آئے۔ ظاہر ہے کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف [1] ہے تو اسی طرح بعض اہلِ قلم حضرات نے یہاں بھی صرف اسی بناء پر کہ ان کی عقلوں میں یہ بات آنی مشکل تھی کہ پرندوں کے پنجوں اور چونچ کی کنکریاں ایک لشکرِ جرار اور ہاتھیوں کو ہلاک کرڈالیں تو یہاں بھی تاویل کرڈالی کہ پرندوں کا کنکریاں پھینکنا مراد نہیں بلکہ ہمیں تاریخی نقول اور واقعات کی تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ ابرہہ کے لشکر پر پتھر برسانے لگے اور اسی سے یہ لشکر ہلاک ہوا اور یہی مطلب ہے اس آیت ﴿تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ کا ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ یہ تاویل ایسی کھلی تحریف ہے کہ اس کی نہ لغت اجازت دیتا ہے نہ قرآنِ کریم کا خود مضمون اور نہ ہی کوئی صاحب فہم انسان اس مضمون کو اس اندازِ تعبیر کے مطابق قرار دے سکتا ہے جس کو قرآن نے بڑے ہی عظمت و ہیبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے یعنی اور ان کے داؤ کو باطل کرنے کے لیے ﴿اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا﴾ کی وضاحت فرمائی اور لفظ ﴿تَرْمِيْهِمْ﴾ کی ضمیر طیر یعنی پرندوں کی طرف راجع ہے۔ قریش کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ ان کے پتھر برسانے کا مضمون ہوتا تو قرآن کی آیت یوں ہوتی۔ فصعد قریش علی الجبال و رموھم بالحجارۃ حالانکہ ہر طالب علم بھی جانتا ہے کہ ﴿كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ﴾ کے بعد ﴿وَ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾ کا بس یہی مفہوم ہے کہ خدا نے اپنی قدرت سے ان بھیجے ہوئے پرندوں سے اس لشکر کا کام تمام کردیا۔ پھر جب کہ احادیث سے بھی واضح تفسیر یہی ثابت ہوچکی تو آخر کیا ضرورت پیش آئی کہ اس طرح کی بعید از قیاس و فہم تاویل کی جائے۔ چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ بروایت عکرمہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿طَيْرًا اَبَابِيْلَ﴾ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔

"کہ یہ پرندوں کی ٹولیاں تھیں جو سمندر کی سطح سے نمودار ہوئے۔ ان کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان کی چونچیں پرندوں جیسی تھیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ پرندے سبز رنگ کے تھے اور ان کی منقار (چونچ) زرد رنگ کی تھی تو پرندوں کے یہ غول تمام لشکر پر چھاگئے اور کنکریاں برسانے لگے۔"

اعمش رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابوسفیان، عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ مائل رنگ کے بحری پرندے تھے۔ اسی طرح دوسرے حضرات ائمہ تابعین نے متعدد سندوں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور عطاء رحمۃ اللہ علیہما سے یہی نقل کیا ہے۔ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے یہ منقول ہے۔ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب اصحاب فیل کے ہلاک کرڈالنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندے سمندر سے اٹھے۔ اور ان کے سروں پر صفوں کی طرح چھاگئے۔ اور ہر ایک نے اپنی چونچ اور پنجوں میں لی ہوئی کنکریاں ان پر برسانی شروع کردی جس کسی پر وہ کنکریاں گرتیں بدن شق کرتی ہوئی بدن میں سے باہر نکل آتیں۔ حسن بصری، ضحاک، قتادہ اور ابومسلم بن عبدالرحمٰن رحمہم اللہ علیہم سے بھی اسی طرح تفصیل منقول ہے۔

---

[1] حضرات قارئین اس موضوع کی تفصیل کے لیے ناچیز کی کتاب "منازل العرفان فی علوم القرآن" بحث تحریفات قرآنیہ کی مراجعت فرمائیں۔ ۱۲

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کو نقل کرتے ہوئے فرمایا اور یہ تمام سندیں محدثین کے نزدیک معتبر اور صحیح ہیں۔ اسی طرح تفسیر درمنثور میں سعید بن منصور اور ابن ابی شیبہ اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور ابونعیم اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے دلائل میں عبید بن عمیر اللیثی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ:

((قال لما اراد الله ان يهلك اصحاب الفيل بعث الله عليهم طيرًا انشأت من البحر كانها الخطاطيف بكف كل طير منها ثلاثة احجار مجزعة فى منقاره حجر وحجران فى رجليه ثم جاء ت حتىٰ صفت علىٰ رؤسهم ثم صاحت والقت مافى ارجلها ومناقيرها. فما من حجر وقع منها علىٰ رجل الّا خرج من الجانب الآخر ان وقع علىٰ راسه خرج من دبروان وقع علىٰ شیٔ من بدنه خرج من الجانب الأخر وبعث الله ريحًا شديدا فزادها شدة فاهلكوا جميعًا)). (درمنثور)

”جب اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر پرندوں کو بھیجا جو دریا سے اٹھی تھیں گویا کہ وہ خطاطیف ہیں۔ ہر چڑیا تین تین پتھروں کے ٹکڑے لیے ہوئے تھی۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ یہ چڑیاں دریا کی طرف سے آکر اصحاب فیل کے سروں پر منڈلائیں پھر چیخیں اور ڈالا انہوں نے اصحاب فیل پر ان سنگریزوں کو جو کہ ان کے پاؤں اور چونچوں میں تھے پس نہیں تھا کوئی سنگریزہ جو کہ اصحاب پر گرا مگر نکل گیا دوسری طرف سے اور اگر بدن کے کسی اور حصہ پر گرا تو دوسری جانب سے نکل گیا اور بھیجا اللہ تعالیٰ نے ہوا کے طوفان کو۔ پس مارا چڑیوں نے اپنے پاؤں سے اصحابِ فیل کو جس کی وجہ سے ان کی تکلیف میں اضافہ ہوگیا اور سب کے سب ہلاک ہوگئے۔“

علیٰ ہذا القیاس ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متعدد اسانید سے یہ روایات بیان کی ہیں۔ ان تمام تصریحات کے ہوتے ہوئے بلاشبہ یہ امر مضحکہ خیز اور گویا قدرتِ خداوندی کا انکار ہے کہ پرندوں کی کنکریاں برسانے کا انکار کرکے قریش کے لوگوں کی طرف سے پہاڑوں پر چڑھ کر اصحاب فیل کا مقابلہ کرنا اور ان کو شکست دینا بیان کیا جائے۔ اور اصحاب فیل کی ہلاکت کو ایک اتفاقی بیماری اور چیچک کے نکل جانے پر محمول کیا جائے۔ اگر کسی تفسیر میں لفظ چیچک آیا بھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بیماری ان کے جسموں پر اتفاقاً پیش آگئی بلکہ وہ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کنکروں کے سمی اور زہریلے اثرات ان کے بدن پر اس طرح رونما ہوئے کہ بدن پر آبلے اُبھر آئے جیسے کہ چیچک کے دانے ہوں۔ بہرکیف قدرتِ خداوندی پر ایمان رکھنے والا شخص ان واضح تفسیرات کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی اس واقعہ کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں کرسکتا پھر جب کہ دُنیا میں پیش آنے والے ایسے عجیب واقعات اور قدرت کے کرشمے بارہا نظروں کے سامنے آتے ہیں اور مؤرخین عالم میں پیش آنے والے ان واقعات کو نقل بھی کرتے ہیں۔ کسی جگہ بیان کیا گیا کہ آتشیں گولہ پڑا۔ جس کی آواز سے لوگ ہیبت زدہ ہوگئے اور زمین میں وہ دھنس گیا کہیں سُرخ آندھیوں سے تباہی پھیل گئی کہیں آسمان سے اولے برسنے لگے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قریش مکہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور تردید کے لیے معمولی سے معمولی بات کی فکر میں رہتے تھے تو آخر انہوں نے کیوں نہ کہہ دیا کہ قرآن کا یہ اعلان غلط ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا نے اس لشکر کو ہلاک کیا اور اس طرح یہ واقعہ اس کی قدرت کی دلیل اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اطلاع ہے بلکہ یہ تو ہمارا کام تھا کہ ہم نے پہاڑوں پر سے ان پر پتھر برسائے اور اس طرح ابرہہ کے لشکر کو شکست دی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ عذابِ خداوندی کے واقعات اور قدرت کی ایسی نشانیوں میں مثلاً ہوائیں، زلزلے، طوفان، پتھروں کی بارش وغیرہ وغیرہ میں ملحدین تاویلات کر کے قدرتِ خداوندی اور ایسے مظاہر غضب کا انکار کرتے ہیں اور نہایت ہی رکیک اور ضعیف یا بعید از قیاس تاویلات کر لیتے ہیں لیکن اس واقعہ میں اس طرح کے اعذار اور تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں نہ اس واقعہ کو کسی اتفاق پر محمول کر سکتے ہیں اور نہ اس کو کسی طبیعت او مادہ کے اقتضاء پر محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایسی بات کہ پرندوں کے غول اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لے کر آئیں اور لشکر پر برسانے لگیں اور ایک مخصوص قوم اور لشکر ہی پر یہ کنکریاں برسیں نہ کہ کسی اور پر ہرگز یہ بات نہ اتفاق پر محمول ہوسکتی ہے اور نہ اس کو امر طبعی پر محمول کیا جاسکتا ہے جیسے کہ کسی آندھی چلنے کی تاویل کر لی جائے یا طوفان کی تاویل کر لی جائے۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے لشکر کا بحرِ قلزم سے عصا مارنے پر بارہ راستے ہو کر صحیح سالم نکل جانے اور اس کے بعد فرعون کے لشکر کے غرق ہو جانے کو دریاؤں کے مدوجزر پر محمول کر لیا جائے۔ غرض یہاں اس قسم کی کسی بھی بات کا امکان نہیں ہے۔

اور پھر یہ بھی بات قابل غور ہے کہ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس روز قبل ہی تو پیش آیا اور جب یہ سورت نازل ہوئی اور اہلِ مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھ کر سنائی تو یقیناً اس وقت تک مکہ میں بہت سے لوگ وہ موجود تھے جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ تو اگر یہ اعلان خلاف حقیقت ہوتا یا اس کی مراد یہ نہ ہوتی تو وہ کفار قریش برملا اس سورت کی تردید کر دیتے نہ کسی متنفس نے تردید کی نہ طعن کیا اور نہ کوئی تاویل کی اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ نہیں پرندے نہیں بلکہ ہم نے پتھر برسائے۔

فائدہ: کفار قریش اگرچہ مشرک تھے اور بیت اللہ میں سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے تو یہ شرک بے شک بدترین فعل تھا۔ اور اصولی طور پر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے گھر کی دیواروں کو منہدم کرنے سے بھی یہ عمل شنیع اور برا تھا۔ لیکن اس پر طویل مدت گزرنے پر بھی عذاب نازل نہیں ہوا اور ابرہہ کے لشکر نے بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر یہ عذاب نازل ہو گیا اس پر ممکن ہے کہ تعجب ہو لیکن اصل بات یہ ہے کہ مشرکین کا جرم اللہ رب العزت کے حق پر تعدی اور نافرمانی تھی اور ابرہہ کے لشکر کا یہ اقدام دینِ خداوندی اور بیت اللہ کی توہین تھی۔ اس وجہ سے خدا کو یہ بات برداشت نہ ہوئی یعنی اللہ نافرمانی برداشت کر لیتا ہے لیکن اپنے دین کی توہین نہیں برداشت کرتا۔

اصحاب الفیل کی تعبیر بجائے ارباب الفیل یا مُلاکِ الفیل کے ایک عجیب لطافت رکھتی ہے۔ گویا اشارۃً یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ قوم اپنی بہیمیت اور عقل و فہم سے محروم ہونے میں فیل کی جنس سے ہی تھے اس بناء پر یہ درست ہے کہ ان کو اصحاب الفیل یعنی ہاتھیوں کے ساتھی اور رفقاء کہہ دیا جائے۔

تمّ بحمد اللہ تفسیر سورۃ الفیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ القریش

سورۂ قریش مکی سورت ہے جس کی چار آیات ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ بعض حضرات سے یہ ضعیف روایت بھی نقل کی گئی کہ انہوں نے اس کا مدنیہ کہا۔

اس سورت کا مضمون قریش پر قدرتِ خداوندی کی طرف سے خاص انعامات کا ذکر ہے کہ ان پر اللہ کی کیسی عنایت تھی کہ تجارتی وسائل اور ذرائع آمد ورفت آسان کر دیئے تھے۔ اس طرح کے مادی انعامات اور ظاہری عنایات کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے ربِ منعم کی عبادت کرتے۔ پھر جبکہ ان کے رب کا گھر بھی خود مکہ میں ہے تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایمان نہ لائیں اور کعبۃ اللہ کی عبادت نہ کریں۔ تو اس سورت میں خاص طور پر ان مضامین کو بیان کیا گیا۔

آیاتھا ۴	(۱۰۶) سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ (۲۹)	رکوعاتھا ۱

سورۂ قریش مکی ہے۔ اس کی چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ

اس واسطے کہ ہلا رکھا قریش کو۔ ہلا رکھنا ان کو کوچ سے جاڑے کے اور گرمی کے۔ تو چاہیے بندگی کریں

هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۵ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾ ع

اس کے گھر کے رب کی۔ جس نے ان کو کھانا دیا بھوک میں، اور امن دیا ڈر میں۔

انعاماتِ خداوندی بر قریش بصورت عطاء وامن وتسہیل وسائل سفر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ﴿۱﴾ ... الٰی ... وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾﴾

ربط: گزشتہ سورت میں اہلِ مکہ پر خداوندِ عالم کے اس خاص انعام وکرم کا ذکر تھا کہ مکہ والوں کو اور بیت اللہ کو ابرہہ کے حملہ سے محفوظ

رکھا۔ اور اہل مکہ کی یہ حفاظت تکوینی طور پر صرف اس بناء پر تھی کہ نبی آخر الزمان ﷺ کا ظہور قدسی ہونے والا تھا۔ اب اس سورت میں اہل مکہ اور قریش پر مزید یہ انعام بیان کیا جا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے سفر کی سہولتیں عطا فرمائی تھیں۔ اور موسمی اختلافات کے لحاظ سے گرمیوں اور سردیوں میں ان کے دو سفر ہوتے تھے کیونکہ مکہ تو وادی غیر ذی زرع تھا وہاں نہ کوئی پیداوار تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تو وہاں کے لوگ تجارتی سفر کے محتاج تھے یمن گرم ملک تھا تو سردیوں میں اس طرف کا سفر کرتے اور شام سرد ملک ہے تو موسم گرما میں شام کا سفر کرتے ان دونوں جگہوں کے باشندے قریش مکہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور ہر قسم کی خدمت کرتے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے اور اس خیال سے کہ یہ لوگ اہلِ حرم اور بیت اللہ کے نگران ہیں حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا مگر قریش بڑے ہی سکون وچین سے اپنی زندگی گذراتے۔ اور جب تجارتی سفر کرتے خواہ یمن کی جانب۔ خواہ شام کی جانب تو ہر طرح محفوظ رہتے اور اعزاز واکرام کیا جاتا۔ ان انعامات کو ذکر کرنے کی غرض یہی ہے کہ جس کعبہ اور رسولِ خدا کی برکت سے قریش پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ ان کو چاہیے کہ اس رسول پر ایمان لائیں۔ اور اس رب کی عبادت کریں جس نے ان تمام انعامات سے نوازا ہے۔ تو ارشاد فرمایا:

قریش کے مالوف ومانوس کرنے کے لیے سردی کا سفر اور گرمی کا سفر ہم [1] نے مقدر کر دیا تھا۔ اور ہر دو موسم میں اسباب سفر ان کے واسطے مہیا کر دیئے تھے۔ تاکہ انہیں اس گھر (بیت اللہ) کے رب کی الفت ورغبت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ انعام سے منعم کی محبت پیدا ہونا طبعی تقاضا ہے۔ اس لیے ان کو چاہیے کہ بندگی کریں اس گھر کے رب کی جس نے ان کو کھانا دیا بھوک کی حالت میں اور امن دیا ان کو خوف کی حالت میں جب کہ حرم کے اطراف میں لوٹ وغارتگری عام تھی مگر اہل حرم کو یہ چور ڈاکو کچھ نہ کہتے اور اس سرزمین میں جہاں کچھ بھی پیدا نہ ہوتا ہو تو بے شمار رزق پھل اور طرح طرح کی نعمتیں! یہ کس قدر عظیم انعام ہے جو صرف اس مبارک گھر اور کعبہ کی بدولت ہے تو جس گھر کے طفیل روزی ملتی ہو۔ امن وسکون حاصل ہو۔ اصحاب فیل کی زد سے محفوظ رہے ہوں تو پھر اس گھر والے کی بندگی کیوں نہیں کرتے اور کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کے رسول ﷺ کو ستاتے ہو اور اس سے دشمنی کرتے ہو۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کی سند سے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات چیزوں کے ساتھ تمام قبائل پر فضیلت دی ہے۔ ① یہ کہ میں ان میں سے ہوں ② اور یہ کہ نبوت اللہ نے ان میں رکھی ③ اور بیت اللہ کی تولیت ونگرانی ان میں ہے ④ اور یہ کہ ان ہی میں زمزم کی سقایت کا منصب ہے ⑤ اور یہ کہ اللہ نے اُن کی مدد کی ہاتھیوں کے لشکر کے مقابلہ میں ⑥ اور یہ کہ انہوں نے اس وقت اللہ کی عبادت کی جبکہ ان کے علاوہ اور کوئی اللہ کی عبادت کرنے والا نہ تھا ⑦ اور یہ کہ اللہ نے ان کے متعلق قرآن کریم میں ایک سورت نازل فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ﴿بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ﴾ پڑھ کر یہ سورۂ ﴿لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ﴾ [2] تلاوت فرمائی۔

---

[1] ہر دو موسم کے یہ سفر آسان کر دینا بلاشبہ بڑا ہی عظیم انعام تھا اور اسلام سے قبل ہی قریش کے لیے باہر ملکوں کے سفر کو اسلام کی اشاعت اور فتوحات کا بھی اللہ نے ذریعہ بنایا اور یہ بھی طبعی امر ہے کہ سفر اور تجربہ انسان میں حوصلہ اور اولوالعزمی پیدا کرتا ہے۔ قریش کے ساتھ اگرچہ اور قومیں بھی تھیں۔ مگر اصل قریش ہی تھے اس وجہ سے اصل موردِ انعام قریش ہی کو فرمایا گیا۔ ۱۲

[2] قریش عرب کے قبیلہ کا نام ہے جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی خاندان سے آنحضرت ﷺ ہیں اور نضر بن کنانہ کی تیرھویں پشت میں ہیں۔ جیسا ==

شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ ﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ﴾ تلاوت کرتے ہوئے سُنا اور آپ یہ فرمارہے تھے۔ اے قریش کے لوگو! افسوس تم پر عبادت کرو اس گھر کے رب کی جس رب نے تم کو بھوک کی حالت میں رزق دیا اور تم کو خوف سے مامون کیا۔

یہ وہی مضمون ہے جس کو قرآنِ کریم نے دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا ﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾ (العنکبوت:۶۷) اسی حقیقت کو قرآنِ کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یوں تعبیر کرتا ہے ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِىْ حَرَّمَهَا﴾ (النمل:۹۱)۔

فائدہ: ﴿لِاِيْلٰفِ﴾ میں لام مجرور بمعنی سبب و وجہ ہے۔ جس کو لام عِلّت بھی کہا جاتا ہے اور بعض ائمہ مفسرین اور اہلِ لغت اس کو لام تعجب کہتے ہیں۔ چنانچہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ لام تعجب ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت فرمارہا ہے۔ اے لوگو! تعجب کرو کہ ہم نے قریش کے لیے کس طرح اس سرزمین کو مانوس بنایا۔ اور کیسی کیسی نعمتیں ان کو دیں۔

آیاتُها ۷ — سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ (۱۰۷) (۱۷) — رُكُوْعَاتُهَا ۱

سورۂ ماعون مکی ہے اس میں سات آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲

تو نے دیکھا؟ وہ جو جھٹلاتا ہے انصاف ہونا۔ سو وہی ہے جو دھکیلتا ہے یتیم کو۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ

اور نہیں تاکید کرتا محتاج کے کھانے پر۔ پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی، جو

= کہ سیرت کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے ظاہر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔

اہل لغت کہتے ہیں کہ قریش تصغیر ہے۔ قرش کی جس کے معنی سمندر کے ایک طاقت ور جانور کے ہیں چونکہ یہ قبیلہ بہادر تھا اس وجہ سے اس کا یہ نام معروف ہوا۔ قرش کے معنی جمع کرنے کے بھی ہیں۔ چونکہ قصی نے متفرق قوموں کو مکہ میں جمع کیا تھا۔ اس وجہ سے قریش کو قریش کہا گیا کسی نے بیان کیا کہ قرش کے معنی کسب کے ہیں اور یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اس وجہ سے قریش کہلائے۔ اسی طرح اور بھی بعض معانی لفظ قرش کے لغت میں ملتے ہیں۔ اور ان معانی سے قریش کی وجہ تسمیہ ظاہر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم ۱۲

هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ ⑤ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ ⑥ وَ يَمْنَعُوْنَ
اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور مانگے نہ دیں
الْمَاعُوْنَ ۧ ⑦
برتنے کی چیز۔

ع ۳۲

تفسیر سورۃ الماعون

سورۃ ماعون بھی مکی سورت ہے جس کی سات آیات ہیں۔ عطاء اور جابر رحمۃ اللہ علیہما کا یہی قول ہے جمہور اسی کے قائل ہیں اگرچہ بعض مفسرین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ نصف اول مکہ میں نازل ہوئی اور نصف آخر مدینہ منورہ میں۔

اس سورت کے مضامین اپنی جامعیت اور اختصار میں بڑی ہی معجزانہ شان رکھتے ہیں۔ ان مختصر آیات میں حکمتِ نظریہ اور عملیہ، تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مدن اور تدبیر منزل جیسے عظیم اصول اور ان کا لباب وجوہر جمع کر دیا گیا ہے حکمت نظریہ ہی انسان کی زندگی کو فلاح وسعادت کی منزل تک پہنچانے والی ہے۔ اس کو بڑی ہی اہمیت سے بیان کیا گیا پھر یہ کہ انسان کے عمل نیک وبد کی جزاء ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے جہاں اس کو اچھے اور بُرے اعمال کا ثواب وعذاب دیکھنا ہوتا ہے تو انسان کی عملی کوششوں کا یہی عقیدہ اصل بنیاد ہے تو اس سورت میں بڑے ہی اختصار سے اس کو بھی ذکر فرمایا گیا۔ اس سورت کا پہلی سورت سے ربط ظاہر ہے۔ وہاں قریش پر خاص انعامات کا ذکر تھا۔ اور انعامات کو یاد دلا کر ان کو ربِّ البیت کی بندگی کی دعوت دی گئی تھی۔ تو اس سورت میں قریش کے وہ امراضِ روحانیہ بیان کیے جا رہے ہیں جو ان کے لیے دین ودُنیا کی سعادت سے محرومی کا باعث بنے۔ ارشاد فرمایا:

اے ہمارے پیغمبر یا اے مخاطب! کیا تو نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے اعمال کے بدلہ کو اور انکار کرتا ہے قیامت کا اور اعمال کی جزاء وسزا کا، حالانکہ ہر انسان کی فطرت میں یہ بات ودیعت رکھی ہے کہ وہ اپنے خالق کو مانے اس کے انعامات کو سمجھے اور ان انعامات کے باعث اس پر ایمان لائے اور اس کی نعمتوں کا حق بھی ادا کرے اور اللہ کی عطا ہوئی نعمتوں کو غریبوں مساکین ویتامیٰ پر خرچ کرے لیکن افسوس صد افسوس یہ مکذب بالدین خُدا اور قیامت کا منکر اور اس کی نعمتوں کو فراموش کرنے والا تو ایسا شخص ہے غرور وتکبر کے نشہ میں مست دھکے دیتا ہے یتیم کو اور خود تو کسی کی کیا مدد کرتا دوسرے کو بھی ترغیب نہیں دیتا مسکین کو کھانا دینے کی۔ ایسی سنگدلی اور بندوں کے حقوق سے غفلت کے ساتھ یہ بھی عیب ہے کہ خالق کا حق بھی نہیں پہچانتا اور نہ اس کو ادا کرنے کی طرف رخ کرتا ہے اور اگر کسی وقت اپنی کسی غرض یا کسی خوف کے باعث اللہ کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہو بھی جاتا ہے تو ہزار خرابیوں اور غفلت ولا پرواہیوں کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ سو بڑی ہی ہلاکت وبربادی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل وبے خبر ہیں جو صرف دکھلاوا کرتے ہیں۔ یعنی ریاکاری اور نمود ہوتا ہے نہ ان کو نماز کا اہتمام وخیال ہے نہ اس میں پابندی ہے نہ اس

میں خشوع وخضوع اور طمانیت ہے ❶ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی اور اگر پڑھی بھی تو چند ٹکریں مار لیں یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم احکم الحاکمین کے دربار میں اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہمیں اس کے سامنے کس کیفیت سے کھڑے ہونا چاہیے اعتقادی اور عملی خرابی اور ایسی گندگی کے علاوہ کمینہ پن اس حد تک ہے۔

اور کسی کے مانگنے پر انکار کر دیتے ہیں حقیر سے حقیر چیز کا برتنے کی جس کے دینے میں نہ مالی بوجھ نہ کوئی مشکل اور نہ وہ کوئی قیمتی چیز جیسے ڈول رسی یا کوئی برتن۔ جن میں عام طور پر نہ بخل کیا جاتا ہے اور نہ ان کے مانگنے کو عیب کہا جاتا ہے تو ایسی حقیر سی چیز ہی جو دینے پر تیار نہ ہو وہ کیا صدقات وزکوٰۃ ادا کرے گا کیا کسی مسکین کو کھلائے گا یا یتیم کی تربیت وکفالت کرے گا تو ظاہر ہے کہ اعتقادی گندگی اور عملی خرابیوں کے بعد ایسی اخلاقی گراوٹ انتہائی افسوسناک امر ہے اور انسانیت کے لیے تباہ کن بات ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات انسان اور معاشرہ کو ایسی گندگیوں اور کمینہ خصلتوں سے پاک رکھنے والی ہیں جن کی تعلیم وہدایت سرور کائنات ﷺ کے ذریعہ دُنیا کو دی گئی اس لیے ہر مسلمان شخص کو چاہیے وہ اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرے۔ ریاکاری اور بداخلاقی سے بچے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۃ الکوثر

سورۃ الکوثر مکیہ ہے جس کی تین آیات ہیں اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح منقول ہے۔ یہ سورت بھی جامعیت مضامین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ابتداء میں آنحضرت ﷺ کو خداوند عالم کی طرف سے خیر کثیر عطا کیے جانے کا اعلان ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو وحی اور علوم الٰہیہ رشد وہدایت اور فلاح وسعادت آپ کو دیئے گئے ان کی عظمت و برتری اور بہتری کی کوئی حد نہیں ہوسکتی جس علم وحکمت نے دنیا کو انسانیت سکھا دی ان کو عقائد اعمال واخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ گمراہیوں کی ظلمتوں سے نکال کی ہدایت اور ایمان وتقویٰ کے نور سے ان کی زندگیاں روشن کر دیں۔ بلاشبہ وہ ایسی خیر کثیر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی خیر کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس خیر کثیر کے عملی پہلوؤں کی تکمیل صلوٰۃ اور قربانی سے ہوتی ہے تو ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ فرما دیا اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور عنداللہ مقبولیت کا یہ مقام ہے کہ آپ ﷺ کا دشمن اور بدخواہ ہمیشہ کے لیے تباہ وبرباد ہو کر رہے گا۔

غرض اس سورت میں بے شمار مطالب اور اسرار وحکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح وبلیغ ادیب وشاعر نہ کر سکا۔ روایات میں ہے کہ عرب کے شعراء میں سے مایۂ ناز شعراء اپنے اپنے اشعار اور قصائد بیت اللہ کی دیواروں اور پردے پر لگا دیتے تھے۔ لیکن جب یہ

---

❶ ان الفاظ سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((تلك صلوٰة المنافق قام فنقر اربع نقر لایذ کر اللہ الا قلیلا)). کہ ایسی نماز منافق کی نماز ہے کہ کھڑا ہوا اور چار ٹھونگیں مار لیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کیا۔ ۱۲

سورت نازل ہوئی سب حیرت میں پڑ گئے اور شرما کر اپنے اپنے کلام بیت اللہ کی دیواروں پر سے اُتار لیے۔ اور پھر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اپنا کوئی شعر یا کلام وہاں لگائے اور ہر ایک کی زبان سے یہ الفاظ بطور اعتراف جاری تھے۔ ماھذا کلام البشر کہ بے شک یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

آیاتہا ۳ (۱۰۸) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵) رکوعاتہا ۱

سورہ کوثر مکی ہے، اس میں تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَكَ

ہم نے تجھ کو دی کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے، اور قربانی کر۔ بیشک جو بیری ہے تیرا،

ع ۳۳ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

وہی رہا پیچھا کٹا۔

انعام رب ذو الجلال بعطاء کوثر و ہلاکت و بربادی دشمن رسول مقبول ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ ... الی... اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾﴾

ربط: سورۂ ماعون میں حکمت اعتقادیہ وعملیہ کے جملہ اقسام کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے جو اعمال و اخلاق باعث عیب ہیں ان کی مذمت بھی کر دی گئی تھی تو اب اس سورت میں خیر کثیر کا ذکر ہے۔ جس کے باعث انسانی حیات عظمت و بلندی کے مقام تک پہنچتی ہے اور اس خیر کثیر کی شاخین اور نہریں اس طرح پھیل جاتی ہیں کہ قیامت تک نسل انسانی ان کے ذریعہ ہر قسم کی سیرابی اور شادابی حاصل کرتی رہے اور اس پر پھل و پھول لگے رہیں۔ یہی وہ فرمان مبارک ہے جو ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (البقرہ: ۲۶۹) کے عنوان سے نازل فرمایا گیا تو ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اے ہمارے پیغمبر بے شک ہم نے آپ کو عطا کر دی ہے کوثر۔ خیر کثیر اور حوضِ کوثر جس کی خیر و برکت سے اللہ کے بندوں کو سیرابی نجات اور آخرت کی بے پایاں نعمتیں اور خیر حاصل ہوگی اور آخرت کی اس خیر کثیر (جو حوضِ کوثر کی صورت میں ہوگی) علاوہ دُنیا میں بھی آپ ﷺ کو اور آپ کے ذریعہ تمام عالم کو خیر کثیر رشد و ہدایت اور فلاح و سعادت کے علوم کی شکل میں دے دی ہے۔ دُنیا اور آخرت

کی خیر عطا کیے جانے کا حق یہ ہے کہ بس آپ خاص [1] اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھتے رہیں تا کہ اس انعام عظیم کا حق اپنے بدن اور روح سے ادا کریں اور قربانی کریں تا کہ اپنے مال سے اس کے انعام کا حق ادا ہو جائے۔

انعاماتِ خداوندی سے جو عظمت آپ کو ملی ہے وہ رہتی دنیا اور قیامت تک قائم رہے گی اور اس طرح آپ ﷺ کے ذریعہ عالم کو جو خیر کثیر پہنچ رہی ہے اس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا اس پر آپ اللہ کا شکر ادا کریں اور اس کی کوئی فکر نہ کریں کہ اسلام کے اور آپ کے دشمن آپ کی دشمنی اور بدخواہی میں کیا کر رہے ہیں آپ یقین رکھیں ان کی بدخواہی دشمنی اور سازشوں سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا بلکہ یقیناً آپ کا دشمن [2] ہی دُم بریدہ ہے۔ اور بے نام ونشان رہے گا نہ اس کی کوئی نسل باقی رہے گی نہ اس کا کوئی نام اور نہ بھلائی کا عمل اور نہ ہی اس کا کوئی علم و ہنر سب کچھ ختم ہو کر وہ نام ونشان سے بھی مٹ جائے گا اور کوئی اس کا بھلائی سے ذکر بھی کرنے والا نہ رہے گا۔ جب کہ اللہ نے آپ ﷺ کو وہ عزت وعظمت دے دی کہ اس کی بلندی کی کوئی حد نہیں ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ اور وہ علم وخیر کثیر عطا کی۔ دُنیا اس سے مستفیض وسیراب ہے اور کوئی گوشہ اس سے خالی نہیں اور اس کی خوبی اور منفعت کا کائنات کے گوشہ گوشہ میں چرچا ہے۔ آپ ﷺ کا نام اذانوں میں لیا جا رہا ہے کہ عالم میں کوئی چپہ زمین اس سے خالی نہیں اور شب وروز ہر لحہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ کی صدا فضا میں گونجتی ہے پھر آخرت میں یہ انعام واعزاز ہوگا کہ ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل:۷۹) تو اس طرح آپ کا ذکر آپ کا فیض کسی لحہ منقطع نہ ہوگا پھر کسی کافر کو آپ ﷺ کے بیٹے کی موت پر یہ کہنا کہ محمد ﷺ تو اب ابتر ہو جائے گا یعنی منقطع النسل کس قدر بیہودہ اور لغو بات ہے جس ذات کا علم وفیض اور حکمت اور عقائد واعمال اور کردار ومعاشرت کی خوبیاں تمام عالم میں پھیل رہی ہوں۔ اس کے آثارِ باقیہ اس کے ایک بیٹے کی موت سے بھلا کیونکر منقطع ہو سکتے ہیں۔

الکوثر کا مفہوم

الکوثر کے معانی از روئے لغت کثیر یعنی خیر کثیر اور ہر قسم کی بھلائی اور بہتری کے ہیں اور اس کو نعمت وبرتری کے مفہوم میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی معنی لغوی کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (جو حبر الامۃ ہیں) نے تفسیر کی ہے الخیر الکثیر۔ جیسا کہ امام بخاری، ابن جریر اور حاکم نے اور اسی طرح امام ترمذی، احمد بن حنبل اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے اور خیر کثیر حکمت ہے۔

خیر کثیر اپنی معنوی وسعت کے لحاظ سے ہر قسم کی خیر کو شامل ہے۔ اس بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ البحر المحیط میں تو چھبیس (۲۶) اقوال نقل کیے ہیں اور بیان کیا کہ اس میں ہر قسم کی دینی دُنیوی حِسّی اور معنوی نعمتیں داخل ہیں جو آپ ﷺ کے طفیل اُمت کو ملنے والی تھیں ان نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت کوثر بھی ہے جو آخرت میں آپ کو دی جائے گی۔ جس کی صفت احادیث کثیرہ میں اس طرح بیان فرمائی گئی کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اس کا ایک گھونٹ بھی پینے والا کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

---

[1] یہ لفظ عربیت کی رُو سے ﴿لِرَبِّكَ﴾ میں لام جو اختصاص کے لیے مستعمل ہوتا ہے کے پیش نظر بڑھایا گیا۔ ۱۲

[2] دشمن لفظ شانئ کا ترجمہ شانَن بغض وعداوت کو کہا جاتا ہے تو مراد وہی ہوئی کہ آپ ﷺ سے بغض ودشمنی رکھنے والا۔ ۱۲

اسی حوضِ کوثر پر قیامت کے روز آپ ﷺ کا منبر ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے: ((ومنبری علٰی حوضی)) کہ میرا منبر میری حوض پر ہے جس کے پانی سے آپ ﷺ اُمت کو اور اوّلین و آخرین کو روزِ محشر سیراب فرمائیں گے۔ جیسے کہ دُنیا میں ایک معنوی حوض کوثر یعنی ذخیرۂ علوم ورشد وہدایت سے تمام عالم کو سیراب فرمایا اور یہ وہ حکمتِ الٰہیہ ہے جو خداوندِ عالم نے آپ کے قلب مبارک میں بھردی ہے اور دُنیائے علم وحکمت کے جام اس حوضِ کوثر سے لیے جا رہے ہیں اور سیراب ہو رہے ہیں اور جو خوش نصیب علوم نبویہ کے چشمۂ فیض سے دنیا میں سیراب ہوگا۔ اِن شاء اللہ قیامت میں اس حوضِ کوثر سے بھی سیراب ہوگا اور جو بدنصیب یہاں محروم رہا۔ وہ وہاں بھی محروم رہے گا۔ اللّٰھم اسقنا من حوضِہٖ ۔آمین

حوضِ کوثر کا ثبوت اس قدر کثرت کے ساتھ احادیث سے ثابت ہے کہ محدثین نے ان روایات واحادیث کو حدِ تواتر میں شمار کیا ہے۔ اور جو چیز بھی احادیثِ متواترہ سے ثابت ہو وہ قطعی اور یقینی ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار یا ایسی تاویل جو انکار کے درجہ میں آئے اصول شریعت کی رُو سے کفر ہے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ کوثر جنت کی وہ نہر ہے جو آپ کو شبِ معراج میں (بھی) دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ نے اس کا پانی دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ نے اس کے متعلق جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے جبریل امین علیہ السلام نے جواب دیا: یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔ (رواہ البخاری والمسلم)

الغرض کوثر کے مفہوم میں یہ تمام چیزیں داخل ہیں جس کا مصداق اکمل اور مظہر اتم قیامت کے روز حوض کوثر ہے۔ اگر آپ کا کوئی صلبی فرزند انتقال کر گیا تو کیا ہوا آپ کی روحانی اولاد فیوض نبویہ سے مستفیض ہونے والی نسل تو قیامت تک قائم وباقی رہے گی۔ اَبْتَر کے معنی دم بریدہ کے ہیں تو جس کی نسل منقطع ہو جائے اور اولاد میں کوئی باقی نہ رہے تو گویا وہ دُم بریدہ ہے۔ سُدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ عرب جب کسی شخص کی اولاد میں کوئی بیٹا نہ رہے تو اس کو اَبْتَر کہا کرتے تھے۔ عطاء رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یہ ابولہب کی طرف اشارہ ہے جس وقت آپ ﷺ کے صاحبزادہ قاسم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ابولہب مشرکین مکہ کے مجمع میں دوڑتا ہوا گیا اور کہنے لگا "بُتر محمد" اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ خبیث آپ کو ابتر کہتا تھا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو نیند کا ایک جھونکا سا آیا۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک اُٹھایا اور مسکراتے ہوئے فرمایا مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے یعنی بہت ہی عظیم الشان اور آپ نے یہ سورت پڑھ کر سُنائی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ الکافرون

سورۂ کافرون بھی مکی سورت ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ حسن بصری اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہما سے یہی منقول ہے۔ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

اس سورت کا مضمون درحقیقت اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ اہل ایمان کو ایمان اور حق پر کلی استقامت اختیار کرنی چاہیے اور کسی مرحلہ پر اہلِ باطل کو اس کی طرف سے ایسی توقع نہ رہنی چاہیے کہ یہ حق اور ہدایت کے تقاضوں سے کسی درجہ میں انحراف کرسکتا ہے۔

پھر یہ بات بھی اس ضمن میں واضح کی جارہی ہے کہ حق میں باطل کی آمیزش کا کوئی امکان نہیں۔ اہل حق کو اسی پر استقامت چاہیے اور اگر اہلِ باطل کی طرف سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ وہ کس طرح بھی حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور عناد و بغض سے اس درجہ اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہیں کہ قریب بھی آنے کو تیار نہیں تو پھر ان کو ایک آخری پیغام کے طور پر اعلان کردینا چاہیے کہ اب اس صورت حال میں ہم مایوس ہوچکے ہیں۔ تم اگر حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ اور تم یہ توقع اپنے دل سے نکال دو کہ ہم تمہاری دلجوئی کے واسطے تمہارے مذہب اور تمہارے اخلاق و اطوار اختیار کرسکتے ہیں تو یہ اہم حقائق اور اُمور ان چند آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

◆◆◆

آیاتھا ۶	سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۱۰۹) (۱۸)	رکوعاتھا ۱

سورۂ کافرون مکی ہے۔ اس میں چھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَاۤ اَنْتُمْ

تو کہہ، اے منکرو! میں نہیں پوجتا جس کو تم پُوجو۔ اور نہ تم

عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ③ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ④ وَلَاۤ اَنْتُمْ

پُوجو جس کو میں پُوجوں۔ اور نہ مجھ کو پُوجنا جس کو تم نے پُوجا۔ اور نہ تم کو پُوجنا

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶ ع

ع ۶/۱ ۳۴

جس کو میں پوجوں۔ تم کو تمہاری راہ، اور مجھ کو میری راہ۔

اعلان استقامت براسلام وشعائر اسلام وبیزاری ازمراعات اہل باطل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ ... الى ... لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶﴾

ربط: سورۂ کوثر میں خیر کثیر کی بشارت سنائی گئی تھی اور یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ خداوند عالم نے یہ طے کر دیا تھا کہ اس کے پیغمبر ﷺ کا ہی دین غالب ہوگا اور پیغمبر خدا ہی کامیاب ہوں گے اور جو بھی کوئی بغض اور دشمنی رکھے گا وہی ناکام ذلیل اور تباہ ہوگا۔ اب اس سورت میں دنیا کے تمام گمراہوں اور باطل ملّت کی پیروی کرنے والوں کو جو باطل کو فروغ دینے کے لیے بڑی ہی محنت اور جدوجہد کر رہے ہیں، کھلے عام اعلان کیا جارہا ہے۔ اب حق پرستوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو مایوس ہوجانا چاہیے وہ ان کی سازشوں سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے۔

اور معبود حقیقی کی پرستش کرنے والا کبھی بھی باطل کی طرف رُخ نہ کرے گا۔ جبکہ اہل باطل حق قبول کرنے کو تیار نہیں تو پھر اس احمقانہ تصور اور توقع کا کیا مطلب ہے کہ اہل حق اپنے عقیدہ اور طریقوں سے کچھ ہٹ جائیں۔

روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کی ایک جماعت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ابوجہل اور ابولہب عاص بن وائل کو آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ یہ پیغام بھیجا۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف عباس رضی اللہ عنہ کو ہی بھیجا۔ آپ ہمارے معبودوں اور ان کی پرستش کی برائی اور تردید کرنا چھوڑ دیں تو ہم بھی آپ کا مقابلہ اور مخالفت چھوڑ دیں گے۔ اگر آپ ﷺ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور اگر مال ودولت مقصود ہے تو وہ بھی جمع کر کے آپ کے سامنے ڈھیر لگا دیں گے۔ اگر کوئی خواہش ہے تو جو تمام قبائل سے حسین سے حسین عورت ہو آپ کے واسطے مہیا کر دیں گے لیکن آپ اس پیغام توحید سے رک جائیں اور ہمارے بتوں (معبودوں) کی برائی کرنا چھوڑ دیں تو آپ نے اس پر فرمایا۔ ہلاکت ہو اے قریش مکہ۔ مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرو۔ روایات میں ہے کہ قریش مکہ نے پھر یہ پیغام بھیجا کہ اچھا پھر ایسا کریں کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہ رہے اور اسی طرح باہمی اخوت اور یگانگت قائم ہوجائے۔ اس طرح پھر کوئی تفرقہ باقی نہ رہے گا۔ اور نہ باہمی کوئی رنجش پیش آئے گی تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی ارشاد فرمایا۔

اے ہمارے پیغمبر! کہہ دو اے کافرو! میں نہیں عبادت کرتا ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ کیسے ممکن ہے اور جب کہ تم نہیں عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں حالانکہ تم باوجود یکہ شرک کر رہے ہو اور بتوں کی پرستش کرتے ہوئے بھی یہ کہتے ہیں کہ ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾ (الزمر: ۳) اس لیے کفار مکہ کی یہ پیش کش اور توقع کہ میں ان کی بات مان لوں گا۔ باطل اور لغو ہے اور اب تو کیا آئندہ بھی کبھی بھی میں عبادت کرنے والا نہیں ہوں ان معبودوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم

عبادت کرو گے اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ تم تو یہ چاہتے ہو کہ خود میں ہی العیاذ باللہ توحید کو چھوڑ کر تمہارا طریقۂ شرک اختیار کر لوں۔ تو جو دعوت توحید کو ٹھکرا کر حق سے روگردانی کرتے ہوئے داعی حق ہی کو باطل کی دعوت دے گا۔ اس سے یہ کیا توقع کی جاسکتی ہے وہ حق پرست اور داعی توحید کے ایک خدا کی عبادت کرے گا اس لیے اب ایسے لوگوں کی اس قسم کی مفاہمت اور مصالحت کی گفتگو سے مایوس ہو جانا چاہیے اور سن لینا چاہیے کہ تمہارے واسطے تمہاری راہ ہے جس [1] پر بھٹک رہے ہو اور تیار نہیں کہ اس کو چھوڑ و للہذا بس اسی پر بھٹکتے رہو اور میرے لیے میری راہ ہے جس پر میں قائم ہوں اور اس سے ہرگز میرا قدم کبھی نہیں ڈگمگا سکتا۔ [2] اس لیے ہر صاحب ایمان شخص کو اسی طرح استقامت اور پختگی کے ساتھ ایمان پر قائم رہنا چاہیے اور اس پختگی اور استقامت کا ایسی ہی قوت کے ساتھ اعلان کر دینا چاہیے کہ اہلِ باطل اس کی طرف سے مایوس ہو جائیں۔

---

[1] آج کل بالعموم اہلِ باطل اسی قسم کی باتوں سے اہل حق کو پرچایا کرتے ہیں کہ وہ اپنے مسلک اور مذہب کی خصوصی روایات کو ترک کر دیں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ حق کی حقانیت ختم ہو جائے اور باطل کی تردید نہ ہو تو یہ ایک خطرناک دھوکہ ہے جس سے اہل حق کو چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اس تفسیر کے پیش نظر اب اس توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ جو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سورت اس وقت منسوخ ہو گئی جبکہ اللہ رب العزت نے آپ کو کفر کے رد کا حکم فرمایا اور انذار و تبلیغ کا مامور فرمایا۔ یا جب حکم جہاد اور قتال کا نازل ہوا تو اس بات کی گنجائش ختم کر دی گئی جو ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ﴾ میں دی گئی تھی کیونکہ آیات کا سیاق و سباق درحقیقت اہلِ ایمان کو اپنے ایمان پر قائم رہنے کا اعلان اور کافروں کی طرف سے مایوسی کے باعث قلوب کو مطمئن اور یکسو کر لینے کی تلقین ہے۔ واللہ اعلم

[2] بعض حضرات اس موقعہ پر دین کا ترجمہ بدلہ فرماتے ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ تمہارے طریقہ اور عمل کا بدلہ تمہیں ملے گا اور میرے عمل اور طریقہ کا بدلہ مجھے ملے گا۔ اضافہ کردہ الفاظ سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ ان کلمات کا مفہوم کافروں کی طرف سے مایوسی اور جب کہ وہ حق قبول کرنے پر تیار نہیں تو اہل حق کی طرف سے اعلان استقامت ہے۔ اس لیے ان الفاظ سے یہ اشکال ذہن میں پیدا نہ کرنا چاہیے کہ اس آیت کا مدلول تو یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد کوئی مشرک ایمان نہ لاتا۔ اور توحید اختیار نہ کرتا جب کہ یہ فرمادیا ﴿وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ﴾ کیونکہ آیت یہ خبر دینے کے لیے نہیں ہے اور نہ ہی اس کا یہ مقصود ہے کہ آئندہ کوئی کافر و مشرک ایمان نہیں لائے گا۔ بلکہ ایسی روش کے بعد مایوسی کا بیان ہے اور اس ضمن میں تلقین و تسلی ہے اور یہ اعلان کرانا ہے کہ اہلِ حق کی طرف سے اہلِ باطل کو مایوس کر دینا چاہیے کہ ہم ان کی خواہش اور پیش کش سے اپنی کسی بات میں ترمیم کرنے کو تیار نہیں۔ بعض ائمہ عربیت جیسے زمخشری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ان جملوں کے تکرار کو تاکید پر محمول کرتے ہیں۔ ہم نے ترجمہ میں اس امر کو اختیار کیا کہ اوّل مرتبہ حال کے معنی مراد ہیں اور دوسری مرتبہ استقبال کے لحاظ سے اعلان استقامت ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک پہلے دو جملوں میں ما کو موصولہ قرار دیا۔ اور دوسرے دو جملوں میں ما کو مصدریہ۔ جس کا مفہوم یہ ہوا کہ میں عبادت نہیں کرتا اس معبود کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرتے ہو اس معبود کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں (تو یہ مَا موصولہ کا ترجمہ ہوا) اور نہ میں وہ عبادت اور طریقہ اختیار کرتا ہوں۔ الخ تو یہ مَا مصدریہ کا ترجمہ ہوا۔ حاصل یہ کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ معبود مشترک ہے اور نہ طریقۂ عبادت مشترک ہے تم بتوں کو پوجتے ہو وہ میرے معبود نہیں ہو سکتے میں اس خدا کو مانتا ہوں جس کی ذات اور صفت میں کوئی شریک نہیں۔ تم ایسے خدا کو ماننے کو تیار نہیں علیٰ ہٰذا القیاس تمہاری عبادت بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا اور سیٹیاں بجانا ہے۔ میرا طریقہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی حمد و تسبیح کرنا۔ تو جب نہ معبود میں شرکت اور نہ طریقۂ عبادت میں شرکت تو پھر سمجھوتہ کس بات پر ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ ایک دفعہ سے نفی اس لحاظ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ میں نے تو پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا۔ جب کہ نبی بھی نہ تھا اور جاہلیت کا دور تھا تو اَب جب کہ نبوت و رسالت عطا کر دی گئی اور مجھ کو اللہ نے توحید کا داعی بنا دیا۔ تو اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں ان معبودوں کی عبادت کروں۔ (تفصیل کے لیے فوائد عثمانی ملاحظہ فرمائیں)۔

فائدہ : صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے بعد دو رکعتوں میں ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ اور سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ان دو سورتوں کو مغرب کے بعد سنتوں میں اور فجر سے قبل سنتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر پر لیٹتے تو تب بھی یہ سورت تلاوت فرماتے اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ((انها براءة من الشرك)) کہ یہ سورت شرک سے براءت اور پاکی ہے۔

تمّ بحمد الله العزيز تفسير سُورَة کافرون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سُورۃ النصر

سورۃ النصر جمہور مفسرین کے نزدیک مدنی ہے۔ بعض روایات نے یہ بیان کیا کہ حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایام تشریق کے دوران مقام منیٰ میں نازل ہوئی اس سورت کا نام بعض حضرات نے سورۂ التدویع بھی بیان کیا ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بروایت صدقۃ بن یسار رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت جب ایام تشریق میں نازل ہوئی تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ سورت میرے واسطے پیغام الوداع ہے اور اسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ معروف خطبہ دیا جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے واسطے تمام عالم کے لیے ایسے راہنما اصول ذکر فرمائے جس میں امنِ عالم انسانیت کی فلاح و کامیابی اور مسلمانوں کی عزت و عظمت جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے جملہ قوانین ارشاد فرما دیئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا مجھے خبر رحلت دے دی گئی ہے۔ جس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیقرار ہو کر رونے لگیں۔ اس کیفیت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پھر یہ فرمایا:

"اے فاطمہ رضی اللہ عنہا تو میرے گھرانہ میں سب سے پہلے وہ ہے جو مجھے ملے گی۔ جس پر فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔" [1]

---

[1] صحیح بخاری و مسلم۔ تفسیر ابنِ کثیر
عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراپا عبادت اور ذکر و فکر میں شب و روز مصروف ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ پڑھا کرتے تھے: ((سبحانك اللّٰهم وبحمدك استغفرك واتوب اليك))۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ پر عمل فرماتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے۔

اور پھر یہ راز رکھا حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی باوجود اصرار کے نہ بتایا۔ تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوگئی تو اس کا اظہار کیا۔ اگرچہ اس سے قبل آپ کی وفات کی خبر ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ (آل عمران: ۱۴۴) میں دے دی گئی تھی۔ لیکن زمانۂ رحلت کے قریب تر ہونے کی اطلاع اسی سورت نے کی۔ اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سورت کو سنا تو بیقرار ہو کر رونے لگے جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دورانِ خطبہ وہ بات سُن کر رونے لگے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ دُنیا کو اختیار کر لے یا اپنے رب کو تو اس بندہ نے اللہ کو اختیار کر لیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت قریب ہے۔

صحیح بخاری رحمہ اللہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ کو بدر کے بزرگوں میں شمار اور داخل فرماتے تو بعض بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو خیال گذرا اور کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے حالانکہ ہمارے بیٹے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے برابر ہیں تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس سورت کا مطلب دریافت کیا۔ جس پر کسی نے ظاہری مطلب بیان کر دیا اور کسی نے سکوت اختیار کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا اے ابن عباس رضی اللہ عنہما کیا تم بھی اس سورت کا یہی مطلب سمجھتے ہو؟ جواب دیا نہیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ وفات ہے تو اس طرح عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی عظمت کو ظاہر فرمایا۔

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتها ۳ — (۱۱۰) — (۱۱۴) — رکوعاتها ۱

سورۂ نصر مدنی ہے اس کی تین آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ

جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ۔ اور تو نے دیکھے لوگ پیٹھتے (داخل ہوتے) اللہ کے دین میں

اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ ع ۳۵

فوج در فوج۔ اب پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں، اور گناہ بخشوا اس سے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔

ذکر بشارت فتح ونصرت وغلبۂ دین وظہورِ اسلام مع حکم تسبیح واستغفار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ... الٰى ... اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ ﴾

ربط: اس سے قبل سورۂ کافرون میں اس امر کا حکم تھا کہ مشرکین کی سازشوں سے مسلمانوں کے قدم جادۂ استقامت سے کسی درجہ میں

متزلزل نہ ہونے چاہئیں ان کو واضح اعلان کی صورت میں کہہ دیا جائے کہ ان کی خواہشات اور کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں گی اور اس امر کا کوئی امکان نہیں کہ حق اور باطل میں کوئی باہمی سمجھوتہ ہو اگر کفار مکہ شرک اور کفر سے باز آنے کو تیار نہیں تو پھر حق پرست اور مسلمان کیونکر ایمان و توحید کے تقاضوں سے دست بردار ہوسکتا ہے اس مرحلہ پر تو بس یہی اعلان کرنا پڑے گا ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ تو اس مناسبت سے اس سورت میں فتح و نصرت کی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے غلبۂ دین اور ظہورِ اسلام کی خبر دی گئی۔ اور چونکہ یہ بات اس نعمت کو متضمن تھی کہ رسول خدا ﷺ کی غرض بعثت الحمد للہ مکمل ہوگئی۔ اور آپ ﷺ اُمت کے کام سے فارغ ہوگئے اس لیے اب آپ ﷺ کلیۃً خالق ہی کی طرف رُخ کر لیجیے اور اس کی یہی صورت ہے کہ تمام تر مشغولیت انہماک الی اللہ ہو جائے حتیٰ کہ یہ انہماک اور رجوع الی اللہ عملاً و اشتغالاً مکمل ہوتے ہوئے اصلاً و ذاتاً بھی رجوع الی اللہ ہو جائے جس کی صورت دُنیا سے رحلت کر کے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو جانا ہے لہٰذا ارشاد فرمایا۔

جب آ جائے اللہ کی نصرت اور فتح حتیٰ کہ مکہ اور حجاز کے بڑے بڑے شہر فتح [1] ہو جائیں اور دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ جوق در جوق اور فوج در فوج اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور اس طرح آپ ﷺ اُمت کے کام اشاعت اسلام اور دعوت توحید کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جائیں اور جو غرض آپ ﷺ کی رسالت و بعثت کی تھی وہ پوری ہو جائے اور دیکھ لیں کہ اسلام کا ظہور و غلبہ ہو گیا اور اب یہ بات نہیں کہ ایک ایک دو دو آدمی اسلام میں داخل ہوں بلکہ فوج در فوج اور قبیلے کے قبیلے بیک وقت قبولِ اسلام کر رہے ہوں تو اسی کی طرف سراپا انہماک و توجہ کے لیے بس اپنے رب کی تسبیح و پاکی میں مشغول ہو جائیے اس کی حمد و ثناء کرتے ہوئے اور اسی سے استغفار کیجیے۔ تاکہ اس حمد و ثناء اور استغفار کے ذریعہ اس کے انعامات کا شکر ادا ہو سکے اور فتح و نصرت اور غلبۂ دین کا انعام بے شک اسی کو چاہتا ہے کہ اس کی طرف شاکرانہ انداز میں رجوع کیا جائے بیشک وہ پروردگار بڑا ہی رجوع کرنے والا ہے۔ اپنے ہر اس بندہ کی طرف جو اپنا رُخ اس کی طرف اس کی حمد و ثناء اور استغفار و شکر کی صورت میں کرتا ہے۔

سورۃ النصر کا نزول قبل از فتح مکہ یا بعد از فتح

علماء مفسرین کے اس بارہ میں کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے یا قبل از فتح مکہ دو قول ہیں ایک یہ کہ قبل از فتح مکہ نازل ہوئی ہے جیسا کہ ﴿إِذَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے جو مستقبل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ اس سورت میں آئندہ حاصل ہونے والی فتح کی خبر دی گئی اور بشارت سنانے کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ اس پر یہ آثار و احوال مرتب ہوں گے کہ ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گویا آنحضرت ﷺ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد دو سال سے کچھ زائد حیات رہے اور

---

[1] آیت مبارکہ ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ میں نصر اور فتح کو عطف کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نصر کے معنی فتح اور اعانت کے ہیں جس کی حقیقت تحصیل مطلوب میں اعانت اور اسبابِ اعانت اور فتح تحصیل مطلوب کا نام ہے اس لحاظ سے ظاہر ہوا کہ نصرت فتح کا سبب اور ذریعہ ہے تو فتح کا عطف نصر پر اسی نوعیت سے نہایت لطیف ہوا۔ اعانت و نصرت میں کبھی اسباب ظاہری کی فراہمی ہوتی ہے جیسے لشکر اور سامان حرب اور زادِ راہ وغیرہ۔ اور کبھی باطنی اسباب سے ہوتی ہے جیسے مجاہدین کے حوصلوں کی بلندی اور کافروں کی مرعوبی و بزدلی اور ہیبت یا ان کی سوء تدبیر۔ تو اسی کے پیش نظر فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ۱۲۔

اس کے بعد آپ ﷺ کی رحلت ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد نزول ہوا۔ جیسا کہ بعض روایات کی تصریح میں بیان کیا گیا کہ حجۃ الوداع میں ایام تشریق میں نزول ہوا تو اس صورت میں لفظ ﴿إِذَا﴾ کو ﴿إِذْ﴾ کے معنی میں لیا جائے گا جو کہ ماضی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ ﴿إِذَا﴾ ماضی کے لیے مستعمل نہیں ہوتا اور اس کی مثال قرآن کریم کی ایک آیت میں موجود ہے کہ ﴿إِذَا﴾ کو ﴿إِذْ﴾ کے معنی میں استعمال کر لیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا﴾ (الکہف:۹۶)۔

اس تقدیر پر اکثر روایات اور مفسرین کے قول کی بناء پر کہ سورۂ نصر بعد فتح مکہ نازل ہوئی کہا جا سکتا ہے کہ ﴿إِذَا﴾ مستقبل ہی کے معنی پر محمول ہے اور فتح مکہ اگرچہ ہو چکی لیکن فتح اسلام اور ظہور دین کے یہ ابتدائی مراحل جو طے ہوئے ہیں مکمل فتح اور کامل غلبہ آئندہ آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوگا۔ جب کہ فارس و روم جیسے عظیم ملک بھی ختم ہو کر اسلامی مملکت کی حدود میں داخل ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ تمام عالم پر اسلام کا غلبہ روم و فارس الجزائر و مراکش اور کابل و چین تک پرچم اسلام لہرانے کے بعد ہوا۔ جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا تو اس صورت میں فتح مکہ کے بعد بھی ﴿إِذَا﴾ مستقبل کا استعمال کسی بھی درجہ میں باعثِ اشکال نہ رہا اور اس تقدیر پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ گویا فتح مکہ ایک تمہید اور بشارت تھی۔ اس مکمل ہونے والی فتح کے لیے جس کی بشارت سنائی گئی اس طرح فرمانِ نبوی ﷺ کو دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

((إِذَا هلك قيصر فلا قيصر بعدهٗ واذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعدهٗ)).

فَلِلّٰه الحمد حمدًا كثيرًا على نصرهٖ وفتحهٖ. فيا ربّ اعلِ كلمة الاسلام والمسلمين وانصرنا نصرًا عزيزًا برحمتك يا ارحم الراحمين وَاخذل الكفرة اعداء الاسلام والمسلمين واجْعَلنَا فائزينَ وثبتنا على ملّة الاسلام وعلى ملة نبيك سيد المرسلين واحشرنا في زمرة الذين انعمت عليهم من النبيّنَ والصّديقين والشهداء والصالحين. آمين برحمتك يا ارحم الراحمين.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ اللّھب

سورۃ اللّھب بھی مکی سورت ہے۔ عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے اور ائمہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس سورت میں خاص طور سے اس اہم تاریخی امر کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے قبائل عرب کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ارادہ فرمایا اور آیت مبارکہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ نازل ہوئی اور سلسلۂ وحی کے آغاز کے بعد سب سے پہلی حکم بھی آپ ﷺ کو یہ دیا گیا ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ تو آپ بطحاء مکہ کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر آپ نے قبائل عرب کو پکارا فرمایا یا صباحاہ یا صباحاہ جس پر قریش کے تمام قبائل جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اے لوگو! ذرا یہ بتاؤ اگر میں تم سے

یہ کہوں کہ ایک دشمن کا لشکر تم پر صبح کو حملہ آور ہونے والا ہے یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے اور میری بات پر اعتماد کرو گے؟ سب نے جواب دیا بے شک۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے آپ کے بارے میں کبھی کوئی تجربہ ہی نہیں کیا سوائے صداقت اور سچائی کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ﴿اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ﴾ کہ میں تمہیں ایک سامنے آنے والے شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے) تو یہ سن کر بد بخت ابولہب کہنے لگا۔ ﴿تَبًّا لَّكَ﴾ تمہارے ہاتھ ٹوٹیں۔ کیا اسی کام کے لیے ہمیں جمع کیا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آپ پر ایک پتھر اُٹھا کر پھینکا اور بہت کچھ بیہودہ باتیں بکیں اور حرکتیں کیں۔ تو اس سورت میں اس بدبخت کی بدتمیزی اور شقاوت کی مذمت اور اس پر وعید فرمائی جارہی ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ ایسے مغرور متکبر انسانوں کا مال اور ان کی عزت وقوت اسلام اور رسول خدا کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں آسکتی ان کو ذلیل ورسوا اور تباہ و برباد ہونا ہی پڑے گا۔

آیاتها ۵	(۱۱۱) سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ (۶)	رکوعاتها ۱

سورۂ لہب مکی ہے اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ط ① مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ط ②

ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے، اور ٹوٹ گیا وہ آپ۔ کام نہ آیا اس کو مال اس کا اور نہ جو کمایا۔

سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ج ③ وَّامْرَاَتُهٗ ط حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ج ④

اب پیٹھے گا (پہنچے گا) ڈیگ مارتی آگ میں۔ اور اسکی جورو۔ سر پر لیے پھرتی ایندھن۔

ع ۳۶/۵ فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ع ⑤

اس کی گردن میں رسی ہے مونج کی۔

خسران وبربادی در دنیا وعقبیٰ از دشمنیٔ رسول خدا ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ط ① ... الٰی ... حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ع ⑤﴾

ربط: گزشتہ سورۂ نصر میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق اور ہدایت ہی کو غلبہ وکامیابی حاصل ہوتی ہے اور دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتی

ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اپنے دین کو غالب و کامیاب فرمایا ہے۔ تاریخ عالم میں اس نے اپنی قدرتِ عظیمہ کا مشاہدہ کرا دیا کہ وہ پیغمبر اور ان کے ساتھی جو مکہ سے مجبور و مظلوم ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ چند ہی سال گذرنے پر وہی اللہ کا رسول دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اسی سرزمین میں فاتح و کامیاب داخل ہو رہا ہے۔ تو اس کے بالمقابل اس سورت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ دینِ خداوندی اور اللہ کے رسول کی دشمنی کا انجام کس طرح تباہی اور بربادی کی صورت میں رونما ہوتا ہے چنانچہ وہ سرداران مکہ جن کے مال و دولت اور عزت و حشمت کی کوئی کمی نہ تھی (جن میں ایک ابولہب [1] بھی تھا) کیسے ذلیل اور تباہ و برباد ہوئے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا: ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور ٹوٹ گیا۔ وہ خود ہی بس تباہ و برباد ہو گیا۔ قدرتِ الٰہیہ کے اس فیصلہ سے جو اس کی اس بیہودگی و بدتمیزی پر جاری ہو گیا جو اس نے کی اس وقت جب کہ کوہ صفا پر چڑھ کر حضور اکرم ﷺ نے قبائلِ قریش کو ایمان کی دعوت دی تھی تو اس بیہودہ نے کہا (تَبًّا لَكَ اَلِهٰذا اجمعتنا) اس بیہودہ نے اپنے مال و دولت کے غرور اور نشہ میں اس بیہودگی کا ارتکاب کیا اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ بس یہ ٹوٹ گیا۔ تباہ و برباد ہو گیا اور اس قطعی فیصلے کو دنیا کی کوئی طاقت ٹلا نہیں سکتی۔ چنانچہ یوں ہی ہوا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ ہی وہ سب کچھ جو اس نے کمایا تھا۔ اس کی عزت و سرداری اور قبائل عرب میں اس کی مقبولیت و محبوبیت دنیا کی زندگی میں خدا کا یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہا۔ اور سب نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ کس طرح تباہ ہوا اور ذلیل و خوار ہو کر بڑی ہی گندی موت سے مرا کہ کوئی اس کے قریب بھی آنے کو تیار نہ تھا جو بلاشبہ ایک عذاب تھا۔ اور رسول خدا کی دشمنی اور توہین کی سزا تھی جو اس کو دنیا میں بھگتنی پڑی۔ اب اس کے بعد مزید آخرت کا عذاب بھی سامنے ہے کہ وہ عنقریب داخل ہو گا ایک ایسی دھکتی ہوئی آگ میں جو بڑی شعلے برسانے والی ہوگی اور ذات لہب آگ ابولہب کے لیے تیار کر دی گئی ہے اور جو بدبخت و بدنصیب کفر و نافرمانی کی بھڑکتی ہوئی غیظ و غضب کی آگ میں اللہ کے رسول کی دشمنی کرتا رہا اس کو ایسی ہی ذات لہب اور دھکتی ہوئی آگ میں یقیناً جانا پڑے گا اور اس کی بیوی بھی اس دنیوی ہلاکت اور عذاب اُخروی میں مبتلا ہوگی جو لکڑیاں لاد کر لانے والی ہے جس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے تو وہ بدبخت بھی ہلاک ہوگا اور اس کی بدنصیب یہ بیوی بھی تباہ و برباد ہوگی جن کے حق میں خدا کا یہ فیصلہ ہو گیا۔

حضرات مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ابولہب کی بیوی جو عرب کے سرداروں میں سے تھی جس کا نام اَرْوٰی بنت حرب تھا اپنے حسن و جمال میں بڑی معروف تھی اور اسی وجہ سے اس کو ام جمیل کہا جاتا تھا۔ اس کی ذلت میں خاص طور سے یہ وصف یعنی ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ اس وجہ سے بیان کیا گیا کہ یہ بھی ابولہب کی طرح حضور ﷺ کی دشمنی اور غیظ و غضب میں بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح شعلے برساتی پھرتی تھی۔ اور شدت عداوت کے باعث لکڑیاں جن میں کانٹے ہوتے حضور ﷺ کے راستے میں ڈال دیتی تاکہ آپ کے پاؤں میں کانٹے چبھیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس قدر بخل تھا کہ مال و دولت کے باوجود لکڑیاں سر پر اٹھا کر لاتی تھی۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ وہ نار جہنم کا طوق ہے جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ [2] سے منقول ہے کہ ابولہب کی بیوی کی گردن میں ایک نہایت قیمتی ہار پڑا رہتا تھا جس پر یہ فخر کرتی تھی

---

[1] ابولہب آپ ﷺ کے جد عبدالمطلب کا حقیقی بیٹا یعنی آپ ﷺ کا چچا تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ نہایت سرخ رنگ اور خوبصورت آدمی تھا چہرے کی چمک دمک ایسی تھی کہ گویا چہرے سے شُعلے نکل رہے ہوں۔ اس وجہ سے اَبُولَہَبْ کنیت تھی۔ ۱۲

[2] تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ج ۴

اور کہتی تھی کہ میں اس ہار کو محمد (ﷺ) کی عداوت میں خرچ کردوں گی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی میں بروایت مجمع بن الطارق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار دیکھا کہ سوق ذی المجاز میں آپ ﷺ لوگوں کو اسلام اور خدائے وحدہٗ کی عبادت کی دعوت دیتے جارہے ہیں۔ پیچھے پیچھے ابولہب بدبخت آپ پر پتھر برساتا ہوا آرہا ہے جس سے آپ کی پنڈلیاں اور قدم لہولہان ہوچکے ہیں اور یہ بدبخت دونوں ہاتھ اٹھا کر مار رہا ہے اور آپ ﷺ پر ہنسی مذاق کرتا جارہا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ اس کے ایک خبیث بیٹے نے حضور ﷺ کے روئے مبارک پر تھوکا تھا تو ان تمام شقاوتوں اور بدبختیوں کا انجام دنیا میں بھی دیکھ لیا۔ چندروز کے بعد افلاس وغربت کا دور شروع ہوگیا اور اس بدبخت بیٹے پر جس نے یہ بیہودگی کی تھی اور آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس کے حق میں یہ بددُعا نکلی تھی کہ اے اللہ تو اس پر اپنا کتا مسلّط فرمادے تو اسی طرح ہوا ایک روز جنگل میں جارہا تھا ایک شیر نے چبا کر چُورا چُورا کردیا۔

اور خود ابولہب ایک بیماری میں مبتلا ہوا جس کو اہلِ عرب عدسہ کہتے ہیں یعنی طاعون کا پھوڑا۔ یہ ایسا مرض متعدی سمجھا جاتا ہے کہ کوئی اس مریض کے قریب بھی نہیں آتا۔ تکلیف کی حد نہ رہی۔ کتوں جیسی آواز نکلنے لگی۔ چہرہ بگڑ گیا جو چہرہ حسن وجمال سے چمکتا تھا وہ قابل نفرت بن گیا کہ دیکھنے سے ہی لوگ کترانے لگے یہاں تک کہ گھر والوں نے اس کو دُور جگہ ڈالوادیا مبادا کہیں ان کو بھی یہ مرض نہ لگ جائے۔ اسی حالت میں مرگیا اور تین دن تک لاش اسی طرح پڑی رہی کیونکہ کسی میں ہمت نہ تھی کہ ایسی گندگی اور بدبودار لاش کے قریب بھی آسکے اس صورت حال میں کچھ حبشی مزدوروں کو بلوایا گیا جنہوں نے لکڑیوں کے ذریعے اس لاش کو دھکیل کر ایک گڑھے میں ڈال دیا۔ اس کی یہ بیوی جس کو قرآن نے مکی زندگی میں ہی ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ کہہ دیا تھا اور گویا اس وقت یہ ابولہب کی کفروسرکشی کی دہکتی ہوئی آگ کو اور زائد کرنے اور باقی رکھنے کے لیے لکڑیوں کی گانٹھیں اٹھا اٹھا کر لانے والی اور دھکتی ہوئی آگ کو اور بھڑکانے والی حمالہ تھی یہ واقعتاً اور صورۃً بھی ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ بن گئی۔ اور قدرتِ خداوندی نے جب انتقام وقہر کے سلسلہ کا آغاز ان کی فقروتنگدستی سے کیا تو پہلے یہ اُمِ جمیل جو نازنخروں سے گردن میں ہار ڈالے پھرتی تھی۔ ابولہب کی بیماری سے غمزدہ ہوگئی۔ پھر فقروتنگدستی نے یہاں تک نوبت پہنچائی کہ لکڑیاں لاد کر لانے کی نوبت آگئی اور جو رسی لکڑیاں باندھنے کی گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک روز ٹھوکر کھا کر جب گری اور لکڑیوں کی گانٹھ گرگئی۔ تو وہ رسی پھندے کی طرح گلے میں پھنس گئی اور ایسا گلا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مرگئی۔ اور اس وقت اس کے گلے میں یہ پھندا اس قیمتی ہار اور زرّیں گلوبند کی جگہ تھا جو یہ اپنے گلے میں ڈالے پھرا کرتی تھی اور اس [1] ہار کو محمد (ﷺ) کی دشمنی میں بیچنے کا ارادہ کرتی تھی۔

سبحان اللہ کس طرح خداوندِ عالم کی قدرت نے ابولہب اور اس کی بیوی کو ہلاک وبرباد کیا اور جو جو باتیں ظاہری شان وشوکت کی تھیں انہی کو عذاب کی صورت میں منتقل کردیا۔

---

[1] ان الفاظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس مقام پر خداوندِ عالم نے ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ اور ﴿فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ کا عذاب کس طرح ظاہری اور معنوی طور پر مکمل فرمادیا اور اس ضمن میں ان کلمات کی بلاغت وحکمت اور ان کلمات سے اعجاز قرآنی بھی واضح ہورہا ہے۔ اور اس کی گردن میں موجِ کی رسی دُنیا کا عذاب تھی۔ لیکن اس کو اللہ نے نمونہ بنادیا ﴿اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ﴾ کا۔

یہ سورت جب نازل ہوئی اس وقت ابولہب کی شعلہ فشانیاں خوب جولانیت پر تھیں اور اس کی بیوی ام جمیل کا جمال وطمطراق بھی بڑے عروج پر تھا۔ اس وقت خداوندِ عالم نے یہ خبر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی خبر دینا وحی الٰہی کا کام ہو سکتا تھا۔ پھر اس کی صداقت دُنیا کے سامنے روزِ روشن بن کر آ گئی۔ اور اس تاریخ کو دُنیا نے دیکھ لیا۔ یہ تو دُنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔ اس سے بڑھ کر آخرت کا عذاب ہے ﴿وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰی﴾ ابولہب کی ہلاکت غزوۂ بدر سے سات روز بعد پیش آئی تو اس تاریخی حقیقت کو دُنیا تسلیم کرنے پر مجبور ہے جو قرآنِ کریم کے کلام الٰہی ہونے کی عظیم الشان دلیل ہے۔ جس پر عقل والے انسان کا ایمان لانا ضروری ہے۔

تمّ بحمد الله تفسير سورة اللّهب

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ الاخلاص

سورۂ اخلاص مکیہ ہے جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ عکرمہ جابر عطاء اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے اس کی چار آیتیں ہیں۔ اس سورت مبارکہ میں توحیدِ خداوندی اور اس کی ذات وصفات کی عظمت کا بیان ہے اور یہ کہ اس کی الوہیّت اور ذات وصفات میں اس کا کوئی مشابہ اور نمونہ نہیں۔ مماثلت ومشابہت خواہ ذات میں ہو یا جملہ صفات میں یا صفات میں سے کسی ایک وصف میں وہ برابری کی موجب ہے اور علی الاطلاق کسی ایک کی عظمت و کبریائی کے منافی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات ظاہر کی جا رہی ہے کہ اسلام کی خصوصیت توحید ہے اور اسی خصوصیت کے باعث اسلام دوسرے مذاہب سے ممتاز وجُدا ہے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بناء پر اسلام دُنیا کے تمام مذاہب سے بہتر اور عین عقل وفطرت کے مطابق ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ کفار قریش نے یا یہود کے علماء میں سے کعب بن الاشرف نے نبی کریم ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ آپ اپنے رب کے اوصاف ہم کو بتایئے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ آپ ﷺ کا رب کیسا ہے۔

امام احمد اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجیے وہ کس نسب سے ہے تو اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس سورت کی عظمت وفضیلت کے لیے یہی بات بہت کافی ہے کہ توحیدِ خداوندی کا مضمون ہے اور اس کی شانِ کبریائی اور بے نیازی بیان کی گئی ہے۔ مزید برآں اس کے فضائل میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان ((قُلْ هُوَ اللّٰهُ تعدل ثُلث القُراٰن قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ)) تہائی قرآن کے برابر ہے۔ بہت ہی بڑی فضیلت ہے۔

صحیح بخاری و دیگر کتب حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس کسی شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے تہائی قرآن کی تلاوت کی۔

اس لیے کہ قرآن کریم از اوّل تا آخر جن مضامین پر مشتمل ہے وہ تین قسم کے ہیں: ① توحید وصفات خداوندی۔ ② اعمالِ عباد۔ ③ قیامت اور جزاء وسزا تو اس سورت میں توحید وصفات کا بیان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جہاد کے لیے ایک سریہ بھیجا تھا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنایا تو یہ صاحب جب بھی نماز پڑھاتے تو ہر رکعت میں سورت کے شروع کرنے سے پہلے سورۃ اخلاص پڑھتے تو لوگوں نے واپس آ کر یہ بات آپ ﷺ سے بتائی (کیونکہ یہ چیز عام دستور اور طریقہ صلوٰۃ سے مختلف تھی) تو آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے دریافت کیا فرمایا اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ سورت صفت الرحمٰن ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کو بتا دو اللہ بھی اس سے محبت فرماتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سورت کی محبت نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تھے کہ انہوں نے حاضرین مجلس سے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ ہر رات تہائی قرآن کی تلاوت کے ساتھ قیام کر لیا کرے (یعنی تہجد پڑھ لے) لوگوں نے عرض کیا: اے ابوایوب رضی اللہ عنہ کیا کسی میں اس قدر طاقت ہو سکتی ہے کہ ہر رات وہ اتنی مقدار تلاوت کرے۔ آپ نے فرمایا: ((قُلْ هُوَ اللّٰهُ تعدل ثلث القرآن)) تو اسی مجلس میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا صدق ابوایوب رضی اللہ عنہ۔ ❶

ایک روایت میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ختم سورت تک دس مرتبہ پڑھ لی۔ اس کے واسطے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنا دے گا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر کہنے لگے پھر تو یارسول اللہ ﷺ ہم جنت میں بہت سے محل بنالیں گے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہیں۔

اس سورت کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ احادیث و روایات میں اس کے متعدد نام ذکر فرمائے گئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بیس نام تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور ہر نام کے ساتھ وجہ تسمیہ اور اس کا ماخذ بھی قرآن کریم سے ذکر کر دیا گیا۔ ❷

آیاتها ۴	(۱۱۲) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ (۲۲)	رکوعها ۱

سورۃ اخلاص مکی ہے۔ اس میں چار آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ ﴿۳﴾

تو کہہ، وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ نرادھار (بے نیاز) ہے۔ نہ کسی کو جنا، نہ کسی سے جنا،

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ ع

اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی۔

ع ۲۷

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔ تفسیر کے لیے درمنثور اور قرطبی ملاحظہ فرمائیں۔ ❷ تفسیر کبیر ج ۳۲۔ ص ۱۷۵۔۱۷۶

اعلان توحید خداندی وتقدیس وتنزیہ از مماثلت ومشابہت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ . . . الٰی . . . كُفُوًا اَحَدٌ ﴾

حق تعالیٰ شانہٗ کی معرفت اس کی شان ربوبیت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے جو انسان کی فطرت میں ابتدائے آفرینش اور روز اوّل سے ودیعت رکھ دی گئی۔ اور عہدِ الست میں اولادِ آدم کو اسی عنوان سے مخاطب فرمایا گیا تھا ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ سب نے جواب دیا تھا ﴿ بَلٰی ﴾ تو رب کی معرفت انسان کے خمیر اور اس کی فطرت میں ودیعت رکھی ہوئی تھی۔ اس لیے قرآنی مضامین کی ابتداء اسی وصف کیساتھ حمد وثناء سے فرمائی گئی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اور ظاہر ہے کہ مقصد اس معرفت کا تقاضا یا اس کا نتیجہ وثمرہ ایمان باللہ ہے۔ جس پر نجات اُخروی اور سعادت ابدیہ موقوف ہے اور ایمان باللہ توحید ذات وصفات ہی کا نام ہے اس وجہ سے قرآنی مضامین کا اختتام اس سورت مبارکہ پر ہورہا ہے۔ جو قرآنی مضامین کی روح اور انسانی حیات کا اصل مقصد ہے تو اب ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

کہہ دیجیے اے ہمارے پیغمبر جب یہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کے رب کی صفت کیا ہے تو کہہ دیجیے وہ خدا ایک ہی ہے وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ ذات میں یکتائی اس طرح کی کہ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی الوہیت میں اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی قادر مطلق ہے اور کوئی نہیں۔ وہی علیم وخبیر ہے اس کے احاطۂ علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ خواہ ظاہر ہو یا باطن حتیٰ کہ دلوں کے راز بھی وہی جاننے والا ہے اور کوئی نہیں۔ وہی رحمان ورحیم ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں اس کی توحید ذات وصفات اس امر کو مستلزم ہے کہ وہی اللہ بے نیاز ہے۔ کسی کی اس کو حاجت نہیں۔ بلکہ سب ہی اس کے محتاج ہیں۔ تو ظاہر ہے صرف ایسا ہی ایک خدا عبادت کا مستحق ہے ایسے خدا کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کرنا یا اس کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک کرلینا عقل وفطرت کے خلاف امر اور انسان بدترین ظلم اور ذلیل جُرم ہے۔

افسوس کہ اس کی ذات وصفات اور وحدانیت کے سمجھنے میں ٹھوکریں کھانے والوں نے بڑی ٹھوکریں کھائیں کسی نے دو خالق یزدان واہرمن تجویز کیے نور وظلمت کو معبود بنالیا کسی نے اس کے لیے بیٹا تجویز کرلیا۔ کسی نے خدائی کو تین خداؤں میں جمع کردیا۔ پس سن لینا چاہیے ایسے تمام بعید الفہم لوگوں کو جو اپنی بلادت وحماقت سے یہ کہیں ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المائدہ:۱۸) اور ان کو بھی جو یہ کہیں ﴿ عُزَیْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ اور ان مسیحیوں کو بھی جو مسیح بن مریم علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان کو بھی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں۔ الغرض ہر انسان کو جو خدا کی خدائی میں شریک کرتا ہو یا اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ وہ خدا ایسا واحد ویکتا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اس لیے کہ وہ احد وصمد ہے اور احدیت وصمدیت کا تقاضا یہی ہے کہ نہ اس کی کوئی بیٹا اور اولاد ہو اور نہ وہ کسی کی اولاد ہو۔ کیونکہ یہ چیز سراسر شرکت اور احتیاج ہے لہٰذا احدیت وبے نیازی کے ساتھ کیونکر جمع ہوسکتی ہے اور اس کی یہ شانِ احدیت اس امر کو بھی مقتضی ہے کہ نہیں ہے اس کا کوئی بھی ہمسر اور مثال ونمونہ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بھی رکھے۔ جیسے کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱) اس لیے کہ اگر کسی میں مشابہت ومماثلت فرض کی جائے تو لامحالہ دو کا کسی ایک وصف میں برابر ہونا لازم آئے گا اور یہ برابری خداوندِ عالم کی شان کبریائی کے بھی منافی ہوگی۔ اور معنوی طور پر وحدانیت کا بھی ابطال لازم آئے گا۔ جس کا نتیجہ یہی ہے کہ وہ واحد یکتا ایسا بے نیاز ہے کہ اس کو نہ خاندان وقبیلہ کی ضرورت ہے نہ بقاء نسل

کے لیے نہ دیگر کسی امر کے باعث اور نہ ہی اس کو کوئی نمونہ اور مثال ہے۔ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾۔

سورۂ اخلاص کے یہ کلمات احد، صمد، لم یلد، ولم یولد۔ اسی وجہ سے خداوند عالم کی وحدانیت اور شانِ بے نیازی بیان کرنے میں نہایت ہی اعلیٰ وارفع ہیں۔ یہ ایسی برکت وعظمت والے قرار دیئے گئے کہ ان الفاظ کی بدولت بندہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں جیسے کہ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور دعا مانگ رہا ہے۔

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ))۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری زندگی ہے۔ بے شک اس شخص نے اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کو پکارا ہے۔ جب بھی اس کے ساتھ مانگا جائے وہ عطا فرمادے اور جو بھی دُعا کی جائے وہ قبول فرمالے۔“

بہرکیف سورۂ اخلاص۔ توحید۔ ذات وصفات اور نفی شرک کی مکمل حقیقت اور روح ہے اور صفاتِ خداوندی میں ثبوتی اور سلبی صفات کو جامع ہے گویا ایمان واسلام کی اعتقادی اور عملی اصول کی ترجمانی اور کلمہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کی تفسیر وتشریح ہے اور اس بناء پر کہ اس مضمون کی ابتداء قل کے خطاب سے ہے تو ضمناً علوم توحید کے ساتھ علوم رسالت کو بھی یہ سورت جامع ومتضمن ہوگئی۔

فائدہ: صمد کی تفسیر میں طبرانی اور حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ ان سب کو نقل کر کے طبرانی کہتے ہیں ((وکل هذه صحیحة وهی صفات ربنا عزوجل ... الخ)) کہ یہ سب معانی صحیح ہیں اور ہمارے رب کی صفات ہیں۔ وہ ہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں کو پہنچ چکی اور وہی ہے جو کھانے پینے کی خواہشات سے پاک ہے اور وہی ہے جو خلقت کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔ اللہ رب العزت کی صفت صمدیت ان جاہلوں کے باطل اور لغو عقیدہ کا رد ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا اختیار کسی اور کو بھی حاصل ہے اور وہ اس عقیدہ کی بناء پر اولیاء کو حاجت روا سمجھیں اور ان کے پاس خدا کے اختیارات ہیں، کا عقیدہ رکھیں۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فوائد میں فرماتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی یہ صفت ﴿لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ﴾ ان لوگوں کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں۔ نیز جو مسیح علیہ السلام کو یا کسی بشر کو خدا کہتے ہیں یا یہ کہ خدا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں تو ﴿لَمْ یُوْلَدْ﴾ اس کی تردید ہے کیونکہ ہر فرد بشر مولود ہے۔ اور کسی سے پیدا ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس جب مسیح علیہ السلام ایک پاکباز عورت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو وہ کیسے خدا ہو گئے۔

اسی طرح ﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ﴾ ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ کی کسی صفت میں اس کی مخلوق کو اس کا ہمسر کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض گستاخ تو اس سے بڑھ کر صفات دوسروں میں ثابت کر دیتے ہیں۔ یہود کی کتابیں اٹھا کر دیکھو ایک دنگل میں خدا کی کُشتی یعقوب سے ہو رہی ہے اور یعقوب خدا کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ

﴿کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا﴾ (الکہف) انی اسئلك یا اللہ الواحد الاحد الصمد الذی لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ○ ان تغفرلی ذنوبی۔ انك انت الغفور الرحیم۔ توفنی مسلمًا والحقنی بالصالحین○ آمین یارب العلمین۔ (تمّ بحمد اللہ تفسیر سورۃ الاخلاص)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر المعوذتین

سورۃ الفلق و سورۃ الناس

کلام اللہ کی یہ دو آخری سورتیں معوذتین کہلاتی ہیں دونوں سورتیں عبداللہ بن عباس اور جمہور صحابہ وائمہ مفسرین رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی کے قائل ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس وقت نازل کی گئیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود نے سحر کر دیا تھا اور اس جادو کے اثر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک طرح کا مرض سا بدن مبارک پر لاحق ہو گیا تھا اور اس دوران کبھی ایسا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کسی دُنیا کے کام اور معاملہ میں خیال ہوتا کہ میں نے یہ کام کر لیا حالانکہ وہ نہیں کیا ہوا ہوتا کبھی کوئی چیز نہیں کی اور خیال ہوتا کہ میں نے یہ بات کر لی ہے اس کے علاج کے واسطے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باسناد عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ تخریج کی ہے کہ حضرت عائشہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا گیا تھا (اور جب اس کے کچھ آثار بدن مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں محسوس ہوئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے اللہ رب العزت سے جو بات معلوم کرنی چاہی تھی وہ مجھے اللہ نے بتا دی ہے وہ اس طرح کہ میرے پاس دو آدمی آتے (یعنی اللہ کے فرشتے دو انسانوں کی صورت میں) ایک ان میں سے میرے سر کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف تو اس نے جو سرہانے بیٹھا تھا دوسرے سے پوچھا کہ ان صاحب کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے پہلے نے پوچھا اور کس نے ان پر جادو کیا؟ جواب دیا لبید بن الاعصم نے۔ جو یہودیوں میں سے ایک شخص تھا، منافق تھا دریافت کیا اور کس چیز میں جادو کیا گیا؟ جواب دیا بالوں کے گچھے میں۔ سوال کیا وہ کہاں ڈالا گیا؟ تو بتایا بئر ذروان میں (ایک کنوئیں کا نام ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اس کو نکلوایا اس کنوئیں کا پانی دیکھا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہندی کا پانی ہے سرخ رنگ کا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ بالوں کو کسی دھاگہ میں باندھ کر اس میں گرہیں لگائی ہوئی تھیں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک پڑھتے جاتے تو ہر آیت کی تلاوت پر ایک گرہ کھل جاتی اور دونوں سورتوں کی آیات پوری ہونے اور دم کرنے پر ایسا معلوم ہوا گویا کسی بندش سے کھول دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر حسب سابق وہ نشاط کی حالت عود کر آئی اور جو گھٹن یا جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔

یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے مسند احمد بن حنبل اور دیگر کتب احادیث میں متعدد سندوں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے یہ قصہ منقول ہے حضرت عائشہ، ابن عباس اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم کی روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہیں اور ان روایات واحادیث پر کسی

نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت یا بدنی احوال میں کسی نوع کا تغیر منصب رسالت کے منافی نہیں ہے جیسے آپ ﷺ کا کسی وقت بیمار ہو جانا یا کسی وقت غشی کا طاری ہونا جیسے کہ مرض الوفات کے زمانہ میں ایسا ہوا یا جیسے غزوۂ احد میں آپ ﷺ کے چہرہ انور پر زخم لگ جانا اور دندان مبارک کا شہید ہونا یا جس طرح کہ کسی وقت آپ ﷺ کو نماز میں سہو پیش آ جانا تو یہ جملہ احوال بمقتضائے بشریت ہیں اور ان کے پیش آنے سے آپ ﷺ کے مقام رسالت اور وحی الٰہی کے اعتماد میں کسی قسم کا کوئی سقم اور حرج نہیں واقع ہو سکتا اور نہ ہی یہ احوال آپ کے منصب رسالت کے منافی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو جب نماز میں سہو پیش آیا تو آپ نے فرما دیا تھا ((انما انا بشر انسٰی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی)) کہ میں بہرحال ایک بشر ہوں اور کسی وقت (حکمتِ الٰہیہ کے باعث) کوئی چیز بھول جاتا ہوں جیسے تم لوگ بھولتے ہو تو جب میں کوئی بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دو۔

تو اس قسم کے سہو یا غشی کے واقعہ سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں آپ ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ کی باتوں پر (العیاذ باللہ) کیسے یقین کر لیا جائے ظاہر ہے کہ اس قسم کے احوال جسمانیہ جو از قسم مرض و حوادثِ طبیعیہ ہوں، سے وحی الٰہی اور فرائض منصب رسالت کی ادائیگی میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور محض اتنی سے بات سے کہ آپ ﷺ کو کسی کام کو کر لینے کا خیال ہو گیا حالانکہ نہ کیا ہو قطعاً وحی الٰہی کے اعتماد پر کوئی جرح نہیں کی جا سکتی انبیاء علیہم السلام بہرحال جنس بشر سے ہیں اور ان پر ایسے احوال وعوارضِ بشریہ کا طاری ہونا شریعت اور احکام دین کی حجیت و قطعیت پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ مسحور ہونا اس طرح کا نہ تھا جو کفار و مشرکین آنحضرت ﷺ کو بطور طعن کہا کرتے کہ مسحور و مجنون ہیں کہ وحی الٰہی کے جوش اور جذبہ دعوت و تبلیغ میں انہماک جنون کے عنوان سے تعبیر کرتے بعض حضرات اہل علم کا اس قصہ میں یہ تاویل اختیار کرنا ظاہر احادیث کے مضمون کے صریح خلاف ہے۔

اور اگر بالفرض والتقدیر کسی سہو یا سحر کو نقصان تصور کیا جائے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ اللہ کی وحی سے اس سہو یا سحر کو دور نہ کیا گیا ہو جب کہ ہر سہو پر اور اس جادو کے قصہ میں وہ اثرات قدرتِ خداوندی نے زائل کر دیئے تو پھر کیا اشکال ہو سکتا ہے قرآنِ کریم کی یہ آیت اس حقیقت اور حکمت الٰہیہ کو ظاہر کر رہی ہے ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ﴾ اس لیے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر کسی وقت کوئی مرض یا کسی لمحہ کوئی سہو یا غشی پیغمبر پر طاری ہو گئی تو اس سے فرائض نبوت میں کوئی خلل نہیں واقع ہو سکتا۔

آیاتہا ۵ (۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۲۰) رکوعاتہا ۱

سورۂ فلق مدنی ہے اور اس کی پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ

تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے رب کی ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور بدی سے اندھیرے کی

اِذَا وَقَبَ ۙ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ

جب سمٹ آوے اور بدی سے عورتوں کی جو گرہوں میں پھونکیں اور بدی سے برا چاہنے والے کی

اِذَا حَسَدَ ع ⑤ ع ۱ ۳۸

جب لگے ہونسے۔

آیاتہا ۶ (۱۱۴) سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ (۲۱) رکوعاتہا ۱

سورۂ ناس مدنی ہے اس کی چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ ① مَلِكِ النَّاسِ ۙ ② اِلٰهِ النَّاسِ ۙ ③ مِنْ

تو کہہ میں پناہ میں آیا لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے پوجے کی بدی سے

شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ۙ ④ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ ⑤

اس کی جو سنکارے اور چھپ جاوے وہ جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ع ⑥ ع ۱ ۳۹

جنوں میں اور آدمیوں میں۔

معوذتین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مؤقف

معوذتین یعنی سورۃ فلق اور سورۃ الناس قرآنِ کریم کی دو سورتیں ہیں اور اس پر تمام صحابہ اور ائمہ مفسرین کا اتفاق ہے اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تواتر کے ساتھ ان دونوں کا قرآن کی سورتیں ہونا ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے ان دونوں کا فرض نمازوں میں پڑھنے کا بھی ثبوت ہے نیز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصحف الامام میں بھی ان کا ہونا تمام روایات اور تاریخی نقول سے ثابت ہو چکا جس میں کسی بھی تردد کی گنجائش نہیں۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی زمام پکڑے اس کو لے کر چل رہا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انتہائی شفقت کے باعث مجھ کو کہا اے عقبہ کیا تو سوار نہیں ہوگا اس ڈر کی وجہ سے کہ آپ کے فرمان کی تعمیل نہ کرنا کہیں معصیت نہ ہو جائے میں سواری پر سوار ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اُتر کر پیدل چلنے لگے تھوڑی دیر تعمیل حکم کی خاطر میں بیٹھ کر پھر نیچے اتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (میرے عرض کرنے پر) سوار ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عقبہ کیا میں تجھ کو ایسی دو بہترین سورتیں نہ سکھا دوں جو قرآن کریم میں پڑھی جاتی ہوں میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپؐ نے مجھ کو یہ دونوں سورتیں پڑھائیں اس کے بعد نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے نماز پڑھائی اور نماز کی دونوں رکعتوں میں ان دونوں سورتوں کو تلاوت فرمایا اس کے بعد فرمایا (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے سے گذر رہے تھے) اے عقبہ کیسا پایا تو نے ان دو سورتوں کو یعنی تو نے دیکھ لیا کہ یہ دو سورتیں ایسی ہیں کہ نماز میں ان کی تلاوت کی گئی (ایک روایت میں ہے کہ یہ نماز فجر تھی) اور آپ نے فرمایا ان سورتوں کو پڑھا کرو جب بھی تم سویا کرو اور جب بھی نیند سے بیدار ہوا کرو۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مصحفِ قرآنی کے جو نسخے تمام بلادِ اسلامیہ کو بھیجے تھے ان سب میں یہ موجود تھیں اور اقطارِ عالم میں صحابہ رضی اللہ عنہ و تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور پوری اُمت ان کی تلاوت کرتی رہی اور تواتر سے یہ امر ثابت ہے کہ اس بارہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اختلاف نقل کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مصحف (نسخۂ قرآن) میں معوذتین کو نہیں لکھا تھا (جس سے یہ بات سمجھی گئی کہ وہ ان کے قرآن ہونے کے قائل نہیں ہیں) قطعی طور پر تو یہ متعین و معلوم نہیں ہو سکا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کیا مراد تھی اور کس وجہ سے انہوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا تھا یا ان کو کیا خیال یا شبہ پیش آیا کہ اس کے باعث یہ صورت واقع ہوئی۔

بعض حضراتِ مفسرین جیسے صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ کا اس وجہ سے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں معوذتین لکھی ہوئی نہیں تھیں یہ سمجھنا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے قرآن ہونے کے منکر تھے صحیح نہیں ہے قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے۔

لم ینکر ابن مسعود کونھما من القرآن وانما انکر اثباتھما فی المصحف فانه کان یریٰ ان لایکتب فی المصحف شیئٌ اِلَّا ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی کتابتہٖ وکانہ لم یبلغه الاذن.

”کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے قرآن میں سے ہونے کے منکر نہیں تھے بلکہ مصحف قرآنی میں لکھنے کے منکر تھے اور ان کا خیال تھا کہ مصحف میں صرف ان ہی آیات کو لکھا جائے جن کی کتابت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو باقلانی کہتے ہیں گویا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا علم نہیں ہوا تھا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج ۸ میں بعض ائمہ سے یہ نقل کیا کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کے قرآن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ ان کی صفت میں اختلاف تھا یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تلاوت کے لیے نازل نہیں ہوئیں بلکہ تعوذ اور دم کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں تا کہ بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہنے کے لیے پڑھا جائے۔

لیکن روایات ونقول اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ اپنی ایک رائے تھی جس کے ساتھ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اتفاق نہیں کیا بعض حضرات سلف کا خیال ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف میں ان سورتوں کو لکھا تھا جن کو یاد کرنے اور حفظ کرنے یا محفوظ رکھنے کی ضرورت ہو اور چونکہ یہ سورتیں ایسی تھیں کہ ان کے لیے اس امر کی حاجت نہ تھی اور ان کا حفظ ایسا قطعی تھا کہ اس میں کبھی بھی شبہ نہیں ہوسکتا تھا تو اس وجہ سے ان کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا جیسا کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ان کے مصحف میں سورۃ الحمد بھی لکھی ہوئی نہیں تھی حالانکہ سورۂ فاتحہ کا قرآن ہونا ایسا قطعی اور یقینی امر ہے کہ اس میں کسی کو بھی تردد نہیں ہوسکتا۔

زرّ بن جیش رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا۔

ابن قتیبہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان کو نماز میں تلاوت کے لیے نہیں بلکہ صرف تعوذ یعنی سحر اور دیگر مہلکات سے حفاظت کے لیے بطور تعویذ سمجھتے تھے علامہ ابوبکر بن الانباری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر تنقید کی اور فرمایا ابنِ قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول درست نہیں ان کا کلام اللہ ہونا اور قرآنِ کریم کی سورتیں ہونا تمام دُنیا کے نزدیک مسلم ہے اور قیامت تک اس میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اور ان کی قرآنیت تواتر سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث سے ان کا نماز میں پڑھنا بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ابتداء میں کسی وجہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا لیکن بعد میں اپنے قول سے رجوع کر کے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہ کا قول اختیار کیا ہوسکتا ہے انہوں نے اس بارے میں کچھ نہ سنا ہو لیکن جب دیکھا کہ قرآن کریم کے وہ صحیفے جو تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیجے گئے ان سب میں معوذتین مکتوب ہیں اور جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو پڑھتے ہیں اور کسی نے بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا تو پھر اپنے قول سے رجوع کیا۔

علامہ آلوسی رضی اللہ عنہ صاحب تفسیر روح المعانی اور حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے جن میں معوذتین کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے حضرات اہلِ علم ان حوالوں کی مراجعت فرمالیں بالخصوص جب کہ یہ ثابت ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کاتب وحی تھے اور عرضۃ [1] اخیرہ کے مطابق انہوں نے جو مصحف مرتب کیا تھا اس میں معوذتین موجود تھیں اور اس مصحف کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بالاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت وتلاوت کے مطابق تسلیم کرتے تھے اور اسی کے مطابق جامع القرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مصحف تھا۔

---

[1] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ آخری سال رمضان میں جب جبریل امین علیہ السلام نے دو مرتبہ آپ سے قرآنِ کریم کا دورہ کیا تھا تو اسی کے مطابق زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی کا مرتب کردہ مصحف تھا۔ ۱۲

تعلیم تعوذ وحصول پناہ از مہالک حسیّہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ ... الی ... وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝﴾

ربط: اس سے قبل سورۂ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ میں عقیدۂ توحید کا بیان تھا اور یہ کہ نجات کا دارومدار اسی پر ہے کہ خداوندِ عالم کو اس کی ذات وصفات کے لحاظ سے یکتا مانا جائے گا اور اس طرح کہ نہ اس کا کوئی نمونہ ہے اور نہ اس کی کوئی ہمسری کرنے والا ہے تو اسی عقیدہ کا نام ایمان ہے اور اسی پر بندہ کی نجات وکامیابی موقوف ہے اب اس سورت مبارکہ میں مؤمن کے عقیدہ اور انسان کی سعادت میں جو چیز خلل انداز ہیں اور اس کو ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والی ہیں ان کو بیان کیا جارہا ہے بہت سے گمراہیاں اور ہلاکتیں بہیمیت کے آثار اور اس کی ظلمت سے پیدا ہوتی ہیں تو ضرورت ہے کہ نورِ عقل اور نورِ ہدایت سے ان ظلمتوں کو دور کیا جائے بہت سی مخلوقات جو اپنی ذات اور اپنی خلقت سے موذی ہیں تو ان کی ایذاؤں سے بچنے کی ضرورت ہے، بہت سی مفسدانہ سازشیں اور تدابیر ہوتی ہیں تو ان سے بھی حفاظت کی ضرورت ہے اور بہت سی کمینہ خصلتیں اور انسان کے اندر بُری عادات ہوتی ہیں تو ان سے بھی پناہ ضروری ہے تو ان جملہ مہلکات اور شرور ومفاسد سے بچنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

کہہ دو! اے پیغمبر ﷺ ہماری طرف سے لوگوں کو سناتے ہوئے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ دین کے بنیادی عقائد ان پر استقامت کا حکم اور ایمان وسعادت کے تحفظ کے لیے یہ جو کچھ کہا جارہا ہے یہ اللہ کا فرمان ہے اور اس کی قطعیت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا اور وہ یہ ہے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کی روشنی کے رب کی جو روشنی رات کی تاریکی کو پھاڑ [1] کر نمودار ہوتی اور سارے عالم میں پھیلتی ہے اور اس کو روشن کردیتی ہے تو اس رب کی جس نے ایسی روشنی پیدا کی جو سارا عالم روشن کردے میں پناہ چاہتا ہوں اس رب کی ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی اور ظاہر ہے ہر مخلوق کا خالق ہی اس مخلوق کے شر اور اس کے شر کی ظلمت سے بچا سکتا ہے جو نورِ صبح کا خالق ہے اور اندھیری (یعنی ظلمت وتاریکی) کے شر سے جبکہ وہ پھیل جائے جب کہ اندھیری رات میں بالعموم عیاش وبدکار مفسدین درندے اور موذی جانور اپنے شر سے مخلوقِ خدا کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور پناہ مانگتا ہوں میں گرہوں میں [2] پھونکنے والی عورتوں کے شر سے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں بالعموم عورتیں شیاطین وجنات کے اسماء پڑھ پڑھ کر گرہیں لگاتی تھیں اور وہ جادوگرنیاں اپنے جادو سے یا ایسی عورتیں جو اپنے حسن وجمال اور آرائش وزیبائش کے فتنوں میں مردوں کو پھنسا کر ہلاک وتباہ کرنے والی اور ان کے مستحکم ارادوں اور عزائم کی

---

[1] تاریکی کی چند قسمیں ہیں اوّل عدم کی تاریکی، اس تاریکی کو ہستی کے صبح نے دور کیا دوسری جہل اور بہیمیت کی تاریکی اور شہوات ولذات نفس کی ظلمت جس کو نورِ فطرت اور روحانیت کی روشنی دور کرتی ہے تیسری تاریکی یہی حسی تاریکی جو رات کی سیاہی ہے جس میں خبائث وشیاطین عیاش وقزاق اور موذی جانور نکل کر اپنی نفسانیت وخباثت اور بہیمیت کی ظلمت پھیلاتے ہیں جس کو وحی الٰہی اور ہدایات ربانیہ دور کرتی ہیں چوتھی تاریکی خصائل ذمیمہ کی تاریکی ہے جس کو تعلیمات نبویہ اور محاسن اخلاق دور کرتے ہیں تو ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ سے لے کر ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ تک ان چاروں تاریکیوں کا ذکر ہے۔ ۱۲

[2] سحر ایک حقیقت ہے اور ائمہ متکلمین اشاعرہ وماتریدیہ اس کو تسلیم کرتے ہیں معتزلہ اور فلاسفہ اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں وہ محض خیال اور نظر بندی ہے معتزلہ کہ اس قول کی تردید صریح آیات قرآنیہ اور روایات نیز دُنیا میں پیش آنے والے بے شمار واقعات سے ہورہی ہے۔
قرآنِ کریم میں ہاروت ماروت کا قصہ بتارہا ہے کہ یہ فرشتے سحر کی تعلیم دیتے تھے خود آنحضرت ﷺ پر سحر کا اثر ہونا صحیحین کی روایتوں سے ثابت ہے تفصیل کے لیے سورۂ بقرہ میں آیت ﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ﴾ کی تفسیر کی مراجعت فرمائی جائے۔ ۱۲

مضبوط گرہوں کو اپنی اداؤں سے کھول کر پارہ پارہ کر دینے والی ہیں ان کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں اور اس میں شبہ نہیں کہ ایسی جادوگرنیاں حقیقی جادوگرنیوں سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں یا وہ نفوس ① خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں جو ساحرانہ عمل کے لیے رسی یا تانت اور بالوں وغیرہ پر پڑھ کر پھونکتے ہیں اور گرہیں لگاتے ہیں جیسے کہ لبید بن الاعصم اور اس کی بیٹیوں نے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بالوں پر اسی طرح ساحرانہ عمل کیا ہے اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے ② اور ایسا کینہ پرور انسان اپنی قلبی کیفیات کو ضبط نہ کر سکنے کے باعث کید و مکر سے ضرر پہنچانے کی بڑی سے بڑی تدبیر اور کمینہ پن اختیار کرے اور اس طرح مخلوق کو ایذاء اور شر میں مبتلا کرے تو ربِّ فلق چونکہ رات کی ظلمت کو شق کر کے عالم میں نور پھیلانے والا ہے لہٰذا اسی کی پناہ انسان کو ہر ظلمت سے مخلوقات کے شہر بہیمیت کی تاریکیوں بدکاروں فساق و فجار اور موذی جانوروں کی اذیت اور ہر کمینہ و حاسد کی ناپاک خصلتوں اور مجرمانہ تدبیروں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

فائدہ: ﴿غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ کے معنی بیان کرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں لفظ غاسق لغت کے لحاظ سے رات کے اس حصہ پر اطلاق کیا جاتا ہے جب کہ رات کی ظلمت شدید ہو جائے جیسے قرآن کریم کی آیت ﴿اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ﴾ سے مفہوم ہوتا ہے اور وقب کے معنی پھیلنے کے ہیں اور بعض اہل لغت سمٹنے کے بھی بیان کرتے ہیں ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ غاسق چاند کو کہتے ہیں جو گہن میں آجانے کی وجہ سے تاریک ہو جاتا ہے تو اس کا وقوب اس ظلمت و تاریکی میں داخل ہو جانا ہے چاند چونکہ اپنے اصل جرم اور کرہ کے اعتبار سے تاریک ہی ہے اس میں نور سورج کی محاذات سے ہوتا ہے اس بناء پر غاسق تاریک اور چاند دونوں کے معنی کے لیے جامع ہو سکتا ہے۔

تعلیم و تلقین از مہالک باطنیہ و آفات نفسانیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ . . . اِلٰی . . . مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶﴾

ربط: گزشتہ سورت یعنی الفلق میں اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا تھا ایسے تمام مہالک اور آفات سے جو حسّی اور ظاہری ہیں کہ ہر مخلوق کے شر۔ ہر تاریکی کے فتنہ سے ہر جادو کی مصیبت سے اور ہر حسد اور کید و مکر سے تو یہ تمام آفات ظاہری اور حسی تھیں۔ اب اس سورۃ الناس میں اُن آفات اور ہلاکتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے جو باطنی ہیں اور وہ نفس سے اور نفس کے دواعی و تقاضوں سے پیدا ہوتی ہیں اور قلب پر وارد ہو کر انسان کے دین اور عقیدہ کو ہلاک و برباد کر دینے والی ہیں تو اس سورت میں ان سے پناہ حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

ارشاد فرمایا کہہ دیجیے اے ہمارے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں پناہ حاصل کرتا ہوں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود کی ہر وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے ہٹ جانے والا ہو وہ جو وسوسہ ڈالتا ہو لوگوں کے دلوں میں جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ہر ایک کے وسوسہ سے میں پناہ چاہتا ہوں قلبی وساوس کے ذریعہ۔

---

① ان کلمات سے لفظ ﴿نَفّٰثٰتِ﴾ کی تانیث کی حکمت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

② حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نظر بد لگ جانے کو (جو ایک امر واقع ہے) اسی میں داخل فرماتے ہیں حسد کی حقیقت کسی کی نعمت اور خوبی کے زوال کی تمنا کرنا ہے لیکن حدیث ((لاحسد اِلاَّ فی اثنتین)) میں حسد غبطہ آرزو اور حرص کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس لیے یہ حسد کرنے والا العیاذ باللہ حاسد نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے حسد کا کوئی شر ہوگا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ ۱۲

گمراہ کرنے والے جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی جیسے کہ ارشاد ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (الانعام: ۱۱۲) اس لیے دونوں کے وسوسوں سے خدا کی پناہ طلب کرنے کی تلقین فرمائی گئی اور چونکہ وساوس قلبیہ ڈالنے والے شیاطین نظروں کے سامنے نہیں ہوتے تو گویا وہ وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والے ہیں خنوس لغت میں پیچھے ہٹ جانے کو کہا جاتا ہے جیسے کوئی قزاق اور قاتل داؤ اور گھات میں لگا ہو اور موقعہ پاتے ہی حملہ کر کے پیچھے چھپ جائے تو وسوسہ ڈالنے والا شیطان بھی اسی طرح وسوسہ ڈال کر فوراً چھپ [1] جاتا ہے۔

ابلیس یا اس کی ذرّیت میں سے نوعِ جن قلوب بنی آدم تک رسائی حاصل کرنے کی وجہ سے طرح طرح کے وسوسے اور ناپاک خیالات قلب میں ڈال دیتے ہیں اور جو انسان ابلیس کے تابع ہو جائیں وہ ابلیس ہی کا کام انجام دینے کے لیے اس مہم میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں میں مختلف قسم کے شکوک واوہام پیدا کرتے رہیں اور ان کی تمام تر کوشش یہی ہوتی ہے کہ دین اسلام، احکام اسلام اور اصول وعقائد میں ایسے ایسے شکوک پیدا کریں کہ مسلمان عقیدۂ توحید ایمان بالآخرۃ اور اصل ایمان ہی سے محروم ہو جائے ایسے ہی شیاطین انس کے بارہ میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرما گئے۔

اے بسا ابلیس شکل آدم است   پس بہر دستے نباید داد دست

ان شیاطین انس کا وجود اور ظہور ہر زمانہ میں ہوتا ہے خصوصاً زمانۂ اخیر میں ایسے مفسدین اور فتنہ پردازوں کی کثرت احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ان میں ایسے خطرناک فتنہ پرواز ہوں گے جن کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر میں ان کا زمانہ پالوں تو ان کو اس طرح ہلاک کروں گا جیسے عاد وثمود کی قومیں ہلاک کی گئیں جب دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کوئی علامت اور نشانی ہمیں بتا دیجیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ ہم ہی جیسے ہوں گے صورت وشکل میں ہماری جیسی ہی باتیں کرتے ہوں گے ہماری جیسی زبان سے بولتے ہوں گے خیر البریہ کے اقوال کہتے ہوں گے قرآن اپنی زبان سے پڑھتے ہوں گے لیکن دین سے اس طرح قطعاً بے تعلق ہوں گے جس طرح کوئی تیر نشانہ اور شکار سے خطا کر جائے اور بچ کر نکل جائے تو اس تیر پر، اس کی نوک پر، کنارہ پر، پھلکے پر، گرہ پر، کہیں بھی شکار کا کوئی اثر اور نشان نہیں ہوتا تو ایسا ہی ان فتنہ پردازوں اور گمراہ کرنے والوں کی زندگی میں یعنی ان کی معاشرت طور وطریق طرز زندگی میں کسی بھی رخ پر اسلام کا اثر نہیں آئے گا تو یہ ان ملحدین کا گروہ ہے جو دین اور اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسخ کرنے والے ہیں۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے وسوسے شیاطین کے وسوسوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں۔

معوذتین کی تفسیر میں حکماء وعارفین کی تحقیق وتشریح

معوذتین کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ انسان اگر مہالک حسیہ اور مہالک باطنیہ سے پناہ حاصل کرسکتا ہے تو صرف اسی رب کی پناہ جو خالقِ کائنات ہے اسی کا حکم تمام کائنات اور حتیٰ کہ انسانوں کے قلوب پر بھی جاری ہے پہلی سورت میں جو آفات اور مہلکات حسی اور

---

[1] بعض ائمہ مفسرین اور خنوس اور پیچھے ہٹ جانے کو اس مضمون پر محمول کرتے ہیں جو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ﴿وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ اور حدیث میں ہے: ((ان الشیطان جاثم علیٰ قلب ابنِ آدم کلما ذکر اللہ خنس)) تو شیطان کا انسان کے قلب سے ہٹ جانا استعاذہ اور ذکر اللہ سے اس کا خنوس ہے۔ ۱۲

ظاہری ہیں ان سے پناہ مانگنے کے لیے یہ عنوان ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ یعنی پناہ چاہتا ہوں میں رب الفلق کی ہر مخلوق کے شر سے اختیار فرمایا گیا۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ مخلوقات کے شر اور ان کے جملہ اقسام وانواع مادیت اور بہیمیت کی ظلمت وتاریکی ہیں اس وجہ سے مناسب ہے پناہ مانگنے میں رب کی صفت میں فلق کا لفظ ذکر کیا جائے حق تعالیٰ شانہٗ کی یہ صفت ذکر کرنے کے بعد جن چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے وہ چار چیزیں ہیں ﴿شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ہر مخلوق کے شر سے ﴿شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ رات کی تاریکی کا شر جس میں جملہ شرور وآفات رونما ہوا کرتے ہیں ﴿شَرِّ النَّفّٰثٰتِ﴾ جادوگروں کا شر ﴿شَرِّ حَاسِدٍ﴾ حاسدوں اور کمینہ خصلت انسانوں کا شر تو ان چار آفتوں سے پناہ حاصل کرنے کے لیے رب کی ایک صفت رب فلق کے ساتھ اس تعوذ کو ذکر فرمایا گیا لیکن دوسری سورت میں ایک ہی شر وساوس سے تحفظ اور تعوذ کے لیے رب کی تین صفات بیان کی گئیں ﴿رَبِّ النَّاسِ﴾ میں ربوبیت مَلِکِ النَّاسِ میں بادشاہت ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ میں معبودیت تو ان صفتوں سے موصوف رب کی پناہ ﴿شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ سے ذکر کی گئی۔

دونوں سورتوں کے عنوان سے ظاہر ہوا کہ شیاطین جن اور انس کے وسوسے زیادہ خطرناک اور مہلک ہیں اسی وجہ سے ایک شر سے تحفظ اور بچاؤ کے لیے خداوندِ عالم کی تین صفتوں کے ذریعہ پناہ مانگی گئی جب کہ پہلی سورت میں جملہ مہلکات حسیہ سے پناہ کے لیے رب کی ایک ہی صفت کے بیان پر اکتفاء فرمایا گیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق منیف

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر میں بعض عارفین سے ان سورتوں کی تشریح میں عجیب حقائق اور بلند دقائق ذکر فرماتے سَمِعْتُ بعض العارفین کے عنوان سے جو تحقیق ذکر فرمائی اس کے اکثر مقدمات ابن سینا کے مقدمات سے کچھ ملتے جلتے ہیں فرمایا۔

بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ جب کہ خدا تعالیٰ کی معبودیت کے متعلق جو امور تھے سورۂ اخلاص میں ان کی تمام وکمال شرح کر دی گئی تو مناسب معلوم ہوا کہ اب خالق سے اُتر کر ان دونوں سورتوں میں مخلوقات کے مراتب کی تفصیل کی جاوے اس لیے شروع سورت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا گیا کہ اس سورت میں مخلوق کے مدارج کا ذکر ہوگا کیونکہ فلق لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کو شق کر کے کوئی دوسری چیز اس میں سے برآمد ہو اور جیسا کہ رات کی تاریکی میں سے صبح کا نکلنا یا تخم میں سے درخت یا زمین اور پتھروں میں سے چشمہ صُلبِ پدر میں سے نطفہ یا رحم مادر میں سے بچہ برآمد ہوتا ہے اسی طرح تمام مخلوقات ظلماتِ عدم کی غیر متناہی پردوں کو پھاڑتے ہوئے وجود کے منور سطح پر برآمد ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے رب الفلق کے معنی رب جمیع الممکنات ہوئے۔

اب عالم ممکنات دو حصوں پر تقسیم ہوتا ہے ایک ارواح مجردہ کا عالم جس کو عالم الامر کہتے ہیں اور دوسرا مادیات کا عالم جس کو عالم الخلق سے تعبیر کر سکتے ہیں ان میں سے پہلی قسم چونکہ خیر محض ہے جس میں شر کا کوئی شائبہ نہیں اور دوسری قسم میں مادہ کے اقتران نے شرور کی بھی آمیزش پیدا کر دی ہے اس لیے جناب باری عزاسمہٗ نے ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ کہہ کر عالم مادیات سے تعوذ کی تعلیم فرمائی لیکن یہ ظاہر ہے کہ کل اجسام دو قسم کی ہیں اجسام اثیریہ (علویہ) اور اجسام عنصریہ (سفلیہ) جس میں سے اجسام اثیریہ تو بطبعہا اختلال وفطور

سے بَری ہونے کی وجہ سے خیر ہی خیر میں جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے ﴿مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ اور اجسام عنصر کی تین قسمیں (جن کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں) نکلتی ہیں جمادات، نباتات، حیوانات ان ہی تینوں اقسام کا احاطہ کرنے اور ماخلق کی مصداق میں سے بطریق تخصیص بعد التعمیم اجسام اثیریہ کو نکالنے کے واسطے یہ تین کلمات ارشاد ہوئے۔

﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝﴾ کیونکہ ﴿غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ سے مراد اس جگہ شب دیجور ہے جس میں یہ تہ بر تہہ تاریکی چڑھی ہوتی ہے اور ظاہر ہے جمادات شب دیجور کے ساتھ اس وجہ سے بہت پوری مشابہت رکھتے ہیں کہ وہ جمیع قویٰ نفسانیہ اور انوار کمالات سے بالکل خالی ہونے کے وجہ سے ظلمت خالص اپنے اندر لیے ہوئے ہیں برخلاف نباتات کے کہ ان میں کم از کم قوت غذایہ نباتیہ تو موجود ہوتی ہے جو ان کو طول، عرض عمق تین جانبوں میں بڑھاتی رہتی ہے جس کو اگر تنفث فی العقد الثلاثہ سے تعبیر کیا جائے تو بالکل چسپاں ہے۔

باقی تیسری قسم حیوانات ان کی حالت یہ ہے کہ تمام قویٰ حیوانیہ (حواس ظاہرہ، حواس باطنہ اور شہوت وغضب وغیرہ) روح انسانی کو انصباب الی عالم الغیب اور امور آخرت میں اشتغال رکھنے سے روکنے میں مصروف رہتے ہیں اور جہاں تک موقع پاتے ہیں روحِ مقدس کو اوج سے حضیض کی طرف اور بلندی سے پستی کی طرف دھکیلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے ان کی مثال بالکل ایسے دشمن اور حاسد کی ہے کہ جو ہر وقت گھات میں لگا بیٹھا رہے اور جب پاتے آدبوچے تو قرآنِ حکیم نے تمام مخلوقات کے شرور سے استعاذہ کرنے کی تعلیم ایک ذرا سی سورت میں جمع کر دی اور اس طور پر ساری سورت کا مطلب یہ نکلا کہ اے ساری مخلوق کے پروردگار ہم تمام جسمانیات یعنی جمادات اور نباتات اور حیوانات کے شرور سے تیری ہی بارگاہ احدیت میں پناہ جوئی کرتے ہیں۔

مگر چونکہ اس سورت میں نفس انسانی مستعیذ تھا اور یہ جملہ مراتب مستعاذ منہ کے اندر بتلائے گئے ہیں تو ضرورت تھی کہ کسی دوسری جگہ خود نفس انسانی کے مراتب کی بھی تشریح کی جاتی اس لیے اس سے اگلی سورت میں اس ضرورت کو پورا کیا گیا کیونکہ نفس انسانی کی سب سے پہلی حالت یہ ہے کہ وہ اگرچہ باعتبار اپنی اصل فطرت کے نقوش معرفت کے قبول کرنے کے لیے ہمیشہ سے مستعد ہے لیکن ابتداء پیدائش میں نظریات تو درکنار وہ علوم بدیہیہ کے حصول سے بھی مُعریٰ ہوتا ہے اور اس حالت میں ان سب کو ایک ایسے رب (مُربی) کی ضرورت ہے جو اس کو اولاً معارف بدیہیہ کی تلقین کرے۔

بعدہٗ جب وہ دوسری مرتبہ پہنچے اور بدیہیات کے حصول سے اس کے اندر ملکہ نظریات کی طرف منتقل ہونے کا پیدا ہو جاوے تو اب اس کو ایک ایسے ملک متصرف کی حاجت ہے جو اس کو اس ملکہ سے کام لینا اور اپنی معلومات میں تصرف کرنے کے قواعد سکھائے اور جب وہ ترقی کی دوڑ میں اس سے بھی آگے قدم بڑھانا چاہے تو لازم ہے کہ اس کے علوم کو قوت سے فعل میں لانے اور اس کو کمال تام عطا کرنے کے واسطے کوئی ایسی ہی کامل ذات اس کی سرپرستی کرے جس میں تمام کمالات بالفعل ہوں اور قوت وعدم نام ونشان تک نہ ہو۔

چنانچہ ان ہی تینوں مراتب نفس انسانی کی ترتیب کے مطابق خدا تعالیٰ نے اپنی تین صفات ﴿رَبِّ النَّاسِ﴾ "لوگوں کے پروردگار" ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ "لوگوں کے بادشاہ" ﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ "لوگوں کے معبود" کو پے در پے ذکر فرمایا اور نفوس انسانیہ کے ہر ایک مرتبہ کے مناسب اپنے اسماء میں سے ایک اسم کو منتخب کر لیا لیکن یہ بھی چونکہ معلوم تھا کہ نفسِ انسانی سے مزاحمت سب سے زیادہ کرنے والی قوت وہمیہ ہوتی ہے جس کو وسواس سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس بناء پر نفس اِنسانی کو خصوصیت سے اس کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی اور

اس وجہ سے کہ قوت وہمیہ بسا اوقات عقل کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے کھسک جاتی ہے تو اس کو خناس کا لقب دیا گیا الغرض حق تعالیٰ نے ان کلمات اور تعبیرات سے انسان کو خوب متنبہ کر دیا کہ سب سے بڑا دشمن یہی وسواسِ خناس ہے اور اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر یہی تعوذ ہے۔

رہی یہ بات کہ سورۂ فلق میں مستعاذ بہ (یعنی جس کی پناہ حاصل کی جائے) ایک ہے راور مستعاذ منہ (یعنی جن سے پناہ مانگی جارہی ہے) چار ہیں تو ان چاروں کے درمیان تعلق کیا ہے اور ﴿شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ کا عنوان جب کہ مابعد کے تمام اقسام کو جامع ہے تو پھر بعد میں ان تینوں کو کس لیے بیان کیا گیا اور سورۂ ناس میں مستعاذ منہ صرف ایک ہی چیز ہے لیکن مستعاذ بہ تین اوصاف کے ساتھ مذکور ہے رب مَلِک، اِلٰہ اور یہ تینوں ناس یعنی انسانوں کی طرف مضاف ہیں تو ان امور کی حکمت ذکر کرتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کے اخیر میں فرماتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس سورۃ ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ میں ایک خاص نکتہ ہے وہ یہ کہ اس سے پہلی (سورۂ فلق) میں تو صرف ایک صفت ﴿رَبِّ الۡفَلَقِ﴾ سے بیان کیا گیا ہے اور مستعاذ منہ کی جانب میں تین قسم کی آفتیں (غاسق، نفاثات، حاسد) مذکور ہیں اور اس کے برعکس سورۃ ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ میں مستعاذ بہ کی طرف تین صفتیں (رب الناس، ملک الناس، اِلٰہ الناس) بیان ہوئیں اور مستعاذ منہ فقط ایک ہی آفت (وسواس) کو قرار دی گیا تو دونوں سورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ثناء ہر مقام میں بقدر مطلوب کی عظمت اور اہمیت کے کی گئی ہے اور معلوم ہے کہ پہلی سورۃ میں مستعیذ کا مقصود اپنے نفس اور بدن کو بچانا ہے اور دوسرے میں دین کو بچانا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے اپنے طرز کلام سے متنبہ کر دیا کہ دین کی تھوڑی سی بھی مضرۃ دنیا کی بڑی سے بڑی مضرتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ قابلِ احتراز اور قابلِ خیال ہے اور ﴿شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ میں اگرچہ دنیا کی ہر چیز سے استعاذہ ہو گیا تھا لیکن بعد میں غاسق، نفاثات اور حاسد کو ذکر کر کے یہ ظاہر فرما دیا گیا کہ انواع شرور میں یہ تین قسمیں سب سے زیادہ مہلک اور شر ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ ان تین اوصاف کے ذکر کرنے کی وجہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ان تین صفتوں کو ذکر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے دخل پانے کی آدمی میں تین راہیں ہیں شہوت، غضب اور عقیدۂ باطل کہ جس کو اصطلاح میں ہوا بھی کہتے ہیں ان میں سے شرِ شہوت کو دفع کرنے کے لیے اسم رب ہے اور شرِ غضب کے رد کرنے کے لیے اسم ملک ہے اور شر ہوا کے مقابلہ میں اسم اِلٰہ کو رکھا گیا ہے گویا یوں فرمایا گیا کہ اگر شیطان شہوت کی راہ سے تمہارے دل میں وسوسہ ڈالے تو اس باری تعالیٰ کی ربوبیت کو پیش نظر رکھو اور اگر وہ غضب کی راہ سے تمہارے سامنے آئے تو تم خدا کی شہنشاہی اور عدل و انتقام کو یاد کرو اور اگر ہوا کی راہ سے اپنا تصرف جمانا چاہے تو تم کو چاہیے کہ مرتبہ الوہیت کی طرف اپنی التجاء لے جاؤ اس کے بعد آگے چل کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے ان تینوں صفتوں (رب الناس، ملک الناس، اِلٰہ الناس) کی تفسیر اور ان کو اس ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کے بارے میں یہ کہا ہے کہ آدمی پر اس کی زندگی کے تین دور آتے ہیں عہد طفولیت میں وہ اپنے پرورش کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور بھوک اور پیاس کے وقت ایک اسی سے التجا کرتا ہے اور جب کسی چیز سے خوف زدہ ہوتا ہے تو اسی کی طرف بھاگتا ہے اور اسی واسطے ان حالات میں بچہ فقط ماں باپ ہی کو بلاتا ہے اور انہی سے فریاد کرتا ہے بعدہٗ جوانی کی عمر میں پہنچ کر جب یہ دیکھتا ہے کہ میرے ماں باپ بھی میری طرح سے بادشاہ وقت یا امیر کے محتاج ہیں اور اسی سے روزی حاصل کرتے ہیں اور بلاؤں اور مصائب کے دفع کرنے میں اسی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں تو ناچار اس کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے بادشاہ اور امیر ہی ہے

اور اسی کا تقرب کارخانہ وجود کے انتظام کا باعث ہے گویا اس حالت میں اس کا تمامی اعتماد اور بھروسہ فقط بادشاہ اور امیر پر ہوا لیکن جب وہ اس حالت سے بھی ترقی کر کے یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ بادشاہ اور امیر بھی بعض اوقات میں درماندہ اور عاجز ہو کر اپنی التجائیں عالم الغیب کی طرف لے جاتے ہیں اور اسی طرف سے مطالب کے حاصل کرنے اور مرادوں کے برآنے میں مدد مانگتے ہیں تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ بادشاہ اور امیر بھی عاجز اور محتاج ہونے میں مجھ سے کچھ کم نہیں اور یہ کہ عالم کا سارا کارخانہ کسی دوسری ہستی کے ساتھ وابستہ ہے جس کو اِلٰہ اور معبود کہتے ہیں پس ان تین صفتوں کے لانے میں اس طرف اشارہ ہوا کہ اگر بندہ طفل مزاج ہے اور سوائے تربیت اور پرورش کے کسی دوسری چیز کو نہیں جانتا تو اس کو معلوم کرنا چاہیے کہ یہ صفت میں بھی رکھتا ہوں چاہیے کہ وہ مجھ سے ہی التجا کرے کیونکہ میں رب الناس ہوں اور میری ربوبیت تمام آدمیوں پر حاوی ہے اور اگر بندہ کی عقل حدِ بلوغ کو پہنچ گئی اور اپنے بادشاہ اور امیر کو تمام اُمور کا مالک سمجھ گیا تو یہ صفت بھی بوجہ احسن میرے اندر موجود ہے کیونکہ میں تمام دنیا کا بادشاہ ہوں نہ خاص ایک اقلیم یا دو اقلیم کا اور اگر بندہ کو تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ بادشاہ امیر اور مادر و پدر سب کے سب کسی دوسری ذات کے محتاج ہیں جس کو اِلٰہ اور معبود کہتے ہیں اور جس کا نام پاک صبح و شام وردِ زبان رہتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ صفت تو (سرسری نظر میں بھی) کسی دوسرے میں میرے سوا موجود نہیں ہے غرضیکہ بندہ کو ہر حالت میں تمام وسائط و اسباب کو نظر انداز کر کے تنہا میری جناب ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام معرفت التیام

معوذتین کی تفسیر میں علماء وحکماء نے حقائق ومعارف بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ بالخصوص حافظ ابنِ قیم امام رازی محقق ابن سینا اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ اسرارھم نے جو حقائق ولطائف ذکر فرماتے ہیں ان میں سے بطور نمونہ چند اشارات یا اقتباسات ان دونوں سورتوں کی تفصیل میں ذکر کر دیئے گئے ہیں لیکن میرے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرات علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قاسم العلوم والخیرات رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ذکر فرمائی ہے وہ اپنی جگہ ایک عظیم شان رکھتی ہے۔

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے جس تعبیر اور سیاق وسباق سے اس تحقیق کو اپنے فوائد میں بیان فرمایا ہے یہ ناچیز اس تفسیر کے خاتمہ پر اسکو نقل کرتا ہے تاکہ اس تفسیر کے لیے حسن خاتمہ اور مؤلف کے لیے باعثِ سعادت ہو بطور تمثیل ہر دو سورت کے حقائق ومعارف اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ [1]

یہ ایک فطری اور عام دستور ہے کہ باغ میں جب کوئی نیا پودہ زمین کو شق کرتے ہوئے باہر نکلتا ہے تو باغبان اس کے تحفظ میں پوری کوشش اور ہمت صرف کر دیتا ہے اور جب تک وہ جملہ آفات ارضی وسماوی سے محفوظ ہو کر اپنے حدِ کمال کو نہیں پہنچ جاتا اس وقت تک بہت زیادہ تردد اور عرق ریزی کرنا پڑتی ہے۔

اب غور کرنا چاہیے کہ پودے کی زندگی کو فنا کر دینے والی یا اس کے ثمرات کے تمتع سے مالک کو محروم بنا دینے والی وہ کون کون سی آفات ہیں جن کے شر اور مضرت سے بچا لینے میں باغبان کو اپنی مساعی کے کامیاب بنانے کی ہر وقت دھن لگی رہتی ہے ادنیٰ تامل سے

[1] ناچیز حضرت استاذ کا یہ کلام بعینہٖ ان کی ہی عبارت میں نقل کر رہا ہے تاکہ حضرات قارئین اصل مضمون کے علاوہ نفس تعبیر میں جو حقائق ومعارف ہیں ان سے بھی مستفیض ہوں۔ ۱۲

معلوم ہو جائے گا کہ ایسی آفات اکثر چار طرح سے ظہور پذیر ہوتی ہیں جن کے انسداد کے لیے باغبان کو چار اُمور کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ **اوّل** ایسے سبزہ خور جانوروں کے دندان ودہن کو اس پودے تک پہنچنے سے روکا جائے جن کی جبلت اور خلقت میں سبزہ اور گیاہ کا کھانا داخل ہے۔ **دوسرے** کنوئیں یا نہر یا بارش کا پانی ہوا اور حرارتِ آفتاب غرضیکہ تمام اسباب زندگی وترقی کے پہنچنے کا پورا انتظام۔ **تیسرے** اُوپر سے برف اولہ وغیرہ جو اس کی حرارت غریزیہ کے احتقان اور رک جانے کا باعث ہو اس پر گرنے نہ پائے کیونکہ یہ چیزیں اس کی نشوونما اور ترقی کو روکنے والی ہیں۔ **چوتھے** مالک باغ کا دشمن یا اور کوئی حاسد اس پودے کی شاخ وبرگ وغیرہ کو نہ کاٹ ڈالے یا اس کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دے اگر ان چار باتوں کا خاطر خواہ بندوبست باغبان نے کرلیا تو خدا سے اُمید رکھنا چاہیے کہ وہ پودا بڑا ہوگا پھولے پھلے گا اور مخلوق اس کی پُر میوہ شاخوں سے استفادہ کرے گی ٹھیک اسی طرح ہم کو خالق ارض وسماء سے (جو رب الفلق اور فالق الحبّ والنوٰی اور چمنستان عالم کا حقیقی مالک ہے) اپنے شجرِ وجود اور شجرِ ایمان کے متعلق ان ہی چار قسم کی آفات سے پناہ مانگنی چاہیے جو اوپر مذکورہ ہوئیں پس معلوم کرنا چاہیے کہ جس طرح اوّل قسم میں سبزہ خور جانوروں کی ضرر رسانی محض ان کی طبیعت کے مقتضیات میں سے تھی اس طرح شر کی اضافت مَا خَلَقَ کی طرف بھی اسی جانب مشیر ہے کہ یہ شر اس مخلوق میں من حیث ہو مخلوق کے واسطہ سے ثابت ہے اور اس کے صدور میں بجز ان کی طبیعت اور پیدائش دواعی کے اور کسی سبب کو دخل نہیں جیسا کہ سانپ بچھو اور تمام سباع وبہائم وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے ۔

نیش عقرب نہ از پئے کین است ــــ مقتضائے طبیعتش این است ــــ

اس کے بعد دوسرے درجہ میں ﴿غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾ سے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے جس سے مفسرین کے نزدیک مراد یا تو رات ہے جب خوب اندھیری ہو یا آفتاب ہے جب غروب ہو جائے یا چاند ہے جب اس کو گہن لگ جائے ان میں سے کوئی معنی لو ایک اتنی بات یقینی ہے کہ غاسق میں سے شر کا پیدا ہونا اس کے وقوب (یعنی کسی چیز کے نیچے چھپ جانے پر) مبنی ہے اور ظاہر ہے وقوب (چھپ جانے) میں اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ ایک چیز کا علاقہ ہم سے منقطع ہو جائے اور جو فوائد اس کے ظہور کے وقت ہم کو حاصل ہوتے تھے وہ اب ہاتھ نہ آئیں (کیونکہ سبب کا وجود اسباب کے وجود پر موقوف ہوتا ہے) اور ہر چیز کا بقاء اسی پر موقوف ہے کہ وہ مہلکات وحوادث سے محفوظ رہے اور اگر وہ لگا یا ہوا پودا اسباب بقاء وزندگی سے محروم ہو جائے تو لامحالہ وہ کملا کر خشک ہو جائے گا (تو آفات میں یہ دوسری قسم ہے آفت کی) اب اس کے بعد تیسرا تعوذ ﴿نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ﴾ سے کیا گیا جو ساحرانہ عمل ہے اور سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے امور عارض ہو جاتے ہیں جن سے اصل طبیعت کے آثار اصلیہ وطبعیہ مغلوب ہو کر دب جاتے ہیں تو سحر کی یہ آفت اس آفت سے بہت مشابہ ہو گئی جو پودے پر برف وغیرہ کے گرنے اور حرارت غریزیہ کے مُحتقن (بند) ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی جس سے اس کا نشوونما رک جاتا تھا لبید بن الاعصم کے قصہ میں جو الفاظ آتے ہیں ((فقام علیه الصلوٰة والسلام کانما انشط من عِقَال)) ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز نے مستولی ہو کر آپ کے مقتضیات طبیعت کو چھپا لیا تھا جو جبریل علیہ السلام کے تعوذ سے باذن اللہ دفع ہو گئی۔ اب ان آفات میں سے تحرز (پرہیز کرنا) ضروری قرار دیا گیا صرف ایک آخری درجہ باقی ہے یعنی کوئی مالک باغ کا دشمن پر بناء عداوت وحسد پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے یا اس کی شاخ وبرگ کاٹ ڈالے تو شر کے اس مرتبہ کو ﴿مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ ادا کر دیا ہاں اس تقریر میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی کبھی تخم کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا نہیں

کرنا پڑتا بلکہ روئیدگی سے پہلے ہی یا تو بعض چیونٹیاں اس تخم کے باطن سے وہ خاص جوہر ہی چوس لیتی ہیں جس سے تخم کی روئیدگی اور نشوونما ہوتی ہے اور جس کو ہم "قلب الحبوب" یا "سویداء تخم" سے تعبیر کرتے ہیں یا اندر ہی اندر گھن لگ کر کھوکھلا ہو جاتا ہے اور قابلِ نشوونما نہیں رہتا شاید اسی کمی کی تلافی (یا مہلکات کی تکمیل) کے لیے دوسری سورت میں ﴿الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی کیونکہ وسواس ان ہی فاسد خطرات کا نام ہے جو ظاہر ہو کر نہیں بلکہ اندرونی طور پر ایمان کی قوت میں رخنہ ڈالتے ہیں جن کا علاج عالم الخفیات والسرائر کے علاوہ کسی کے قبضہ میں نہیں لیکن وساوس کا مقابلہ ایمان سے ٹھہرا تو دفع وساوس کے واسطے ان ہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوتی جو ایمان کے اصل مبادی ومناشی شمار کیے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے اب تجربہ سے معلوم ہوا کہ سب سے اوّل ایمان (انقیاد وتسلیم) کا نشوونما حق تعالیٰ کر تربیت ہائے بے پایاں اور انعامات بے غایت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ وہ رب العزت مالک الملک اور شاہنشاہِ مطلق بھی ہے کیونکہ تربیت مطلقہ کے معنی ہر قسم کی جسمانی وروحانی ضروریات کو بہم پہنچانے کے ہیں۔

اور یہ کام بجز اس ذات منبع الکمالات کے اور کسی سے بن نہیں پڑسکتا جو ہر قسم کی ضروریات کی مالک ہو اور دُنیا کی کوئی ایک چیز بھی اس کے قبضہ اور اقتدار سے خارج نہ ہو سکے ایسی ہی ذات کو ہم مالک الملک اور شاہنشاہ مطلق کہہ سکتے ہیں اور لاریب اس کی یہ شان ہونی چاہیے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المومن: ۱۶) گویا مالکیت وملکیت ایسی قوت کا نام ہے جس کی فعلیت کا مرتبہ ربوبیت سے موسوم ہوتا ہے کیونکہ ربوبیت کا خلاصہ اعطاء منفعت اور دفع مضرت ہوتا ہے اور ان دونوں چیزوں پر قادر ہونا ملک علی الاطلاق کا منصب ہے پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ملک علی الاطلاق کے ہونے ہی سے ہم کو اس کی معبودیت اور الوہیت کا سراغ بھی ملتا ہے کیونکہ معبود اسی کو کہتے ہیں جس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی جائے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے حکم کی اصلاً پروانہ کی جائے تو ظاہر ہے کہ یہ انقیاد وبندگی بجز محبت کاملہ اور حکومت مطلقہ کے اور کسی کے سامنے سزاوار نہیں اور دونوں چیزوں کا اصلی مستحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اس لیے معبودیت اور الوہیت کی صفت بھی تنہا اسی وحدہٗ لاشریک کے لیے ثابت ہو گئی پڑھو! ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ (المائدہ: ۷۶)۔

غرض سب سے اوّل جو صفت ایمان کا مبداء ہے وہ ربوبیت ہے اور اس کے بعد جو صفت ہے وہ ملکیت ہے اور ان سب کے بعد ابوہیت کا مرتبہ ہے پس جو شخص اپنے ایمان کو وساوس شیطانی کی مضرت سے بچانے کے لیے بارگاہِ الٰہی میں جو چارہ جوئی کرے گا اس کو اسی طرح درجہ بدرجہ نیچے کی عدالت سے اوپر کی عدالت میں جانا مناسب ہوگا جس طرح اس نے بالترتیب اپنی صفات رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس کو "سورۃ الناس" میں بیان فرما دیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب میں یہاں تین صفتیں بغیر واوٴ عطف اور بغیر اعادہ با جارہ کے مذکور ہیں اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب بھی تین چیزیں نظر آتی ہیں جو صفت در صفت بیان کی گئی ہیں، اس کو یوں سمجھ سکتے ہو کہ لفظ وسواس کو الوہیت کے مقابلہ میں رکھو کیونکہ جس طرح مستعاذ بہ حقیقی الٰہ الناس ہے اور ملک ورب اسی تک رسائی حاصل کرانے کے عنوان قرار دیئے گئے ہیں اس طرح مستعاذ منہ کی حقیقت یہ ہی وسواس ہے جس کی صفت آگے خناس بیان فرمائی ہے خناس سے مراد یہ ہے کہ شیطان بحالت غفلت آدمی کے دل میں وسواس ڈالتا رہتا ہے اور جب کوئی بیدار ہو جائے تو چوروں کی طرح پیچھے کو کھسک آتا ہے ایسے چوروں اور بدمعاشوں کا بندوبست اور ان کے دستِ تعدی سے رعایا کو مصئون اور مامون بنانا بادشاہانِ وقت کا

خاص فریضہ ہوتا ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس صفت کے مقابل ملک الناس کو رکھا جائے اور ﴿الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ﴾ جو خناس کی فعلیت کا درجہ ہے اور جس کو ہم چور کے نقب لگانے سے تشبیہ دے سکتے ہیں اس کو رب الناس کے مقابلہ میں (جو حسب تحریر سابق ملک الناس کی فعلیت کا مرتبہ ہے) شمار کیا جائے پھر دیکھیے کہ مستعاذ منہ اور مستعاذ بہ میں کس قدر تام اور کامل تقابل ظاہر ہوتا ہے۔ (انتہیٰ کلامہ) ✽

غرض حق تعالیٰ شانہٗ نے ان دونوں سورتوں میں ہر قسم کی آفات اور ہلاکتوں سے بچنے کے لیے استعاذہ اور پناہ حاصل کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی۔

پہلی سورت میں رب فلق کی پناہ جن مہالک سے بیان کی ان کی مناسبت سے سورۃ الناس میں حق تعالیٰ کی تین عظیم صفات رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس کی پوری پوری مناسبت ظاہر ہوگئی اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ فتنوں اور ہلاکتوں میں ایک حسی اور ظاہری فتنے ہیں اور ایسے جرائم و خباثت ہیں جو مادی اور حسی طور پر نہایت ہی ہیبت ناک ہیں جو شیطانِ اسود (کالے شیطان) کا اغواء و اضلال ہے یہ اغواء و اضلال اگرچہ نہایت ہی قبیح و ہیبت ناک ہے جس میں قتل و غارت گری بدکاری جیسے موذی افعال ہیں لیکن ان سے بڑھ کر خطرناک فتنہ اور گمراہی شیطان ابیض (گورے شیطان) کی ہے جو عقائد و نظریات اور افکار و خیالات کی گمراہی سے دُنیا کو ہلاک اور تباہ کرتا ہے اس وجہ سے اس سے پناہ مانگتے ہوئے خدا کی تین صفتیں بیان فرمائی گئیں کہ اس ہلاکت سے بچاؤ اس کی ربوبیت مالکیت اور الوہیت ہی کی صفت اور شان سے ہوسکتا ہے اس قسم کی تباہی اور ہلاکت وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے اس طرح فرمایا: ((یصبح الرجل مؤمنًا و یُمسی مؤمنا و یصبح کافرًا)) کہ صبح کو اٹھے گا تو مؤمن ہوگا لیکن جب شام کا وقت آئے گا تو کافر ہوگا یا شام کو مؤمن ہے تو صبح کافر اُٹھے گا تو اس قدر جلد تبدیلی ایمان و کفر کی یہ ایسے وساوس سے ہی ہوتی ہے جو شیطان ابیض کی طرف سے گمراہی اور ہلاکت کا ذریعہ ہوتی ہے کہ عقیدہ اور نظریہ کا بگاڑ یہ اس کی حرکت ہے ورنہ انسان میں عملی گمراہی اس قدر جلد نہیں آتی اور کبھی ایسا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ صبح کو ایک شخص عفیف و پاکدامن ہو اور شام کو چور، زانی، بدکار، اور شرابی نظر آئے اس وجہ سے اس ہلاکت کو اہم سمجھتے ہوئے اس سے تحفظ اور بچاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کی تین عظیم صفتوں کے ساتھ استعاذہ میں فرمادیا گیا۔

اللّٰھم احفظنا من الفتن ما ظھر منھا وما بطن رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَيْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ○

✽ اس ناچیز کا حضرت الاستاذ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی یہ تحقیق اختتام تفسیر پر بعینہٖ ان ہی کی تعبیر اور کلمات میں نقل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ خود شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے سورۂ والنجم کی آیات کی تفسیر اپنے استاد خاتم المحدثین حضرت شاہ سید محمد انور قدس اللہ سرہٗ ان کی عبارت اور کلمات میں نقل فرمائی جس کا استادِ محترم رحمہ اللہ نے فتح الملہم میں بڑے اہتمام و عظمت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ۱۲

کلماتِ دُعاء

یہ ناچیز گناہگار اپنی تقصیرات کا اعتراف کرتے ہوئے اس رب کریم کا شکر ادا کرتا ہے جس کی محض توفیق وتیسیر سے تفسیر معارف القرآن کی تکمیل کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہا ہے اے اللہ تیرا شکر ہے کہ آج تیرے کلام پاک کی تفسیر تیرے ہی فضل وکرم سے اختتام پذیر ہو رہی ہے تیری بارگاہ قدس میں دست بدعا ہوں کہ اس کو قبول فرمالے درگزر کرتے ہوئے قبول فرمالے۔

اے میرے پروردگار! میں معترف ہوں کہ نہ میں اخلاص کا حق ادا کرسکا اور نہ ہی اس عظیم خدمت کی عظمت وبرتری کے شایاں شان کچھ ہوسکا بس یہی ہے جھد المقل دموعۂ ناتواں کی کوشش اس کے چند آنسو ہیں اے میرے پروردگار! میں اپنی تمام تقصیرات وعیوب پر نادم وشرمندہ ہوں نہ میرے دامن میں علم ہے نہ ہی تقویٰ اور عمل صالح کا ذخیرہ ہے۔

اے اللہ! میں اپنے قصور علم وفہم کی وجہ سے تیرے کلام پاک کے معارف وحقائق کے سمندر میں سے ایک قطرہ بھی نکال کر پیش نہ کرسکا میری یہ کاوش بس ایک بے قیمت اور کھوٹی پونجی ہے جو میں تیری بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے وہی التجاء کرتا ہوں جو تیرے پیغمبر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کی تھی ﴿وَ جِئۡنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزۡجٰىةٍ فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ وَ تَصَدَّقۡ عَلَيۡنَا﴾ (یوسف:۸۸) کہ ہم ایک کھوٹی پونجی لے کر آئے ہیں لیکن اے یوسف علیہ السلام تو ہمارا پیمانہ بھر کر دے دے اور مزید انعام بھی فرما تو یوسف کریم ابن الکریم علیہ السلام کے رب کریم تیری بارگاہ میں یہی عرض ہے کہ یہ کھوٹی پونجی ہے مگر اس پر اجر وثواب کے پیمانے بھر بھر کر عطا فرما دینا تُو تو رب کریم ہے اور میں ندامت وشرمندگی کے ساتھ تیری بارگاہ میں طالبِ عفو ہوں کہ میری تقصیرات معاف فرما دے میری توبہ قبول فرماتے ہوئے جس طرح اے رب العالمین تو تائبین کے سیئات کو حسنات سے بدل دیتا ہے اسی طرح جو میری بُرائیاں اور سیئات ہیں تو اپنے فضل وکرم سے ان کو حسنات سے بدل دے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنِّيۡ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ وَ تُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ○ رَبِّ هَبۡ لِيۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ○ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِيۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ○ رَبِّ اغۡفِرۡ لِيۡ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَيۡتِيَ مُؤۡمِنًا وَّ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ﴾

اے اللہ! تو میرے والد محترم مولانا محمد ادریس کاندھلوی (قدس اللہ سرہٗ) ﴿وَ سَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَ يَوۡمَ يَمُوۡتُ﴾ (اے توفی حکایۃ لحال الماضی) ﴿وَ يَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا﴾ جن کی تفسیر کا یہ تکملہ میں آج پورا کر رہا ہوں ان کو اپنی بے پایاں عنایات سے اور رحمتوں سے سرفراز فرما جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرما ان کے علوم وفیوض سے مسلمانوں کو متمتع فرما۔

آمین یارب العالمین، آمین یارب العالمین، آمین یارب العالمین۔

﴿وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَ اٰخِرًا ○ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۚ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○﴾

دُعَاءُ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِيْ فِيْ قَبْرِيْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّ نُوْرًا وَّهُدًى وَّ رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَ عَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَ ارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○

ناچیز عاصی وخاطی
محمد مالک کاندھلوی غفر اللہ ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ
یوم الاثنین بعد صلوٰۃ العصر ۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ
۲۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء